جواہر القرآن

جلد اوّل

پارہ ۱ تا ۵

جسمیں قرآن کی آیات کی تشریح و تفسیر کے ذیل میں توحید، رسالت اور اقوام و ملل کے واقعات و احوال...... وغیرہ کو عصر حاضر کے تناظر میں ایک خاص انداز میں رقم کیا گیا ہے۔



تفسیر و تشریح

مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

ترتیب و تحقیق

مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارکپوری

صدر المدرسین جامعہ نور الاسلام ولید پور ضلع مئو

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی

مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی

جواہر القرآن

جس میں قرآن کی آیات کی تشریح وتفسیر کے ذیل میں توحید، رسالت
اور اَقوام ومِلل کے واقعات واَحوال...... وغیرہ کو عصرِ حاضر کے
تناظر میں ایک خاص انداز میں رقم کیا گیا ہے۔

تفسیر وتشریح

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ

ترتیب وتحقیق

مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری
صدر المدرسین جامعہ نور الاسلام ولید پور
ضلع مئو، یوپی

ناشر

قاضی اطہر اکیڈمی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

تفصیلات کتاب

نام کتاب:	جواہر القرآن
تفسیر وتشریح:	مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ
ترتیب:	مولانا مفتی محمد صادق صاحب مبارک پوری
صفحات:	۵۹۲
کمپوزنگ:	قاری عثمان غنی عادل جہانا گنج، 9450732097
ناشر:	قاضی اطہر اکیڈمی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

ملنے کا پتہ

فہرست آیات

۵۴۱	بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ	۵۷۳
۵۴۲	بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ	۵۷۴
۵۴۳	بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ	۵۷۵
۵۴۴	الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	۵۷۶
۵۴۵	الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	۵۷۷
۵۴۶	الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	۵۷۸
۵۴۷	وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ	۵۷۹
۵۴۸	وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ	۵۸۰
۵۴۹	وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ	۵۸۱
۵۵۰	وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ	۵۸۲
۵۵۱	وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ	۵۸۳
۵۵۲	اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾	۵۸۴
۵۵۳	اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ	۵۸۵
۵۵۴	وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ	۵۸۶
۵۵۵	وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ	۵۸۷
۵۵۶	اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ	۵۸۷
۵۵۷	مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ	۵۸۸
۵۵۸	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ	۵۸۹
۵۵۹	اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ	۵۹۰
۵۶۰	اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ	۵۹۱

تقریظ

حضرت مولانا قاضی سلمان مبشر صاحب مبارک پوری

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد الانبياء والمرسلين ومن تبعهم باحسان إلىٰ يوم الدين والعاقبة للمتقين۔ اما بعد

والد مرحوم مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری علیہ الرحمہ کی پوری زندگی علم وعمل اور تصنیف وتحقیق سے عبارت ہے، آپ نے اسلامی علوم کے میدان میں قلمی سلسلہ جاری رکھا اور اس کے مختلف شعبہ میں تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔

قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، تدریس واسلامی تاریخ، صحافت اور شاعری میں دینی اور علمی خدمات انجام دیں۔ فالحمد للہ علىٰ ذلك

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ وہ ایک مٹھی میں دنیا سمیٹ کر رکھ دے، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی شخصیت قدرتِ الٰہی کا نمونہ تھی۔

مختلف موضوعات پر مورخ اسلام مبارک پوری کی تصانیف عربی، اردو میں شائع ہوئی ہیں اور بعض کتابیں اپنے موضوع پر نادر ونایاب ہیں۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنے قیام لاہور کے زمانہ میں (منتخب التفاسیر) کے نام سے جنوری ۱۹۴۵ء میں ایک کتاب لکھنا شروع کی، جس میں ہندوستان کے اردو مفسرین کی تفسیروں کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا، یہ کتاب ۱۵؍جنوری ۱۹۴۵ء سے یکم جون ۱۹۴۶ء کی مدت میں پوری ہوگئی۔

یہ کتاب بڑے سائز کے نوسو پچاس (۹۵۰) صفحات میں لکھی گئی تھی، تیرہ پارہ کی

کتابت ہوچکی تھی کہ ۱۹۴۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا اور مورخ مبارک پوری اپنے وطن مبارک پور آگئے، پھر اس کی طباعت نہ ہوسکی، اس کتاب کی تدوین کے وقت مولانا ابوالکلام آزاد کی ملاقات بھی مولانا قاضی اطہر سے لاہور میں ہوئی تھی اور انہوں نے منتخب التفاسیر پر دعاؤں سے نوازا تھا۔ (مئے طہور ص ۱۵)

"منتخب التفاسیر" تو معرض وجود میں نہیں آسکی، مگر اللہ کے فضل وکرم سے ابتداء ہی سے تفسیر قرآن کا سلسلہ جاری رہا اور قیامِ ممبئی کی مدت میں چالیس سال تک اردو روزنامہ اخبار (انقلاب) ممبئی میں "جواہر القرآن" کے عنوان سے روزانہ یہ کالم شائع ہوتا رہا۔

اس دینی کالم میں کسی آیت کا ترجمہ اور تفسیر کے بعد موجودہ حالات پر مضامین اور تبصرے ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کالم کو بڑی شہرت عطا فرمائی اور بہت سے لوگ اخبار انقلاب جواہر القرآن کی وجہ سے پڑھتے تھے اور اس کی کٹنگ بھی اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے۔

مورخ اسلام مبارک پوری نے منتخب آیات کا ایک گلدستہ تیار کیا، جس میں توحید، رسالت، فکر آخرت کا عنوان لگا کر (معارف القرآن) کے نام سے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں ممبئی سے شائع کیا، دوسری بار یہ کتاب آپ کی وفات کے بعد ۲۰۰۶ء میں گجرات سے شائع ہوئی۔

مورخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے تقریباً پچاس کتابیں مختلف موضوعات پر عربی اردو میں تصنیف کی ہیں، جن میں سے بعض کا ترجمہ عربی وانگریزی میں بھی ہوا ہے۔

مورخ مبارک پوری کا خاص موضوع عرب وہند کے تعلقات تاریخ کی روشنی میں، اس موضوع پر عربی اردو میں کئی کتابیں شائع ہوئیں۔

آپ کی ذات ایک انجمن تھی، آپ نے تنہا ممبئی جیسے رنگا رنگ اور مال ودولت کے شہر میں اپنے ایک کمرہ میں بیٹھ کر علم وتحقیق کی ایک ایسی دنیا آباد کی، جس کی روشنی صرف عجم

نہیں، عرب میں بھی پھیلی، آپ نے تنِ تنہا وہ علمی اور دینی خدمات انجام دیں جو بڑی اکیڈمی اور ادارہ نے انجام نہیں دیں۔

ان کی تصانیف میں الرجال السند والہند عربی میں، خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظامِ تعلیم وتربیت اردو میں ان کی وسعت اور محنت وکاوش کا واضح ثبوت ہیں۔

(ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں اور خلافتِ راشدہ اور ہندوستان) ایسی کتابیں جن کا مواد جمع کرنا چیونٹی کے منھ سے شکر جمع کرنے جیسا ہے، مگر انہوں نے یہ کارنامہ سر انجام دیا۔

گھر پر جواہر القرآن کا تراشہ محفوظ کیا جاتا تھا، ان مضامین کی دینی اہمیت اور علمی فوائد کو مد نظر رکھتے ہوئے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے اور یہ سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، ان شاء اللہ بقیہ جلدوں کو جلد ہی شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبول فرمائے اور مصنف کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین یا رب العالمین

طالب دعا

قاضی سلمان مبارک پوری

مدیر قاضی اطہر اکیڈمی

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش، الہند

المرقوم ۲۵ / ربیع الآخر ۱۴۴۳ھ

مطابق یکم دسمبر ۲۰۲۱ء

باسمہٖ تعالیٰ

پیشِ لفظ

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری علیہ الرحمہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، ان کی تحقیقی، علمی، دینی، اصلاحی خدمات وکارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

ان کی تصانیف وتراجم، تعلیقات کی تعداد سینکڑوں تک پہونچ رہی ہیں۔

حضرت قاضی صاحب عروس البلاد بمبئی کے مشہور اخبار "انقلاب" کے دینی کالم میں "جواہر القرآن" کے عنوان سے قرآن کریم کی تفسیر اور ترجمہ رقم فرماتے تھے، انہیں جواہر پاروں پر مشتمل یہ کتاب ہے۔

اس کتاب کے تعلق سے وضاحت قاضی صاحب کے قلم سے سنیے:

میں نے ۱۹۴۷ء سے پہلے ڈیڑھ سال کی مدت میں زم زم کمپنی لمیٹڈ لاہور کے لیے "منتخب التفاسیر" کے نام سے قرآن حکیم کی ان تفاسیر کا خلاصہ نوسو سے زائد صفحات میں جمع کیا تھا جواب تک اردو میں شائع ہوچکی ہیں۔

اس سلسلہ میں مجھے قرآن کے بارے میں بڑی معلومات حاصل ہوئیں اور اس سے ایک خاص لگاؤ پیدا ہوگیا، حتیٰ کہ صحافت کے پیشہ میں بھی اس کا ظہور ہوتا رہا، اسی کا یہ نتیجہ ہے۔

میں نہایت صفائی سے عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ معارف القرآن (جواہر القرآن) میں جو کچھ ہے، وہ نہ تفسیر ہے، نہ تاویل ہے، بل کہ قرآن حکیم کی آیات کو سامنے رکھ کر ایک تحریر ہے، جو ہندوستان کے مسلمانوں پر موجودہ حالات کے پیشِ نظر تیار کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں کہیں کسی قسم کی نہ دقت ہے اور نہ وہ باتیں ہیں، جو تفسیر کی کتابوں

میں ہوتی ہیں۔(معارف القرآن ص ۲۱ مطبوعہ کتب خانہ فیضِ ابرار)

ان جواہر پاروں کی اہمیت وافادیت کے لیے ہندوستان کے مشہور ومعروف ادیب ونقاد حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کی زرنگار قلم سے نکلی ہوئی تحریر کافی ہے:

"قاضی اطہر مبارک پوری ایک کہنہ مشق صاحبِ قلم ہیں، بمبئی کے اخبارات وجرائد میں ان کے قلم سے دینی، اسلامی، اصلاحی عنوانات پر مضامین سالہا سال سے نکل رہے ہیں، یہ ان کی محنت مختصر مضامین کا مجموعہ ہے اور ہر مضمون کا تعلق قرآن مجید کی کسی نہ کسی آیت سے ہے۔

قرآن مجید کی جو خدمت ہو خواہ کسی درجہ کی ہو، اخلاص کے ساتھ کی جائے تو مستحق اجر ہوتی ہے، اور اس کتاب کے مصنف اَجر کے حق دار بہر حال ہو چکے ہیں، حالاتِ حاضرہ پر مصنف جا بجا اشارے کرتے گئے ہیں، اکثر صورتوں میں مفید ہیں"۔

(صدق جدید لکھنؤ ۹ر نومبر ۱۹۵۶ء)

اللہ تعالیٰ تمام معاونین ومحسنین خصوصاً قاضی صاحب کے فرزند جلیل مولانا قاضی سلمان مبشر صاحب اطال اللہ حیاتہ کو اجر جزیل سے نوازے۔

بارگاہِ ربِ کریم میں دعا ہے کہ ان جواہر پاروں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور امت کے لیے نافع بنائے اور مرتب کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔آمین یارب العالمین

محمد صادق

صدر المدرسین جامعہ نور الاسلام

ولید پور ضلع مئو، یوپی

۲۲ر رمضان المبارک ۱۴۴۲ / ۵ر مئی ۲۰۲۱ء

قبیل عصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف مصنف

از: محمد صادق مبارک پوری

نام عبدالحفیظ، والد کا اسم گرامی الحاج شیخ محمد حسن، تخلص اطہرؔ، مگر اسی تخلص سے مشہور ہوئے، خاندان میں چلے آرہے عہدۂ قضا کی وجہ سے "قاضی" کہے گئے اور وطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے "مبارک پوری" سے مشہور ہوئے، ۴؍رجب ۱۳۳۴ھ/ ۷؍مئی ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ مکرمہ ایک علمی و دینی خانوادہ کی چشم و چراغ تھیں، گویا ننھیال "ہمہ خانہ آفتاب ست" کا مصداق تھا۔

اسی بنیاد پر قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت میں ننھیال کا بڑا دخل رہا، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر مشرقی یوپی کی قدیم درس گاہِ علوم و فنون جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں ۱۳۵۰ھ میں داخلہ لیا، ۱۳۵۸ھ تک یہاں تعلیم و تربیت کا سلسلہ رہا، چوں کہ بڑی عسرت کا دور تھا، اس لیے گھر پر کسبِ معاش کا سلسلہ جاری رکھا۔

محی السنہ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارک پوریؒ سے مرقات، ہدیہ سعیدیہ، ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک، کافیہ، شرح جامی وغیرہ پڑھیں، بعض کتبِ منطق مولانا بشیر احمد مبارک پوریؒ سے پڑھیں، حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوریؒ سے جلالین شریف، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رسول پوریؒ سے ہیئت اور عروض قوافی اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارک پوریؒ سے اکثر و بیش تر کتبِ درسیہ پڑھیں۔

پھر ایک سال دورۂ حدیث شریف کی تعلیم جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں حاصل کر کے ۱۳۵۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، اس چمنستانِ علم میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ سے صحیح مسلم اور مولانا محمد میاں صاحب سے سنن ترمذی، دیوان حماسہ، مقامات اور زمخشری کا کچھ حصہ پڑھا۔

زمانۂ طالب علمی ۱۳۵۳ھ ہی سے آپ کے اشعار اور مضامین ماہ نامہ "الفرقان" رسالہ "قائد" مراد آباد، سہ روزہ "زم زم" لاہور، ہفتہ وار "مسلمان" لاہور، ہفتہ وار "العدل" گوجرانوالہ، "الجمعیۃ" دہلی وغیرہ میں شائع ہونے لگے، پھر معیاری رسائل "معارف"، "برہان"، اور "دارالعلوم" میں شائع ہونے لگے، رسمی فراغت کے بعد ۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۴ھ تک پانچ سال جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے صیغۂ تدریس سے منسلک رہے، پھر ۱۸/ ماہ مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر سے وابستہ ہو کر ردِ شیعیت وقادیانیت پر مضامین لکھے، ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک زم زم کمیٹی لاہور سے منسلک رہے، وہاں ۹۰۰/ صفحات میں "منتخب التفاسیر" مرتب کی اور دوسری کتابیں بھی لکھی، مگر افسوس کی شائع نہ ہوسکیں، تقسیمِ ملک کی نذر ہو گئیں۔

تقسیمِ ہند کے بعد ہفتہ وار اخبار "انصار" بہرائچ کے مدیر رہے، یہ اخبار حکومت کے نظرِ عتاب سے ۸/ ماہ میں بند ہو گیا، شوال ۱۳۶۶ھ سے صفر ۱۳۶۷ھ تک پھر جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں عارضی مدرس رہے، شوال ۱۳۶۷ھ تا شعبان ۱۳۶۸ھ ایک برس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل صوبہ گجرات میں مدرس رہے، نومبر ۱۹۴۹ء میں بمبئی گئے اور دفتر جمعیۃ علماء بمبئی میں افتاء وغیرہ کا کام کیا، جون ۱۹۵۰ء میں وہاں روز نامہ "جمہوریت" جاری ہوا تو اس کے نائب مدیر رہے، فروری ۱۹۵۱ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک چالیس سال سے زیادہ مدت تک روز نامہ انقلاب بمبئی میں علمی، تاریخی، دینی، سیاسی مضامین رقم فرماتے رہے، اور یہ

روز نامہ "انقلاب" کے اربابِ انتظام کی قدر دانی ہے کہ آج تک اس کالم کو ہم لوگ قاضی صاحب کی یاد میں "بیادِ قاضی اطہر مبارک پوریؒ" دیکھتے آرہے ہیں، ۱۹۵۲ء سے ماہ نامہ "البلاغ" بمبئی سے جاری ہوا، اور آپ کی ادارت میں ۲۵؍سال تک شائع ہوتا رہا، انجمن اسلامی ہائی اسکول بمبئی میں ۱۹۶۰ء سے دس سال تک دینی تعلیم دی، دارالعلوم امدادیہ بمبئی میں دومرتبہ تدریسی خدمات انجام دیں، ۳۰؍سال سے زائد عرصہ تک بمبئی میں صحافت و تدریس وتالیف میں مصروف رہے، بھیونڈی بمبئی سے قریب میں "مفتاح العلوم" قائم کیا، جو بڑی تعلیم گاہ بن چکا ہے، ۱۹۷۶ء میں انصار گرلس ہائی اسکول مبارک پور میں جاری کیا، ۱۴۰۱ھ میں الجامعۃ الحجازیہ اور حجازی مسجد تعمیر کرائی، ۱۹۸۵ء میں علمی وتاریخی تصانیف پر حکومت ہند نے آپ کو اعزازی ایوارڈ عطا کیا، ۱۹۸۰ء، پھر ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۶ء میں نیم سرکاری تنظیم فکرونظر سندھ کی دعوت پر سرکاری مہمان کی حیثیت سے پاکستان گئے، تنظیم نے آپ کی تصانیف شائع کیں، ایک اجلاس کر کے ان کا رسم اجرا کیا، اور آپ کو "محسن سندھ" کا خطاب دیا، جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان نے اپنے ہاتھوں سے اعزازی نشان اور ہدایا وتحائف دیئے، آپ کی تصانیف کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ آپ کی تصانیف کا دنیا کی مختلف زبانوں عربی، انگلش، سندھی میں ترجمہ کرا کر شائع ہوئیں اور بعض تصانیف مصر اور ریاض سے بھی چھپیں۔

قاضی صاحب بلند پایہ محقق، عظیم مصنف، ماہر ادیب، قادرالکلام شاعر اور سادگی و تواضع میں سلف صالحین کی نظیر تھے۔

قاضی صاحب علم وفضل، علمی تلاش وتحقیق، تصنیف وتالیف کے ذوق کے ساتھ فضائل اخلاق، سادگی وبے تکلفی، توازن واعتدال، حق پسندی وغیر جانبداری، مروت و رواداری، گوناگوں محاسن سے آراستہ تھے، ان کی شخصیت میں عالم کا وقار، داعی کا اخلاص،

مردِ مومن کی دل نوازی، محقق کی تلاش و جستجو، اور دین کامل کی جامعیت کی جھلکیاں دلوں کو مسرور اور نگاہوں کو مسحور کر دیتی تھیں۔

نماز باجماعت کے نہایت پابند، شاہانہ دعوت ٹھکرا دیتے تھے، اگر اس میں کوئی خلافِ شرع کام ہوتا، روزانہ صبح قبرستان جاتے، مردوں کو ایصال ثواب کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خوگر تھے، ۵/بار حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرور ہوئے۔

زندگی کے آخری پڑاؤ میں نزلہ زکام میں مبتلا رہنے لگے، جس کی وجہ سے ناک کے بائیں سوراخ سے خون آنے لگا، ۲۹/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو اعظم گڑھ میں ناک کا آپریشن کرایا تھا، پھر ۶/جنوری ۱۹۹۶ء سے بار بار پیشاب کا عارضہ لاحق ہو گیا۔

بالآخر ۲۷/صفر ۱۴۱۷ھ/ ۱۴/جولائی ۱۹۹۶ء یکشنبہ کا دن گذار کر شب میں دس بجے جوارِ رحمت میں پہونچ گئے، دوسرے روز دوشنبہ کو تین بجے دن میں مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند نے نماز جنازہ پڑھائی، بنارس، جون پور، اعظم گڑھ، مئو، غازی پور، گورکھپور وغیرہ کے علمائے کرام اور فضلائے عظام کے عظیم مجمع میں نمازِ جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔

قاضی صاحب کو کل ۸/اولادیں ہوئیں، دو بچے شریف انور اور انور جمال صغرسنی ہی میں فوت ہو گئے، بقیہ ۶/اولادیں جن میں ۴/لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، ان کا مختصر تذکرہ حوالۂ قلم کیا جاتا ہے۔

(۱) مولانا قاضی خالد کمال صاحب سب سے بڑے فرزند، بہت ہی تیز، ذہین وفطین عالم دین، ادیب وشاعر، اور اسلامی دانشور تھے، اور محفل کو زعفران زار بنانے والی شخصیت کے مالک تھے، اپنے والد مکرم کی طرح قلم وقرطاس کی دولت سے نوازے گئے تھے، ان کے مضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے تھے۔

یکم دسمبر ۱۹۳۸ء کو ولادت ہوئی، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں عالمیت اور دارالعلوم دیو بند میں فضیلت کی تکمیل کی، کچھ دنوں احیاء العلوم میں معلمی کی، پھر چند سالوں کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم بھیونڈی میں تدریسی خدمات انجام دی۔

۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں بغرضِ تعلیم داخل ہوئے، ۱۹۶۷ء میں فراغت ہوئی تو مغربی افریقہ گھانا میں مبعوث ہوئے، جہاں ۱۴/سال تک خدمات انجام دیں اور خصوصاً ردِ قادیانیت پر بڑا کام کیا۔

۱۹۸۱ء میں مملکت سعودیہ نے آپ کو نیوزی لینڈ بھیج دیا، جہاں ۱۸/سال بحیثیت معلم مقیم رہے، اور اسلام اور مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی، رسومات و بدعات کا خاتمہ کیا، اور پورے وقار کے ساتھ ترجمانِ اسلام بن کر رہے، اور اپنی جد و جہد سے ویلنگٹن میں اسلامی سینٹر قائم کر کے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی، اور ملک میں مسلمانوں کو آزادی اور مساوات کا حق دلایا۔

آپ کی اولاد میں ایک صاحب زادے فوزان طارق ہیں اور بقیہ ۵/ صاحب زادیاں ہیں۔

آپ پر برین ہیمر یج کا حملہ ہوا اور آپریشن ہوا، آخر اسی مرض میں ہندوستانی تاریخ سے ۵/دسمبر ۱۹۹۹ء ۶/بجے شام کو انتقال فرما گئے۔

(۲) مولانا قاضی ظفر مسعود صاحب علم و ادب کے شیدائی، وسیع المطالعہ، ادبی تقریبات سے خاص تعلق رکھنے والے، اور انصار گرلس انٹر کالج کے بانیوں میں سے تھے، انھیں موقع محل کے اچھے اشعار خوب یاد تھے۔

یکم/دسمبر ۱۹۴۱ء/ ۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ کو پیدا ہوئے، پرائمری کی تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی، پھر ایم پی انٹر کالج مبارک پور سے ۱۹۶۰ء میں ہائی اسکول پاس کیا، پھر دینی تعلیم کے لیے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخل

ہوئے، اور ۱۹۶۹ء میں مدرسہ مفتاح العلوم مئو سے پہلی پوزیشن سے عالم کا امتحان پاس کیا، ۱۹۶۸ء میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ نے آپ کی علمی لیاقت سے خوش ہوکر خصوصی سند حدیث سے نوازا۔

فراغت کے بعد علمی و دینی سرگرمیاں جاری رہیں، جن سے بہت سے علمی وادبی میدان سرسبز وشاداب ہوئے، اور کئی انجمنیں، لائبریریاں، ادارے وجود میں آئے، آپ کی ۹/اولاد ہیں، ایک لڑکے مولوی فرحان ظفر قاسمی اور بقیہ لڑکیاں ہیں۔

وفات سے ایک ہفتہ پہلے پی جی آئی اسپتال لکھنؤ میں دل کا آپریشن کرایا تھا، مگر زندگی وصحت مقدر نہ تھی، آخر ۱۷/دسمبر ۲۰۰۹ء پنجشنبہ کی شب میں انتقال فرماگئے، بعد نماز ظہر شاہ پنجہ میں نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔

(۳) مولانا قاضی سلمان مبشر صاحب تیسرے صاحب زادے ہیں۔

یکم جنوری سن ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی اور متوسطات کی تعلیم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں حاصل کی، پھر ایک سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوئے، ۱۹۷۴ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اور ۱۹۷۸ء میں کلیۃ الدعوۃ واصول الدین کی تکمیل کی، پھر مملکت سعودیہ عربیہ سے بحیثیت داعی و مدرس گھانا مبعوث کیے گئے۔

۱۹۹۲ء میں تبادلہ کراکے ہندوستان آگئے، اور مختلف مدارسِ اسلامیہ میں تعلیم وتربیت دے کر آخر میں دارالعلوم انجان شہید ضلع اعظم گڑھ میں صیغۂ تدریس سے منسلک تھے، یکم جنوری ۲۰۱۷ء کو ریٹائرڈ ہوکر گھر پر مقیم ہیں، اپنے والد علام کے علمی وتاریخی کارناموں کو منظر عام پر لانے کی دل میں تڑپ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں مختلف اداروں اور افراد سے تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں، قاضی صاحب کی جو تصانیف نایاب ہوچکی تھیں، ان

کی اشاعت ثانی کرانے اور جو منتظرِ اشاعت ہیں، ان کو زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں تگ ودو، قیمتی وقت اور صرف کثیر کو لگا رہے ہیں، آپ کی ۵؍اولاد ہیں، تین لڑکے قاضی فیصل، قاضی محمد، قاضی ریان احمد اور دو لڑکیاں ہیں۔

(۴) قاضی صاحب کے سب سے چھوٹے فرزند قاضی حسان احمد ہیں، ۴؍جنوری ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے، جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور سے تعلیمی سلسلہ شروع کر کے شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ سے بی اے کیا، پھر کارِ تجارت میں لگ گئے، فی الحال انصار گرلس کالج مبارک پور میں امور مفوضہ انجام دے رہیں۔

آپ کے دو لڑکے قاضی عدنان، قاضی ریحان اور ۶؍لڑکیاں ہیں۔

(۵) امۃ الرحمٰن امّ سلمہ یکم مارچ ۱۹۴۸ء کو پیدا ہوئیں، قاضی صاحب کی سب سے بڑی صاحب زادی ہیں، اپنے نانہالی رشتے میں جناب ماسٹر مصباح الدین صاحب ساکن محمد آباد گوہنہ ضلع مئو کے عقدِ نکاح میں ہیں، ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کی ماں ہیں۔

(۶) شمیمہ عائشہ ۵؍شعبان ۱۳۷۹ھ کو پیدا ہوئیں، جناب ماسٹر رضوان احمد علیگ نوادہ مبارک پور سے منسوب ہیں، ۶؍اولاد میں ۴؍اولاد ذکور اور ۲؍اولاد اناث کی والدہ محترمہ ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۵

یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی کام یاب ہیں۔ (پ ا ع ا، سورۃ البقرہ: ۵)

اوپر سے متقیوں کی صفت کا بیان ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ یہ قرآن ان لوگوں کے حق میں رشد و ہدایت ہے، جن کے دل و دماغ، اِحساس و شعور، عقیدہ و یقین اور عمل و کردار میں استعداد اور صلاحیت ہے اور جو اپنی صلاحیتوں سے کام لینا چاہتے ہیں، جو غیب پر ایمان لا کر اَن دیدہ خدا کی ذات و صفات پر ایمان لاتے ہیں، نماز کی عظمت و اہمیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں اور اس کی افادیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنی زندگی خیر ہی خیر کے لیے وقف کیے رہتے ہیں، اپنی ذات سے دنیا کو فائدہ پہونچانا اپنا نصب العین قرار دیتے ہیں، زکوٰۃ و خیرات کے ذریعہ اپنے معاشرہ میں کسی طرح کی ابتری پیدا نہیں ہونے دیتے، جن لوگوں کے حالات یہ ہیں، وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت یاب ہوں گے اور ان کے لیے کام یابی ہی کام یابی ہوگی اور خسران و نقصان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۶

برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(پ ا ع ا سورۃ البقرۃ: ۶)

ڈرانا اور پھسلانا بہلانا اسی وقت کارآمد ہو سکتا ہے، جب آدمی سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہو، لیکن جس آدمی میں کسی بات کے سننے تک کا مادہ نہ ہو اور وہ اپنی ظاہری اور باطنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو اس درجہ کھو چکا ہو کہ اس کے تمام جوارح اور حواس شَل ہو چکے ہوں، اس کے اوپر اِحساس و شعور کے دروازے بند ہو چکے ہوں، اس کے کان قوتِ سماع

کھو چکے ہوں، اس کا دل سمجھنے کے لیے تیار نہ ہو، اس کو کسی بات کا سنانا نہ سنانا برابر ہو، تو اس کے پیچھے کام کے اَوقات ضائع کرنا اور اپنی مُصلحانہ کوششوں اور کاوشوں کو کام میں لانا اگرچہ ایک مصلح کی شان کے مطابق ہے اور اِتمامِ حجت کا طریقہ ہے، مگر نتیجہ کے اعتبار سے کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیے اور اپنے کام کی رفتار کو دوسری طرف موڑ دینا چاہیے۔

ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مقامِ رسالت اور منصبِ نبوت پر رہ کر ساری دنیا کو ایک کلمہ جامع، ایک مرکز، ایک خیال، ایک عقیدہ اور ایک عمل پر لانا چاہتے تھے اور آپ ساری دنیا کے داعی تھے، اس لیے آپ ایک ایک آدمی کو دعوتِ اسلام نہایت اہمیت کے ساتھ دیتے تھے، آپ جانتے تھے کہ فلاں شخص کے اندر قبول کرنے کا مادہ نہیں ہے اور اس سے کوئی مفید کام نہیں نکل سکتا، لیکن آپ اپنے منصب کی ادائیگی کے لیے اسے بھی دعوتِ اسلام اسی شدت سے دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ آپ ایسے نااہلوں کو دعوت فی الجملہ دے دیں، ان پر اِتمامِ حجت کے لیے وہی کافی ہے، مگر دعوتِ اسلام کا کام دوسرے لوگوں میں کیجیے اور ان کے پیچھے مت پڑیئے، یہ لوگ ہر قسم کی استعداد کھو چکے ہیں، ان پر موالی کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫

اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

(پ ۱ ع ۱، سورۃ البقرۃ: ۷)

جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بخششوں کی قدر نہیں کرتا اور ان کے استعمال سے اپنے کو فائدہ نہیں پہونچاتا، بل کہ محرومی و ناکامی میں بسر کر کے اپنی قدر و قیمت کھو دیتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو سب کچھ دینے کے باوجود ایسا محروم و مسلوب بنا دیتا ہے کہ وہ کسی طرف کا نہیں رہتا، ایسے محروم لوگ دنیا اور آخرت میں بُری طرح ذلیل و خوار

ہوتے ہیں اور کسی طرف کے نہیں ہوتے۔

اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ نے شریروں اور سرکشوں کو اس طرح محروم کردیا کہ وہ آنکھ رکھنے کے باوجود بینائی سے محروم ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو سراسر ناکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر انعام واکرام ہونے کے باوجود وہ خسران میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس وقت سے بچائے، جب انسان جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کام نہ لے کر ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ إِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ ۙ قَالُوْٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ صرف اِصلاح کرتے ہیں۔ (پ ۱ ع ۲ سورۃ البقرۃ:۱۱)

دنیا میں فتنہ وفساد پھیلانا اور انسانوں کی بستی میں نفرت وحقارت کو ہوا دینا انسانیت کے لیے نہایت مُضِر حرکت ہے اور اس مضر نسخہ کو خود پرستوں اور خودغرضوں نے ہمیشہ استعمال کیا ہے اور ساتھ ہی اپنے کو قومی رہنما، اَمن کا دیوتا اور مُصلح ہونے کا پروپیگنڈا بھی کیا ہے۔

اسلام امن وسلامتی کا پیغام بر ہے، وہ کہتا ہے کہ خدائی زمین خدا کے بندوں میں بداَمنی پھیلانا، نفرت کا بیج بونا اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکانا سخت ترین جرم ہے، اور ہر قیمت پر اس کا قلع قمع ہونا ضروری ہے، چنان چہ قرآن حکیم نے جگہ جگہ انسانوں کو حکم دیا ہے، اے لوگو! زمین پر مزے سے چلو، پھرو، رہو، بسو، کھاؤ، اٹھو، بیٹھو، سوؤ، لیٹو اور فتنہ وفساد کی گرم بازاری نہ کرو، نزولِ قرآن کے وقت عرب میں مُفسدوں کی ایک جماعت تھی، جو رات دن لگائی بجھائی کرتی تھی اور ہر طرف بداَمنی پھیلاتی تھی، مگر جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین پر فتنہ اور بدامنی نہ پھیلاؤ، وہ لوگ نہایت ڈھٹائی سے کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم اصلاحی کام کرتے ہیں، تعمیری امور میں حصہ لیتے ہیں، ہم مفسد کیسے ہوسکتے ہیں، ان کا حال

بعینہٖ آج کی ان حکومتوں کا حال تھا، جو رات دن امن امن چلاتی رہتی ہیں، مگر ان کے دل انسانیت کے خون کے پیاسے ہیں اور ان کے یہاں انسان ہی کی تباہی کے سامان رات دن تیار ہوتے رہتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۶/ اپریل ۱۹۸۲ء)

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَ لٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ، تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاحی کاموں کے کرنے والے ہیں، خبر دار! یقیناً یہی مفسد لوگ ہیں، لیکن شعور نہیں رکھتے۔

(پ ا ع ۲ سورۃ البقرۃ: ۱۱، ۱۲)

اَمن و اصلاح کا نام لے کر بداَمنی پھیلانے والے کل بھی تھے اور آج بھی ہیں، اس حربہ سے چالاک و عیار لوگوں نے ہمیشہ انسانوں کا شکار کیا ہے اور اس حکمت کے ذریعہ شہوت رانی کے ہیروؤں نے اپنا اُلّو سیدھا کیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن کے دلوں میں یکسانیت و موزونیت نہیں ہوتی اور تلوّن مزاجی کی وجہ سے ان کی دل چسپی رنگ بازیوں کی رسیا ہوتی ہے، وہ کبھی امن و صلح کی راہ پر نہیں چل سکتے، ان کے اندر صالح شُعور کا مادہ پیدا نہیں ہوسکتا اور ان کے دل میں کام کی بات سما نہیں سکتی، ایسے لوگ دوباز ہوتے ہیں، ان کے دو چہرے ہوتے ہیں اور دونوں کے لیے ایک ناک، دو آنکھیں اور دو کان ہوتے ہیں اور ہر ایک چہرہ سے ایک کے خلاف دیکھتے ہیں، سنتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں، باتیں دورنگی کرتے ہیں، سننے میں بھی دورنگی ہوتی ہے، دیکھنے میں بھی دونگاہی سے کام لیتے ہیں، ایسے لوگ قرآن کی بولی میں منافق ہیں، یعنی بہ ظاہر مومن و متقی اور بہ باطن کافر و ناپاک ہوتے ہیں، ان کے ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے، جب وہ اصلاح کا نام لیتے ہیں، تو فساد کرتے ہیں، جب اَخلاق کا دم بھرتے ہیں تو بداَخلاقی کرتے

ہیں، جب شرافت کا نام لیتے ہیں تو کمینہ پن پر اتر آتے ہیں۔

ایسے لوگ کتنے ہی زوردار الفاظ میں اَمن واصلاح کا دعویٰ کریں، ہرگز نہیں ماننا چاہیے، یہ کبھی سچ نہیں بولتے اور نہ سچ کرتے ہیں۔(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۱ر جولائی ۱۹۵۳ء)

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، وہ اپنی روش بدل نہیں سکتے۔

(پ ا ع ۲، سورۃ البقرۃ:۱۸)

انسان ویسے تو بہت ہی بلند نظر، وسیع القلب اور حوصلہ مند واقع ہوا ہے، اور اس کا ثبوت بھی دیتا رہتا ہے، مگر جب اس پر ضد، ہٹ دھرمی اور اِباء وانکار کا بھوت سوار ہوتا ہے تو اس کی دیکھنے والی آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں، بولنے والی زبان گنگ ہوجاتی ہے اور سننے والے کان بہرے ہوجاتے ہیں، وہ ہر سنی بات کو اَن سنی، ہر دیکھی بات کو اَن دیکھی بنا دینا اپنا کمال سمجھتا ہے اور اس غلط رَوِی پر مطمئن ہو کر خوش ہوتا ہے کہ اس نے اپنے مقابل کو شکست دے دی اور اس کی طاقت غالب رہی۔

اس قسم کی بدحالی اور ابتری ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے، جو حق وحقانیت اور صدق وصداقت کو خاندانی، نسلی اور ہنگامی حالات کی بنا پر تسلیم نہیں کرتے اور بلا تردد ہر اچھی بات کا انکار کر دینا اپنا منصب سمجھتے ہیں، ایسے خودساختہ اندھوں، بہروں اور گونگوں کو دکھانا، سنانا اور گویا کرنا اصلاح کی طاقت سے باہر ہوتا ہے اور یہ کام مصلحوں اور داعیوں کا نہیں ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے پیچھے پڑ کر اپنی قوت کو ضائع کریں اور اپنا وقت برباد کریں۔

قرآن حکیم میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ اپنی روِش سے باز نہیں آسکتے، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۶ر جولائی ۱۹۵۹ء)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو پیدا کیا اوران لوگوں کو جو تم سے پہلے ہیں، تاکہ تم لوگ متقی ہوجاؤ۔ (پ ا ع ۳، سورۃ البقرۃ: ۲۱)

انسان کے اندر جذبۂ اطاعت موجود ہے اور وہ اس جذبہ کے ماتحت ابتدائے آفرینش سے کسی نہ کسی رنگ میں اطاعت وفرماں برداری کا مظاہری کرتا رہتا ہے اور زمانہ کے انقلاب کے ساتھ ساتھ اس کی اس حقیقت میں بھی ارتقائی انقلاب آتا گیا ہے، یہ چاند، سورج کی پرستش، یہ ستاروں، دریاؤں، پہاڑوں، درختوں، پتوں، پتھروں، استھانوں، ریلوں، جہازوں، بتوں، مجسموں، فوٹوؤں، نقشوں اور مورتیوں کی پوجا، یہ دیوؤں، پریوں، سایوں، پلیتوں، جنوں اور شیطانوں کی جناب میں انسانی خیال وتصور کی جبیں ریزی، اپنے باپ داداؤں کی رسم ورواج پر جنگ، اپنے سرداروں، لیڈروں اور جماعت کے بڑوں کے خیالوں کی طرف داری اسی جذبۂ اطاعت کی پیداوار ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اے انسانو! تم اپنے جذبۂ اطاعت کی قدر کرو، اور اسے ایسے مرکز سے وابستہ کرو، جو تمہارا مبدأ اور منتہا ہے اور جہاں سے تمہاری ابتدا ہوئی ہے اور جہاں پر تمہاری انتہا ہوگی، اور اس مرکزِ تخلیق سے اپنے جذبۂ تسلیم ورضا کو متعلق کرلو، جو تمہارے باپ داداؤں اور سارے انسانوں کا آخری مقام ہے، اور اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمہارے جسموں سے لے کر تمہارے احساس وشعور اور تصور وخیال تک کی پرورش کی، تم اس کے در سے جدا ہو کر اطاعت کا تعلق کسی سے بھی جوڑو گے، تو متقی نہیں بن سکتے، اگر واقعی انسانیت کے خواہاں ہو تو خدا پرستی کرو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء)

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ پروردگار جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور آسمان کو بناء بنایا، اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالا اس پانی کی وجہ سے پھلوں سے تمہارے لیے روزی، اس لیے مت بناؤ، تم جان بوجھ کر اللہ کے لیے کوئی مقابل۔ (پ ۱ ع ۳، سورۃ البقرۃ: ۲۲)

یہ زمین فرش اور اس کی ساری رنگینی اور یہ آسمان کی چھت اور اس کی ساری رونق کیا ہے؟ تم دیکھتے ہو کہ زمین اگر تمہاری زندگی کا مقام و مرکز ہے تو آسمان اس کے عروج و اقبال کی منزل ہے، زمین و آسمان کے بیچ میں فضا کو ہواؤں سے بھر دیا اور ان میں ایسی کشش رکھی گئی ہے، جو زمین کے اوپر سے رطوبتوں کو آسمان کی طرف لے جاتی ہے، پھر زمین کا یہ خزانہ آسمان سے گرنے لگتا ہے، جس کے نتیجے میں زمین انسانی اور حیوانی غذاؤں کے جوہر سے معمور ہو جاتی ہے اور پھر اس کے سینے سے غذائی خزانہ پھوٹ پڑتا ہے، پودے نکلتے ہیں، ان کی نشو و نما ہوتی ہے، ان میں پھلوں کی قوت نمودار ہوتی ہے، جو ایک مقرر زمانہ تک حیات کی بقا کا سبب بن جاتی ہے۔

بتاؤ یہ کارخانۂ قدرت کا نظام کس طاقت کے بل پر چلتا ہے، کون اس مشین کو حرکت دیتا ہے، اور کس کا قبضہ اس کو اپنا بنائے ہوئے ہے، کیا خدا کے علاوہ اور کسی کو اس کا مالک تم گردان سکتے ہو؟ نہیں، تو پھر جان بوجھ کر اور سب کچھ دیکھ کر کیوں غیروں کی طرف جھکتے ہو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

جو لوگ خدا سے عہد و پیمان کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور خدا نے جس چیز کے ملانے کا حکم دیا ہے، اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، وہی لوگ خاسر

ونا کام لوگ ہیں۔ (پ ا ع ۳، سورۃ البقرۃ: ۲۷)

دنیا میں انسان دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں، جو شروع ہی سے کسی خدائی قانون اور روحانی واَخلاقی اُصول کے پابند نہیں ہوتے اور اپنی زندگی کو حیوانوں کی طرح گزارتے ہیں، ایسے لوگ اپنی بہیمانہ زندگی میں آزادی کی اسی راہ پر چلتے ہیں، جو ریچھوں، بندروں، چیلوں، کوؤں اور گایوں، بیلوں کے لیے ہے، ان کے لیے دنیا میں کوئی ایسی پابندی نہیں ہے، جسے وہ اپنے لیے تنگی محسوس کرتے ہوں، اس لیے ایسے لوگ بظاہر دنیا میں خوش وخرم اور بے خوف زندگی گزارتے معلوم ہوتے ہیں، جس طرح جنگل کے جانور بلا کسی روک ٹوک کے رہتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی جیتے مرتے ہیں۔

دوسرے لوگ وہ ہیں، جو اپنی زندگی کو قانونِ قدرت کے ماتحت گزارنے کے لیے تیار ہوتے ہیں اور اس ذمہ داری کے لیے اپنے کو پیش کرتے ہیں، جو خدا نے انسانیت پر ڈالی ہے۔

اب یہ لوگ اگر آپ کی ذمہ داری کو نبھاتے ہیں اور یقین وعمل کے ذریعہ قانونِ قدرت کا احترام کرتے ہیں، تو ان کے لیے کونین کی دولت مہیا ہوتی ہے اور وہ پاک وخوش زندگی گزار کر پاک وخوش انجام کے وارث ٹھہرتے ہیں۔

اور اگر اس طبقہ میں سے جو لوگ یقین وعمل میں کمزور پڑ جاتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کی توہین خود کرتے ہیں، وہ دنیا وآخرت میں ناکام ونامراد ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم اوپر کی آیتوں میں ایسے ہی خود فراموش لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اے مسلمانو! دنیا میں خود فراموشی اور خدا سے بغاوت کرکے زمین پر فتنہ وفساد برپا کرنا، وہ جرمِ عظیم ہے، جس کی بہت ہی مکروہ صورت میں سزا ملتی ہے، تم اس سے دور بھاگو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

وہی خدا کی ذات ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کے اندر کی تمام چیزوں کو پیدا

کیا ہے۔(پ۱ع۳،سورۃ البقرۃ:۲۹)

تم نے کبھی غور بھی کیا کہ یہ کارخانۂ عالم کس مخلوق کے کام آتا ہے، اور اس کی ایک ایک چیز سے کون بہرہ مند ہوتا ہے؟ کیا جنگل کے شیر اس کائنات کی کلیدی اور غیر کلیدی اَشیاء پر قابض ودخیل ہیں؟ کیا ملائکہ وجنات یہاں کی ہر چیز پر دھرنا مار کے بیٹھے ہیں؟ اور کیا کوئی اور مخلوق اس روئے زمین کے اندر اور باہر حکمراں ہے؟

اگر تم غور کرو تو معلوم ہو کہ قدرت نے اس روئے زمین کی کنجی صرف انسانوں کو دی ہے، اور وہ اس کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا مالک ومختار ہے، قدرت نے انسان کو زمین کی ملکیت دی، اس کے ایک ایک راز کو بتایا، اس کی ایک ایک مخفی اور ظاہر طاقت سے روشناس کرایا، چیزیں دیں، ان کے خواص بتائے، پہاڑ دیئے، سمندر دیئے، صحرا دیئے، آبادیاں دیں، اور پھر ان سب کی ان تمام ودیعتوں کو بخشا، جو ان کے کام آتی ہیں، پھر اس نوازش سے پورے طور پر فائدہ حاصل کرنے کے لیے انسان کو عقل دی، حقائق کے معلوم کرنے کا طریقہ بتایا، نتائج نکالنے کی راہیں دکھائیں، اور علم وفن کا وہ بے بہا خزانہ دیا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو پھر ساری دنیا اور اس کی تمام طاقت انسان کے لیے بے کار محض ہوتی۔

پس اے انسانو! بتاؤ کہ تم اپنی زندگی کو اس بالادست طاقت کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہو؟ اور کبھی تم نے سوچا کہ اس کائنات کے بارے میں کبھی تم سے سوال بھی ہوگا؟ اور تم اپنے محسن کی عدالت میں جواب دہی کے لیے لائے جاؤ گے؟ آخر اس دنیا کو تخلیق کرنے کے بعد قدرت نے جو تمہیں بخشا ہے تو اس کا کچھ منشاء بھی ہوگا؟ اور تم سے اس کا کوئی مطالبہ بھی ہوگا؟ اسلام اسی بات کی یاددہانی کرنے کے لیے آیا ہے اور ہر انسان سے وہ یہی مطالبہ کرتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰ار فروری ۱۹۵۳ء)

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ

بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰

اے بنی اسرائیل! تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو، جسے میں نے تم کو دیا ہے اور تم میرے وعدے کو پورا کرو، میں تمہارے وعدے کو پورا کروں گا، اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔

(پ ا ع ۵، سورۃ البقرۃ: ۴۰)

کسی پر اگر تم نے احسان کیا ہے، دو چار وقت کھلا یا ہے، کسی موقع پر مدد کی ہے، یا کوئی اور کام کر دیا ہے، تو تمہارے لیے کسی طرح جائز اور مناسب نہیں ہے کہ تم کسی بھی موقع پر ان باتوں کو دہراؤ اور اپنے بھائی کو شرمندہ کرو، کیوں کہ تم نے یہ جو کچھ کیا ہے، اپنی انسانیت کو چار چاند لگانے کے لیے کیا ہے، اپنے آپ کو ایک بہترین انسان ثابت کرنے کے لیے کیا ہے، اور اس سے تمہاری ذات کی بلندی و برتری ہوتی ہے۔

لہٰذا اپنے آپ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے کوئی اچھا کام کرنا، پھر اسے کسی کو یاد دلانا انتہائی کم ظرفی کی بات ہے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ تم میں شرافت و انسانیت کا مادہ نہیں ہے، اور تم نے جو کچھ کیا تھا، اپنے کسی بھائی کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے کیا تھا۔

چوں کہ خدا کی ذات ہر طرح سے کامل و مکمل ہے اور اس میں مزید خوبی پیدا ہونے کا سوال نہیں ہے، اس لیے اس کے احسانات اوپر کے بیان کیے ہوئے نقطۂ نظر سے نہیں ہوئے، بل کہ ان کا منشا سراسر انسانیت پروری اور مخلوق نوازی ہوتا ہے، اور انسان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ خدائے بے نیاز کے احسانات کو مانے اور اگر وہ نہ مانے تو خدائے تعالیٰ اس کی گردن پکڑے اور باز پرس کرے کہ یہ کفرانِ نعمت تم نے کیوں کیا۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی بہی خواہی اور ہدایت کے سلسلے میں قدرت جہاں اور طریقے استعمال کرتی ہے، وہاں "تذکیر بآلاء اللہ" یعنی اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی سے بھی کام لیتی ہے، اور اس یاددہانی کا مطلب اپنے کو جتانا یا احسان جتانا نہیں ہوتا، بل کہ انسان ہی کی

ہدایت وخیر خواہی مقصود ہوتی ہے۔

یہاں پر قومِ یہود سے فرمایا جارہا ہے کہ اے بنی اسرائیل کے لوگو! ہم نے تم کو جو طرح طرح کی دنیاوی اور دینی نعمتیں دی ہیں، تو اس وعدہ پر کہ تم دنیا میں ایمان ودیانت کا کام کرو گے، اور میں تم کو اس کی برکت سے دنیا وآخرت کا اعزاز بخشوں گا، پس اے بنی اسرائیل! اگر تم اپنی راہ پر چل رہے ہو تو پھر میرا وعدہ بھی تمہارے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور اگر تم بے راہ ہو رہے ہو تو پھر خدائی وعدۂ نعمت کو کوئی ضرورت نہیں پڑی ہے کہ وہ تمہارے حق میں خواہ مخواہ وفادار ہوتا رہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۶/دسمبر ۱۹۵۳ء)

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور اے بنی اسرائیل! تم لوگ اس قرآن پر ایمان لاؤ، جسے میں نے اس کتاب کے لیے مصدق بنا کر اتارا، جو تمہارے ساتھ ہے اور اس قرآن کریم کے پہلے تم منکر نہ بنو، اور میری آیتوں کے عوض تھوڑی قیمت نہ وصول کرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔

(پ ا ع ۵، سورۃ البقرۃ:۴۱)

اگر کوئی اسلامی تحریک چل رہی ہے، کسی نے کوئی اچھا اقدام کیا ہے اور اس کا مقصد عوامی اصلاح وبہبود ہے، لوگوں کی مادی یا روحانی بھلائی اس کا مقصد ہے، تو پھر اس قسم کی تحریک کا ساتھ نہ دینا انسانیت کی اہم ترین خدمت سے بھاگنا ہے اور اگر صورتِ حال یہ ہو کہ وہ نیک تحریک جاری ہوئی اور کسی فرد یا جماعت یا مذہب نے نہ صرف یہ کہ ابتدا میں جب کہ اسے مدد کی ضرورت ہے ہاتھ نہیں بٹایا، بل کہ الٹے اس اہم اور مفید تحریک کی مخالفت کی تو پھر یہ فرد یا جماعت یا مذہب انسانیت کا دشمن نمبر اول قرار پائے گا اور اکابرین مجرمین کی پہلی صف میں اسے پہلی جگہ ملے گی۔

اسی لیے کسی اچھی اسکیم کی ابتدا میں مخالفت کرنے والے آخر میں بہت ہی ذلیل وخوار ہوتے ہیں، اور جب اپنی افادیت اور جاذبیت کی وجہ سے یہ اسکیم اور تحریک عوام الناس میں مقبول ہوجاتی ہے تو اس کے مخالف کسی طرف کے نہیں رہتے، ابتدا میں تو ان کے شوروشر سن کر کچھ لوگ ساتھ ہوجاتے ہیں، مگر جب حق واضح ہوجاتا ہے اور باطل کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے، توصفِ اول کے مخالفین کسی طرف کے نہیں ہوتے۔

یہی حال یہودیوں کا ہوا، جب مشرقِ وسطیٰ میں اسلام کی اصلاحی تحریک جاری ہوئی اور کفار مکہ کے نرغہ سے نکل کر مدینہ میں اس نے اپنا مرکز بنایا توصفِ اول کے مخالفوں میں وہاں کا وہ طبقہ سامنے آیا، جو اپنے کو اندھوں میں کانا راجا سمجھتا تھا، اور جہلائے عرب میں تورات کا عالم اور مذہب کا واقف تھا، یہ طبقۂ یہود ابتدا میں اسلام کا انتہائی مخالف بنا، مگر بعد میں اس میں سے جو حضرات اسلام لائے، وہ تو باعزت رہے اور جو اپنی روش پر قائم رہے، وہ ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار ہوئے۔

تم بھی کسی اچھی تحریک کے ابتدائی مخالف بن کر دائمی رسوائی مول نہ لو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۳ء)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

تم لوگ کیا لوگوں کو اچھائی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو، حالاں کہ تم کتاب یعنی تورات کی تلاوت کرتے ہو، پس تم عقل نہیں رکھتے۔(پ ا ع ۵، سورۃ البقرۃ: ۴۴)

”خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت“ والی مثل ان مذہبی لوگوں پر بہت اچھی طرح صادق آتی ہے، جو مذہبی اَحکام واَوامر کا وعظ سناتے ہیں، مسلمانوں سے نیک عمل کا تقاضا کرتے ہیں اور ان سے بُرائی چھوڑنے کی فرمائش وفہمائش کرتے ہیں، مگر خود ان کا حال یہ

ہوتا ہے کہ عمل وکردار کی بلندی سے کوسوں دور رہتے ہیں اور برائیوں سے تعلق رکھتے ہیں، جو واعظ وناصح اس زندگی کے مالک ہوتے ہیں، ان کے پاس ایثار واخلاص کی پونجی نہیں ہوتی، بل کہ سراسر نمود وریا کا خزانہ ہوتا ہے، وہ برائیوں کے اعتبار سے دھنی ہوتے ہیں اور بھلائیوں کے اعتبار سے فقیر ہوتے ہیں۔

ایسے عالم وراہب اور واعظ وناصح کسی مذہب سے تعلق رکھیں، نہایت خطرناک ہوتے ہیں، اپنی دورنگی کی زندگی سے عوام کو دھوکا دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا مکروفریب چھپا رہے، اور وہ قوم کو اپنے ظاہری تقدس سے لوٹتے رہیں، یہ بدخصلت کسی خاص مذہب کے واعظوں میں محدود نہیں ہیں، بل کہ ہر سچائی کے گرد اگرد کچھ ایسے دنیا دار جمع ہوجاتے ہیں، جو کاروبار سے الگ ہوکر دھوکہ دہی اور فریب کاری کا دھندا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ اسلام واصلاح کے وقت یہودی مذہب کے لوگ اس برائی میں بُری طرح مبتلا تھے اور ساتھ ہی اپنی پاک دامانی کا واسطہ لے کر اسلامی تحریک کے خلاف عوام کو بھڑکا رہے تھے، قرآن حکیم ایسے لوگوں سے فرما رہا ہے کہ تم تو سچائی کے نام پر مکر کرتے ہو اور اس پر تم ذرا بھی جھجھک نہیں محسوس کرتے کہ خود تو اپنے گھروں میں، اپنی خانقاہوں میں اور اپنی محفلوں میں بدی کا مظاہرہ کرتے ہو اور جب وعظ ونصیحت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے منبر پر آتے ہو تو اخلاص وایثار، دین ودیانت اور انسانیت وشرافت کا تقاضہ کرتے ہو، اللہ ورسول کی باتیں سناتے ہو، دوزخ سے ڈراتے اور جنت کی بشارت دیتے ہو، تم اللہ کی کتاب تورات کے عالم ہو اور اسے پڑھتے ہو، پھر یہ بے عقلی کی حرکتیں کیوں کرتے ہو۔

مسلمان علماء اگر ایسا کریں گے تو ان کے لیے بھی یہی قرآنی حکم ہے، وہ خدا کی پارٹی کے لوگ نہیں ہیں کہ پارٹی بازی کی وجہ سے ان کو کچھ نہ کہا جائے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۵رجنوری ۱۹۵۴ء)

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے بنی اسرائیل! پھر تم نے اس کے بعد روگردانی کی، پس اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً ناکام لوگوں میں سے ہو جاتے۔ (پ ۱ ع ۸، سورۃ البقرۃ: ۶۴)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خواہ مخواہ بُرے دن نہیں دِکھاتا، وہ کوئی منچلا بادشاہ نہیں ہے کہ جب اس کے جی میں آیا کسی فرد یا جماعت کو برباد کر دیا اور جب جی چاہا، اسے اقبال مندی وظفر مندی بخش دی، وہ قادرِ مطلق ہے، اس کے کام میں کسی کا ساجھا نہیں ہے اور کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں ہے، وہ اگر ایسا کرنا چاہتا تو کوئی روک نہیں سکتا تھا، مگر بات یہ ہے کہ اس کے یہاں سراسر عدل وانصاف ہے اور ہر کام نظامِ قدرت اور اُصولِ فطرت کے ماتحت انجام پاتا ہے اور کوئی کام ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔

پھر اس کے نظام میں رحم وکرم کا پلہ بھاری ہے، اور جہاں قانون واصول کا سوال آتا ہے، وہیں اس کے رحم وکرم کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے، پس اگر اللہ اپنے قانون کے ماتحت کوئی حکم نافذ کر دے تو یہ اس کا عدل ہے اور قانونِ فطرت کے عین مطابق ہے اور اس کا رحم وکرم درمیان میں حائل ہو کر کوئی دوسری صورت اختیار کر لے تو یہ اس کی عین مہربانی اور لطف وکرم ہے۔

اسی رحم وکرم کے برتاؤ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اصولِ قدرت اور قانونِ فطرت کے ساتھ اس طرح پیوست فرمایا کہ جب قانون اپنا کام کرتا ہے تو حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ رعایت دیتا ہے۔

دنیا میں ہر قوم کے آگے بڑھنے اور زمین پر انسانیت وشرافت پھیلانے کے سلسلے میں خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے حتی الامکان اپنی وسیع رحمت سے کام لے کر موقع دیا ہے کہ وہ غلطی کرنے کے بعد ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے اور اپنا مقام دوبارہ حاصل کر لے، اگر وہ قوم

ٹھوکر کھا کر چوکنا ہوجاتی ہے، تو پھر اسے اپنا مقام مل جاتا ہے، ورنہ معمولی زندگی دے کر ذلیل وخوار کردیا جاتا ہے، اور اگر غلطی نہایت شدید قسم کی ہوتی ہے اور جرم قابلِ عفوودرگزر نہیں ہوتا تو پھر قانونِ قدرت اپنا کام کرتا ہے۔

پس آج یہ بدکاروگنہ گار جو دنیا میں چل پھر رہے ہیں، خدا کے رحم وکرم کے فیض میں چل پھر رہے ہیں، ان کو سنبھلنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

کیا پس تم لوگ آرزو کرتے ہو کہ وہ تمہاری وجہ سے مومن ہوجائیں؟ حالاں کہ ان کا ایک طبقہ کلام اللہ کو سن کر اور سمجھ کر اس کی تحریف کرتا ہے، اور وہ علم رکھتا ہے۔

(پ ا ع ۹ سورۃ البقرۃ:۷۵)

اچھائی اور برائی آدمی کا اپنا ذاتی فعل ہے، جو اچھا بنے گا، اپنے لیے اور جو برائی کو پسند کرے گا، اپنے لیے، البتہ ہر مصلح انسانیت اور خیر خواہ آدمیت کی تمنا یہ ضرور ہونی چاہیے کہ لوگ نیک بن جائیں اور برائی سے ان کا واسطہ نہ پڑے، ایسی آرزو رکھنا، یہ تمنا کرنا اور اس کے لیے جدوجہد سے کام لینا نبوت ورسالت کی وراثت ہے اور جن کے اندر انسانوں کی خیر خواہی ہوتی ہے، وہ رسولوں اور نبیوں کی راہ پر چلنے والے ہوتے ہیں، وہ اپنا کام کرتے رہیں گے اور اپنے مقامات کو بلند کرتے رہیں گے، اب یہ کام مخاطب لوگوں کا ہے کہ وہ بھی اپنی خیر خواہی کرتے ہوئے ان کے راستوں پر چلیں اور اپنے خیر خواہوں کو اپنے لیے مفید سے مفید تر بنائیں۔

اپنے بہی خواہوں کا حکم نہ ماننے والے نہایت ہی ناکام ونامراد لوگ ہوتے ہیں اور ان کی ناکامی وحیرانی بہت ہی مہلک نتائج کی حامل ہوتی ہے، ان نافرمانوں اور اپنے دشمنوں میں وہ لوگ بہت ہی گئے گزرے ہوتے ہیں، جو جان بوجھ کر راہ سے بے راہ ہوتے ہیں اور

سب کچھ دیکھ کر اندھے بنتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کا کہنا ہے کہ دیکھ کر اندھے بننے والوں، سن کر بہرے بننے والوں اور سمجھ کر نا سمجھ بننے والوں کے لیے مصلحوں اور خیر خواہوں کی نیک آرزو کیا کام کرسکتی ہے؟ جب وہ لوگ خود ہی ہلاکت کے غار میں گرتے جارہے ہیں تو ہاتھ پکڑنے والے ان کے پیچھے اپنی جان نہیں کھپائیں گے، کیوں کہ وہ خیر خواہ ہیں، فدا کار لوگ نہیں ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶

اور وہ لوگ جب مومنوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب ان میں سے بعض بعض سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان مسلمانوں سے ان باتوں کو بیان کرتے ہو، جن کو خدا نے تم پر کھول دیا ہے، تاکہ وہ تمہارے پروردگار کے سامنے تم سے دلیل کرنے لگیں، پس کیا تم اسے نہیں سمجھتے ہو؟ (پ ا ع ۹ سورۃ البقرۃ: ۷۶)

خوش فہمی کی لت نے آدمی کو بڑی بڑی نعمتوں سے محروم کر دیا ہے، اور آدمی اس حجاب کی وجہ سے اپنے بہت سے بلند و بالا مراتب سے اندھا ہو چکا ہے، عہدِ رسالت میں کچھ ایسے لوگ تھے، جو اسلام کی اصطلاح میں منافق سے یاد کیے جاتے تھے، ان کا کام یہ تھا کہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تمہاری پارٹی میں ہیں اور تمہارے نصب العین کے لیے جان قربان کر دینا ہمارا معمولی کام ہے اور کفار و مشرکین سے کہتے ہیں کہ ہم تو درحقیقت تمہارے ہی رنگ کو اختیار کریں گے، ہمارا مسلک اور تمہارا مسلک ایک ہے، مسلمانوں کے ساتھ ہم سیاسی چال چل رہے ہیں اور انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں، اور جب اپنی خاص ٹولی میں جاتے تو ایک دوسرے کو الزام دیتے کہ تم مسلمانوں سے علم و فضل کی باتیں بیان کرتے ہو اور ہمارے خاندان کی علمی وراثت کو تہ و بالا کر رہے ہو۔

ہر قسم کے علمی نکتے بیان کر دیتے ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ان کو سن کر ہمیں کو الزام دیتے ہیں کہ تمہارے یہاں یہ کام ہوتا ہے اور تمہارے یہاں یہ لکھا ہے اور وہ لکھا ہے۔

منافقوں کا زیادہ تعلق یہودیوں سے تھا اور وہ یہودیت کی کتاب تورات کی تلاوت کرتے تھے اور بظاہر اسی کے احکام پر عمل کرتے تھے، اس لیے وہ آپس میں طعن و تشنیع کرتے کہ مسلمانوں کو علمی اور دینی باتیں نہ سنائی جائیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۸﴾

اور ان میں سے اُمّی اور اَن پڑھ ہیں، جو کتاب کو نہیں جانتے، مگر آرزوئیں، اور وہ صرف ظن و گمان سے کام لیتے ہیں۔ (پ ا ع ۹، سورۃ البقرۃ: ۷۸)

یہودیوں میں لوگ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ کی طرح سے تھے، ان کے علماء اور پڑھے لکھے پیشوا عوام کو گمراہ کرنے میں بڑے چست و چالاک تھے اور چھوٹے موٹے مولوی سے لے کر بڑے بڑے عالم تک ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور جاہل عوام کا حال یہ تھا کہ لکھنا پڑھنا خاک نہیں جانتے تھے، مگر قابلیت جتانے میں وہ بھی کسی سے کم نہیں تھے، ان جاہلوں میں عجیب عجیب خیالات پرورش پا رہے تھے اور طرح طرح کی باتیں ان میں مشہور تھیں، وہ سمجھتے تھے کہ ہم لوگ اللہ کے پیارے ہیں اور ہمیں دنیا اور آخرت میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، ہم جنت کے ٹھیکیدار ہیں اور ہمارا حق ہے کہ دنیا میں جو چاہیں کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتا اور ہم سے باز پرس نہیں کر سکتا، ہم جسے چاہیں جنت کا پروانہ دے دیں اور جسے چاہیں دوزخی قرار دے دیں، یہ جاہل عوام بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں عجیب بہکی بہکی باتیں کرتے تھے اور اٹکل پچو سے کام لیتے تھے اور ایسے ایسے مسئلے چھانٹتے تھے کہ اللہ کی پناہ! (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

پس ویل اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے، جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تا کہ اس کے ذریعہ تھوڑی قیمت وصول کر لیں۔

(پ ا ع ۹، سورۃ البقرۃ:۷۹)

یہودی عالموں کی دنیاداری اور جعل سازی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے جاہل عوام سے پیسہ اینٹھنے کے لیے تورات کو استعمال کرتے تھے، اس زمانہ میں مطبع کا رواج نہیں تھا، کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، یہودی علماء بڑی فن بازی اور مہارت کے ساتھ تورات میں جگہ جگہ اپنی طرف سے کچھ لکھ دیا کرتے تھے اور جب عوام مسئلہ دریافت کرنے یا کوئی حکم معلوم کرنے کے لیے آتے تو تورات کے خدائی حکم کے خلاف اپنے جعلی حکم کو سنا دیتے تھے اور پھر اس اہم مسئلہ کے بتانے یا ان کے لیے گنجائش نکالنے کی فیس بہت کڑی وصول کرتے تھے، اس طرح یہ علمائے یہود اپنے فن میں خاص شہرت رکھتے تھے اور دور دور سے عوام ان حل المشکلات کے پاس آتے تھے اور نذرانہ گزار کر اپنے مطلب ومنشا کے مطابق فتویٰ اور حکم معلوم کر لیتے تھے۔

مسلمانوں میں اگر چہ علمِ دین مولوی مُلّا کی میراث نہیں ہے، بل کہ ہر خاص و عام دین کا کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہے اور خود پڑھ کر معلوم کر لیتا ہے، پھر کچھ لوگ مذہبی عالم بن کر اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور عوام سے پیسے حاصل کرتے ہیں، ایسے تمام لوگ بدترین کمائی کر رہے ہیں اور یہ ان کے حق میں بہت ہی برا انجام بن کر ظاہر ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

قول وقرار کے خلاف نہیں کرے گا، یا تم لوگ اللہ پر ایسا بہتان باندھتے ہو، جسے

جانتے نہیں۔ (پ ا ع ۹، سورۃ البقرۃ:۸۰)

عہدِ رسالت میں منافقوں کا گروہ خوب پینترے بدلتا تھا، بظاہر مسلمانوں کا دم بھرتا تھا، مگر بباطن کفار ومشرکین سے تعلق رکھتا تھا، بات یہ تھی کہ ابتدا میں مسلمانوں کا حال بہت خستہ تھا، دنیاوی جاہ وجلال کی کوئی بات نہیں تھی اور نہ اثر واقتدار کا کوئی موقع تھا اور اس کے مقابلہ میں کفار ومشرکین ظاہری دولت وحشمت رکھتے تھے، ان کا اثر ورسوخ تھا، اس لیے جو لوگ مذبذب قسم کے تھے اور اسلام میں کوئی دنیاوی مقصد لے کر آئے تھے، وہ ایک طرف مسلمانوں سے تعلق رکھ کر ان میں اثر ورسوخ پیدا کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف کفار ومشرکین سے علاقہ رکھ کر ان کو اپنے لیے آہنی دیوار سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس پالیسی میں اپنی خیر ہے اور اسی میں عزت حاصل ہوگی، مسلمانوں سے بھی بناؤ رہے گا اور کافروں کے یہاں بھی مان جان رہے گی۔

ایسے لوگوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم لوگ نہایت غلط پالیسی پر چل رہے ہو، اس طرح کی بزدلی اور کمینہ پن سے عزت نہیں ملتی، عزت حاصل کرنے کے لیے کردار کا ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے اور اس عقیدہ پر ایمان لاکر عمل کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں سب کچھ ہے، وہی عزت وذلت دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲رفروری ۱۹۸۵ء)

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ہاں! جو برائی کمائے گا اور اسے اس کی خطائیں گھیر لیں گی تو ایسے لوگ جہنم والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ا ع ۹، سورۃ البقرۃ:۸۱)

گناہ کا ہوجانا اور انسان کا چوک جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے، انسان اپنی خلقت میں کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اس سے خطا اور غلطی ہو ہی جاتی ہے، مگر اس کی فطرت میں یہ دناءت اور

کمینہ پن ہر گز نہیں ہے کہ وہ بیہودگیوں میں پلتا رہے اور رات دن حرام کاریوں، بدکاریوں اور گم ناميوں میں بسر کرتا رہے، اگر کوئی انسان کبھی غلطی کر جائے تو توبہ، استغفار سے اس کا معاملہ رفع دفع ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے معاف کر سکتا ہے، مگر جو لوگ نڈری اور بے باکی سے گناہ پر گناہ کرتے جاتے ہیں اور حرام کاریوں کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے ہیں، ان کے لیے ان کی بے باکی اور جرأت بیجا پر سخت سزا ملے گی، جو مجرموں اور گناہ گاروں کا آخری علاج ہے۔

پس اے لوگو! اگر کبھی گناہ ہو جائے تو توبہ کرو، آئندہ نہ کرنے کا معاہدہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں گریہ وزاری کرو، اور ایسا ہرگز مت کرو کہ گناہ پر گناہ کرتے رہو اور اس کی سزا کو یاد تک نہ کرو اور کوئی یاد دلائے تو اس کا مذاق اڑاؤ، اگر ایسا رویہ اختیار کرو گے تو یاد رکھو، کل قیامت کے دن تم خود مذاق بن جاؤ گے اور تمہاری بدبختی و بدنصیبی دوسروں کے لیے تماشا بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں پر جرأت سے بچائے اور برائی ہو جانے پر توبہ واستغفار کی توفیق بخشے۔ آمین (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹۵۵ء)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، یہ لوگ جنت والے ہیں، جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۱ ع ۹ سورۃ البقرۃ: ۸۲)

کام یاب و کام راں زندگی ہی زندگی ہے، جو دونوں جہاں میں شاداں و فرحاں رہے، دونوں میں اسے خوش انجامی وخوش نصیبی سے حصہ ملے اور دونوں میں اس کی قدریں بلند و بالا رہیں، یہ زندگی وہ پاک وصاف زندگی ہے، جسے اسلام وایمان کی زندگی کہتے ہیں، جو عقیدہ وعمل کی زندگی ہے اور جس میں روح و مادہ کے میل سے کام یابی و کام رانی کی منزلیں طے ہوتی ہیں، اچھے خیالات بہرحال اچھے ہیں، اچھے عقائد بہرحال اچھائی کے ذمہ دار ہیں۔

لیکن اگر اچھے خیال کے ساتھ اعمال بھی اچھے ہوں تو نورٌ علیٰ نور، یہی زندگی اسلام

وایمان کی زندگی ہے، یہی زندگی آخرت کی دائمی راحت اور ابدی نعمت کی سزاوار ہے، اسی کے لیے انجام کی تمام خوبیاں ہیں، اور اسی کے لیے سرور و مسرت اور عیش وسکون کا دوام ہے، عملِ صالح انسان کی ان تمام قدروں کو اجاگر کر دیتے ہیں، جو عروج و بلندی کی اس میں پوشیدہ رہتی ہیں، اور آدمی کو بہیمیت اور ملکوتیت کے درمیان ایک ایسے مقام پر لے جاتے ہیں، جہاں کمال وترقی کی انتہا ہوتی ہے، اور جہاں عواقب ونتائج کی تمام خوبیاں انسان کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں، اور وہ اَبدی راحت اور دائمی مسرت کی گود میں سو جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم ایسے ہی پاک ومقدس لوگوں کی نیک زندگی کے نیک انجام کی خبر اور بشارت دے رہا ہے، جو لوگ ایمان وعملِ صالح کی دولت سے مالا مال ہیں، ان کے آج کے دن بھی اچھے ہیں اور کل بھی ان کے لیے ہر قسم کی اچھائی ہے اور ان کے دن ہنستے کھیلتے ہیں، ان کے لیے جنت ہے، جو انجام وعافیت کی مسرتوں کے مجموعہ کا نام ہے اور جنت کی وراثت ان کے لیے وقتی اور ہنگامی نہیں، بل کہ اَبدی اور دائمی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹ر جون ۱۹۵۳ء)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

وہی ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے حیاتِ دنیا خریدی، پس نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب، اور نہ ان کو مدد پہونچے گی۔ (پ ۱ ع ۱۰، سورۃ البقرۃ:۸۶)

اوپر یہودیوں کے بگاڑ کی باتیں بیان کی گئی ہیں اور تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ یہودی قوم کے اَخلاق وایمان کی قدریں کس طرح ایک ایک کر کے گر چکی تھیں اور اس کے اعتقاد واَعمال میں کس طرح گھن لگ چکا تھا اور وہ پستی اور گراوٹ کی کس منزل کو پہونچ چکی تھی۔

قرآنِ حکیم بیان فرما رہا ہے کہ یہودی قوم کا یہ حال اس لیے ہوا کہ اس نے دنیا پرستی اور دنیا طلبی میں یہاں تک غلو کیا کہ اپنے دین تک کو اس کے لیے تج دیا اور دنیا کے

واسطے مذہب تک کو بیچ دیا، حرص وآرزو میں پڑ کر خدائی فرائض وواجبات سے غفلت کی اور دنیا طلبی میں پڑ کران تمام فضائل سے منہ موڑ لیا، جن کا مذہب اور انسانیت نے حکم دیا تھا اور ان تمام رذائل کو اپنایا، جن کی ممانعت شریعتِ مطہرہ نے فرمائی تھی۔

اس طرح یہودی قوم نے دین کی ایک ایک حقیقت کو دنیا کے نام پر بیچ دیا اور ان کے ملّا خانقاہوں، گرجاؤں اور معبدوں میں بیٹھ کر اپنے مریدوں کو بُری طرح لوٹتے تھے اور اپنے گروپ کو مال دار بنانے کے لیے ان کی جیب پر ڈاکہ ڈالتے تھے، ان مذہبی ملّاؤں میں نہ شرم وحیا کا احساس تھا، نہ ان کے پیروعوام میں خدا اور رسول کا پاس تھا، اور دونوں ہی گروہ ہمہ وقت دنیا طلبی اور دنیا پرستی میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔

آج اگر مسلمانوں کا حال اس قسم کا یا اس سے ذرا بھی مشابہ ہورہا ہے تو ہمیں ڈرنا چاہیے اور احتساب کے شکنجہ میں اپنی زندگی کو کس کر اسے سیدھا کرنا چاہیے، ورنہ یہودیوں کی طرح ہم پر بھی نہ عذاب کم ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کی مدد کی جائے گی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے قلوب بند ہیں، بل کہ خدا نے ان کے کفر کرنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے، اس وجہ سے وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ (پ ا ع ۱۱ سورۃ البقرۃ: ۸۸)

جمود وانکار اور حق وصداقت سے بے زاری ایسی ہمہ گیر اور خطرناک بیماری ہے، جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو شل کر کے رکھ دیتی ہے اور آدمی کہیں کا نہیں رہتا، دل کی خرابی کی وجہ سے آنکھ کی بینائی ختم ہوجاتی ہے، کان میں قوتِ سماعت باقی نہیں رہتی، دماغ سے سمجھ بوجھ کھوجاتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل کے کفر وانکار کی وجہ سے نہ صداقت نظر آتی ہے، نہ سچائی سنی جاسکتی ہے اور نہ حق سمجھا جاسکتا ہے، جب یہ حالت ہوجاتی ہے تو آدمی کے دل سے حیا وشرم کا مادّہ

ختم ہو جاتا ہے، زبان بے محابا چھوٹتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ ہم منہ سے کیا نکال رہے ہیں۔

اوپر کی آیت میں ایسے ہی مریضانِ قلب و روح کی بے ہودہ گوئی اور بکواس کا تذکرہ ہو رہا ہے، آدمی کتنا ہی گیا گزرا ہو، جب تک اس کے اندر ذرا بھی ہوش باقی رہے گا، اپنی زبان سے بے وقوفی، نالائقی اور ناسمجھی کا پرچار نہیں کرے گا، بل کہ وہ انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق جذبۂ عیب پوشی کو کام میں لا کر اپنے واقعی عیوب کو بھی چھپاتا رہے گا، لیکن جمود وانکار والے اس درجہ سے بھی گر جاتے ہیں اور برملا کہتے پھرتے ہیں کہ ہماری عقلیں سلب ہو چکی ہیں، ہمارے دل بند ہو چکے ہیں، ہمارے دماغوں کو کیڑا چاٹ گیا ہے اور ہم میں سمجھ بوجھ کا مادّہ باقی نہیں رہا۔

ہوسکتا ہے کہ وہ منکرین اس قسم کے جملے بطور طنز کہتے ہوں اور پرستارانِ حق وصداقت کو ایسے جملوں سے طعنہ دیتے ہوں، مگر وہ جو کچھ کہتے ہیں، کفر و شرک اور جمود وانکار کی وجہ سے ان پر وہ مار اور پھٹکار پڑتی ہے کہ غیر شعوری طور سے اپنی نالائقی کو اُگلتے ہیں، آج بھی بہت سے ایسے نااہل ہیں، جن کو سمجھاؤ تو جھنجھلا کر کہتے ہیں کہ بابا جاؤ ہم گنہ گار ہی رہیں گے، آپ نیک بنے رہیں، جنت تو آپ کے لیے بنی ہے، آخر جہنم کو بھی تو بھرنا چاہیے، ایسے لوگ ان ہی منکروں کے گروہ سے ہوتے ہیں، جن کا اوپر ذکر ہو رہا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِهِمۡ ؕ

اور رچا دیا گیا ان کے دلوں میں گائے کا بچہ ان کے کفر کی وجہ سے۔

(پ ۱ ع ۱۱ سورۃ البقرۃ: ۹۳)

کفر وہ بیماری ہے، جس کے پیدا ہونے کے بعد قوموں میں ہر قسم کی قلبی اور اَخلاقی اور دینی اور عملی واقتصادی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہر ایک بیماری شدید قسم کا نقصان کرتی ہے، اس بیماری کا سب سے مکروہ منظر یہ ہوتا ہے کہ بڑی بڑی عقل مند قومیں انسانی حماقت

و بے وقوفی کا مظاہری کرتی ہیں، اسے اپنے مفاخر میں شامل کرتی ہیں اور ان گراوٹوں پر فخر واطمینان کا اظہار کرتی ہیں اور دنیا کے سامنے بے شرمی و بے حیائی سے آتی ہیں اور اپنی حماقتوں کو فن، آرٹ، تمدن، تہذیب وثقافت اور کلچر کے نام پر پیش کرتی ہیں۔

یہود قوم جب کفر وشرک کی بیماری میں مبتلا ہوئی تو اس میں یہ تمام گراوٹیں پیدا ہوئیں اور ایسے ایسے گھناؤنے کام انہوں نے کیے کہ انسانیت وآدمیت کو ان کے تصور تک سے شرم آتی ہے، انہوں نے بچھڑے کی پوجا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، اور گائے پرستی کو اپنا قومی شعار اور دینی فریضہ بنالیا۔

اور جب ان کو اس حرکت سے روکا گیا تو کچھ عجیب قسم کی تاویلیں کرنے لگے اور کسی طرح اس کے ترک پر راضی نہ ہوئے، یہی حال دنیا کی ان قوموں کا ہے، جو کفر وشرک کی لعنت میں مبتلا رہا کرتی ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ

اور یقیناً تم ان سب کو پاؤ گے سب سے زیادہ حریص زندگی پر اور مشرکوں میں سے بعض تمنا کرتے ہیں کہ ہزاروں سال کی عمر اسے دی جائے، حالاں کہ وہ معمر کر دیا جائے تو بھی عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ (پ ا ع ۱۱ سورۃ البقرۃ:۹۶)

جن کا عقیدہ کمزور ہوتا ہے، ان میں ڈر، بزدلی اور احساسِ کم تری کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ گراوٹ، حرص، لالچ اور کم ہمتی و پست حوصلگی ہے، ایسے لوگوں میں بلندئ فکر ونظر نہیں پائی جاتی، یہودیوں کا حال اسی قسم کا ہے، ان کا عقیدہ جب خراب ہو گیا تو طرح طرح کی خرابیاں ان میں آگئیں، مشرکوں کا حال بھی ان سے کچھ کم نہیں تھا، بل کہ وہ بزدلی اور حرص میں ان سے زیادہ ہیں۔

ان کا حال یہ ہے کہ مرنے کے نام سے ان کا دم نکلنے لگتا ہے اور جینے کی حرص انتہا درجہ تک پہونچ کر طرح طرح کی گراوٹ کا سبب بنتی ہے، یہود اور مشرکین اس قسم کی گراوٹوں میں بڑی حد تک ایک ہی درجہ پر ہیں اور دونوں قوموں کے فکر وخیال میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، مال ودولت کا لالچ بل کہ پرستش زندگی کو کھانے پینے تک محدود رکھنے کی خواہش اور موت کا ڈر، اخلاق وانسانیت کے معاملہ میں انتہائی گراوٹ اور تنگ دلی وبزدلی کا مظاہرہ کرتی رہتی ہیں، کیوں کہ وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے بعد والی زندگی کے عذاب وثواب کے منکر ہیں، وہ جو چاہیں اس دنیا میں سوچیں اور کریں، اللہ کے عذاب سے ان کو نجات نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

آپ فرما دیجیے کہ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل ومیکائیل کا، تو بے شک اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔(پ ا ع ۱۲، سورۃ البقرۃ:۹۸)

جہاں تک دینی اور مذہبی دوستی کا تعلق ہے، مسلمان ہر انسان سے پوری طرح کر سکتا ہے، جو توحید ورسالت اور فرشتوں کے ساتھ ساتھ اسلامی اعمال وعقائد کو تسلیم کرلے، ایسا انسان مسلمانوں کے دل ونگاہ میں جگہ پائے گا، ان کی ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ ہوں گی، اور وہ دُکھ سُکھ میں اس کے برابر کے شریک ہوں گے۔

مگر جو انسان نہ صرف یہ کہ اسلامی اصول کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہو، بل کہ وہ اللہ کے ساتھ، اس کے برحق رسولوں کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ دشمنی کا رویہ اختیار کرے، اور ان سے دشمنی وعداوت میں سرگرمی کا مظاہرہ کرے، تو ایسا انسان خدا کی دشمنی مول لیتا ہے، وہ مسلمانوں کا دوست نہیں بن سکتا، جہاں تک انسانی زندگی کے رکھ رکھاؤ کا

سوال ہے، مسلمان غیروں کے ساتھ پورا برتاؤ کر سکتے ہیں، اخلاق وعادات کی وسعت سے کام لے سکتے ہیں، بشرطے کہ غیر بھی اس کے لیے تیار ہوں۔

البتہ دینی دوستی، مذہبی مودت اور اسلامی محبت کے برتاؤ سے ان کا دل منور رہے، وہ کسی قیمت پر اپنے خدا اور رسول کے دشمن سے دینی دوستی نہیں کر سکتے، ہاں دنیاوی محبت ہر اس شخص سے کرنا ان کا اَخلاقی فرض ہے، جو اختلافِ عقائد کے باوجود ان کی طرح رواداری اور رکھ رکھاؤ کا برتاؤ رکھنا چاہتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ / مارچ ۱۹۵۲ء)

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۵

کفر کرنے والے اہلِ کتاب اور مشرکوں کا دل نہیں چاہتا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کچھ نیکی اترے، حالاں کہ اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے، خاص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (پ اع ۱۳، سورۃ البقرۃ: ۱۰۵)

اسلام کے مقابلہ میں کفر ایک اجتماعی طاقت ہے، اور جس قدر کافرانہ طاقتیں اور جماعتیں ہیں، سب کی سب اسلام کی مخالف اور بدخواہی میں ایک ہیں اور ان میں سے کسی میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ذرہ برابر خیر خواہی اور خیر سگالی کا جذبہ نہیں ہے۔

یہ تو ہوسکتا ہے کہ انفرادی اور ذاتی طور پر کسی غیر مسلم کو مسلم سے ہمدردی، تعلق اور خیر خواہی ہو، مگر اجتماعی اور جماعتی حیثیت سے کوئی بھی غیر مسلم اسلام کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ نہیں کرسکتا، کیوں کہ اگر وہ ایسا کرے تو پھر وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے، اور کُھل کر اسلام کی طرف داری کیوں نہ کرنے لگے۔

پس اجتماعی اعتبار سے مسلمان کبھی بھی دوسرے لوگوں کو پسند نہیں آسکتے ہیں اور وہ دل سے کبھی ان کے لیے بھلائی نہیں چاہ سکتے ہیں، مذاہب واَدیان کی نفسیات میں یہ حقیقت اپنی

جگہ مسلّم ہے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم جسے چاہتا ہے، نوازتا ہے، اگر مسلمان اس کی قابلیت اور استحقاق اپنے قول وعمل سے اپنے اندر پیدا کرلیں تو پھر دنیا کی ساری طاقتیں ایک طرف ہوں اور مسلمان ایک طرف ہوں، تب بھی مسلمان ہی کا پلّہ بھاری رہے گا، پس مسلمان "اِن" "اُن" سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ سے ملیں اور سب سے امید منقطع کرکے صرف اسی سے جوڑیں کہ کوئی ان کا خیرخواہ نہیں ہے اور اللہ جسے نوازنا چاہے، کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

اگر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ جائیں تو ان کے تمام مسائل طے ہوسکتے ہیں اور بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے وہ امن ومحبت کی زندگی دوسروں کے ساتھ بھی گزار سکتے ہیں اور کسی سے ان کو شکوہ بھی نہیں ہوسکتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹

بہت سے اہلِ کتاب نے تمنا کی کہ کاش وہ تم مسلمانوں کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کفار بناکر پھیر دیتے، یہ بات ان کے سامنے حق کے ظاہر ہوجانے کے بعد ان کی طرف سے حسد کی وجہ سے ہے، پس تم لوگ عفو ودرگزر سے کام لیتے رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (پ ۱ ع ۱۳، سورۃ البقرۃ:۱۰۹)

مسلمان قوم دنیا کی کسی قوم کی دشمن نہیں ہے، بل کہ تمام قوموں کی بہی خواہ ہے اور اس کا مشن ہے کہ وہ ساری دنیا کو نیکی کی تلقین کرے اور برائی سے روکے، مگر اس کی خصوصیات وامتیازات کی وجہ سے دنیا کی تمام قومیں اس کے پھیر میں رہا کرتی ہیں، اور بت پرست ہوں کہ اہلِ کتاب بننے کے دعوے دار ہوں یا دہریہ اور ملحد ہوں، سب کے سب مسلمانوں کے بارے میں نقصان دہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ یہ قوم کسی طرح

رام ہوکر ہمارے بس میں آجائے۔

پہلے زمانہ کے یہود ونصاریٰ اس طرح کی تمنا اور حرکت کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو کافر بنا کر اسلام سے پھیر دیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس حرکت سے متنبہ کرتے ہوئے بتایا کہ ایسی صورت میں تم عفو ودرگزر کی روش سے کام لو، ان سے کھل کر مقابلہ فی الحال مفید نہیں ہے، کیوں کہ ابھی تمہارے پاس ان کے جواب کے لیے طاقت نہیں پیدا ہوسکی ہے، یہی صورتِ حال آج بھی برپا ہے۔

البتہ شکل ذرا بدلی ہوئی ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ بڑی دوراندیشی سے کام لیں اور ان کی چالوں کو ناکام کرنے میں اپنے فکروذہن اور طاقت وقوت کی تمام استعداد صرف کریں، اگر مسلمان اس کا کاٹ نہیں کریں گے تو کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو اپنا جیسا بنانے کی حرکت سے باز نہیں آئیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷/مئی ۱۹۷۶ء)

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اور تم نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور تم اپنے لیے جو خیر وبھلائی آگے بھیج دوگے، وہ خدا کے یہاں بالکل محفوظ پاؤ گے اور اللہ تمہارے ہر کام سے پوری طرح باخبر ہے۔

(پ ۱ ع ۱۳، سورۃ البقرۃ: ۱۱۰)

یعنی نرغہ اور مصیبت کے وقت تم نماز کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، کیوں کہ ان دو چیزوں سے تمہارے اندر قوتِ عمل پیدا ہوگی اور تم مصائب کو آسانی سے برداشت کرسکو گے اور یہ یاد رکھو کہ تم جو خیر اور بھلائی کے کام کروگے، وہ ضائع نہیں ہوں گے، بل کہ وہ خدا کے یہاں محفوظ رہیں گے اور ان کے مطابق تم کو جزا ملے گی اور کسی مصیبت پر صبر کرنا اور نازک وقت کو ہنسی خوشی گزار دینا بھی خیر اور بھلائی ہے اور ایسی حالت میں نماز پڑھنا

اورزکوٰۃ ادا کرنا تو کہیں بڑی نیکی ہے، جس کا نفع اس دنیا میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی۔

غرض نماز اور زکوٰۃ مسلمانوں کے لیے ایک زبردست ڈھال ہیں، ان کے ذریعہ حوصلے بلند رہتے ہیں اور قوتِ عمل پیدا ہوتی ہے اور مصائب کو انگیز کرنے کی طاقت بخشی جاتی ہے، پس نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو، تاکہ معلوم ہو کہ تم خدا کے وفادار ہو اور تمہیں اس کی امداد پر پورا یقین ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور انھوں نے کہا کہ ہرگز نہیں جائیں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہود و نصاریٰ، یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ (پ ا ع ۱۳ سورۃ البقرۃ:۱۱۱)

دنیا میں خوش فہمی اور اپنے بارے میں خوش عقیدگی نے بڑی بڑی قوموں اور بڑے بڑے حساب دانوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے اور جس ملک اور قوم میں اپنے بارے میں خوش فہمی کی ذہنی بیماری پیدا ہوئی تو وہ ختم ہو کر ہی رہی، یہی حال افراد ق اشخاص کا ہے، جس آدمی کے اندر اپنے بارے میں خوش فہمی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے، وہ بھی کسی نہ کسی دن تباہ و برباد ہو کر رہتا ہے۔

اسلام کی ابتدائی دعوت کے وقت یہ مرض یہود و نصاریٰ میں بُری طرح پھیل گیا تھا، ان کا دماغ ویسے تو پہلے ہی خراب ہو چکا تھا، مگر نزولِ قرآن کے وقت ان کا یہ مرض بُری طرح ان کے اچھے اچھے دماغوں کو چڑ گیا، اور یہود و نصاریٰ دونوں ہی ایک زبان ہو کر اسلام کے مقابلہ میں کہنے لگے کہ ہم اسلام کیسے قبول کریں، ہمارا تو اعتقاد یہ ہے کہ جو یہودی اور نصرانی نہیں ہوگا، اسے جنت مل ہی نہیں سکتی، یہود جنت کے لیے یہودیت کی شرط لگاتے تھے اور عیسائی اس کے لیے عیسائیت کو ضرورت بتاتے تھے۔

اسی طرح آج کل مسلمانوں میں بعض ایسے فریب خوردہ افراد پیدا ہو گئے ہیں، جو کہتے ہیں، جو شخص ہماری پارٹی اور ہماری پیری مریدی کے حلقہ میں نہ ہوگا، اس کی نجات نہیں ہوگی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی سچائی پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی سچائی پر نہیں! حالاں کہ (دونوں مذہب کے) لوگ کتاب کو پڑھتے ہیں، اسی طرح ان ہی کے قول کے مثل وہ لوگ بھی کہتے ہیں، جن کو علم نہیں، پس اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے گا۔ (پ ا ع ۱۴، سورۃ البقرۃ: ۱۱۳)

یہود و نصاریٰ دونوں خدائی کتاب کی تلاوت کرنے والے، ایک جماعت اپنے کو تورات کا متبع ثابت کرتی، دوسری جماعت اپنے کو انجیل ماننے والی بتاتی، دونوں ہی خدا کے قائل، رسول کے قائل، آسمانی کتاب کے قائل، دونوں کا ایمان قیامت پر، دونوں کا عقیدہ جزا و سزا پر، دونوں کا اعتقاد توحید و رسالت پر۔

مگر حال یہ تھا کہ یہودی قوم نصاریٰ کو اور نصاریٰ قوم یہود کو گمراہ ثابت کرتی، اس کی تکذیب کرتی، اسے جہنمی بتاتی، خدا و رسول کا دشمن قرار دیتی اور اپنے کو متبع خدا و رسول، وارثِ جنت اور محبوبِ خدا و رسول سمجھتی، پھر ان کی یہ روش دنیا میں ان ہی تک محدود نہ رہ سکی۔

برائی کا اثر بہت دور رس اور تیز ہوتا ہے، دوسری قوموں اور ملتوں نے ایک مسلک، ایک مذہب، ایک کتاب، ایک قبیلہ، ایک خدا، ایک رسول مان کر یہود و نصاریٰ کی اس سنت پر عمل کیا اور اسی نتیجہ سے دوچار ہوئیں، جس سے قومِ یہود اور قومِ نصاریٰ کو دنیا میں دوچار ہونا

پڑا، اور آخرت کا فیصلہ رب السموات والارض کی عدالت کے حوالے ہے، اگر آپ کو اس کی مثال آج دیکھنی ہو تو مسلمان قوم سے بڑھ کر آپ کو مناسب مثال نہ ملے گی۔

اسے دیکھ لیجیے تو آپ کے سامنے یہود ونصاریٰ کی باہمی مذہبی لڑائی کا نقشہ ہو بہو آنکھوں کے سامنے آجائے گا، اگر آپ بمبئی میں ہیں، تب تو یہ مثال تازہ بہ تازہ نہایت واضح انداز میں آج کل ہر مسلم محلہ میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ

اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا، جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان کے اندر اللہ کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔ (پ ا ع ۱۴، سورۃ البقرۃ: ۱۱۴)

مکہ کے کفار ومشرکین جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم پر عرصۂ حیات تنگ کیے ہوئے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، اسی زمانے کا واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز ادا کرنے سے منع کرتے تھے اور شور مچاتے تھے، ان شریروں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ سب سے بڑے ظالم ہیں اور ان کا یہ ظلم سب ظالموں کے ظلم سے بڑھ کر ہے، اللہ کی عبادت سے روکنا اور مصلیوں سے مسجد کو خالی کرنا کرانا یا ان کو گرانا بہت بڑا گناہ ہے، اس گناہ میں وہ بھی شریک ہیں، جو پارٹی بازی کے نام پر یا کسی اور وجہ سے مسلمانوں کو مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے روکتے ہیں، مسجدوں کی آبادی یہ نہیں ہے کہ ان کو خوب خوب سجایا جائے اور نقش ونگار سے مزین کیا جائے، بجلی کی روشنی سے بقعۂ نور بنایا جائے، بل کہ مسجدوں کی آبادی یہ ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ مصلی ہوں، نماز اور جماعت کا اہتمام ہو اور ہر طرح کی آسانی فراہم کی جائے، جو لوگ اللہ کی مسجدوں کو اس طرح آباد رکھیں گے، ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بڑا اجر وثواب ہوگا اور وہ اپنے کام کا اجر وثواب پائیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، پس تم جہاں منہ پھیرو، اسی جگہ اللہ کی توجہ ہے۔

(پ ۱ ع ۱۴، سورۃ البقرۃ: ۱۱۵)

خداوند کی ذات زماں و مکاں کی حدود سے بالا تر ہے، اس کی کوئی جگہ نہیں ہے کہ وہ اسی میں سوئے، بیٹھے، رہے، بل کہ وہ زمان و مکان سے الگ ہے، اسے کسی خاص وقت میں تلاش کرنا، کسی خاص جگہ میں دیکھنا اور کسی خاص موقع پر ڈھونڈ نا، خدا کی ذات وصفات سے لاعلمی کی بات ہے، وہ کسی خاص جگہ میں اور کسی خاص مکان میں نہیں رہتا، تم جس مقام میں چاہو، خدا کو پالو، جس وقت میں چاہو، اس سے قربت حاصل کرلو۔

پس خدا شناسی کے لیے مکان وزمان کی شناخت کوئی چیز نہیں ہے، بل کہ تم ان سے آزاد ہوکر جدھر نظر دوڑاؤ گے، خدا کو پاؤ گے، اصل چیز تمہاری طلب ہے، اگر طلب صادق ہے، تو خدا تمہارے پاس اور تمہارے سانس لیتے وقت موجود ہے اور اگر سچی تلاش نہیں ہے تو خدا نہ مسجدوں میں ملے گا، نہ مندروں میں اور نہ خانقاہوں میں اس کا نشان معلوم ہوگا، پس تم اس کی تلاش میں اپنی جستجو کو لامرکزیت کے حوالہ نہ کرو اور پہلے سے جانچ پڑتال کر کے کوئی مقام اور وقت مقرر کرلو، اور مقام ووقت کی یہ تخصیص خدا کے لیے نہیں، بل کہ خدا کی طلب کے لیے ہوگی۔

خدا شناسی اور خدا پرستی کے دنیا میں مختلف طریقے جاری ہیں اور انسان ان کے ذریعہ ان کی تلاش کرتا ہے، اسلام نے اس کے لیے توحید کا طریقہ بتایا ہے اور توحید کا مرکزی مقام مسجد کو بنایا ہے، پس تم مسجد سے متعلق ہوکر خدا کی تلاش کرو، خدا ہر جگہ، ہر وقت میں ہے، صرف اس کی جستجو خاص نظریوں اور ان کے مرکزوں سے متعلق ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹ر جنوری ۱۹۵۴ء)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور جو لوگ نہیں جانتے، انہوں نے کہا اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا، یا کوئی آیت ہی ہمارے پاس آئے، اسی طرح کہا تھا، ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے، ان کے دل مشابہ ہو گئے ہیں، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کو ظاہر کیا ہے، جو یقین کرتے ہیں۔

(پ ا ع ۱۴، سورۃ البقرۃ: ۱۱۸)

جاہلوں کی باتیں بھی عجیب و غریب ہوا کرتی ہیں، اور جس طرح جاہل اجڈ لوگوں کی خواہشوں کے لیے سر پیر نہیں ہوا کرتے، اسی طرح ان کی باتوں کے لیے بھی سر پیر نہیں ہوتے، مگر شکل یہ ہوتی ہے کہ یہ بے وقوف اپنے کو جالینوس وارسطو سے کم نہیں سمجھتے اور ان کے حواری موالی ان کو ملمع بازی کر کے خوب بڑھائے چڑھائے رکھتے ہیں۔

پھر اگر کافر جاہل ہو تو اس کی کم عقلی، بل کہ بے عقلی کا کیا کہنا، اس کی بے وقوفی کے سونے پر حماقت کا سہاگہ ہوتا ہے، ایسے ہی اَن پڑھ کافروں کا مقولہ یہاں پر قرآنِ حکیم نقل فرما رہا ہے کہ ان کی منطق یہ ہے کہ ہم بڑے لوگ کسی دوسرے آدمی کی نبوت و رسالت کا اقرار کیوں کریں، اگر خدا کو نبی اور رسول بھیجنا تھا تو اس نے ہمیں کیوں نہ نبی و رسول بنایا، ہم ہی سے بات چیت کرتا، اس کے پاس سے آیات و احکام کا نزول ہمارے ہی یہاں ہوتا، تا کہ ہم اپنے حلقہ میں اس کی اشاعت کرتے اور لوگوں کو پہلے یہ بتاتے کہ دیکھو ہم کتنے بڑے آدمی ہیں اور ہمارا اثر و رسوخ کہاں تک ہے، پھر ان سے ان باتوں پر عمل کرنے کی تاکید کرتے، یعنی ہم ویسے تو اللہ کا حکم جاری کرتے، مگر اس پر عمل کرا کر اپنے حکم پر چلاتے، اس طرح نبوت و رسالت کا کام بھی چل جاتا اور ہماری بڑائی بھی مسلّم رہتی۔

قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ اس قسم کے احمق دنیا میں پہلے بھی گزرے ہیں اور ایسی بے سروپا باتیں پہلے بھی ہو چکی ہیں، آج بھی ایسے جاہل بے وقوف پائے جاتے ہیں، جو اپنی بڑائی کے

لیے بڑوں سے تعلق پیدا کرتے ہیں، چاہے وہ کیسا ہی ہو، یہ ہوس ناکی اور حماقت ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹؍ستمبر ۱۹۷۵ء)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ (پ ۱ ع ۱۴، سورۃ البقرۃ:۱۱۹)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد دنیا میں کوئی نبی، رسول نہیں آئے گا اور نہ کسی کا دعویٔ نبوت ورسالت مقبول ہوگا اور اس سلسلے میں ظلی اور بروزی وغیرہ کی آڑ کام نہ دے گی، دین اسلام سچا اور پکا دین ہے، اس میں نہ کسی قسم کا شک ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کمزوری ہے، اس کی دعوت کی دو کھلی راہیں ہیں، ایک تبشیر یعنی نیک اعمال کی نیک جزا اور جنت کی بشارت اور خوش خبری دینا اور انذار یعنی برے اعمال کی بری سزا اور دوزخ سے ڈرانا اور اس طرح خوف وبیم کی فضا میں ایسے اسلام وایمان کی دعوت دینا جو نہ سراسر قنوطی ہو کہ اس کے قبول کرنے کے نتیجے میں انسانی ذہن وفکر مایوسی اور ناامیدی کی نذر ہوکر رہ جائے اور نہ اس میں نری خوش خبری ہو کہ انسان بے خوف ہوکر غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کرنے لگے اور قانونِ قدرت کے مقابلہ میں جرأت دکھلانے لگے۔

نبی آخر الزماں کو اس طرح انذار وتبشیر کے ساتھ انسانوں کو اسلام کی دعوت دینے کی تلقین کی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ آپ کے یہ کام کر لینے کے بعد پھر آپ سے پوچھ نہیں ہوگی کہ فلاں لوگ منکر وکافر ہوکر جہنم میں کیوں گئے اور آپ ان کو کھینچ کر جنت میں کیوں نہیں لائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیثیت کو نہایت واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے اور آپ کو بتا دیا ہے کہ آپ داعی ومبلغ ہیں اور آپ سے کافروں کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا کہ انہوں نے آپ کی دعوت قبول کر کے اپنے کو اسلام میں کیوں داخل

نہیں کیا اور جنت کے مستحق کیوں نہ ٹھہرے۔

یہی قانون ہر اس داعی اور مبلغ کے لیے ہے، جو نیکی کی دعوت دیتا ہے، اسے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اپنے کو اسی انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

اور آپ سے ہرگز ہرگز یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے، جب تک آپ ان کے طریقہ پر نہ چلنے لگیں گے، آپ کہہ دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔

(پ ۱ ع ۱۴، سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

یہود و نصاریٰ اور مسلمان یہ تینوں الگ الگ قومیں ہیں اور باوجودے کہ تینوں سلسلۂ نبوت و رسالت سے منسلک ہیں اور توحید و رسالت کی دعوے دار ہیں، مگر ان سب میں کوئی عقیدہ قدر مشترک کے طور پر نہیں ہے، جہاں تک یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے، یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ہر ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر کرتی ہے۔

ہاں مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں یہ دونوں ایک ہیں، اور ان کا محاذ متحد ہے، اس معاملہ میں ان میں دو رائیں نہیں ہیں اور مسلمان ان دونوں سے الگ ہو کر توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے امتیازات و خصائص میں ان دونوں سے مختلف ہیں، اسی لیے یہ دونوں قومیں مسلمانوں کی حاسد اور دشمن ہیں اور ایک نظر بھی مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتی ہیں، اور کوشش کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے تمام خصائص و امتیازات سے دست بردار ہو کر یہود و نصاریٰ کی راہ پر چلنے لگیں، ان کے افکار و خیالات کو اپنائیں، ان کی تہذیب اختیار کریں، ان کی ثقافت پر چلیں، ان کی وضع قطع، ذہن اور چال ڈھال کو قبول کر کے اپنے اسلامی خیالات، عقائد، اعمال، تہذیب، تمدن اور وضع قطع سے منحرف ہو جائیں، ان دونوں

قوموں اوران جیسی دوسری دشمنِ اسلام قوموں کی خواہش ہے، مگر مسلمانوں کو صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہم اللہ کی ہدایت یعنی اسلام پر کاربند ہیں اور یہی ہدایتِ الٰہی دراصل ہدایت ہے، اس کے سوا سب کچھ ضلالت ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس طرح اس کی تلاوت کرتے ہیں کہ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ ناکام ہیں۔ (پ ا ع ۱۴، سورۃ البقرۃ:۱۲۱)

الکتاب اس قانونِ حیات کا دوسرا نام ہے، جو دنیا کی بستی کے لیے ابدی اور آخری لائحۂ عمل ہے، اس میں زندگی کے تمام ظاہر و باطن پہلوؤں کی رہنمائی کی گئی ہے اور زندگی کے لیے ایک ایک رجحان سے مطالعہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے رہنما کی پیروی کر کے محسن کا حق ادا کرے۔

پس جو لوگ قرآن کو صرف پڑھ لیتے ہیں، اس کے حروف و آیات کو فقط زبان سے ادا کر لیتے ہیں اور برکت حاصل کرنے کے لیے نئے مکانوں اور نئی دکانوں کی تقریب پر، مردوں کے تیجوں، فاتحوں اور برسیوں کے موقع پر اسے کھولتے ہیں اور پھر بند کر کے اس طرح طاقِ نسیان میں رکھ دیتے ہیں کہ گویا وہ صرف تبرک حاصل کرنے کے لیے تھا اور برکت حاصل ہوگئی، وہ لوگ قرآن کی تلاوت اس کے حق کے مطابق نہیں کرتے کیوں کہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے پڑھا جائے اور پڑھ کر اس پر عمل کیا جائے۔

مذکورہ بالا صورتوں میں قرآن کی تلاوت ضرور ہو جاتی ہے اور اس کے نتائج کا ظہور بھی ہو جاتا ہے، برکت حاصل ہو جاتی ہے، مُردوں کو ثواب پہونچ جاتا ہے، مگر صرف اتنا کرنے سے قرآن کا حق ادا نہیں ہوتا اور اس کا مطالبہ پڑھنے والوں کی گردن پر سوار رہتا ہے،

البتہ جولوگ اس کی آیت کی تلاوت کرتے ہیں، اس پر غور کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ قرآن کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، قرآن کی تمام تر برکات ونتائج کی توجہ ان لوگوں کی طرف ہوتی ہے اور وہ ذمہ دارانہ زندگی کی برکتوں سے مالا مال ہوتے ہیں، ان پر قانونِ قدرت کے خوش گوار نتائج اپنا اثر دکھاتے ہیں اور دنیا میں سرور وشادمانی اور عزت وآبرو کے سرمایہ کے ساتھ ساتھ آخرت میں خوش بختی وخوش نصیبی کا اندوختہ ملتا ہے۔

اے مسلمانو! قرآن کو سمجھو، سمجھ کر پڑھو اور پڑھ کر اس کے تقاضوں پر عمل کرو، تاکہ یہ قرآن تمہارے لیے حجت اور دلیل بن سکے اور خود تم پر حجت ودلیل نہ بنے، کوئی قوم اپنے نظامِ زندگی کی محض تلاوت کر کے اس کے حق سے سبکدوش نہیں ہوتی تو مسلمان قوم صرف قرآن کی تلاوت کر کے اس کے حقوق سے کیسے سبکدوش ہوسکتی ہیں؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل! یاد کرو تم لوگ میری اس نعمت کو جو میں نے تم کو انعام میں دی، اور یاد کرو کہ میں نے تم کو تمہارے دورِ اقبال کے تمام عالم پر فضیلت دی۔

(پ ۱ ع ۱۵، سورۃ البقرۃ: ۱۲۲)

قرآنِ حکیم قوموں کی یاددہانی اور فہمائش کے لیے مختلف اسلوب اختیار فرماتا ہے، کبھی خدا کے عذابوں کی یاددہانی کر کے رشد وہدایت کی دعوت دیتا ہے، کبھی تکوینی حالات وواقعات کو سامنے لاکر سمجھاتا بجھاتا ہے اور کبھی خدا کے گزشتہ احسانات وانعامات کو یاد دلاکر راہِ راست کی دعوت دیتا ہے، خدا نے قومِ یہود کو دنیا میں بڑی عزت اور سربلندی دی تھی، متعدد بار اس کو ابھرنے اور آگے بڑھنے کا موقع دیا، حکومت وسلطنت دی، علم وفضل دیا، دولت کی بہتات فرمائی اور انسانی ترقیات میں اس قوم کو اس دور کی تمام قوموں اور ملتوں پر فوقیت بخشی،

مگر یہودیت کی بے راہ رَوِی نے سب کچھ کھو دیا اور وہ خدا کے دائمی عذاب میں مبتلا ہو گئی۔

بنی اسرائیل کے اِدبار کی داستان ان کے مذہبی رہنماؤں سے شروع ہوتی ہے، ان کے مفلس ملّاؤں، خشک واعظوں، غلط مولویوں اور لڑاکو مناظروں نے دین کے نام پر قوم کو ٹھگنا شروع کر دیا، تورات وانجیل کے احکام وآیات کی تنسیخ وتاویل کرنے لگے اور امت یہودیہ کو اپنی اپنی ٹولیوں میں بانٹ کر اپنا اپنا پیٹ پالنے لگے، یہودی قوم نے بعد میں اپنے ان غلط رہنماؤں کی اینچ میں تباہی وبربادی کی وہی راہ اختیار کی، جسے آج کی ایک زندہ قوم اختیار کر رہی ہے، اور اسی گڑھے میں گری، جس میں آج کی ایک ناعاقبت اندیش قوم گر رہی ہے۔

غور کر کے بتاؤ کہ یہ آج تم نے باہمی اختلافات کے جو بُت اپنے اپنے محلوں میں بٹھا رکھے ہیں، تم انہیں خوش کرنے کے لیے ملّتِ اسلامیہ کی گردن پر چھری چلا کر موت کے کس غار میں گرو گے، خوب یاد رکھو کہ آج تم اور تمہارے ناعاقبت اندیش لوگوں نے جو رَوِش اختیار کی ہے، وہ ہمیں اور تمہیں یہودی قوم کے بُرے دن سے جلد از جلد دوچار کر دے گی۔

خداوندا! ہمارے علماء اور عوام کی عقل کو روشنی عطا فرما اور ہمیں یہودیت کے راستے سے بچا کر ایمان واسلام کی شاہ راہ پر لگا دے، اب معاملہ بہت نازک ہو چکا ہے، تیری خاص عنایت کے بغیر اس صورتِ حال کی تبدیلی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور ان لوگوں نے کہا کہ ہو جاؤ تم لوگ یہود یا نصاریٰ، ہدایت یاب ہو گے، تم لوگ اس کے جواب میں کہو کہ نہیں، بل کہ ہم ملت ابراہیم کو مانتے ہیں اور ابراہیم نہایت مستقیم تھے اور مشرک نہیں تھے۔ (پ ا ع ۱۶، سورۃ البقرۃ: ۱۳۵)

اہلِ کتاب یہود ہوں یا نصاریٰ مسلمانوں سے ان کی یہی گفتگو ہے کہ تم لوگ دینِ

اسلام کے پیچھے کیا پڑے ہو، اس کو چھوڑ کر یہودی یا نصرانی ہو جاؤ اور توریت وانجیل میں جو کچھ لکھا ہے، اسی کی تلاوت کیا کرو، ہمارے یہاں نہ احکام واوامر پر زیادہ عمل کرنا ہے، نہ یقین وعقیدہ کے لیے زیادہ ایچ پیچ ہے، بل کہ چند عقائد ہیں اور کچھ اعمال ہیں، ان ہی کو تسلیم کر لینے اور خاص خاص موقعوں پر ان کو اجاگر کرنے کا نام یہودیت یا مسیحیت ہے، اور تمہارا اسلام تو طرح طرح کے عقائد کی تلقین کرتا ہے، قسم قسم کے اعمال ووظائف کا مطالبہ کرتا ہے اور زندگی کے ظاہری وباطنی پہلوؤں کو ایک نظام میں جکڑنا چاہتا ہے۔

قرآنِ حکیم ان کی اس بات کے جواب میں مسلمانوں سے کہتا ہے کہ تم لوگ ان کے بھرّے میں ہرگز نہ آنا، بل کہ بلا لگی لپٹی ان سے صاف صاف کہہ دو کہ ہم نہ یہودیت کی راہ پر چلیں گے، نہ مسیحیت کو قبول کریں گے۔

ہمارے لیے تو ملت حنیفی ہے، ہم اس کی اتباع کریں گے اور اسلام کے دامن سے وابستہ رہیں گے، کیوں کہ ہم توحید واستقامت کے دعوے دار ہیں، حنیفیت ورضائے الٰہی کی طلب ہمارا مقصد ہے، اے یہود ونصاریٰ تم دونوں شرک میں مبتلا ہو گئے، تمہارے اعمال وعقائد میں کفروشرک کی ملاوٹ ہوگئی اور اس وجہ سے یہودیت ومسیحیت بھی دیگر باطل اَدیان کی طرح ایک باطل دین بن گئی ہے۔

ہاں حضرت ابراہیم موحد تھے، حنیف تھے اور خدا کی راہ میں توحید وخدا پرستی پر قائم رہے، پس ہم انہیں کا دین قبول کریں گے اور مسلمان بن کر زندہ رہیں گے، مسلمان غور کریں کہ انہوں نے کیا سمجھ کر یہودیت وعیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کو پسند کیا تھا اور آج یہودیوں اور عیسائیوں کی سی زندگی کس اطمینان سے گزار رہے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۶/ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ مَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اے مسلمانو! تم لوگ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اَسباط پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ وعیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم سب پر ایمان لائے ہیں۔

(پ ا ع ۱۶،سورۃ البقرۃ:۱۳۶)

مسلمان ہونا دنیا کی تمام قدیم وجدید سچائیوں کے تسلیم کر لینے کا معنیٰ ہے، ایک انسان اس وقت تک اسلام کے حلقہ میں آ ہی نہیں سکتا، جب تک وہ ان تمام حقائق کو مِن وعَن تسلیم نہ کر لے، جو اپنے اپنے زمانوں میں ظاہر ہوئے اور پھر باقی رہے یا ان کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے باقی نہ رہے۔

اس معاملہ میں بھی مسلمان دنیا کی تمام قوموں سے جداگانہ نشان رکھتا ہے، کیوں کہ دنیا میں دوسرے مذاہب کا آدمی اسی وقت اپنے مذہب کا وفادار بن سکتا ہے، جب کہ وہ دوسرے تمام مذاہب کی سچائیوں کا انکار کر دے، مگر مسلمان کو اس کے خدا کا حکم ہے کہ تم یہود ونصاریٰ کے مقابلہ میں علی الاعلان کہہ دو کہ تم سچائیوں کے حامل نہیں ہو اور تمہاری زندگیاں گمراہیوں کی نذر ہو چکی ہیں، اس لیے ہم نہ یہودی بن سکتے ہیں اور نہ نصرانی ہو سکتے ہیں، ہم تو ایک عالم گیر حقیقت پر ایمان لا چکے ہیں، جسے دنیا اسلام کے لقب سے پکارتی ہے اور جس کے دامن میں ان تمام انبیاء ورسل کی عظمتیں کھیل رہی ہیں، جنہیں تم یہود ونصاریٰ بھول چکے ہو، پس ہم تمہارے غلط کاموں کو مان کر موسیٰ وعیسیٰ کے ظاہری نام لیوا نہیں بنیں گے، بل کہ اسلام کو تسلیم کر کے ان کی حقیقی عظمتوں کے وارث بنیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

پس اگر وہ اہلِ کتاب ویسے ہی ایمان لائیں جیسے کہ تم ایمان لا چکے ہو تو وہ ہدایت یاب ہوں گے، اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ پھوٹ میں پڑے ہی ہیں، پس تمہارے معاملہ میں اللہ ان سب کے لیے کافی ہے اور وہ سمیع وعلیم ہے۔ (پ ا ع ۱۶ سورۃ البقرۃ: ۱۳۷)

اسلام دنیا کے لیے وہ آخری سہارا ہے کہ انسان لاکھ بھٹکا ہو، لاکھ کفر وشرک میں مبتلا ہوا ہو، اور لاکھ بے راہ روی اختیار کی ہو، مگر اس راہ پر آ جانے کے بعد تمام گمراہیاں کافور ہو کر چھٹ جاتی ہیں اور ان کے اثرات سے انسان پاک ہو جاتا ہے، ایک شخص جس نے اسلام کے گہوارے میں آنکھ کھولی ہے، اسلامی معاشروں میں پلا ہے، اسلام کی آغوش میں کھیلا ہے اور ایک شخص جس نے ساری زندگی بے راہ روی میں گزاری ہے اور خدا کی نافرمانی اور ناشکری کی ہے، وہ اگر مسلمان ہو جائے تو وہ بھی اسی پیدائشی مسلمان کی طرح مسلمان ہے، اس کے لیے بھی اسلام کی وہی رعایتیں ہیں، جو ایک سچے مسلمان کے لیے مقرر ہیں، انعامِ الٰہی کی بارش دونوں پر برابر برسے گی، دونوں کو یکساں پاک وصاف کرے گی اور دونوں کو ایک ہی طرح اور ایک ہی نظر سے خدا کا قانون دیکھے گا، اس حقیقت کے اعلان کے بعد بھی جو لوگ گمراہی کی زندگی بسر کریں گے، وہ ناکام ونامراد رہیں گے، ان کی زندگی رات دن ٹوٹے اور نقصان میں رہے گی اور اسلام کو وہ کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے، کیوں کہ قانونِ قدرت اسلام کا محافظ ہے، کفر وشرک کی حفاظت اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۹/اکتوبر ۱۹۵۲ء)

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اللہ کا رنگ ہے، اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا ہے اور ہم سب اسی کے لیے عبادت گزار ہیں۔ (پ ا ع ۱۶، سورۃ البقرۃ: ۱۳۸)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ زرد رنگ کفر کا رنگ ہے اور سفید رنگ اسلام کا رنگ

ہے، یہ تو دنیا میں ظاہری شعار اور علامت کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں مسلم قوم ظاہری رنگ و روغن کے اعتبار سے بھی کفار و مشرکین سے امتیازی شان کی مالک ہے، اور باطنی حیثیت سے بھی اسے امتیازی علامت درکار ہے۔

اس سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا حکم ہے کہ مسلمان دنیا کی مختلف قوموں کے اختیار کیے ہوئے رنگوں کی طرح خود کوئی ظاہری رنگ اختیار کر کے صرف اسی کو ایمان و اسلام کی آخری علامت نہ سمجھیں، بل کہ اللہ کا رنگ اختیار کریں اور خدائی رنگ کو اسلام و ایمان کا حقیقی رنگ قرار دیں، کیوں کہ یہودیت و نصرانیت اور شرک و مجوسیت کے ظاہری اور باطنی رنگ کفر کے رنگ ہیں، سب سے اچھا رنگ اللہ کا رنگ ہے، یعنی خدا پرستی کا وہ رنگ جو انسانی زندگی کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو رنگین بنا دیا ہے اور انسان اپنے وجود کو ایسا خوش رنگ محسوس کرتا ہے کہ اس کی ایمانی آنکھیں اسے دیکھ کر ہشاش و بشاش ہوتی ہیں۔

پس اے مسلمانو! اللہ رسول کے رنگ کے ہوتے ہوئے اغیار کے رنگ کو ہرگز مت اختیار کرو، بل کہ اپنے تمدن، اپنی تہذیب، اپنے شعار، اپنی معاشرت پر عمل کرو اور دین و ایمان کے رنگ و روغن سے اپنی زندگی کو رنگین کر ڈالو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

آپ کہیے کہ کیا تم لوگ ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ وہ تو ہمارا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں اور ہم خدا کے مخلص بندے ہیں۔ (پ ۱ ع ۱۶ سورۃ البقرۃ: ۱۳۹)

خدا سب کا پروردگار ہے، سب کو روزی دیتا ہے اور سب کے لیے یکساں اسبابِ زندگی عطا کرتا ہے، اور کسی نہ کسی طرح ہر انسان اس کو مانتا ہے اور اس کی ربوبیت کا اقرار

کرتا ہے، اسی طریقہ کا نام مذہب ہے، جو خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے، یہاں اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کے مقابلہ میں کہا جارہا ہے کہ اللہ رب العالمین کے بارے میں حجت کرنا سراسر حماقت ہے، اگر تم عقل وشعور رکھتے ہو تو دیکھو کہ خدا پرستی اور توحید کس کی کامل ومکمل ہے، یہودیت وعیسائیت کی یا اسلام کی؟ اور اگر تم آنکھ بند کر کے صرف حجت کرنا چاہتے ہو اور حقیقتِ حال کے سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو تو پھر وقت ضائع نہ کرو، تم اپنی گمراہی میں رہو اور ہمیں آگے بڑھ کر کام کرنے دو، ہم دین کے بارے میں صرف مبلغ ہیں، کسی سے الجھنا اور جنگ وجدال کرنا ہمارا کام نہیں ہے، یہ تو شریر وبد باطن گروہوں کا طریقہ ہے، نیکوں اور شریفوں کو اس قسم کی جنگ سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔

مسلمان غور فرمائیں کہ جب یہود ونصاریٰ کے ساتھ اسلام بے کار بحث میں پڑنا نہیں چاہتا، اور اپنی قوت کو دوسری طرف اصلاحِ حال کے لیے پھیر رہا ہے تو آج کے ناعاقبت اندیش لوگ جو اسلام میں داخل ہو کر اس کی بیخ کنی کر رہے ہیں اور باہمی جنگ وجدال کو ہوا دے کر خدا پرستی کے مقابلہ میں نفس پرستی کر رہے ہیں، ان کے متعلق مسلمانوں کا کیا فیصلہ ہونا چاہیے؟ اور ان لوگوں کا مسلمان کہاں تک ساتھ دیں؟

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰/اکتوبر ۱۹۵۲ء)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

اب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا، جس پر وہ تھے، آپ کہہ دیجیے کہ خدا ہی کے لیے مشرق ومغرب ہیں اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دِکھاتا ہے۔ (پ ۲ ع البقرہ ۱۴۲)

ظاہر بین آنکھیں ہمیشہ حقیقت بینی سے دور ہوتی ہیں، جن نگاہوں پر طرح طرح کی

رنگینیوں اور قسم قسم کی دل فریبیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں، وہ ان پردوں سے الجھ کر رہ جاتی ہیں اور انہیں واقعات وحقائق کے صاف ستھرے مناظر نظر نہیں آتے اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ یہی سطحی نگاہیں اپنے آپ کو حکم اور فیصل محسوس کر کے اپنے کو دور بین اور دوسروں کو کور چشم ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اور اپنے اندھے پن پر کوئی توجہ نہیں کرتی ہیں، اور اس قسم کا ایک واقعہ قرآن حکیم بیان فرما رہا ہے، جب کہ ہجرت کے سترہ ماہ بعد مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے ''کعبۃ اللہ'' قرار پایا تو کفار ومشرکین نے کہنا شروع کیا کہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی لائی ہوئی شریعت کو مکمل کرنے آیا ہے، اور اس کا مشن بھی وہی ہے، جو دوسرے انبیاء ورُسُل کا تھا، مگر اسلام نے اپنے قول کی سراسر مخالفت کی ہے، اور اس طرح وہ اپنا الگ نظام بنا رہا ہے، جب اس کا یہ دعویٰ ہے تو پھر قبلہ بدلنے کا کیا مطلب؟

تبدیلِ قبلہ کی وجہ سے گویا ظاہر بینوں کو اسلام کے خلاف اور ایک پروپیگنڈا ہاتھ آ گیا، اور انھوں نے اسے خوب خوب اچھالا، حالاں کہ اگر ان میں عقل وشعور کا ذرا مادہ بھی ہوتا تو وہ سمجھتے کہ اسلام جب تمام گزشتہ شرائع کی تکمیل کرنے والا ہے اور اس کا پروگرام سب سے الگ، تو اس کا مرکزی مقام بھی کوئی دوسرا بنے گا، جس سے تمام روحانی اور دینی وسائل مل جائیں گے، اور سب اسی مرکز سے اپنا تعلق قائم کریں گے، اسلام نے یقیناً پہلی شرط کی تکمیل کی ہے، اس میں ضم نہیں ہوا ہے کہ اس کے جزوی علاقائی اور ہنگامی حالات کو اپنا دائمی اور ابدی مرکز تسلیم کر لے، اسلام سے پہلے جتنے مرکز تھے، سب وقتی اور مقامی تھے، اب اسلام کے آنے کے بعد ایک بین الاقوامی مرکز کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کے پیشِ نظر کعبہ کو اسلامی تحریک کا بین الاقوامی مرکز قرار دیا گیا، مشرق ومغرب کا نقطۂ اتصال یہی مقام ہے۔ (انقلاب بمبئی)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس تم ہرگز شک وشبہ کرنے والوں میں سے

نہ بنو۔ (پ ۲ ع ۱ سورۂ بقرہ: ۱۴۷)

حق وحقانیت اور سچائی ایسی حقیقت ثانیہ ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور قائم رہے گی، کیوں کہ حق وحقانیت اللہ تعالیٰ کے ان حقائق میں سے ہے جن میں تبدیلی نہیں ہے، ازل سے لے کر ابد تک سچائی، سچائی ہی رہے گی اور حق، حق ہی رہے گا، دنیا میں لاکھ تغیرات وانقلابات ہوں مگر حق پر آنچ نہیں آسکتی ہے اور وہ سدا بہار گلشن کی طرح تروتازہ رہے گا، خدا پرستی، قیامت، قانون مجازات، خدائی فرائض وغیرہ ایسے حقائق ہیں، جن میں کسی قسم کے شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے، انسان ایمان ویقین کی روح سے معمور رہ کر ان پر عمل کریں یا ظلم وجہالت کے باعث ان کو ترک کردیں، یہ حقائق اپنی جگہ ثابت رہیں گے اور ان کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہو سکے گی، اس کے باوجود دنیا میں ایمان ویقین اور عمل وکردار سے محروم اہلِ علم کی ایک جماعت ہے، جو مشککین ومرتابین سے تعلق رکھتی ہے اور اسے ہر حقیقت میں ریب وشک ہی معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے وجود میں بھی شک کرتی ہے، ہمارے زمانہ میں بھی ایسے مشککین ومُرتابین کی کمی نہیں ہے، یہ لوگ اپنی طرح دوسروں کو ہر معاملہ میں شک وشبہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، یورپ اور روس کے لامذہبی لوگ اور دہریئے اس معاملہ میں بہت آگے آگے ہیں، ایسے چند لوگوں سے پوری انسانیت کو دور رہنا چاہیئے، خاص طور سے مسلمانوں کو تو اس طرح کی ذہنی الجھنوں سے دور رہ کر اسلام کے عقائد ومسلمات اور اعمال پر یقین کر کے عمل کرنا چاہئے۔ (انقلاب بمبئی)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

نہ کہو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں کہ وہ مردہ ہیں، بل کہ وہ زندہ ہیں مگر تم لوگ سمجھ نہیں رکھتے ہو۔ (پ ۲ ع ۳ سورۂ بقرہ: ۱۵۴)

خدا کی راہ میں یعنی اسلام وایمان کی راہ میں، صدق وصفا کی راہ میں، حق وحقانیت

کی راہ میں، اسلامی زندگی کی حفاظت وصیانت کی راہ میں جو مردانِ خدا اپنے آپ کو پیش کردیتے ہیں اور اس طرح پیش کردیتے ہیں کہ پھر اس کی واپسی کا کوئی سوال نہیں ہوتا، وہ دائمی زندگی اور اَبدی حیات کے سزاوار ہیں، وہ سَدا بہار گلستاں بن جاتے ہیں، جس میں خزاں کا تصور تک نہیں قدم رکھنے پاتا ہے، وہ فنا و بقا کی کشمکش سے نکل کر "شہادت" کے اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں، جہاں زندگی کی پہرہ داری ہے اور وہ کام یابی و کام رانی کی اس دنیا میں آباد ہو جاتے ہیں، جہاں نقصان وخُسران پَر تک نہیں مار سکتا، پس اے مادی نگاہوں کے اجارہ دارو! تم روحانی زندگی کی قدروں کو نہیں دیکھ سکتے ہو، تمہارے دماغ شہادت کے غیر فانی حقائق کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اور تمہاری ہانپتی کانپتی روح ان مردانِ خدا کی لافانی روح کے مقام کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

لہٰذا تم خدا کی راہ میں قربان ہو جانے والوں کو مردہ مت کہو، نہ زبان سے کہو اور نہ حرکات وسکنات سے کہو، تم عقل وشعور سے کوسوں دور رہتے ہوئے بھی اپنے کو بہت بڑا عقل مند سمجھتے ہو، مگر تمہاری عقل خام کار کا کرشمہ یہ ہے کہ زبان سے اگرچہ کسی بات کا اقرار کرتے ہو مگر عمل سے سراسر اس کا انکار کرتے ہو، اور پھر سمجھتے ہو کہ ہم نے قرآنی تعلیمات کے تقاضوں کو پورا کردیا۔ (انقلاب بمبئی)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور تم لوگ مت کہو ان لوگوں کو مردہ جو خدا کی راہ میں مارے گئے، بل کہ وہ لوگ زندہ ہیں، مگر تم لوگ شعور نہیں رکھتے ہو۔ (پ ۲ ع ۳ سورۂ بقرہ: ۱۵۴)

خدا کی راہ میں جان دینے کا نام شرعی اصطلاح میں شہادت ہے، شہید وہ مسلمان ہے جو خدا کے نام پر اپنی جان دے دے، قرآن حکیم کی آیات کے مطابق ایسے پاک انسان موت نہیں پاتے، بل کہ حیاتِ جاوداں کی نعمت سے زندۂ جاوید بن جاتے ہیں، وہ عالم

دنیا کی طرح عالمِ برزخ میں زندہ رہتے ہیں، وہاں پر ان کو روزی تک ملتی ہے، اور وہ اسی طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح عالَمِ دنیا میں ایک خوش دل انسان زندہ رہتا ہے۔

لیکن چوں کہ عالمِ برزخ کے حالات انسانی آنکھ سے اوجھل ہیں، اس لیے یہ برزخی زندگی بھی انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

قرآنِ حکیم فرما رہا ہے کہ اے لوگو! تمہاری سمجھ اتنی بلند نہیں کہ وہ مقامِ شہادت کی سربلندی تک پہونچ سکے۔

لہٰذا تم یہ نہ کہو کہ خدا کی راہ میں جان دینے والے بھی عام لوگوں کی طرح مردہ ہوتے ہیں، نہیں یہ بات نہیں ہے، بل کہ "ایمان بالغیب" کے طور پر سمجھ لو کہ وہ زندہ ہیں، اور زندۂ جاوید ہونے کا شرف رکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مقامِ شہادت اور مرتبۂ شہادت انسانیت کی معراج ہے، یہ وہ مقام ہے کہ اس دنیا کی فانی زندگی فنا ہوتی ہے، اور اس کی فنا ہی سے آخرت کی باقی زندگی شروع ہوجاتی ہے۔ (انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الۡہُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰہُ وَ یَلۡعَنُہُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو اس کے بعد چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو کتاب میں انسانوں کے لیے ظاہر کیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (پ ۲ ع ۳ سورۂ بقرہ:۱۵۹)

مذہبی طبقہ میں یہ صورت حال بڑی ہی خطرناک ہوجاتی ہے کہ مذہبی تعلیمات کے حاملین اور دینی پیشوا دین کے احکام کو چھپاتے ہیں اور اپنے مقصد، وقتی مصلحت اور نفسانی فائدہ کی خاطر مذہب کے اصول وفروع میں کتر بیونت کرنے لگتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کی طرف سے بھی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں اور انسانوں کی طرف سے بھی ان پر لعنت ہوتی ہے۔

یہودی علماء کا یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے تورات کے روشن دلائل اور کھلے ہوئے احکام کو جاہل یہودیوں سے چھپاتے تھے اور ان سے دنیا کماتے تھے، اسی طرح بعض دوسرے مذاہب کے علماء اور پیشوا اسی طریقہ سے روٹی کھاتے ہیں، اسلام نے ایسے خطرناک اور غارت گر ایمان دشمنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے، اور ایسا کوئی طبقہ نہیں تسلیم کیا ہے، جو مذہب کا ٹھیکہ دار اور اجارہ دار بننے کا دعویٰ کر سکے۔ (انقلاب بمبئی)

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

اور بعضے لوگ ہیں جو پکڑتے ہیں اللہ کے سوا اوروں کو شریک، ان کی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ کی، اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ محبت اللہ کی ہے۔ (پ ۲ ع ۴ سورۂ بقرہ: ۱۶۵)

اس دنیا میں انسان اس لیے پیدا کیا گیا تھا کہ وہ اپنے حقیقی خالق و مالک کو اپنا سب کچھ سمجھے، اور اسی سے اپنی زندگی وابستہ رکھے، مگر اس دنیا کی رنگینیوں نے انسان کو مختلف ٹولیوں میں بانٹ دیا، اور وہ ان میں کتنے ایسے ہو گئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے کٹ کر دوسری طاقتوں کو اپنا سہارا اور بھروسہ قرار دینے لگے، بت پرست قوموں نے اپنے بتوں اور جعلی معبودوں سے محبت کی اور اس راہ میں اپنے جذبات و احساسات کو بڑی حد تک استعمال کیا اور ایسا مظاہرہ کیا جیسا کہ خدا پرستی کے لیے ہوتا ہے، مگر چوں کہ ان کے یہ احساسات و جذبات مشرکانہ تھے اور ان میں مطلب پرستی، غرض مندی اور خود غرضی کا رجحان کار فرما تھا، اس لیے موحدوں اور خدا پرستوں جیسی زندگی نہ پا سکے، نہ ان میں مسلمانوں جیسی قربانی کا مادہ پیدا ہو سکا، نہ ان کو حق و صداقت کی راہ میں فدا کاری کا ولولہ حاصل ہو سکا، اور نہ ہی ان میں جاں نثاری و فدا کاری کی وہ روح پیدا ہو سکی جو خدا پرستوں کا ورثہ ہے اور جس سے خدا پرستوں کی بستیاں معمور رہتی ہیں۔

بت پرستی، وطن پرستی، نسل پرستی، شاہ پرستی، شخصیت پرستی مشرک قوموں کی چیزیں

ہیں اور وہ ان ہی میں اپنی سرگرمی دکھاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں کافر و مشرک قوموں نے کبھی سچائی کے لیے کوئی قربانی نہیں دی اور اللہ کی زمین پر دین و دیانت کی راہ میں کوئی کام نہیں کیا، بل کہ ان کی جنگیں اور لڑائیاں شہنشاہیت کے لیے ہوئیں، بخلاف موحدوں اور خدا پرستوں کی سرگرمیوں کے کہ ان کا رخ ہمیشہ دین و دیانت کی ناز برداری کی طرف رہا ہے اور ان میں خدا پرستی کے علاوہ کوئی دوسری غرض نہیں تھی۔ (انقلاب ۲۱ رمئی ۱۹۷۹ء)

يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

اے انسانو! جو چیزیں زمین میں ہیں، تم ان میں سے حلال طیب کو کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو، بیشک وہ تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے اوپر انسانوں کو نہایت اعلیٰ و اشرف مخلوق بنایا ہے، تا کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی زمینی برکتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھائے، حلال اشیاء کو استعمال کرے اور پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھائے اور اس دسترخوان خداوندی سے اَنواع و اَقسام کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شیطنیت و شرارت نہ کرے، زمین پر ظلم و فساد کا بازار گرم نہ کرے اور انسانیت کو کفران کی نذر نہ کرے، بل کہ امن و امان کے ساتھ عبدیت و بندگی کی صاف ستھری زندگی بسر کرے، اللہ کی زمین پر رہ کر اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو اور اس کی عبادت میں لگا رہے، اور شیطان کو اپنی زندگی میں دخیل نہ بنائے، شیطانی حرکتوں سے دور رہے اور اس کے کھلے دشمن کی پوشیدہ چالوں پر کڑی نظر رکھے، ورنہ یہ دشمن جانی و ایمانی کھاتی پیتی بستیوں کو غارت کر کے ہی دم لے گا اور انسانوں کو امن و چین کے زمانہ میں شیطان بنا کر اپنا کام کرے گا۔ (انقلاب بمبئی)

يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

اے انسانو! زمین کی پیداوار سے حلال طیب کو کھاؤ اور شیطان کے نشاناتِ قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۶۸)

قرآن انسانیت کو اَمن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے، اس کا منشا انسانی بستی کو اَمن وسکون سے آباد کرنا ہے، اور بدامنی وفساد کی جڑ بنیاد کھود کر پھینک دینا ہے، اسلام اور قرآن کا نقطۂ نظر صرف یہ ہے کہ یہ زمین خدا کی مِلک ہے، اس کی تمام پیداوار اور تمام اَحوال کوائف صرف خدا کے قبضہ میں ہیں، اور اس کے تمام انتظام واہتمام اور استعمال کا پورا حق خدا کے ان بندوں کو حاصل ہے، جو اس کے فطری اُصولوں اور جبلی قوانین پر عمل کر کے اپنے استحقاق واستخلاف کو ثابت کریں۔

انسان عمومی حیثیت سے زمین پر خدا کا نائب ہے، یعنی یہاں کے مادی نظام واہتمام اور یہاں کی اشیاء کے استعمال کے بارے میں انسان اپنی بصیرت سے کام لے اور اس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارے کہ زمین کا چپہ چپہ اَمن واَمان اور سکون وراحت اور عیش ومسرت سے معمور رہے، اور کہیں بھی فساد وبے چینی اور شرارت وبدامنی کی وبا پھوٹنے نہ پائے، بل کہ پوری انسانیت زمین کی پیداوار سے پاکیزہ غذا کھائے، تاکہ پاکیزہ خون پیدا ہو، پاکیزہ گوشت پیدا ہو، پاکیزہ دل ودماغ پیدا ہوں، پاکیزہ اَفکار وخیالات پیدا ہوں، پاکیزہ تمدن ومعاشرت برپا ہو، اور کہیں بھی شیطنت وشرارت کی آفت نہ پیدا ہو، شیطانی اثرات نہ ابھر سکیں اور آدم کی بستی میں عدوان وطغیان اور تصادم وخون ریزی کی باری نہ آئے۔

انسانیت سراسر اَمن واَمان کا نام ہے، شیطنت سراسر شرارت وعدوان کا نام ہے، شیطان ہمیشہ انسان کی گھات میں لگا رہتا ہے کہ کب موقع ملے کہ اسے تباہ وبرباد کر ڈالے، چنان چہ جس زمانہ میں شیطنت کا زور انسانیت پر غالب آجاتا ہے، اس زمانہ میں شر وفساد کی ہنگامہ آرائی ہوتی ہے، جیسا کہ آج کے زمانہ میں ہے، اور جب شیطنت اور بدی کی طاقتوں پر انسانیت اور روحانیت غالب آجاتی ہے تو امن واماان کی بنسی بجتی ہے، اور دنیا سکھ کی نیند سوتی

ہے، جیسا کہ کل کے زمانہ میں تھا۔ (روزنامہ انقلاب ۴ر جون ۱۹۵۳ء)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ﱪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾

اے لوگو! زمین کی پیداوار سے حلال وطیب کھاؤ اور شیطان کے نشانِ قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تو تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۶۸)

اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنا کر اس پر انسان کو پیدا فرمایا، تاکہ انسان اس زمین پر اچھے اچھے کام کرے اور انسانیت وشرافت کے کام کر کے اپنی تخلیق کے منشا کو پورا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے انسان کو ہر طرح کی آسانیاں دیں، زمین سے اس کے لیے پانی اور کھانا اجاگر فرمایا، فضا میں زندگی کی لہر بخشی، تاکہ انسان چین سے کھائے پیے اور اپنے وجود کو زیادہ سے زیادہ مفید بنائے، اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ انسان کو خطاب کر کے بیان فرماتا ہے کہ اے انسانو! تم زمین پر چین سے رہو، اچھی اچھی غذائیں کھاؤ، پیو، حرام غذاؤں اور مضر چیزوں کا استعمال نہ کرو، اور ایسی چیزوں سے اجتناب کرو، جو تمہاری روحانیت واَخلاق اور دین ودیانت کو اور تمہارے جسم وبدن کو صحیح وسالم رکھنے کے بجائے ان کو خراب کرتی ہیں اور شیطان غلبہ پاتا ہے۔

جب تم اَحکامِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرو گے تو ہر طرح محفوظ ومطمئن رہو گے اور شیطان تم پر راہ نہیں پا سکے گا، شیطانی راہوں سے بچتے رہو، چاہے وہ سیاست ووطن کے نام سے ہوں، چاہے دین اور مذہب کے نام سے ہوں، چاہے نسل اور قبیلہ کے نام سے ہوں، چاہے کسی اور چیز کے نام سے ہوں، بہر حال شیطانی پھندے سے بچنا چاہیے۔

افسوس کہ آج کا انسان خوب کھاتا ہے اور خوب خوب شیطانی راہ پر چلتا ہے، اس کی یہ ناعاقبت اندیشی بڑی خطرناک ہے، اور اسے لے ڈوبے گی۔ (روزنامہ انقلاب)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

اے انسانو! جو کچھ زمین میں ہے، تم اس میں سے حلال طیب کو کھاؤ اور شیطان کے نشانِ قدم کے پیچھے مت پڑو، بیشک وہ تمارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۶۸)

یہاں پر صرف مسلمانوں کو خطاب نہیں کیا جارہا ہے اور خاص طور سے کوئی مذہبِ اسلام کا عمل نہیں بیان ہورہا ہے، بل کہ پوری انسانیت کو خطاب کر کے انسانیت کا حکم بیان ہورہا ہے، اور دنیا بھر کے انسانوں کو ایک خاص تنبیہ کی جارہی ہے، یہ تنبیہ امن وامان کی بحالی وبرقراری کے لیے ہے، خدا کی زمین پر خدا کے بندوں میں خوش حالی اور سلامتی کے برپا کرنے کے لیے ہے، اور انسانوں کو آپس میں بقائے باہم کے اصول پر عمل کرنے کے لیے ہے، بات نہایت مختصر اور اصولی ہے، مگر اس کی ادائیگی سے کرۂ ارضی کی پوری انسانیت کو ہر طرح کا اطمینان ہوجائے گا، اور ہر طرف کے خوف، بے اطمینانی، پریشانی، الجھن سب ختم ہوجائے گی، تمام انسانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اس زمین سے حلال طیب روزی کھاؤ، حلال اور طیب کے دولفظ میں، ظلم وستم، زیادتی، چوری، ڈاکہ زنی، سود، بیاج، بلیک۔

غرض کہ ہر طرح کے غلط طریقہ کی کمائی سے روکا گیا ہے، کیوں کہ ان طریقوں سے حاصل کی ہوئی روزی نہ حلال ہوگی اور نہ طیب ہوگی، بل کہ حرام، خبیث ہوگی، دوسری بات یہ کہ شیطان رجیم کی دوستی اور اس کی ہم راہی انسان کے لیے کبھی راس نہیں آسکتی، اگر آدمیت کو کام یاب ہونا ہے تو شیطنت سے رشتہ توڑنا پڑے گا، اور خدا کی زمین پر امن وامان سے رہ کر پاکیزہ روزی کھانی ہوگی اور شیطنت سے دور بھاگنا ہوگا، حرام خوری کرنا، دوسروں کا حق مارنا اور شیطنت کرنا اور پھر اَمن، اَمن اور انسانیت، انسانیت چلانا ہرگز مفید نہیں ہوگا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

شیطان یقیناً حکم کرتا ہے تم کو برائی اور بے حیائی کا، اور اس بات کا کہ تم لوگ اللہ پر ایسے ایسے بہتان باندھو، جن کو تم نہیں جانتے۔ (پ ۲ ع ۵، سورۂ بقرہ: ۱۶۹)

انسانیت اور شیطنت میں ہمیشہ سے بیر رہا کی ہے، کیوں کہ انسانیت کا کام نیکی وسلامتی کی راہ پر خود چلنا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا ہے، اور شیطنت کا کام بدی اور برائی کی راہ کھولنا اور دنیا کو اس پر چلنے کی دعوت دینا ہے، پس اگر ایک پانی ہے، دوسری آگ، ایک بلندی ہے تو دوسری پستی، ایک نور ہے تو دوسری ظلمت، ایک روحانیت ہے تو دوسری مادیت وشرارت ہے، دونوں کے درمیان کوئی ایسا نقطۂ اتصال نہیں ہے، جہاں پر دونوں ایک منٹ کے لیے جمع ہوسکیں، یا دونوں میں کسی قسم کا میل ہوسکے، پھر چوں کہ شرارت وعدوان اور بغاوت وطغیان کی طاقت بڑی دوررس ہوتی ہے، ان کی ظاہری رنگینی بہت ہی جاذبِ قلب ونظر ہوتی ہے، اور حرام کاری، حرام کوشی میں بہت دیر پا لذت محسوس ہوتی ہے۔

اس لیے شیطنت نے شہوت پرستی کے راستے سے انسانیت پر ہمیشہ سے کام یاب حملہ کیا ہے، اور اسے برائی اور بے حیائی کا خوگر بنا کر دنیا میں عزت وشرافت اور اخلاق وروحانیت کا بیڑا غرق کرنا چاہا ہے، پھر جب انسان بے غیرتی اور بے حیائی سے مانوس ہوجاتا ہے اور اس سے شرم وحیا اور غیرت وشرافت کی بو باس ختم ہوجاتی ہے، تو وہ شرارت وعدوان میں آگے قدم بڑھاتا ہے، اور بداَعمالی وبداَفعالی سے گزر کر بدعقیدگی وبدخیالی پیدا ہونے لگتی ہے، خدا کے بارے میں، رسول کے بارے میں، اور دوسرے اَعمال واَفعال کے بارے میں شیطانی خیالات دخل دینے لگتے ہیں، اور انسان توحید ورسالت کی حدود میں طرح طرح کی پامالی کرنے لگتا ہے، شرک فی اللہ کی طرح شرک فی الرسول کا مرتکب ہونے لگتا ہے، اور خدا پر افترا و بہتان کا وہ طومار باندھتا ہے کہ الامان والحفیظ۔

پس شیطان انسان کا سب سے بڑا اور کھلا ہوا دشمن ہے، اس سے بچنا انسانی زندگی کی بحالی ہے، اور اس پر اس کا قبضہ ہونا انسانیت کی بُری طرح موت ہے، یہ آج کی دنیا میں جو کچھ برائیاں برپا ہیں، وہ اسی لیے برپا ہیں کہ آج کی انسانیت پر شیطان کا غلبہ وقبضہ ہے۔

(روزنامہ انقلاب ۵؍جون ۱۹۵۳ء)

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

شیطان تم لوگوں کو بُرائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور یہ کہ تم اللہ پر ایسے ایسے الزامات باندھو، جن کو تم نہیں جانتے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۶۹)

اور کہا گیا ہے کہ اے انسانو! اللہ کی زمین سے نکلی ہوئی حلال طیب روزی کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور ہر وقت تمہاری عداوت کی راہیں پیدا کرتا رہتا ہے، اسی سلسلہ میں بتایا جارہا ہے کہ شیطان کا ساتھ ہرگز مت پکڑو، ورنہ تم کو بے حیا، بے شرم، بے غیرت بنادے گا، اور تم سے انسانیت کی ایک ایک خوبی چھین لے گا، اور تم کو چوپایوں اور جانوروں سے بھی گندی زندگی پر راضی کردے گا، یہ تو زندگی کا ظاہری برا پہلو ہوگا، اور باطن میں تمہارے دین وایمان کا ناس کردے گا، عبد ومعبود کے تعلقات کی استواری ختم کر کے تم کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر جری بنادے گا، اور اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی ایسی باتیں کرنے لگو گے کہ جن کو تم پہلے سے کبھی نہیں جانتے تھے، بل کہ شیطان نے تم کو ان سب کی تعلیم وتلقین کی۔

پس شیطان کی دوستی دین ودنیا دونوں کے لیے غارت گر ہے، اور انسان شیطان والا بن کر شیطان کا شکار بن جاتا ہے، اس لیے انسانوں کو لازم ہے کہ وہ شیطان کے پھندوں سے دور رہ کر اللہ کی بندگی کریں، حلال وطیب روزی کھائیں، اور جہاں تک ہوسکے، بہتر سے بہتر زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے، اس کی اتباع کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بل کہ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اس کی اتباع کریں گے، کیا ان کے آباء واَجداد کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے؟ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۰)

دنیا میں قوم پرستی، نسل پرستی اور آباء پرستی بہت پرانی چیز ہے، اتنی پرانی جتنی کہ انسانی عقل پرانی ہے، انسان نے ہمیشہ اپنے میں ایک ایسے طبقہ کو پایا ہے، جو کسی نہ کسی رنگ میں قدامت پرستی اور نسل پرستی کا دم بھرتا ہے، ایک زمانہ میں یہ کام دین وایمان اور رشد وہدایت کے مقابلہ میں کیا جاتا تھا، اور اب یہی کام حکومت وسیاست کے نام پر کیا جاتا ہے، موجودہ روشنی کے دور میں یہ قدیم نعرہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مہذب بننے والی حکومتیں اپنے قدیم قومی ورثہ کا نام لے کر وہ تمام کام کرتی ہیں، جنھیں ایک زمانہ میں جاہل ترین طبقہ کے لوگ کیا کرتے تھے۔

فرق یہ ہے کہ جاہل توحید ورسالت کے جواب میں یہ نعرہ بلند کرتے تھے اور آج کے مہذب لوگ سیاست اور حکومت کے نام پر یہ جاہلی اور وحشی نعرہ بلند کرتے ہیں، ہمارے نزدیک دونوں طبقوں کا یہ نعرہ انتہا درجہ خطرناک اور ناکام بنانے والا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے، اس کی پیروی کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بل کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا ان کے آباء واجداد بالکل ہی بے سمجھ اور گمراہ تھے؟ (پ ۲ ع ۵، سورۂ بقرہ: ۱۷۰)

بت پرستی کی تاریخ کا اگر تجزیہ کیا جائے اور اس کی ابتدا کی بنا معلوم کی جائے تو اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز شخصیت پرستی نکلے گی، اور اسی شخصیت پرستی نے بعد میں بت پرستی،

قبر پرستی اور فلاں پرستی، فلاں پرستی کا رنگ اختیار کیا، انسان اپنے خاندان و نسل سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ مانوس اور قریب ہوتا ہے، اپنے آباء واَجداد کی برتری، خاندانی روایات کی شان داری، آبائی مفاخر و مباہات، موروثی نام و نمود اور نسلاً بعد نسلٍ شہرت پر زیادہ ریجھا رہتا ہے، اور ان کے مقابلہ میں دوسری تمام حقیقتوں کو جھٹلانے اور ان کے انکار کرنے میں بہت پیش پیش ہوتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کی کتابوں، آسمانی فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کی باتوں تک کو اپنے باپ دادا کے مقابلہ میں ہیچ کر دیتا ہے، انسان کے یہی آباء واَجداد تھے جن کے مزاروں کو اس نے پوجا، جن کو خدا کا شریک گردانا، اور جن کی ذات وصفات، انسانی ذات وصفات سے بالاتر قرار پائیں۔

چنان چہ انسان نے یہ جاہلانہ روش ہمیشہ یکساں برقرار رکھا، اور خدا کے فرستادوں نے جب اپنے مخاطب لوگوں سے کہا کہ تم کو چاہیے کہ تم خدا کی کتابوں پر ایمان لاؤ اور ان کو مان کر اپنے تمام دوسرے خیالات کو ترک کردو، تو انھوں نے صاف جواب دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے خیالات اور ان کی قائم کردہ رسموں اور رواجوں کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے، اگر تم لوگ ہدایت اور علم کی بات کرتے ہو، کیا ہمارے باپ دادا جاہل اور گمراہ تھے، جو ہم ان کو چھوڑ کر تمہاری بات مانیں، اور ان کی تکذیب کریں۔

یہی صورت حال آج بھی برپا ہے، کوئی حق بات کہو، اگر لوگوں کے باپ دادا کی رسم کے مطابق ہے، تب تو سبحان اللہ، ورنہ قابلِ قبول نہیں، اور اس کے جواب میں وہی بات سننی پڑتی ہے، جو انبیاء کو کفار و مشرکین کی طرف سے سننی پڑی ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۲؍جون ۱۹۵۳ء)

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءًؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کی مثال اس آدمی کے مانند ہے، جو چلّاتا، بلاتا ہے، ایسی چیز کو جو سنتی نہیں، مگر صرف پکارنا اور آواز دینا، وہ لوگ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ

عقل نہیں رکھتے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۱)

کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کی ذات سے منھ موڑ کر اور بتوں اور دیوتاؤں کی طرف رجوع کر کے اپنے دل و دماغ اور فکر و نظر کی تمام تر قوت کو ختم کر کے حماقت، بیوقوفی اور جہالت کو بخوشی قبول کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عقل و ادراک کی ساری دولت ان کے خزانے میں محفوظ ہے، ساری دنیا احمق اور جاہل ہے، اور یہی مشرکین عقل کل ہیں، حالاں کہ یہ خود نرے احمق ہیں اور ان کی مثال اس آدمی کی ہے، جو ایک لق و دق صحرا میں تن تنہا کھڑا ہو کر کسی ایسی چیز کو آواز دے رہا ہو، جس میں سننے کا مادہ ہی نہیں ہے، جواب دینا تو درکنار، سننا بھی اس کے بس میں نہیں ہے، مگر کچھ احمق ہیں کہ اسے پکارتے ہیں، چیختے ہیں، چلاتے ہیں اور دعا و ندا کی ۔۔۔ ساری پونجی ختم کر دیتے ہیں اور ان کی یہ آواز صدا بہ صحرا ہو کر رہ جاتی ہے۔

پس جن لوگوں کی عقل و فکر کا یہ حال ہے اور جو کفر و شرک کر کے حماقت و بے وقوفی کی اس منزل تک جا چکے ہیں، وہ اندھے ہیں، گونگے ہیں، بہرے ہیں، ان سے انسانی معاشرہ میں کوئی خیر نہیں پیدا ہو سکتی اور وہ کسی قسم کا فیض پہونچا نہیں سکتے، بل کہ وہ گندے جراثیم ہیں، جو پورے معاشرہ کو، بل کہ پوری انسانیت کو گندا کر دیتے ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب ۲۶ / مارچ ۱۹۵۸ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے مومنو! جو کچھ ہم نے تم لوگوں کو روزی دی ہے، اس میں سے طیبات کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۲)

یوں تو ساری زمین انسانوں کے لیے بنی ہے، تاکہ وہ اس کی پیداوار سے کھائے، اس کے اوپر سکونت کرے اور امن و امان کی زندگی گزارے، لیکن خصوصیت سے اس زمین کے اوپر

مومن و مسلم پر ایک خاص قسم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو عام انسانی حیثیت سے الگ ہے۔

ایک مسلمان دنیا میں دو حیثیات کا مالک ہوتا ہے، ایک تو انسان کی حیثیت، دوسرے مسلمان کی حیثیت، پس دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں مسلمان کی ذمہ داری دوہری ہوتی ہے، اس خاص معاملہ میں کہ کھاؤ اور امن سے رہو، اس کی ذمہ داری بہت اہم ہے۔

قرآنِ حکیم کے اندر اللہ تعالیٰ خاص طور سے مومنوں سے فرماتا ہے کہ جہاں تک تمہارے لیے روزی کا تعلق ہے، ہر قسم کی چیزیں مہیا ہیں، تمہارے سامنے جائز و ناجائز سب کچھ اشیاء ہیں، پاک و ناپاک چیزیں موجود ہیں، نجس و غیر نجس سب ہی ہیں، تم سب کچھ استعمال کر سکتے ہو، مگر ان میں امتیاز کرو، اور خدا کی پابندیوں کا احترام کرو، جو چیزیں پاک و طیب ہیں، ان کو کھاؤ، خود پاک و طاہر ہیں، یا پاک و طاہر طریقوں سے حاصل کی گئی ہیں، اور پھر خدا کی عبادت گزاری و شکر گزاری کیا کرو، یعنی پاک کھانا کھاؤ، پاک زندگی بسر کرو، اور پاک کلمات زبان سے نکالو، جب پاک روزی کھاؤ گے تو پاک خون اور پاک گوشت پوست تیار ہوگا، پاک خیالات پیدا ہوں گے، اور پاک زندگی کے مظاہر پاک ہوں گے، اور یہی زندگی صبر و شکر اور زہد و تقویٰ کی زندگی بن جائے گی۔

اگر انسان خدا کی بندگی کا دعویدار ہے، تو اسے اسی لائن پر اپنی زندگی کی گاڑی چلانا چاہیے اور اسی راہ سے اپنی بندگی کو کامراں و کامیاب کرنا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب ۲۰ / جون ۱۹۵۳ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو روزی دی ہے، اس میں سے طیبات کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات انسانوں کے لیے پیدا کی ہے، تاکہ وہ اس میں رہ کر اس سے اپنے حق میں فائدہ حاصل کریں اور جو چیزیں ان کے لیے مفید اور ضروری ہیں، انھیں بھرپور استعمال کریں، پھر انسانوں میں اہلِ ایمان اور خدا پرستوں سے بڑھ کر اور کون ہوگا، جو اس کی انواع واقسام کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے، خدا کی نعمتوں کے پہلے مستحق اس کے خاص بندے ہیں، پھر بعد میں دوسروں کی باری آتی ہے۔

البتہ ان خاص بندوں پر ان کے مفاد کے لیے یہ پابندی ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی اور اس کی طرف سے ملی ہوئی ہر چیز کو استعمال نہ کریں، بل کہ حلال وطیب اور پاکیزہ چیز کو استعمال کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اپنی مصلحت کے مطابق ہر قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں، خدا پرستوں کو چاہیے کہ صرف حلال وطیب کو استعمال کریں، باقی چیزوں کو چھوڑ دیں، اللہ کی اچھی اچھی نعمتوں کو اپنے انداز میں خوب استعمال کریں اور اللہ تعالیٰ کا خوب خوب شکر ادا کریں، زبانی بھی، عملی بھی، ہم جس قدر اللہ کی نعمت پر اس کا شکر ادا کریں گے، اسی قدر اس کی افراطی اور زیادتی ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے مومنو! جو روزی ہم نے تم کو دی ہے، اس میں سے پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ اور خدا کا شکر کرو، اگر تم لوگ اس کی عبادت کرتے ہو۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے قبضہ میں بہت سی چیزیں دی ہیں اور اس کے اندر بہت سی چیزوں کے استعمال کی قوت رکھی ہے، اور اگر انسان چاہے تو بہت سی چیزوں کو اپنے کام میں لاسکتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی ہر چیز کو خواہ مخواہ استعمال ہی کرے اور اپنے قبضہ وقدرت کے مظاہرے کے لیے ضرور ایسا کرے کہ نفع اور نقصان سے یکسو ہوکر ہر مفید

اور مضر چیز کو استعمال کرے۔

اگر تم سمندر میں کود سکتے ہو، آگ میں جا سکتے ہو، پہاڑ پر چڑھ سکتے ہو، زہر کھا سکتے ہو اور اسی طرح سمندر میں تیر سکتے ہو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم سمندر میں پھاند جاؤ یا زہر کھا جاؤ۔

پس اللہ تعالیٰ نے تم کو اختیارات دیئے ہیں، ان میں سے اچھے کو استعمال کرو، کمائی میں حلال وطیب کو حاصل کرو اور پاکیزہ غذاؤں کو کھاؤ، اور ناپاک غذاؤں اور حرام خواروں سے بچو، کیوں کہ ان میں تباہی و بربادی ہے، ان کی ناپاکی اور نجاست ظاہری ہو، جیسے شراب، سور وغیرہ، یا باطنی ہو، جیسے سود، جُوا وغیرہ۔

جو مسلمان خدا پر عقیدہ رکھتے ہیں، وہ ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے ہوئے حلال وطیب غذاؤں پر اکتفا کرتے ہیں اور کمی وزیادتی سے قطعِ نظر کر کے حلت وحرمت پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

اے ایمان والو! کھاؤ تم جو ہم نے تم کو روزی دی ہے، اس سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے اس کرۂ ارضی پر انسان کو پیدا فرمایا اور زمین کے اندر اور باہر اپنی بے شمار نعمتیں رکھی ہیں، تاکہ اس کے بندے اس کی زمین سے اچھی اچھی چیزیں استعمال کریں اور اس کی عبادت کریں، یہ زمین کا خزانہ فرشتوں کے لیے نہیں ہے اور نہ کسی دوسری مخلوق کے لیے ہے، بل کہ اس کا سب کچھ انسان کے لیے ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ انسان اس کو حلال وطیب طریقہ پر حاصل کرے اور حلال وطیب طریقہ پر خرچ کرے۔

یہاں پر مسلمانوں کو اس بارے میں خصوصی ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ ان کو چاہیے کہ اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے پاکیزہ اور صاف ستھری چیزوں کو استعمال کریں اور اس کا شکر ادا کریں، جس چیز کی ضرورت ہے، اس کو بے تکلف بقدر ضرورت کھائیں پئیں اور کام میں لائیں، عدوان وطغیان سے کام نہ لیں، خدا کی نعمتوں کو استعمال کر کے اُدھم نہ مچائیں، نہ دوسروں کا حق ماریں اور نہ نافرمانی کی روش اختیار کریں، بل کہ صبر وشکر، شرافت وانسانیت، عبدیت وبندگی اور دین وایمان کی زندگی بسر کریں، پھر دیکھیں کہ یہ زمین ان کے حق میں کس طرح امن وامان کا گھوارہ بن جاتی ہے، اور وہ کیسی اچھی اور نیک زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔

(روز نامہ انقلاب بمبئی ۲۵/اپریل ۱۹۷۶ء)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًاۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو، اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت خریدتے ہیں، وہ اپنے شکم میں صرف آگ کھاتے ہیں، اور اللہ ان سے قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۴)

اگر کسی حکومت کے ماتحت کارپرداز لوگ ایسا کرنے لگیں کہ اوپر سے آنے والے آرڈر کو چھپایا کریں اور عوام میں اپنی دھاگ بٹھانے اور ان سے کھانے کمانے کے لیے کسی حکم کی تعمیل تو درکنار اس کی تشہیر تک نہ کریں، تو ان حالات میں وہ حکومت ایسے لوگوں کو اپنا باغی تصور کرے گی یا معاون وہمدرد؟ اور ان کے ساتھ سزا کا معاملہ کرے گی یا جزا کا؟ بعینہٖ یہی مثال ہے، ان لوگوں کی جو دین کی حکم رانی میں اہل کار ہونے کے باوجود خدا اور رسول کے اَحکام

واَوامر اور منکرات ونواہی کو اپنے مریدوں، دوستوں، عام مسلمانوں سے چھپا کر اپنے علم وفضل کی قیمت وصول کرتے رہیں۔

قرآن حکیم کا صاف اعلان ہے کہ جو بد بخت جان بوجھ کر خدا کے اَحکام واَوامر کو چھپاتے ہیں، اور اس صورتِ حال کے نتیجہ میں لوگوں کے روپیہ پیسہ اینٹھ کر کھاتے ہیں، وہ کھانا نہیں، بل کہ جہنم کی آگ اسی دنیا میں کھا رہے ہیں، وہ اس قابل نہیں رہ جاتے کہ قیامت کے دن سرخ روئی اور کام گاری کے ساتھ خدا کی جناب میں منہ دکھا سکیں، اور خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر کے اپنے کام کی جزا پائیں، آج کے نازک زمانہ میں جب کہ دنیا کا ایک ایک مکر فن بن کر سوسائٹی پر چھا گیا ہے، بہت سے ایسے فن باز ہیں، جو کتاب وسنت کے نام پر دنیا کو لوٹتے ہیں اور عوام کے رجحان کی پرستش کرتے ہیں، اور صحیح بات کہتے ہوئے ان کی زبان پر مہر لگ جاتی ہے، یہ فن کار مختلف رنگ وروپ میں دنیا کے سامنے آتے ہیں، ان سے بچنا ہی دین وایمان کی بقا کا ضامن ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

بے شک جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب سے چھپاتے ہیں، اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے شکموں میں صرف آگ کھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے ہم کلام نہ ہوگا، نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۴)

دنیا میں یہودی قوم کے اندر یہ مرض تھا کہ ان کے علماء اپنے مطلب کی آیتیں تورات سے لوگوں کو وعظ ونصیحت میں سنایا کرتے تھے اور جو ان کے خلاف پڑتی، اسے چھپا

لیتے تھے، جیسے مجمع میں ہوتے، ویسی آیت پڑھ کر اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے علماء کی خصوصیت اگر دوسری قوموں کے علماء میں پیدا ہو جائے گی اور وہ عوام وخواص کی رعایت کرتے ہوئے، اپنے مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے اور موقع ومحل کی جستجو میں رہتے ہوئے خدا کے احکام کو چھپاتے رہیں گے اور اس کے بدلے میں جاہلوں سے پیسے اینٹھتے رہیں گے تو یہ پیسے ان کے پیٹ میں کھانا کے بجائے آگ کا کام کریں گے، یہ اپنی جہنم کو شعلوں سے بھریں گے، قیامت میں اس بدکاری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دربارِ خداوندی سے وہ دور کر دیئے جائیں گے، اور سوائے جہنم کے ان کا کہیں ٹھکانہ نہ ہوگا۔

افسوس کہ امت محمدیہ کے بعض بعض نام نہاد علماء اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں کہ اپنے عوام کے ذوق کے مطابق اللہ ورسول کی باتیں سناتے ہیں اور جو بات ان کے یا عوام کے پسند کی نہیں ہوتی اسے بڑی خوبی سے چھپا لیتے ہیں، اس حکمتِ عملی کے نتیجہ میں ان کی آؤ بھگت خوب ہوتی ہے، مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ لوگ دین اور دنیا دونوں کے لیے سخت خطرناک ہوتے ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹۵۰ء)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں، اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت وصول کرتے ہیں، وہ لوگ اپنے شکم میں صرف آگ کھاتے ہیں، قیامت کے دن اللہ ان کی طرف نہ دیکھے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

(پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۴)

کتمانِ حق اور سچائی کا چھپانا ان لوگوں کے حق میں "زہر قاتل" ہے، جو حق کی اشاعت

وتبلیغ کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں، پھر حق کو سب سے اونچی منزل اللہ کی کتاب کے احکام واوامر کو چھپانا اوراس طریقۂ کار کے بدلے کچھ لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنا، کچھ لوگوں سے کچھ پیسے وصول کرنا اور کچھ لوگوں میں اچھا بننے کی کوشش کرنا انتہا درجہ کی خرابی ہے اور ایسا کرنے والے دونوں جہان میں ذلت وخواری کا منہ دیکھیں گے، دنیا میں کتوں کی طرح اِدھر اُدھر کے ٹکڑے کھا کر ذلیل زندگی بسر کریں گے اور آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب کی لپیٹ میں آجائیں گے، آخرت کا معاملہ تو ابھی دور رہا، ان کا شکم آتش کدہ ہوتا ہے، جس میں شہوت کی گرمی رہا کرتی ہے اور زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا، پھر آخرت میں ان کو الطافِ خداوندی کا استحقاق نہیں رہ جاتا، بل کہ وہ غضبِ خداوندی کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی سختی ہوتی ہے۔

پس آج جو لوگ قرآن کی تعلیمات کو چھپا کر عوام یا خواص میں مقبولیت حاصل کرتے ہیں یا دنیاوی فائدہ اٹھاتے ہیں، وہ آج بھی ذلیل وخوار رہیں گے اور کل بھی اسی حالت میں رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے میں عذاب خریدا، پس جہنم کی آگ پر کتنے زیادہ صبر دار ہیں؟ (پ ۲ ع ۵ سورۂ بقرہ: ۱۷۵)

دنیا میں خرید وفروخت پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے، ہر آدمی اس کے ذریعہ اپنی چیزیں دوسروں کو دیتا ہے، اور ان سے اپنے کام کی چیزیں لیتا ہے، بیع وشرا ایک معاملہ ہے، جس میں باہمی تبادلہ ہوتا ہے، ایک کچھ دیتا ہے اور دوسرا کچھ دیتا ہے اور دونوں کے باہمی لین دین سے دونوں کا کام چلتا ہے، اب بتاؤ کہ کسی کو خرید وفروخت پر ہمیشہ نقصان ہوتا رہے اور وہ ہمیشہ اچھے مال کے بدلے کھوٹا روپیہ پاتا رہے، تو بھلا اس کی زندگی اس دنیا

میں کام یاب ہوسکتی ہے؟ کون عقل مند ہے، جو اس صورتِ حال کو مفید بتا سکتا ہے اور اس کے لیے اپنے کو تیار پا سکتا ہے؟

بعینہٖ یہی معاملہ روحانی زندگی کے بارے میں جاری ہے اور یہاں پر باہمی خرید وفروخت سے انسانی زندگی روح وتقدس سے فیض یاب ہوتی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں پر سودا بیچنے والا انسان ہوتا ہے اور قیمت دینے والا اس کا پروردگار ہوتا ہے، یہاں انسانوں میں معاملہ نہیں ہوتا، بل کہ انسانوں اور ان کے اللہ کے درمیان معاملہ ہوتا ہے، اب انسانی زندگی کا فرض ہے کہ وہ اس تجارت میں نفع ونقصان میں سے کیا قبول کرتی ہے۔

تم دنیاوی تجارت میں بہتر سے بہتر مال تیار کرتے ہو اور زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کی کوشش کرتے ہو، پھر بتاؤ کہ جب معاملہ نیتوں اور عملوں کی تجارت کا ہو اور انسانوں سے نہیں، رب السماوات والارض سے براہ راست تجارت ہو تو پھر تم کو اپنا مال کس قدر بہتر بنانا چاہیے اور اس کی قیمت کو اچھی سے اچھی حاصل کرنے کے لیے کس قدر ایثار واخلاص کی ضرورت ہے، اوپر کی تصریحات کو بغور دیکھو اور ان لوگوں میں سے نہ ہو، جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۰/جون ۱۹۷۳ء)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو، لیکن نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ اور یومِ آخرت اور ملائکہ اور کتاب اور انبیاء پر۔ (پ ۲ ع ۶ سورۂ بقرہ: ۱۷۷)

خدا پرستی اور ایمان داری کے لیے کسی سمت اور رخ کی پابندی نہیں ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ اللہ کی عبادت اور دین کا کام کسی ایک ہی رخ پر یا کسی ایک ہی مقام اور جگہ میں ہوسکتا ہے، بل کہ بات یہ ہے کہ اللہ کے احکام واوامر مخصوص ہوتے ہیں اور ان کی خصوصیت

کو برقرار رکھنے سے ایمان داری اور خدا پرستی کے لیے یہود ونصاریٰ کے قدیم محترم مقام کو چھوڑ کر اپنا ایک الگ مرکز قلب ونظر بنانا اور مسجدِ اقصیٰ کے احترام وتعظیم کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کو اپنا کعبہ بنایا تو یہود ونصاریٰ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا ایک اہم موقع ان کے خیال میں ہاتھ آ گیا اور انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دنیا کے قدیم دینی مرکز کو چھوڑ کر مسلمان دین دار اور خدا پرست بننا چاہتے ہیں۔

ان کے اس پروپیگنڈے کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور خدا پرستی کسی گوشے اور کونے کی پیداوار نہیں ہے کہ اسی میں وہ پائی جائے، بل کہ نیکی تو ان لوگوں کے اندر ہوتی ہے جو اللہ پر، اللہ کے رسول پر اور قیامت پر ایمان لائیں اور دنیا میں نیکی کے کام کریں اور برائیوں سے خود بچ کر دوسروں کو بچائیں اور ایک خدا سے ڈریں، یہ نیک لوگ ہیں، اس لیے نہیں کہ یہ کسی ایک سمت کی طرف نماز پڑھتے ہیں، بل کہ اس لیے کہ ان کے اندر یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔

البتہ جہاں تک کعبہ کی مرکزیت کا تعلق ہے، وہ مسلمانوں کا قبلہ ہے اور عام حالات میں قانونی طور سے اسے اسلامی اور ایمانی تحریک کی مرکزیت حاصل رہے گی۔

(روزنامہ انقلاب ۸/اپریل ۱۹۷۵ء)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾

اے مومنو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا جا چکا ہے، تاکہ تم لوگ متقی بن جاؤ۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۳)

اسلام کا منشا اس کائنات میں ایک ایسی فضا پیدا کرنا ہے، جو انسان کو تقویٰ اور روحانیت کی اعلیٰ قدروں پر پہونچا دے، اس لیے اس نے چند عقائد اور چند اَعمال مقرر کیے

ہیں، جن کے امتزاج سے اسلام کی حقیقی روح پیدا ہوتی ہے، ان ہی اعمال میں سے ایک عمل رمضان کا روزہ ہے، روزہ کیا ہے؟ رمضان کے مہینہ میں مادی لذتوں سے دن بھر رکنا ہے، پھر چوں کہ رمضان کے اندر رضا کارانہ جذبات بنتے بگڑتے رہتے ہیں، اس لیے اسی کے پیشِ نظر اسلام نے اسے فرض قرار دے دیا، تاکہ اسلام کے دعویدار اسے رضا کارانہ خدمت سمجھ کر غفلت نہ برتیں، بل کہ اسلام کا ایک اہم رکن اور بنیادی قانون سمجھ کر اس کے احترام کے لیے ان کی دینی زندگی ہمہ تن تیار ہو جائے، خدا کے نام پر مادی لذتوں سے رکنا خدا کے قدیم قانون میں داخل ہے، اور ہر وہ قوم جس نے خدا کے دین کی پیروی کسی نہ کسی رنگ میں کی ہے، اس نے کسی نہ کسی نوعیت میں روزے بھی رکھے ہیں، کیوں کی انسانی سرکشی کو رام کر کے تقویٰ و احسان کی ضرورت ہر زمانہ میں رہی ہے۔

قرآن حکیم ہمیشہ مسلمانوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ رمضان کے روزے فرض کیے جا رہے ہیں، اس فرض کی ادائیگی کا منشا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تم میں نیکی اور دیانت کا ملکہ پیدا ہو جائے، صداقت اور خدا ترسی کی روح پیدا ہو جائے، اور ایک مہینہ کے عمل سے ایسی زندگی پیدا ہو جائے، جو گیارہ مہینوں تک تمھیں راستی اور صداقت کی شاہ راہ پر لے چلے، اور سال بہ سال ایسا کرنے کی وجہ سے تم متقیانہ زندگی کے مالک بن جاؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

اے مومنو! تم لوگوں کے اوپر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم لوگ متقی ہو جاؤ۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۳)

یہاں مومنوں سے خطاب ہو رہا ہے، جن کے رگ و پے میں اسلام کی روح سرایت کیے ہوئے ہے، جو اَخلاق و روحانیت اور خدا پرستی کی انتہائی منزل کو پہونچ کر معرفتِ خداوندی

اور تسلیم ورضا کے مقام کو پا چکے ہیں، اور جو ہمہ تن اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ کوئی حکم آئے تا کہ وہ تسلیم ورضا کی گردن کو جھکا کر مقامِ عبدیت کو اور اونچا کرلیں، اور یہ خطاب ایسے لوگوں سے اس لیے کیا جارہا ہے کہ جو حکم ہونے والا ہے، اس کی روح کو ایسے ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کرنے میں اپنی سعادت مندی ونیک بختی محسوس کرتے ہیں، اور جن کے دل ودماغ دیانت وروحانیت کی متاعِ گراں مایہ سے خالی ہیں اور جو تسلیم ورضا کی زندگی میں کوئی لذت محسوس نہیں کرتے، اس کے لیے اس عظیم حکم کے سلسلے میں خطاب کا کوئی موقع نہیں ہے، کیوں کہ اس حکم پر عمل کرنے کا جو نتیجہ بتایا گیا، یعنی تقویٰ کی زندگی کا ہونا، وہ ایسے لوگوں کے لیے ایک مَضحکہ خیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور وہ تقویٰ کے معنیٰ تک سمجھنے سے قاصر ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اے ایمان ودیانت کے خوگر لوگو! اور تقویٰ وخدا ترسی کے ڈھونڈنے والو! تمھیں بشارت ہو کہ تم پر رمضان کے مہینے میں روزہ فرض کیا گیا ہے اور تمھارے مقاماتِ عالیہ میں اور بلندی پیدا کرنے کا سامان ہو رہا ہے، کیوں کہ ہمیشہ سے خدا کا دستور رہا ہے کہ جب کسی قوم میں ایمان ودیانت کی استعداد وصلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو اسے اور اونچا کرنے کے لیے روزہ کی ترکیب بتائی جاتی ہے، تا کہ انسانیت کی برتری واکملیت کا پورا مظاہرہ ہو جائے۔

روزہ کا مقصد انسانوں کو بھوکا مارنا نہیں ہے، بل کہ انسانی زندگی کی غلط راہوں پر ایسا پہرہ بٹھانا ہے، جو ایک ماہ رہ کر سال بھر کے لیے انسانیت کو شر وفساد سے پاک کردے اور اس کی سالمیت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ ہونے پائے، اسی وجہ سے روزہ صرف بھوکا رہنے کا نام نہیں ہے، بل کہ صبح سے شام تک کھانے، پینے اور ان تمام حرام کاریوں اور بدعملیوں سے پرہیز کا نام ہے، جو انسان کے لیے خطرناک وتباہ کن ہیں، انسانی سوسائٹی میں ان کا نام غیبت ہو، یا گالی گلوج، حرام کاری ہو، یا بدعملی، شراب وکباب ہو یا شعر وشباب، غرض کہ ہر قسم کی شیطانی شہوتوں سے پرہیز کا نام روزہ ہے، اور اس پر عمل کا نتیجہ تقویٰ کی

زندگی کا حصول ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۴؍مئی ۱۹۵۳ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

اے مومنو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۳)

رمضان کے روزے امت مسلمہ کے لیے نئے نہیں ہیں، بل کہ یہ چیز انسانی زندگی کے لیے ایک جانی پہچانی حقیقت ہے، اور جس طرح دنیا میں انسان دوسرے تمام حالات سے گھبراتے رہتے ہیں، اسی طرح روزہ بھی قدیم زمانہ سے دنیا کی ذمہ دار قوموں کے لیے ایک چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے آج تک جس قدر روحانی نظام دنیا میں چلتے ہیں، ان سب میں کسی نہ کسی صورت میں روزہ کا تصور اور عمل موجود ہے، یہ ضروری ہے ہر قوم اور ہر مذہب کے نزدیک اس کے طریقے اور اصول جداگانہ ہیں اور نوعیتیں مختلف ہیں۔

اسی لیے امت مسلمہ جو دنیا کی ذمہ دار تر جماعت بنائی گئی ہے، اور جسے دنیا اور آخرت میں کام یاب و بامرام نظام دیا گیا ہے، اسے بھی روزہ کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ اس کی زندگی میں خداترسی اور روحانیت کا مقام پیدا ہوسکے اور اس کے غیر مادی اثرات دنیا میں تمام قوموں کو اپنا سکیں، پس روزہ کا مقصد سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ قدیم سنت کی پابندی کی جائے، اور خداترسی اور تقویٰ پیدا کر کے اپنی زندگی کو کام یاب سے کام یاب تر بنا دیا جائے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اور ان لوگوں پر جو کہ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں، ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ

ہے، پس جو شخص نیکی کرے تو اس کے لیے بہتر ہے، اور تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۴)

قرآن کے احکام یک بارگی نہیں نازل ہوئے، بل کہ انسانی فطرت و عادت کا لحاظ کر کے اس کے اَحکام واَوامر نازل ہوتے ہیں، اور وہ تمرین و مشق کے ذریعہ انسان کو اپنا خوگر بناتے ہیں، اگر اسلام یک بارگی اپنے الڑھ اور جاہل مخاطبوں سے مطالبہ کر دیتا کہ دن میں پانچ نماز پڑھو، مال کی زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو، اور پھر ان کے بعد فضل واحسان کی زندگی گزارو، تو اس کی آواز کو کوئی نہیں سنتا، تمام کے تمام بدک جاتے اور دین کی تعلیم ان کے لیے مفید نہ ہوتی۔

اسی لیے اسلام نے ابتدا میں توحید و رسالت کے بعد صرف چند رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اور بس، پھر جوں جوں لوگ اسلام سے مانوس ہوتے گئے، اس کے احکام ان پر وارد ہوتے گئے، یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دین اپنے تمام احکام کے اعتبار سے کامل و مکمل ہو گیا۔

یہی حال روزے کے بارے میں رہا، ابتدا میں تھوڑے دن اختیار دیا گیا کہ چاہے روزہ رکھو، چاہے فدیہ ادا کر دو، چنان چہ اوپر کی آیت کا پہلا فقرہ اسی ابتدائی اختیار کا پتہ دیتا ہے، پھر جب ذرا لوگ مانوس ہو گئے تو فوراً ہی دوسرا فقرہ شروع ہوا کہ روزہ رکھا کرو، یہی خدا پرستی کا تقاضہ ہے، چنان چہ اب کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھ کر روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے کر اپنی گردن چھڑائے، کیوں کہ اب یہ اختیاری بات نہیں ہے، بل کہ قانون بن چکا ہے، جس میں طاقت رکھنے والوں کے لیے کوئی لچک نہیں ہے، البتہ بیماروں، مسافروں اور دوسرے مجبوروں کے لیے اتنی مہلت ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں اس قانون پر عمل کریں، اور عمومی وقت کی پابندی نہ کریں، قانون کی پابندی بحالہٖ رہی، البتہ وقت کی پابندی میں رعایت کر دی گئی ہے۔

پس آج کسی کو حق نہیں ہے کہ موٹا مسٹنڈا ہوکر روزہ نہ رکھے اور کسی فقیر کو کھانا کھلا دے، عہدِ صحابہ میں کوئی مثال اس کی نہیں ملتی ہے، بل کہ جمہور علمائے اسلام کے نزدیک ابتدائی حکم منسوخ ہوگیا، اور اب آخری حکم پر عمل کرنا ہے کہ جو شخص رمضان کے مہینے کو پائے، تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔ (روزنامہ انقلاب ۱۴ر مئی ۱۹۵۳ء)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ۔

اور رمضان کے مہینے میں جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو روزے کی گنتی کو دوسرے دنوں میں پورا کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا ہے۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۵)

اسلام صحت مندوں کے لیے بھی ہے، بیماروں کے لیے بھی، مقیموں کے لیے بھی ہے اور مسافروں کے لیے بھی، اس کے احکام واوامر معذور اور غیر معذور سب پر لاگو ہوتے ہیں اور ان کے عواقب ونتائج کی خوش گواری سے ہر ہر آدمی فیض یاب ہوسکتا ہے اور اپنا حصہ پاسکتا ہے،، اسلام کے اصولوں کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اتنے عام ہوتے ہیں اور ان میں اتنی ہمہ گیریت ہوتی ہے کہ کوئی انسان ان سے بچ نہیں سکتا اور ساتھ ہی ان میں اتنی لچک ہوتی ہے کہ کوئی ان سے منہ موڑ نہیں سکتا، پس نہ اسلامی اصول کسی کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ کوئی شخص اسلامی اصول کو چھوڑ سکتا ہے، بل کہ جانبین میں اس قدر جاذبیت اور لچک ہوتی ہے کہ بے اصولی اور بے اتفاقی نہیں ہونے پاتی، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان مرض اور صحت میں روح کو بحال رکھے اور عقل وہوش سے بیگانہ نہ ہو، اسلامی زندگی اپنے نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر خوش گوار وخوش نما ہوتی ہے کہ اس کے لیے ہر پاک روح لپکتی ہے، پھر ساتھ ہی اس میں اس قدر نرمی اور آسانی ہوتی ہے کہ آدمی ہر موقع پر، ہر حال میں اور ہر

صورت میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ نہیں کہ اگر آج اس صورت سے ان پر عمل کرو گے تو نیک نتائج مرتب ہوں گے اور پوری نیکی ملے گی اور اگر آج یہ کام نہ کر سکے اور کسی وجہ سے کل کرو گے تو بے بہرہ و ناکام رہو گے اور تمہارے کاموں کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

قرآن حکیم کی تصریح ہے کہ روزہ کو بھی اپنی مجبوری کے دنوں میں اٹھا سکتے ہو اور مرض وسفر کے عالم میں اپنی نئی مجبوریوں کے پیشِ نظر اسے پس پشت ڈال سکتے ہو، مگر اس کی فرضیت کو اپنے اوپر سے ختم نہیں کر سکتے، تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ روزے کو سرے سے ختم ہی کر دو، خدا تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کر رہا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم چوری کرو اور پھر سینہ زوری دکھاؤ، اگر یہ حرکت کرو گے تو وہ مار پڑے گی کہ ہوش اڑ جائیں گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ

رمضان کے مہینہ میں قرآن نازل کیا گیا، جو کہ انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور فرقان کی بینات ہے۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۵)

روزہ کی فرضیت ایک خاص موقع اور خاص وقت میں ہوئی ہے، یہ نہیں ہے کہ یہ کام جب ہو جائے بہتر ہے، ایک یہ کہ مقصد کے موافق ہے، ایک کیا دس ماہ تک کوئی روزہ رکھے مگر وقت کی پابندی نہ کرے تو وہ روزہ اس روزہ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، جو رمضان کے مہینہ کا روزہ ہے، کیوں کہ روزہ رکھنا صرف ایک علاج نہیں ہے کہ جب جی چاہے اور جیسے چاہے اس کو برت لیا جائے، بل کہ ایک عبادت ہے جو وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، چوں کہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اس کا حکم عام ہے اور ہر ملک اور ہر خطہ کے مسلمان اس کے مخاطب ہیں، اس لیے اس کی عمومیت کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ ایک ہی وقت میں

تمام دنیا کے انسان روزہ رکھیں اور اسلام کی اجتماعی زندگی کی شان نمایاں ہو۔

تمام ایسے مسلمان جن پر روزہ فرض ہے، دن میں بھوکے پیاسے رہیں گے، رات کو عبادت و ریاضت میں بسر کریں گے اور رات و دن کی مبارک و متبرک گھڑیوں میں اپنے خدا کو یاد کریں گے اور بستی کی بستی، شہر کا شہر، ملک کا ملک، بل کہ ساری دنیا اسی ایک رنگ میں نظر آئے گی، اس عظیم الشان تقریب کے لیے قمری مہینہ رمضان منتخب کیا گیا ہے، اسی میں اس کے تمام اَعمال و وَظائف ادا کیے جائیں گے، کیوں کہ رمضان کا مہینہ اپنے اندر بڑی عمومیت اور اجتماعیت رکھتا ہے، روزہ جیسے اجتماعی کام کے لیے رمضان جیسا اجتماعی مہینہ ہی چاہیے تھا۔

یہ مہینہ اس کتاب اور قانون کے نزول کا مہینہ ہے، جو ساری دنیا کی آخری کتاب ہے اور جس میں انسانی ذہن و فکر اور عمل و حرکت کے لیے رشد و ہدایت ہے اور رشد و ہدایت کے لیے اس میں دلائل اور بینات ہیں اور ایسے ایسے وظائف و اَعمال موجود ہیں جو اچھے اور بُرے انسانوں میں امتیاز کرتے ہیں اور جس کی وجہ سے انسانیت بدی کے گڑھے میں گرنے سے بچ جاتی ہے، پس تو روزہ ایک اجتماعی حکم ہے، اسے رمضان کے مہینے میں ادا کرنا چاہیے، جس کے اندر قرآن کا نزول ہوا، جو اپنے دلائل و براہین کی عمومیت کی وجہ سے اجتماعی قانون کی کتاب ہے۔ (روزنامہ انقلاب ۲۳ رفروری ۱۹۷۹ء)

وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور تا کہ تم لوگ شمارے کی تکمیل کرو اور تا کہ تم لوگ بتائے ہوئے طریقہ پر اللہ کی بڑائی کرو، اور تا کہ تم لوگ شکر گزار ہو جاؤ۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۵)

قانون کا احترام اور اس کا ظاہر و باطن میں تسلیم کر لینا جب ہی ہو سکتا ہے، جب کہ قانون پر عمل کیا جائے، اس کے منشا کو سمجھا جائے، اور اس کی روح سے واقف ہو کر اس کی تہ تک پہونچا جائے،، اگر یہ باتیں نہیں ہیں تو نہ قانون پر عمل درآمد ہوگا، نہ اس کے نتائج کی

خوش گواری سے حصہ مل سکے گا۔

قرآن حکیم رمضان المبارک کو تفصیل کے ساتھ بیان فرما کر اب بتا رہا ہے کہ رمضان کی اجمالی حقیقت اتنی ہے کہ تم قانون کی خانہ پُری کرو، تیس دن تک روزے رکھو، اور اس بات میں مت پڑو کہ روزہ کیوں رکھا جائے، اس کی کیا ضرورت ہے، اور تقویٰ حاصل کرنے کے لیے کوئی دوسرا کام کیوں نہ کر لیا جائے، یہ سب نہ کرو، بل کہ رمضان کے روزے ایک گنتی سمجھ کر پورا کرو، ایک قانون سمجھ کر بجالاؤ، اور ایک حکم سمجھ کر تعمیل کرو، کیوں کہ روزہ کا مقصد تقویٰ اور خداترسی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح اور ہر قسم سے خدا کی تقدیس و تکبیر کی جائے، اس کی عظمت و برتری کو اجاگر کیا جائے، اللہ کی بندگی جس طرح، جس وقت اور جس قسم سے ہونی چاہیے، اس کی تعظیم کے طریقوں میں، ایک طریقہ روزہ بھی ہے، پس اسے کم از کم خدا کی تعظیم کے اعتبار ہی سے نہایت عزت واحترام سے بجالانا چاہیے، پھر تم پر خدا نے آنکھ کھولنے سے پہلے سے مرنے کے بعد تک لمحہ لمحہ اپنی نعمت کی بارش کی ہے، تم کو ہر طرح سے نوازا ہے، اور اس قابل بنایا ہے کہ تم اچھے برے کو سمجھتے ہو، پس اس نعمتِ خداوندی کے شکریہ کے لیے بھی تمھیں لازم ہے کہ سال میں ایک ماہ روزہ رکھ کر خدا کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور کھانے پینے سے رک کر دیکھو کہ تمھیں خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو کس قدر اونچا سمجھنا چاہیے، کسی چیز کی قدر اس کے بعد معلوم ہوتی ہے، تو کھانے پینے کی قدر بھوک و پیاس میں معلوم ہوگی، غرض کہ روزہ کا مقصد قانون کی خانہ پری، خدا کی برتری اور شکرگزاری ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

روزے چند گنے چنے دن ہیں، پس جو آدمی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو، تو دوسرے دنوں سے وہ اس گنتی کو پورا کرے۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۵)

روزہ ایک طریقۂ علاج ہے، انسانی زندگی کے لیے مستقل حکم نہیں ہے کہ اسے انسان اپنے لیے ایک مستقل مرض سمجھ کر گھبرائے اور اس کے استقبال میں پس وپیش کرے، علاج کے لیے ایک مدت ہوتی ہے اور جیسا مرض ہوتا ہے، علاج کی مدت بھی ویسی ہی ہوتی ہے، قدرت خوب سمجھتی ہے کہ انسانی فطرت میں اتنی صلاحیت ہے کہ اگر سال میں ایک ماہ وہ عبادت وریاضت کرلے تو بقیہ گیارہ مہینے روحانی حیثیت سے نہایت صحت مندی وتندرستی سے گزریں گے، اور خبیث اَمراض کا دھاوا نہیں ہوسکے گا، اس لیے روزہ کے لیے چند دن مقرر کیے گئے، تاکہ ان ہی ایام میں انسان سال بھر کے جراثیم کو مار ڈالے، اور بیماریوں کے تمام سوراخوں کو بند کردے۔

اسلام کا کوئی حکم انسانی فطرت کی رعایت کے بغیر نہیں ہے، وہ ہر بات میں ماحول اور سوسائٹی کی پیدا کی ہوئی چیز جبلی طبیعت کا لحاظ تو نہیں کرتا، مگر فطری طبیعت کا ضرور لحاظ کرتا ہے، اور کوئی حکم ایسا نہیں دیتا، جو انسانی فطرت کے خلاف ہو، اور انسان اس پر عمل کرنے سے عاجز ہو، اسی روزے کے چند دنوں کے ساتھ ساتھ اسلام نے حاجت مندوں اور مجبوروں کا لحاظ کیا ہے، اور آنکھ بند کرکے ایک ہی حکم سب پر نہیں لگایا ہے، اسلام اصلاح وعلاج چاہتا ہے، تکلیف ومصیبت میں مبتلا کرنا اس کا مقصد نہیں ہے۔

پس جو لوگ مریض ہیں، کمزور ہیں اور علاج ومعالجہ میں پھنسے ہوئے ہیں، ان سے اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم دوا علاج کو برطرف کرکے روزہ رکھنا شروع کردو، تمہاری صحت گرجائے، یا تم مرجاؤ، مگر روزہ ضرور رکھو، کیوں کہ روزہ خود انسانی صحت مندی کی بحالی کے لیے فرض کیا گیا ہے، اگر بیماروں کو بھوکے پیاسے رہنے کا حکم دیا جاتا تو اس کا نظریۂ صوم فوت ہوجاتا، بل کہ اس کے بالکل برعکس نتیجہ ظاہر ہوتا۔

اسی طرح دوسرے حاجت مندوں اور مجبوروں کو بھی اسلام نے رعایت دی ہے، حتیٰ

کہ وہ لوگ جو گھر بار سے باہر ہیں اور شرعی سفر پر ہیں، نہ صبح وشام کی خبر ہے کہ کہاں ہوگی، نہ افطاری وسحری کا پتہ ہے کہ ان کا انتظام کیا ہوگا، یہ نہ معلوم کہ رات اور دن کے کن اوقات میں پیدل یا سواری سے چلنا پڑے گا، ایسے لوگوں کے لیے بھی، روزہ کی خاص گھڑی اور خاص وقت مقرر نہیں ہے، بل کہ وہ اسلام کی رعایت سے پورا فائدہ حاصل کرنے کے مستحق ہیں، البتہ چوں کہ روزہ ایک علاجِ روحانی ہے، لہٰذا اسے صحت کے بعد یا سفر کے بعد رکھنا پڑے گا، اور عذر کے بعد اس مدت کی تکمیل کرنی پڑے گی، بہر حال روزہ کسی حالت میں معاف نہیں ہوسکتا، جب اور جیسے ہو، اسے رکھنا ہی پڑے گا۔ (روز نامہ انقلاب ۵ رفروری ۱۹۵۴ء)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ماہِ رمضان میں قرآن نازل کیا گیا، جس میں لوگوں کے لیے ہدایت ہے، اور ہدایت وفرقان کے دلائل ہیں، اس لیے جو تم میں سے اس مہینہ کو پائے تو روزہ رکھے، اور جو مریض یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں مدت پوری کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا، تا کہ ماہِ رمضان کی پوری مدت تم پوری کرلو، اور اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کی کبریائی گردانو، اور شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ (پ ۲ ع ۷، بقرہ: ۱۸۵)

رمضان کا پورا مہینہ انسانی زندگی کے لیے سب سے بڑی یادگار ہے، کیوں کہ انسان کے لیے ابدی قانون اور جامع اصول اسی ماہ میں مرتب کر کے بھیج دیا گیا ہے، پس یہ مہینہ ”شہر قانونِ انسانی ہے“، اور اس کا ہر دن ”یومِ اصولِ انسانی ہے۔ قرآن حکیم اسی تقریب کے منانے کی دعوت دے رہا ہے، اس ماہ کی تقریب سعید یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اس مقدس ماہ میں تندرست

وتوانا رہ کر سکون وقرار کے ساتھ زندہ رہے تو اسے ضروری ہے کہ وہ روزہ رکھے، پھر چوں کہ مقصد پورے ایک ماہ میں روح کی پاکیزگی کا عملی جذبہ ہے، لہٰذا اگر کوئی سفر میں ہے، یا مرض میں ہے، تو اسے فرصت ہے کہ وہ سال کے کسی دوسرے ماہ میں ایک ماہ کی مدت روزہ رکھ کر گزار دے۔

مطلب یہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش کسی صورت میں نہیں ہے، بل کہ بہر حال اس تقریب کو منانا پڑے گا، اگر خاص ماہِ رمضان میں نہیں تو غیرِ رمضان میں سہی، خدائی نظام انسانوں کے لیے رحمت ہے، اس میں سختی کا نام تک نہیں ہے، پورا مہینہ روزہ رکھنا، ایک قانونِ خداوندی ہے، مگر اس میں بشرطِ عذر لچک ہے، اتنی صلابت نہیں کہ انسانوں پر مسلط ہو کر ان کے لیے زحمت کا باعث بن جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ

اور رمضان کے مہینے میں جو شخص بیمار ہو، یا سفر پر ہو، تو روزے کی گنتی کو دوسرے دنوں میں پورا کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا ہے۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۵)

اسلام صحت مندوں کے لیے بھی ہے، بیماروں کے لیے بھی، مقیموں کے لیے بھی ہے اور مسافروں کے لیے بھی، اس کے اَحکام واَوامر معذور اور غیر معذور سب ہی پر لاگو ہوتے ہیں اور ان کے عواقب ونتائج کی خوش گواری سے ہر ہر آدمی فیض یاب ہو سکتا ہے اور اپنا حصہ پا سکتا ہے،، اسلام کے اصولوں کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اتنے عام ہوتے ہیں اور ان میں اتنی ہمہ گیریت ہوتی ہے کہ کوئی انسان ان سے بچ نہیں سکتا اور ساتھ ہی ان میں اتنی لچک ہوتی ہے کہ کوئی ان سے منہ موڑ نہیں سکتا، پس نہ اسلامی اصول کسی کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ کوئی شخص اسلامی اصول کو چھوڑ سکتا ہے، بل کہ جانبین میں اس قدر جاذبیت اور لچک ہوتی

ہے کہ بے اصولی اور بے التفاتی نہیں ہونے پاتی، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان مرض و صحت میں روح کو بحال رکھے اور عقل و ہوش سے بیگانہ نہ ہو، اسلامی زندگی اپنے نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر خوش گوار و خوش نما ہوتی ہے کہ اس کے لیے ہر پاک روح لپکتی ہے، پھر ساتھ ہی اس میں اس قدر نرمی اور آسانی ہوتی ہے کہ آدمی ہر موقع پر، ہر حال میں اور ہر صورت میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ نہیں کہ اگر آج اس صورت سے ان پر عمل کرو گے تو نیک نتائج مرتب ہوں گے اور پوری نیکی ملے گی اور اگر آج یہ کام نہ کر سکے اور کسی وجہ سے کل کرو گے تو بے بہرہ و ناکام رہو گے اور تمہارے کاموں کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

قرآن حکیم کی تصریح ہے کہ روزہ کو بھی اپنی مجبوری کے دنوں میں اٹھا سکتے ہو اور مرض وسفر کے عالم میں اپنی نئی مجبوریوں کے پیشِ نظر اسے پس پشت ڈال سکتے ہو، مگر اس کی فرضیت کو اپنے اوپر سے ختم نہیں کر سکتے، تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ روزے کو سرے سے ختم ہی کر دو، خدا تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کر رہا ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم چوری کرو اور پھر سینہ زوری دکھاؤ، اگر یہ حرکت کرو گے تو وہ مار پڑے گی کہ ہوش اڑ جائیں گے۔

(روزنامہ انقلاب ۲ر فروری ۱۹۵۳)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۚ

ماہِ رمضان ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور بینات ہے، ہدایت اور فرقان ہے۔ (پ ۲ ع ۷، بقرہ: ۱۸۵)

یہ رمضان کا مہینہ جو چل رہا ہے، اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت بلند و بالا ہے، اسی ماہ میں دنیا کے لیے وہ سب سے آخری نظام اور قانون دیا گیا، جو قرآن کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، یہ قانون کیا ہے؟ انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے، سرچشمۂ خیر و برکت ہے،

اور باعثِ نجاح وفلاح ہے، پھر صرف یہی نہیں کہ یہ قرآن ہدایت ہے، بل کہ ہدایت اور حق وباطل کے مابین قوتِ فرقان اور زورِ امتیاز کے لیے دلیل کا کام بھی دے رہا ہے، اس کے دلائل میں ہدایت وفرقان کی پوری طاقت ہوتی ہے، پس جو مہینہ اس اہم کتاب کے نزول کے لیے چنا گیا ہے، وہ خود کس قدر مکرم ومحترم ہوگا، اس کا اندازہ اسی بات سے ہوسکتا ہے کہ اس اہم کتاب کا مطالعہ کیا جائے، اس کے اَحکام واَوامر پر چلنے کی کوشش کی جائے اور اس کے مناہی ونواہی سے رکنے کی کوشش کی جائے، اسی لیے اس ماہِ مبارک میں قرآن کا پڑھنا، سننا، سنانا، تلاوت کرنا، تراویح میں پڑھنا اور دوسرے مواقع پر اس کی ورق گردانی بہت ہی زیادہ ثواب قرار دیا گیا ہے، اور مسلمانوں پر قرآن فہمی کے لیے اس ماہ میں زور دیا گیا ہے۔

(روزنامہ انقلاب یکم جون ۱۹۵۲ء)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ

رمضان کے مہینہ میں قرآن نازل کیا گیا، جو کہ انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت اور فرقان کی بینات ہے۔ (پ ۲ ع ۷ سورۂ بقرہ: ۱۸۵)

روزہ کی فرضیت ایک خاص موقع اور خاص وقت میں ہوتی ہے، یہ نہیں ہے کہ یہ کام جب ہوجائے، بہتر ہے اور مقصد کے موافق ہے، ایک کیا دس ماہ تک کوئی روزہ رکھے، مگر پابندی نہ کرے، تو وہ روزہ اس روزے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، جو رمضان کے مہینے کا روزہ ہے، کیوں کہ روزہ رکھنا صرف ایک علاج نہیں ہے کہ جب جی چاہے، جیسے جی چاہے، اسے برت لیا جائے، بل کہ ایک عبادت ہے، جو وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، اور چوں کہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اس کا حکم عام ہے اور ہر ملک وہر خطہ کے مسلمان اس کے مخاطب ہیں، اس لیے اس کی عمومیت کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ ایک ہی وقت میں

تمام دنیا کے انسان روزہ رکھیں اور اسلام کی اجتماعی زندگی کی نشانی نمایاں ہو، تمام ایسے مسلمان جن پر روزہ فرض ہے، دن میں بھوکے پیاسے رہیں گے اور رات کو عبادت وریاضت میں بسر کریں گے اور رات دن کی مبارک ومتبرک گھڑیوں میں اپنے خدا کو یاد کریں گے، یہ مہینہ اس کتاب اور قانون کے نزول کا مہینہ ہے، جو ساری دنیا کی آخری کتاب ہے اور جس میں انسانی ذہن وفکر اور عمل وحرکت کے لیے رشد وہدایت ہے اور رشد وہدایت کے لیے اس میں دلائل وبینات ہیں اور ایسے اعمال ووظائف موجود ہیں، جو اچھے اور بُرے انسانوں میں امتیاز کرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب ۲۱ ستمبر ۱۹۸۱ء)

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں، تو میں قریب ہوں، جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب کہ وہ مجھے پکارے، تو چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں، شاید کہ وہ نیک راہ پر آئیں۔ (پ ۲ ع ۷، بقرہ: ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کی ذات میں اور اس کی صفات میں، اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے ہر مخلوق سے وریٰ ہے اور وہی تمام مخلوق کی پکار سنتا ہے، اس کا جواب دیتا ہے، اور کسی دوسرے میں کسی مخلوق کی اس طرح پکار سننے اور اس کا جواب دینے کا مادہ نہیں ہے۔

اللہ کے بندے صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں، اسی کے نام کی صدا بلند کرتے ہیں اور اسی کے نام کو حرز جان بناتے ہیں، اور یہی شیوہ ہونا چاہیے، خدا کے بندوں کا اور اس کے ماننے والوں کا، اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کرتے ہیں تو آپ انہیں صاف صاف بتادیں کہ اللہ تعالیٰ تم سب

کے قریب ہے، اتنا قریب ہے کہ تم اسے آہستہ پکارو یا آواز سے پکارو، وہ تمہاری پکار سن لیتا ہے، اور تمہاری مصیبتوں کو دور کرتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ تم سے اس قدر قریب ہے تو تم اس سے دور کہاں جاتے ہو، تم بھی اس کے قریب رہ کر اس کے اَحکام کو مانو اور اس کی راہ پر چلو، یہی راہ رشد وہدایت کی راہ ہے اور یہی زندگی عبدیت وبندگی کی زندگی ہے۔

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرح انبیاء کو، رُسُل کو، اولیاء کو، صلحاء کو اور عُبّاد کو پکارتے ہیں اور اس عقیدہ سے پکارتے ہیں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح ان کی آواز سن کر ان کی حاجت پوری کرتے ہیں، وہ رشد وہدایت کی راہ سے بہت دور ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور تم لوگ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، بیشک اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۲ ع ۸ سورۂ بقرہ: ۱۹۰)

اسلام اَمن وانسانیت کا دین ہے اور دنیا میں اَمن واَمان اور سکون واطمینان کی بحالی اس کا اولین مقصد ہے، اس سلسلہ میں اسلام نے بڑی بڑی وضاحت پیش کی ہیں اور مسلمانوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اَمن واَمان اور سلامتی کی اشاعت اور بحالی کے لیے جان کی بازی لگا دیں، اور جان ومال کی پرواہ کیے بغیر کام کریں، جو لوگ اَمن وسلامتی کے دین کی اشاعت میں آڑے آئیں اور مسلمانوں سے جنگ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان دشمنانِ اَمن وانسانیت اور اعدائے اسلام ومسلمین سے جنگ کریں اور ان مُفسدوں اور بدامن لوگوں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہونچائیں۔

البتہ ایک بدی کو ختم کرنے کے لیے دوسری بدی کا ارتکاب نہ ہونے پائے، اور دشمنانِ اسلام کو زیر کرنے کی کوشش حد سے بڑھ کر خود بغض ودشمنی کی شکل نہ اختیار کرلے،

ورنہ معاملہ برعکس ہو جائے گا، اور فتنہ پروروں اور مفسدوں کی سرکوبی کے کام پر مسلمان خود مفسد اور فتنہ پرور بن جائیں گے، اللہ تعالیٰ کو یہ بالکل پسند نہیں ہے کہ مسلمان قوم دنیا میں کسی معاملہ میں حد سے تجاوز کرے اور عدوان وطغیان کا ارتکاب کر کے مُفسد وظالم ہو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور قتال کرو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں تم سے اور زیادتی مت کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۲ ع ۸ سورۂ بقرہ: ۱۹۰)

سچائی پوری انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے اور کسی ایک فرد کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ سچائی کو صرف اپنی چیز سمجھ کر دوسروں کو اس کے اقرار واعتراف اور اس پر عمل کرنے سے روک دے، یا جس کو چاہے اس میں شریک کرے اور جسے چاہے اسے محروم کر دے، بل کہ ہر ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ صدق وصداقت اور حق وحقانیت کو اپنے بھائیوں تک پہونچائے، اور اپنی وسعت بھر حق کی حمایت کر کے باطل کا مقابلہ کرے، حق اور باطل کی کش مکش میں حق کا ساتھ دینا ہی باطل کی شکست ہوتی ہے، پس باطل سے قطعِ نظر کر کے صرف حق کی حمایت کرنی چاہیے، اور اسی طرح اِیجابی پہلو سے سچائی کی تحریک کو تقویت پہونچانا چاہیے، اور اگر حق نوازی اور صداقت پسندی پر باطل پرستوں کی باسی کڑھی میں ابال آئے تو پھر مقابلہ کرنا چاہیے، اور جہاں تک باطل پرستوں کی جدوجہد ہو، اسی حد تک حق کی طرف سے مدافعت کرنی چاہیے اور اس سے آگے ذرہ برابر نہیں بڑھنا چاہیے، کیوں کہ خدائے تعالیٰ زیادتی اور شرارت کو پسند نہیں فرماتا، وہ باطل پرستوں کی کج روی پر ان کو سیدھا کرنے کا حکم دیتا ہے، مگر اس سلسلہ میں کسی طرح کی زیادتی جائز نہیں ہے، حق کی اشاعت کے لیے جنگ نہیں کی

جاسکتی ہے اور بغیر کسی قسم کی زیادتی کے حق کی حمایت بصورتِ جنگ بھی ضروری ہے، جب کہ باطل جنگ ہی پر آمادہ ہوجائے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو، جو تم سے قتال کریں اور زیادتی نہ کرو، بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۲ ع ۸ سورۂ بقرہ: ۱۹۰)

خدا کی زمین پر بدامنی وفساد کی فضا قائم کرنا اور شرارت وبغاوت کی اچاہٹ مچا کر اَمنِ عالم کو تباہ وبرباد کرنا، زمین کی پشت پر سب سے بڑا جرم ہے، اسلام اسی زمینی امن کی بقا کے لیے آیا ہے، اور اس کی دعوت کی روح اسی بات میں ہے کہ انسانی بستی میں امن وامان اور سکون وراحت کی وہ حالت ہمیشہ برپا رہا کرے، جس کی وجہ سے کسی بھی انسان کے دماغ میں شرارت وبدامنی کا خیال نہ آسکے۔

اس نظامِ امن کی بقا کے سلسلے میں نہایت ہی ضروری ہے کہ اگر کہیں بھی بدامنی برپا ہوگئی تو اسے عبرت ناک طریقہ پر ختم کیا جائے، اور ایسی صورت اختیار کی جائے کہ ظلم وشرارت کی ہمت آئندہ کے لیے ٹوٹ جائے اور وہ یہ نہ سمجھنے لگے کہ میں جب چاہوں فساد برپا کرسکتا ہوں، میرا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے؟

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر ظلم وزیادتی کے لیے بدلہ لینے کی سزا مقرر فرمائی ہے، اور مجازات کے چابک سے اسے راس کیا ہے، اگر تم پر کوئی زیادتی کرے، تو اس کی زیادتی کو ختم کرنے اور آئندہ روکنے کے لیے تم بھی اس پر اتنا ہی دباؤ ڈالو، اگر منہ تک معاملہ ہے تو منہ تک، اگر ہاتھا پائی کی نوبت آتی ہے تو ہاتھا پائی تک اور اگر مار پیٹ کی باری پہونچی ہے تو مار پیٹ تک تم بھی معاملہ کرسکتے ہو، اور اپنی مظلومیت کو آئندہ ظلم کا نشانہ نہ بنانے کے لیے

ظالم کا منہ نوچ سکتے ہو، مگر چوں کہ مقصد امن عام کی برقراری ہے نہ کہ باہمی شر و فساد، اس لیے تم کو بدلہ کے نام پر زیادہ فساد برپا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے، اور خدا کی ناراضگی کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ تم بدلہ کے مجاز بن کر اپنے کو ظلم وزیادتی کا مجاز سمجھو، اور خدا کی زمین پر کسی ظالم کا نام لے کر خود ظلم و شر کی تباہی برپا کرو۔

خوب یاد رکھو، اسلام میں اگر جنگ کا تصور ہے بھی تو "جنگ برائے امن" کے طور پر ہے، آج کی طرح "امن برائے جنگ" نہ اسلام کے لیے زیبا ہے اور نہ اس سے اسے کوئی دل چسپی ہے، اس سے دل چسپی آج کے ان مزاجوں کو ہے، جو اسلام کو جنگ باز کہتے ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو، جو تم لوگوں سے قتال کرتے ہیں، اور تم لوگ حد سے آگے نہ بڑھو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(پ ۲ ع ۸ سورۂ بقرہ: ۱۹۰)

اسلام انسانی زندگی کو امن وراحت کا پیغام دیتا ہے، اور اس کے لیے ایسا قانون پیش کرتا ہے، جس پر عمل کرنے سے انسانی زندگی کے دنیاوی اور اخروی دونوں رخ پُرامن، پُرسکون اور پُروقار ہو جاتے ہیں، اسلامی نظامِ حیات میں ایک انسان کا قتل کر دینا پوری انسانیت کی گردن مروڑ دینے کے برابر ہے، اور ایک انسان کی جان بچا لینا پوری انسانیت کو موت کے پنجے سے چھڑا لینے کے مرادف ہے۔

اسلام کے نزدیک خدا کی پاک زمین پر کسی بے گناہ آدمی کا خون گر جانا زمین اور اہلِ زمین کی ناپاکی کا باعث ہے، اور اس میں ساری آدمیت کا خون خرابہ ہے، دنیا کے تمام

انسانوں کو اسلام امن و صلح کا پیغام پہونچاتا ہے، پُرسکون زندگی کی دعوت دیتا ہے اور امن وسلامتی کا نغمہ سناتا ہے، یہی اس کا نصب العین ہے، یہی اس کا مقصد ہے اور یہی اس کی تحریک کے لیے روح ہے۔

اب اگر اس مقصد کے خلاف کوئی طاقت مقابلہ میں آجائے اور شرارت و بدامنی کر بیٹھے تو اس کے شر وفساد کو دبانے کے لیے اور صرف اس لیے کہ یہ اسلام کی سلم وسلامتی بحال رہے اور دنیا میں بدامنی وفساد کی فضا نہ پیدا ہو، اس طاقت کا منہ توڑ جواب دیا جائے اور اس کی غلط رفتار کو صحیح کر دیا جائے گا، اس مقابلہ میں صرف حق و باطل کا جذبہ کام کرے گا، اور صحت کے مقابلہ میں غلطی کی سرکوبی منظورِ نظر ہوگی، اور بس۔

اس سے نہ اپنا یا اپنی جماعت کا غلبہ مقصود ہوگا، نہ دوسرے کو پورے طور سے ختم کر دینے کا پروگرام ہوگا، بل کہ سزا بقدرِ جرم ہوگی، اور وہیں تک قتال وضراب کی ہنگامہ آرائی ہوگی، جہاں تک قرآن حکیم کی اجازت ہے، اور ان ہی سے یہ نبرد آزمائی ہوگی، جن کی قرآن حکیم نے نشان دہی کی ہے، یعنی ان لوگوں سے جنگ کرنی ہوگی، جو ہم سے جنگ کرتے ہیں، اور وہیں تک ہمیں ان سے جنگ کرنی ہوگی جہاں تک کہ ان کی شرارت ہے، اس سے آگے ایک انچ ہمیں بڑھنے کا اختیار نہیں ہے، ورنہ ہم ظالم ٹھہریں گے، اور اسلام کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے باوجود خدا کے نزدیک حد سے بڑھنے والے ثابت ہوں گے، اور ہمیں خدا ناپسند فرمائے گا۔

آج بھی جو لوگ فتنہ وفساد کی آگ جلاتے ہیں، اور خوب خوب اودھم مچاتے ہیں، وہ ظالم ہیں، حد سے گزر جانے والے ہیں، اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں، کیوں کہ بدامنی وشرارت خدا کو کبھی گوارا نہیں ہو سکتی، اور اس کے کرنے والے کبھی قابلِ عفو ودرگزر نہیں ہو سکتے۔ (روزنامہ انقلاب ۳۱ رمئی ۱۹۵۳ء)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا

جِدَالَ فِی الْحَجِّ ط

حج کے لیے چند جانے پہچانے مہینے ہیں، پس جو شخص ان میں حج کو اپنے اوپر فرض کرلے تو نہ فحش گوئی ہے اور نہ فسق و فجور ہے اور نہ لڑائی جھگڑا ہے حج میں۔

(پ ۲ ع ۹ سورۂ بقرہ: ۱۹۷)

حج اسلام کا ایک خاص رکن ہے، اس کے لیے خاص وقت اور خاص مقام ہے، اور خاص خاص مناسک واعمال ہیں، ان ہی وقتوں میں، ان ہی مقاموں میں، اور ان ہی مناسک کی روایت کے ساتھ خدا کی راہ میں کام کرنے کا نام حج ہے، جو لوگ اس خاص اور اہم عبادت کے لیے تیار ہوں، ان کو اپنی خامی اور انسانی کمزوریوں سے پہلے ہی باز آجانا چاہیے اور اپنے اندر ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا کر کے اپنے ظاہری افعال اور جوارح کو خاص خاص رجحانات کا مظہر بنانا چاہئے، جو شخص حج کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس روحانی اور دینی اقدام کے سلسلہ میں سفر وحضر کو اَمن وسکون اور اطمینان وراحت کے سانچے میں ڈھال دے، اپنے کو امن دے، اپنے آس پاس والوں کو امن دے اور اپنے ہم سفر ساتھیوں کو امن دے۔

جب حدودِ حرم کے قریب ہو اور دنیا کے "دارالامان" کے حدود میں پہونچے تو نہ زبان سے فحش گوئی کرے، نہ فسق و فجور کا مظاہرہ کرے اور نہ ہی جنگ وجدال اور ہاتھا پائی کرے، اسے اپنے روحانیت پسند ہونے کا ثبوت اس حد تک دینا چاہیے کہ وہ حالتِ احرام میں نہ گھاس اکھاڑ سکتا ہے، نہ جوئیں مار سکتا ہے، نہ اپنے بدن کے بال اکھاڑ سکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا شکار کرسکتا ہے۔

اگر اسلام "موسمِ حج" میں انسانیت کے احترام کو اس شدت سے برقرار نہ رکھتا تو خدا ہی جانتا ہے کہ ہر سال ایامِ حج میں کتنی لاشیں ہجوم میں پس جاتیں، کتنے سر انسانی سمندر میں بہ

جاتے، کتنے بوڑھے کچل جاتے، کتنے جوان کشت وخون کی نذر ہوجاتے، یہ اسلامی حج کی افادیت اور کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ ایامِ حج میں جب کہ کروڑوں انسان کا مجمع ہوتا ہے، کسی کی وجہ سے کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹنے پاتی۔ (روزنامہ انقلاب ۱۲ رفروری ۱۹۵۴ء)

وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور تم لوگ توشہ بناؤ تو بہترین توشہ تقویٰ ہے، اور اے عقل مندو! مجھ ہی سے ڈرو۔

(پ ۲ ع ۹ سورۂ بقرہ: ۱۹۷)

پیدا ہونے کی صبح سے مرنے کی شام تک یہ جو ستّر پچھتّر منزلیں طے کی جاتی ہیں، ان کے راہیوں کو اس سفر میں کئی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، مختلف منزلوں پر مختلف تقاضے پیدا ہوتے ہیں، مختلف ضروریات درپیش ہوتی ہیں اور مختلف حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اپنے طور پر انسان اس سفر کے لیے طرح طرح کے سامان فراہم کرتے ہیں، مکان بناتے ہیں، کمائی کرتے ہیں، اموال جمع کرتے ہیں، اولاد کی حفاظت کرتے ہیں، کھانے، پینے اور پہننے کی فکر کرتے ہیں۔

ان چند انسانی ضروریات کی فراہمی اور ان کے لیے جدوجہد کے بعد اس راہ کے راہروؤں کے نظریات میں اختلاف پڑ جاتا ہے، بعض لوگ اسی راہ کو منزلِ مقصود سمجھ کر ہر قسم کی چیزوں کی فراہمی میں لگ جاتے ہیں، اور جنون، پاگل پن کی حد تک پہونچ کر ظلم وستم وحرام کاری وحرام خوری، بے راہ روی، بددیانتی اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں میں لگ جاتے ہیں، اور اپنے غلط خیال میں پھنس کر ہر قسم کی غلط کاری میں مصروف رہا کرتے ہیں، اور بعض لوگ اس راہ کو عبوری راہ سمجھتے ہیں۔

ان کے نزدیک یہ ستّر پچھتّر منزلیں راستہ کی منزلیں ہیں، منزلِ مقصود اس کے بعد آتی ہے، جسے وہ میاد و آخرت کہتے ہیں، اس خیال کے لوگ اپنی راہ روی کے لیے بڑی محتاط روش

اختیار کرتے ہیں، اس دنیا کو آخرت کی کھیتی گردانتے ہیں اور اس کھیت میں برّ وتقویٰ اور نیکی کے بیج ڈالتے ہیں، برائی کا ایک خوار بھی اس کھیت میں گوارا نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ یہاں کی کھیتی اس طرح پاک وصاف ہو کر وہاں جب غلہ کی فراہمی ہو تو اس میں کھوٹ کا نام ونشان تک نہ ہو، ان ہی لوگوں کی روش تقویٰ اور نیکی کی روش ہوتی ہے، اس مسافت کے لیے جو توشہ جمع کیا جاتا ہے، اس میں ان لوگوں کا توشہ کام کا ہوتا ہے اور اس توشہ پر زندگی گزار کر دنیا کی راہ طے کرنے والے منزلِ مقصود تک پہونچنے والے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب ۱۵ر فروری ۱۹۵۴ء)

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ

ان لوگوں کے لیے حصہ ہے، اس چیز سے جسے انہوں نے کمایا ہے۔

(پ ۲ ع ۹ سورۂ بقرہ: ۲۰۲)

اللہ تعالیٰ کے نظام وقانون میں مجازات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ہر کام کی جزا یا سزا کا ظہور اس کے قانون میں ضروری ہے، جو شخص جو کام کرے گا، اسے ویسی ہی جزا یا سزا ملے گی اور کسی پر ذرہ برابر زیادتی نہیں ہوگی، یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے، آخرت عمل کے نتائج کو پانے کی جگہ ہے، دنیا میں اعمال کے کچھ اثرات ضرور ظاہر ہوتے ہیں اور موجودہ زندگی ان سے متاثر ہوتی ہے، مگر حقیقی جزا یا سزا "یوم مجازات" ہی میں ظاہر ہوگی، جب کہ انسان کے ہر ہر کردار، ہر ہر گفتار اور ہر ہر خیال کی جانچ پڑتال ہوگی اور ہر شخص کو اس کے عقیدہ اور عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔

اسی لیے اسلام نے اپنے پیروؤں کو عملی زندگی پر شدت سے ابھارا ہے اور دنیا میں نیکی کرنے اور برائی سے بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ اس کے نزدیک یہ دنیا مقصود بالذات نہیں ہے، بل کہ مقصود حیات بعد الممات ہے، جو دائمی اور ابدی ہے اور جس کے بعد پھر فنا نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور جب وہ آپ کے پاس سے جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے، تاکہ زمین پر فساد برپا کرے اور کھیتوں اور جانوروں کو تباہ کرے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔

(پ ۲ ع ۹ سورۂ بقرہ: ۲۰۵)

پہلے فرمایا گیا ہے کہ بعض لوگ ایسی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں کہ آدمی ان کی باتوں میں آجاتا ہے، مگر جب بڑے ہی خطرناک ہوتے ہیں اور بڑے ہی جھگڑالو ہوتے ہیں، ایسے خطرناک آدمی کی مزید نشان دہی کی جارہی ہے کہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے اٹھتا ہے تو ہر طرح سے فتنہ وفساد برپا کرنے کے پھیر میں رہتا ہے اور اس کی ساری دوڑ دھوپ اسی لیے ہوتی ہے کہ کہیں فساد برپا ہو، کہیں نفرت کام کرے اور کہیں لوگوں میں بدگمانی پیدا ہو، پھر وہ اسی پر بس نہیں کرتا، بل کہ انسانی بقا کے لیے خطرناک حالات پیدا کرتا ہے، پیداوار اور غذا کی بربادی کا سامان کرتا ہے، اور گرانی ونایابی کو بحال کرنے کی کوشش کرتا ہے، جو آدمی اس قدر خطرناک ہو اور اس کی زندگی انسانوں کے لیے اس درجہ مضر ہو، اس سے بچنا ہر محب انسانیت کا فرض ہے اور ہر شریف آدمی کو چاہیے کہ اس سے دور بھاگے اور اس کے ساتھ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے سے پرہیز کر کے انسانیت کا ساتھ دے۔

جب زمانۂ رسالت میں بھی ایسے خوف ناک قسم کے لوگ پائے جاتے تھے، جو فتنہ وفساد برپا کرنے میں یکتا تھے، تو ہمارے تمہارے زمانہ میں ایسے لوگوں کا کیا حال ہوگا اور ان کی کثرت کس قدر زیادہ ہوگی؟ اس کا اندازہ موجودہ حال میں کوئی مشکل نہیں ہے۔

لٰہذا ہمیں چاہئے کہ مُفسدوں، فتنہ پروروں اور ریاکاروں سے بچتے رہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (پ ۲ ع ۹ سورۂ بقرہ: ۲۰۸)

اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ، تمہارے خیالات، تمہارے نظریات، تمہارے علوم، تمہارے طور طریقے، تمہارے معاملات اور تمہارے سعی و عمل کے راستے سب کے سب بالکل اسلام کے تابع ہوں، ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بعض حصوں میں اسلام کی پیروی کرو اور بعض حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو، اسلام کی پیروی میں دورنگی صحیح نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب ۴ رفروری ۱۹۷۸ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اے مومنو! اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم کی پیروی مت کرو۔ (پ ۲ ع ۹ سورۂ بقرہ: ۲۰۸)

قرآن کتاب فرقان ہے، اس کا کام حق اور باطل میں فرق کرنا ہے، اس کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ اگر مسلمان ہونا ہے تو پورے مسلمان بن کر رہو، یہ کیا کہ مسلمان بھی بنتے ہو اور اپنے بتوں کو بھی راضی رکھتے ہو، یہ بت چاہے اقتدار کے ہوں، چاہے دولت کے اور چاہے شخصیت پرستی کے، خدا کی حاکمیت کے بعد ان میں سے کسی کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے ان کو کتنی ہی کھلی کھلی نشانیاں دیں اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اس کے آجانے کے بعد بدل دے گا تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۱)

قانونِ قدرت اِتمامِ حجت کے لیے وہ تمام رعایتیں برتتا ہے، جن سے انسان اگر چاہے تو شقاوت و بدبختی کے کنارے جا کر بھی چونک سکتا ہے اور اپنی زندگی بہتر سے بہتر بنا سکتا ہے، قدرت نے کسی بھی دور میں انسانوں کو اس طرح ناکام و نامراد نہیں کیا کہ وہ چپ چاپ بیٹھے ہوں، اور خدا کی طرف سے شقاوت و بدبختی آ کر ان کو گھیر لے، بل کہ قدرت نے ہمیشہ سونے والوں کو ناز و ادا سے جگانا چاہا، نرم لہجہ میں آواز دی، چمکارا، اور پیار کر کے ہلاکت کے خواب سے بیدار کرنے کے لیے انبیاء و رسل بھیجے، ہادیوں کو مبعوث فرمایا اور مصلحوں کے ذریعہ نرمی سے سمجھایا، اگر انسان اس پر نہیں جاگا تو پھر اسے جھنجھوڑا، ڈرایا، دھمکایا، اس پر بھی بدنصیب نے اگر کروٹ نہیں لی تو پھر قدرت نے اپنی گرفت کی نشانیاں اجاگر کیں، دور دور سے عذاب کی کیفیت سمجھائی، اور بیداری کے لیے سخت طریقہ اختیار کیا، انسانی نیند اگر اس وقت بھی ختم ہو جاتی ہے تو قدرت آگے کچھ نہیں کرتی، بل کہ اور نوازتی ہے، آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے موقع فراہم کرتی ہے، لیکن اگر عذاب و عقاب کی نشانیوں کے بعد بھی انسان سے غفلت اور سرمستی نہیں اترتی، اور انسان ان خطرناک مناظر کو دیکھنے کے بعد منہ پر غفلت کی چادر تان کر معصیت کی نیند سو جاتا ہے، تو پھر آخری جگاوا آ جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں غفلت کی نیند سونے والے مکروہ موت مر کر عبرت ناک انجام کے گورستان میں پہونچ جاتے ہیں، اور بستی کی بستی اس عبرت ناک گورستان میں بدل جاتی ہے، جس کے دیکھنے والے دور ہی سے بھاگتے ہیں، اور اس کے نظارے سے بھی پناہ مانگتے ہیں، خدا نے بنی اسرائیل کو بہت سے مواقع دیئے، مگر اس قوم نے وہی انجام اختیار کیا، جس کے بعد کے لوگ پناہ مانگتے ہیں، اے مسلمانو! تم ان سے عبرت پکڑو اور اپنے کو بدلو۔ (روزنامہ انقلاب ۵ رفروری ۱۹۵۴ء)

سَلْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے ان کو کتنی ہی کھلی کھلی نشانیاں دی تھیں اور جو اللہ کی نعمت کے آجانے کے ان کو بعد بدل دیتا ہے، تو یقیناً اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

(پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۱)

اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی نعمتیں پیدا کی ہیں، ان کے لیے مستحق پیدا کیے ہیں اور ان کو ان نعمتوں سے نوازا ہے، ہر قوم اور ہر فرد اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اللہ کی نعمتوں سے حصہ پاتا ہے، ان میں بعض بعض اپنی قابلت اور استعداد کی وجہ سے خاص طور سے نعائم خداوندی سے نوازے جاتے ہیں اور دنیا میں ان کو اس معاملہ میں امتیازی شان ملتی ہے، ایسے ہی لوگ اپنے قول وفعل اور کردار کے اعتبار سے دنیا کے لیے نمونہ ہوتے ہیں اور دوسری قومیں ان کے نقشِ قدم پر چل کر فیضانِ خداوندی کی وارث و مستحق بنتی ہیں، بشرطے کہ وہ قوم جو فضلِ خداوندی سے نوازی جاچکی ہے، اس کی زندگی میں وہ جوہر باقی رہا ہو، جس کی بنا پر اس میں نعمتوں کی استعداد پیدا ہوتی تھی، ورنہ وہی قوم دوسروں کے لیے وجہ عبرت بن جاتی ہے کہ جب تک وہ نیک راہ پر چلتی رہی، اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتی رہی اور جب اس نے نعمتوں کو اوڑھنا بچھونا بنا کر سرکشی اختیار کی تو اس سے سب کچھ سمیٹ لیا گیا، اور وہ مُعذَّب و منحوس قوم قرار دے دی گئی۔

بنی اسرائیل ایسی قوم تھی، جسے اللہ نے اپنی نعمتوں سے خوب خوب نوازا تھا، مگر جب اس کا مزاج خراب ہو گیا اور اسے عیش وعشرت میں گناہ گاری سوجھنے لگی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدلتی ہوئی طبیعتوں کو دیکھ کر ان کی زندگی ہی بدل دی اور عیش وعشرت کی زندگی ویل وعذاب کی زندگی بن گئی۔ (روزنامہ انقلاب ۱۶ / نومبر ۱۹۷۵ء)

سَلْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے ان کو کتنی کھلی کھلی آیتیں اور نشانیاں دیں اور جو

شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے گا تو یقیناً اللہ کی مار سخت ہے۔

(پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۱)

حالات کی سازگاری میں اچاپت مچانا اور پیٹ بھرنے پر شرارت کرنا بہت ہی غلط روش ہے اور ایسا کرنے والے لوگ بُری طرح مار کھاتے ہیں، اَقوامِ عالم میں اس کی زندہ مثال یہودی قوم ہے، اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے نوازا، اور اس کی تباہی و بدحالی پر رحم کھاتے ہوئے قانونِ الٰہی نے ان پسے ہوئے لوگوں کو بلند کرنا چاہا، مگر یہ قوم جس قدر انعاماتِ خداوندی سے فیض یاب ہوتی تھی، اسی قدر شرارت کرتی تھی، عدوان وطغیان اس قوم کی شرارت میں اس طرح گھل مل گیا کہ آج بھی وہ دنیا بھر سے مار کھاتے ہیں اور کسی جگہ اپنے کردار وعمل کی وجہ سے ان کو کوئی مقام حاصل نہ ہوسکا، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی خوش حالی، بحالی اور رحمت وسلامتی بڑی چیز ہے اور اسے حقیر سمجھ کر لا پرواہی برتنا انتہائی خطرناک حرکت ہے۔

بنی اسرائیل کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ کر کے قرآن حکیم مسلمانوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ دیکھو فضلِ خداوندی اور اس کی بخشی ہوئی نعمت کو پا کر تم بھی بے راہ نہ ہوجانا، ورنہ یہودی قوم کی طرح تم بھی دَر دَر پھرتے رہو گے اور کہیں عزت ومقام کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا، اللہ کا قانون ایک ہے، اس میں وطن اور نسل کا فرق نہیں ہے، جو اس کی مخالفت کرے گا، اس کا انجام بُرا ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۷ء)

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

کفار کے لیے یہ حیات دنیا مزین کردی گئی ہے، حالاں کہ قیامت کے دن متقی لوگ ان سے بلند وبالا ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے۔

(پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۲)

یہ دنیا فانی ہے، اس کی ساری کائنات کو دوام و بقا کا کوئی مقام حاصل نہیں، اس لیے جو لوگ اعمال وعقائد میں کوئی ٹھوس مقام حاصل نہیں کرتے ، بل کہ کفر وشرک جیسے کمزور اور بے بنیاد عقیدے پر قائم ہیں، ان کی نظر میں یہ دنیا جنت ہی جنت ہے، ان کی پست خیالی، کوتاہ نظری اور کم فہمی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس بے بنیاد و کوتاہ دنیا کو اپنے اَفکار واَعمال کی انتہا سمجھیں اور جو لوگ لافانی عقائد کے مالک ہیں، غیر متزلزل عزائم رکھتے ہیں اور ٹھوس اعمال بجالاتے ہیں، ان کا نقطۂ نظر بلند وبالا ہے، ان کے خیالات واعمال کا مقام لافانی ہے اور ایمان واسلام کے مہتم بالشان عقائد واعمال کے سامنے وہ دنیائے فانی کو بے حقیقت تصور کرتے ہیں، ان کا منتہائے نظر ایک لافانی زندگی اور دائمی مقام ہے، جہاں ابدی سرور اور دائمی حیات کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں، مومن وکافر کے اس اختلاف نظریہ کی بنا پر دونوں کی راہیں جدا ہیں، پھر چوں کہ کفار کو دنیا کی فانی راحتیں نقد میسر ہیں اور چند روز کی لذتیں۔۔۔۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم لوگوں نے گمان کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالاں کہ اب تک تمہارے سامنے ان لوگوں کی مثال نہیں آسکی ہے، جو تم سے پہلے تھے کہ ان کو تکلیف اور نقصان پہونچا اور وہ ہلا دیئے گئے، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ مومنین کہہ اٹھے کہ کیا اللہ کی مدد آئے گی، خبر دار اللہ کی مدد قریب ہے۔ (پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۴)

مسلمان ہونا بہت آسان ہے، مگر پوری کام یابی وکام رانی کے ساتھ مسلمان رہ کر دنیا سے جانا ذرا مشکل ہے، وہ بھی اس وجہ سے کہ دوسرے اَدیان ومذاہب کے مقابلہ میں

اسلام ذمہ دارانہ نظام رکھتا ہے اور اسی نظام کو ساری دنیا پر پھیلانا اور تمام انسانوں کو اس پر چلنے کی دعوت دینا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، خود پورے طور پر عمل کر کے دنیا کو اس پر چلانے کی دعوت دینا اور اس کے لیے کوشش کرنا، بڑی مستعدی اور ہوش مندی کا کام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ذریعہ یہ کام ہمیشہ کرایا اور اس راہ میں جو مصائب آئے برداشت کیے گئے، مسلمان بن کر زندہ رہنا اور دوسروں کو مسلمان بن کر زندہ رہنے کی دعوت دینا، اسلام اور مسلمان کا مقصد وحید ہے اور جب اس کے لیے کوشش ہوتی ہے تو کفار اور مشرکین کی طاقت پورے ساز وسامان سے لیس ہو کر سامنے آجاتی ہے اور اہلِ ایمان کو فنا کرنے کے لیے اپنا آخری زور صرف کر دیتی ہے، ایسے وقت میں کفر و ایمان کی کش مکش کفار کے حق میں بظاہر مفید اور مسلمانوں کے حق میں غیر مفید معلوم ہوتی ہے، مگر نتیجہ میں وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں ہی کے حق میں مفید ہوتی ہے، اسی ظاہری پہلو کی نزاکت بعض اوقات بہت ہی سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے اور اہلِ دل تک منہ سے کچھ نہ کچھ کہہ اٹھتے ہیں۔

پس اگر ہم اہلِ ایمان ہیں اور اسلام کی دعوت سے ہم کو تعلق ہے تو اس صورتِ حال کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے اور بزدلی و نامردی کے ساتھ نہیں، بل کہ ایمان و اسلام کی شوکت و بہادری کے ساتھ صورتِ حال کا مقابلہ کرنا چاہیے اور ہر مرحلہ پر اللہ کی یاد کو اپنا شیوہ بنانا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

کیا تم لوگوں نے گمان کیا ہے کہ داخل ہو جاؤ گے تم لوگ جنت میں، اور اب تک نہیں آئی ہے، تم لوگوں کے پاس مثال ان کی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کو شدت اور

ضرر لاحق ہوا، اور ہلا دیئے گئے وہ لوگ، یہاں تک کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کہنے لگے کہ کب آئے گی خدا کی مدد؟ خبر دار خدا کی مدد قریب ہے۔ (پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۴)

اسلام اور اس کے ماننے والے دنیا میں ہر قسم کے سرد گرم حالات کے مقابلہ کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، ان کا کام ہی یہ ہے کہ باطل طاقتوں سے ٹکرلیں، اور ان کے مٹانے کے لیے خود مٹ جانے پر آمادہ ہو جائیں، مسلمان یہ چاہیں کہ یوں ہی جنت کی دائمی زندگی سے بہرہ مند ہو جائیں اور بلا کچھ کیے کرائے مفت میں جنت ہاتھ آ جائے تو یہ نہیں ہوسکتا۔

اسلام کی تاریخ شروع دنیا سے لے کر دیکھ جاؤ، کیسے کیسے وقت مسلمانوں پر پڑے، ان کے خلاف کیا کیا حالات پیدا ہوئے، نبیوں اور رسولوں کے حق میں کیا کیا برائی نہیں کی گئی، ان کی زندگیاں زلزلہ میں ڈال دی گئیں، ان کی قومی بنیاد متزلزل کر دی گئی، ان کے دینی قلعہ کو مسمار کر دینے کی فکر کی گئی، اور حالات اس درجہ نازک ہو گئے کہ مومنین تو مومنین انبیاء تک پکار اٹھے کہ خداوندا! تیری مدد کب آئے گی، یہ مدد کا وقت آج کے مسلمان سینہ پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اگر ان کے اندر ایمان کا جذبہ موجود ہے تو کیا ہے؟ کچھ نہیں! کتنے ہزاروں طوفان آئے اور گئے، کتنے خس وخاشاک ہو گئے، مگر مسلمان اور اسلام اپنے مقام پر جمع رہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۵ ردسمبر ۱۹۵۰ء)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں، آپ کہہ دیں کہ جو کچھ مال تم کو خرچ کرنا ہو، پس ماں باپ کے لیے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لیے اور جو نیک کام تم کرو گے تو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے۔ (پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۵)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے تم کو کھانے پینے کی فراخی اور رہنے سہنے کی آسودگی دی ہے، یہ صرف

تمہارے ہی لیے ریزرو نہیں ہے، تم اپنی ماں کے پیٹ سے دھن، دولت، قصور ومحلات لے کر پیدا نہیں ہوئے تھے، بل کہ خدا نے تم کو دیا ہے، تب تم مالک بنے ہو، اگر خدا کی رحمت نہ ہوتی تو ہزار کوشش کرنے کے باوجود تم ایک وقت بھی چین کی روٹی نہیں کھا سکتے تھے، تم دیکھتے ہو کہ کتنے لوگ ہیں، جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کرتے مگر شام کو نان شبینہ بھی نہیں پاتے، پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ روزی صرف فضلِ خداوندی ہے، وہ جسے چاہتا ہے، اس فضل سے نوازتا ہے، اور کسی کے ذاتی علم وفن سے روٹی نہیں ملتی، ہاں فضلِ خداوندی قانونِ قدرت کی حد میں رہ کر ملتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ چھپڑ پھاڑ کر گوشت روٹی تمہارے سامنے آجائے، بل کہ اس کے لیے کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، جب بات یہ ہے تو تم کو اپنی کمائی سے دوسروں کو بھی حتی المقدور کھلانا چاہیے اور لوگوں کی خبر گیری کرنی چاہیے اور خدا نے جس طرح تم پر فضل کیا ہے، تم بھی فضلِ خداوندی سے لوگوں کو ان کا حصہ دو، تمہاری آمدنی میں ماں باپ، خویش واقارب، یتامیٰ، غرباء اور مساکین ومسافرین کا حق ہے، تم ان کے حقوق ادا کردو، ورنہ قارون کی طرح تباہ وبرباد ہو کر ختم ہو جاؤ گے اور کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ جو کچھ تم مال خرچ کرو تو والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے اور جو بھی نیکی تم لوگ کرتے ہو، اللہ اسے جانتا ہے۔ (پ ۲ ع ۱۰ سورۂ بقرہ: ۲۱۵)

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روپیہ، پیسہ یا کھانا، کپڑا لے کر تم کسی جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں پر لٹا پٹا کر خدا کو خوش کرو، جس طرح کہ دوسرے مذاہب میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی استھان یا بت خانے میں جا کر نذر ونیاز

چڑھائی جائے، بل کہ اسلام میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اپنوں کی خدمت کرو، اپنے والدین کی خبر گیری کرو، ان کی ضروریات کو پوری کرو، رشتہ داروں کی غربت اور محتاجی کے دور کرنے میں اپنی خدمات پیش کرو، اوران کو آرام پہونچاؤ، اپنے معاشرہ کے یتیموں اور بن باپ کے بچوں کی تربیت و تعلیم اور صحت کا خیال رکھو، ان کی زندگی کی ضروریات کی کفالت کرو، اوراپنی دولت اورتوجہ سے اس قابل بناؤ کہ ایک دن وہ بھی دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کے اہل بن جائیں۔

پھر عام محتاجوں، غریبوں، مسکینوں اورضرورت مندوں کی طرف توجہ کرو، بھولے بھٹکے مسافروں، راہ گیروں اور چلتے پھرتے لوگوں کی بھی ضروریات کا خیال رکھو، ہوسکتا ہے کہ کوئی مسافر اپنے وطن میں لاکھوں کا مالک ہو، مگر سفر میں اس طرح گھر گیا ہو کہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہوگیا ہو، مطلب یہ ہے کہ اپنے ہی معاشرہ کی اصلاح کے لیے خرچ کرنا خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے، خدا کی صفت، ذاتیت کا جن طریقوں سے ظہور ہوتا ہے، ان طریقوں پر خرچ کرنا خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ خدا تمہاری دولت کو ضائع کررہا ہے، کسی پہاڑ پر ڈال دینے کا حکم کرتا ہے، کسی سمندر میں بہانے کی تعلیم دیتا ہے، بل کہ بتاتا ہے کہ تم اپنی انسانی زندگی کے عمومی چہروں کو سنوارو، اسی کا نام ”اِنفاق فی سبیل اللہ“ ہے۔

(روزنامہ انقلاب ۱۸ر فروری ۱۹۵۴ء)

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور وہ تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تم لوگوں کو تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر کر کافر مرے گا تو

ایسے لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں ضائع کر دیئے جائیں گے، اور یہ لوگ جہنم والے ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ: ۲۱۷)

اسلام کے مقابلہ میں دنیا کے تمام دوسرے نظریات وخیالات معاندانہ رویہ رکھتے ہیں، مسلمان کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دوسری قومیں اور جماعتیں دشمن بن کر کھڑی ہیں، اور اسلامی افکار واعمال کے مقابلہ میں دنیا کے سارے افعال وتصورات اپنے پَر تول رہے ہیں۔

پس کسی زمانہ میں اور کسی قوم میں یہ جذبہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا کہ اسلامی افکار وخیالات پروان چڑھتے رہیں، اور وہ بیٹھی تماشہ دیکھتی رہے، کیوں کہ اسلام نے اپنے اعمال وخیالات میں دنیا کے ہر خیال وعمل سے الگ نظریہ رکھتا ہے، اور کسی سے اس کا میل نہیں کھاتا، اس لیے جب اسلام کا عروج وارتقا ہوگا تو دوسرے کا زوال وانحطاط ہوگا، اور ٹکر لازمی ہوگی۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام دنیا سے الگ ہوکر کوئی نئی دعوت پیش کرتا ہے، جس کے قبول کرنے کی ہمت دوسری قوموں اور ملتوں میں نہیں ہے، بل کہ بات یہ ہے کہ اسلامی خیالات واعمال اپنے حدود سے ایک ذرہ باہر نہیں ہوتے، وہ سچائی کو کسی بھی وقت اور زمانے میں کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے، برائی سے اس کا میل بھی نہیں ہوسکتا، وہ اپنے اٹل قوانین کی وجہ سے دوسروں کے لیے موت معلوم ہوتا ہے، پھر چوں کہ اس کی بنیادی دعوتِ توحید ورسالت دنیا کی دوسری قوموں کی خدا پرستی اور شخصیت نوازی کے خلاف ہے، اس لیے وہ کبھی بھی اسلام کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گی۔

یہاں اسی حقیقت کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ اگر تمہارے دشمنوں کا بس چلے تو تمہیں جنگی پریشانیوں میں اس قدر مبتلا رکھیں کہ تم مرتد ہوکر اسلام سے پھر جاؤ، اور ان کا مذہب قبول کرلو، لیکن اگر تم دین فطرت پر پکے ہو اور اللہ ورسول پر تمہارا ایمان کامل ومکمل ہے تو ان کی یہ چالیں ناکام ہوجائیں گی، اور تم اسلام کے احکام سے ایک انچ بھی نہیں ہٹ سکو گے، اور جو شخص کفار

ومشرکین کی پیدا کی ہوئی پریشانیوں اور سختیوں یا کسی اور وجہ سے مرتد ہوجائے گا اور اسلامی اَحکام واَوامر سے منہ پھیر لے گا تو وہ دنیا وآخرت کی ابدی لعنت اور دائمی مصیبت میں مبتلا رہے گا۔

اے مسلمانو! قرآن حکیم کی ان تصریحات کو پڑھو اور اپنے حالات پر غور کر کے اسلامی احکام پر عمل کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم آہستہ آہستہ غلط راہ پر چلنے لگو اور اپنے طور پر سمجھتے سمجھاتے رہو کہ یہ بھی اسلام کی تعلیم ہے اور وہ بھی اسلام کی تعلیم ہے، یہ وقت بہت نازک ہے، سنبھل کر چلو۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ ۲۱۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے اگر اس کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے تو کون ہوگا اور نیک بندوں میں اگر مذکورہ بالا صفات کے حاملین نہ ہوں گے تو کون ہوگا؟

جن پاک طینت انسانوں نے اللہ کے پیغام کو سنا اور اس پر لبیک کہا، پھر یہ نہیں کہ وہ سن کر اور جواب دے کر خاموش رہ گئے، بل کہ اس پر جان ومال اور گھر بار سے فدا ہو گئے، اگر ضرورت ہوئی تو دین کی خاطر وطن چھوڑا، بال بچے چھوڑے، خویش واقارب چھوڑے اور ظروف واحوال کی مناسب اور خوش گوار فضا کو خیر باد کہا، اس کے بعد بھی ضرورت پڑی تو اللہ کے دین کی اِشاعت کے لیے جدو جہد کی انتہائی سرگرمی دکھائی، اور دشمنانِ دین کے مقابلہ میں سر کو ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکل پڑے اور بڑھ بڑھ کر اپنی جانی خدمات پیش کر دی۔

پس ان صفات کے حاملین نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس کے لطف وکرم سے ہر قسم کی توقع رکھ سکتے ہیں، اور ان کو حق حاصل ہے کہ اپنے خدا سے ہر

قسم کی نیک امید رکھیں، اللہ کا رحم وکرم اور اس کی رحمت ومغفرت ان کی آرزو پوری کرے گی، اور ان کی پاک امیدوں کی ناز برداری کرے گی، اگر انہوں نے خدائی احکام کو لے کر اپنی زندگی ابتلا کے حوالے کر دی ہے تو نصرتِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہر موقع پر ان کی مدد فرمائے گی۔

اے مسلمانو! اگر تم کو بھی نصرت الٰہی اور رحمتِ خداوندی کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے، تو اللہ کے دین کے کام کرو، اس پر عمل کرو، دوسروں کو اس کی تعلیم دو اور دنیا میں اس کے پیغام کو پہونچاؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۱۸﴾

جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت پر یقین کرتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔ (پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ ۲۱۸)

یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے، اور معمولی معمولی بہانے پر اپنی مخلوق کو اپنی رحمت ومغفرت سے نوازتا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی ہے اور اس کے لیے ہر طرح زیبا ہے، مگر اس کی شانِ کریمی کے مقابلہ میں بندے کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اچھے کام تو نہ کرے، مگر اس کی رحمت کی آڑ لے کر بے فکر ہو جائے، اور نیکی کی زندگی سے دور رہ کر اللہ کے عفو وکرم کا یوں یقین کرے کہ چاہے وہ کچھ بھی کرے، جنت اس کی ہے اور اس کو کسی قسم کی کوئی سزا نہیں ہو سکتی، یہ بات خود فریبی کی ہے اور اس سے انسان اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت پر اس طرح ایمان ویقین کے لیے اپنے اندر بھی کچھ وجہ ہونی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہمارے اندر اس کی استعداد وقابلیت ہے یا نہیں ہے؟

اوپر ایسے ہی حضرات کا ذکر ہو رہا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یقین اس کے یقینی اَسباب ووجوہ کی بنا پر رکھتے ہیں، ان کے اندر ایمان کی طاقت ہے اور اللہ کی راہ میں انہوں

نے جہاد کر کے اپنے جان و مال کو بے دریغ قربان کیا ہے، ان کو یقیناً حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بارے میں رحمتِ خداوندی کا یقین پیدا کریں اور اسی یقین کی چٹان پر جم کر دنیا میں دین وایمان اور حق وحقانیت کی زندگی بسر کریں اور ان کو دنیا میں عام کریں، ہمیں چاہیے کہ پہلے ایمان کی زندگی اور ایمان کی تبلیغ کے ذریعہ اپنے اندر انعامِ خداوندی کا استحقاق پیدا کریں، پھر یقین کریں کہ رحمتِ حق ہمارے ساتھ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ٚ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے سے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور کچھ منافع ہیں لوگوں کے لیے اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

(پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ: ۲۱۹)

دین ودیانت میں بنیادی چیز تسلیم ورضا کی خوبو ہوتی ہے، جو شخص اپنے دل ودماغ کی ساری پونجی اللہ ورسول کے حکم کے مقابلہ میں ہیچ سمجھ لے، اسے شرعی احکام اور دینی اوامر ونواہی میں موشگافی کرنے اور علت معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اسے تو بس یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ورسول کا یہ حکم ہے اور بس، یہ حکم کیوں اور کیسے ہے؟

یہ سوال اس مسلم ومومن کے لیے کسی طرح زیبا نہیں دیتا، جو اپنی عقل خام کار کے مقابلہ میں دین ودیانت کو ترجیح دے چکا ہے، مگر شریعت کبھی کبھی بعض احکام کی ظاہری علت اور عام وجہ بیان کر دیتی ہے، چنان چہ یہاں پر شراب اور جوئے کی حرمت کے بعض ظاہری وجوہ واسباب کو بیان فرمایا جارہا ہے، اور بتایا جارہا ہے کہ انسان کی نظر ہمیشہ بنیادی بات پر ہونی چاہیے اور ہر کام کے انجام کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔

اگر اس نقطۂ نظر سے شراب اور جوئے کو دیکھا جائے تو یہ دونوں چیزیں بظاہر کچھ

لوگوں کے لیے بعض اعتبار سے نفع بخش معلوم ہوتی ہیں اور ان کا ایک پہلو کچھ مفید معلوم ہوتا ہے، مگر جب دوسرے پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں سراسر تاریکی، گناہ اور جرم کی بھیانک تصویر نظر آتی ہے اور ان دونوں کے دشمن انسانیت ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا، بس ظاہر پہلو کی نمائشی بھلائی پر انسانیت کو قربان نہیں کیا جاسکتا، اور آدم کی اولاد کو شراب اور قمار جیسے کوڑھ میں مبتلا ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ دنیا انسانیت کی ابدی فلاح ونجاح کی تعلیم دیتا ہے، وہ اَفراد واَشخاص کے نگاہی فوائد اور فانی منافع پر پوری انسانیت کو قربان نہیں کرسکتا، اسی لیے شراب اور قمار کی لعنت کو اسلام نے سراسر حرام قرار دے کر انسانیت کی نگرانی کی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۶ء)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

(پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ: ۲۱۹)

دنیا میں کوئی خراب سے خراب چیز ایسی نہیں ہے، جس میں نفع کا کوئی پہلو نہ ہو، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس کائنات میں انسانیت کے لیے کون سی چیز زیادہ مفید یا زیادہ مضر ہے، جو چیز جس شدت یا کمی کے ساتھ مضر ہوگی، اس کی مناہی کا حکم بھی اسی درجہ کا ہوگا اور جس میں جس حیثیت کی افادیت ہوگی، اس کی طرف رغبت بھی اسی حیثیت سے ہوگی۔

عقل انسانی کا بھی یہی تقاضا ہے اور جبلت وفطرت بھی اس پر چل رہی ہے، اسلام بھی جو انسانیت کو ہر مضر چیز سے بچانے اور مفید سے فائدہ حاصل کرنے کا ذمہ دار ہے، یہی کہتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ شراب اور قمار بازی میں بظاہر منافع ہے، ایک سے وقتی سرور وکیفیت

حاصل ہوتا ہے، دوسرے سے فوری طور پر ایک کی دولت دوسرے کے گھر میں آجاتی ہے، مگر انجام کے اعتبار سے ان کا فوری نفع استمراری نقصان کا موجب ہے، شراب انسان کی استعداد وصلاحیت کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے اور آدمی کھوکھلا ہو جاتا ہے اور جوے سے انسانی معاشرہ میں اقتصادی بدحالی، معاشی بے اعتدالی اور اخلاقی گراوٹ پیدا ہو جاتی ہے، یہ تو دنیاوی زندگی میں ظاہری نقصان ہے، آخرت میں اس پر جو سزا ہوگی، وہ اپنی جگہ ہے، پس ذرا سے نفع کے لیے اسلام شراب وقمار کو انسانی سوسائٹی میں کیسے برداشت کرسکتا ہے، چنان چہ اس نے ان دونوں کی شدتِ مضرت کو دیکھتے ہوئے بالکل ہی حرام قرار دے دیا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اور تم لوگ مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور بیشک مومنہ باندی مشرکہ عورت سے بہتر ہے، اگرچہ کسی وجہ سے تم کو اچھی معلوم ہو اور تم لوگ مشرک مردوں کے ساتھ بھی نکاح نہ کراؤ، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں، مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ مشرک تمہیں اچھا معلوم ہو، یہ لوگ آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور لوگوں کے لیے اپنی نشانیاں ظاہر کرتا ہے کہ وہ یاد کریں اور نصیحت پکڑیں۔ (پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ: ۲۲۱)

نکاح اور زن وشوئ کے تعلق کی استواری وبرقراری اسلام کے معاملات میں سے ایک اہم معاملہ ہے، یعنی یہ سراسر دنیاوی ہی معاملہ نہیں ہے، بل کہ اس کا تعلق اسلامی اور دینی حیثیت سے بھی ہے، اس لیے اس بارے میں دین کی تعلیم پر عمل کرنا ضروری ہے، مسلمان

مرد اور عورت میں رشتۂ مناکحت کے سلسلہ میں سب سے مقدم دونوں کا مسلمان ہونا ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک مسلمان نہ ہو تو نکاح درست نہیں ہے، بل کہ اسلامی اصول مناکحت کے خلاف ہے، اس کے بعد شاہدین عدلین ایجاب وقبول اور مہر وغیرہ کا معاملہ ہے، لہٰذا اگر کوئی مسلمان مرد یا مسلمان عورت کسی غیر مسلم سے شادی کرے تو اس کا انعقاد نہیں ہوسکتا اور اسلام اسے نکاح نہیں قرار دے سکتا۔

اس لیے جو شادیاں "سول میرج" کے طور پر مسلم اور مشرک میں ہوتی ہیں، وہ اسلامی نقطۂ نظر سے سراسر غلط ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک ایسی شادی قانونی نہیں ہے، بل کہ سراسر حرام وناجائز ہے، اگر شادی بیاہ کی حیثیت بھی صرف دنیاوی ہوتی جیسے بہت سے معاملات دنیاوی ہوتے ہیں تو اس کی گنجائش تھی، مگر نکاح دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس کے انعقاد وجواز کے لیے دینی احکام کی منظوری بھی ضروری ہے، شرعی اور دینی مصالح سے قطع نظر کرکے اور صرف دنیاوی مصالح کو دیکھ کر نکاح نہیں ہوسکتا، بل کہ دنیا کے مقابلہ میں دین کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ، جب تک کہ وہ مسلمان ہوجائیں اور مسلمان عورت لونڈی بہتر ہے، کافر عورت سے گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو، اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں، اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے، گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہوتا ہو، یہ دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ

جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے اپنے حکم سے، اور انسانوں کو کھول کھول کر اپنی آیتیں اور نشانیاں بتاتا ہے، تاکہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔ (پ ۲ ع ۱۱ سورۂ بقرہ:۲۲۱)

نکاح اور شادی بیاہ اسلام کے ان امور میں سے ہے، جو دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی اور ان کا تعلق دونوں سے ہے، اس لیے اس میں دینی حیثیت کی طرح دنیاوی حیثیت کا بھی لحاظ ہوتا ہے، دنیاوی حیثیت یہ ہے کہ کھانے پینے، رہنے سہنے اور کمانے میں ہم آہنگی ہو، ذہنی اور فکری طور پر میاں بیوی اس طرح ہوں کہ دونوں میں اختلاف نہ ہو اور قبیلہ وخاندان کا خیال اس لیے ہو کہ زندگی اچھی طرح بسر ہو سکے اور زندگی کے دن خوبی اور ہنسی خوشی سے میل ومحبت کی فضا میں گزریں، اسی کے ساتھ دین کا ایک ہونا ضروری ہے، مسلمان اور غیر مسلمان میں شادی نہیں ہوسکتی، ایک کافر عورت ایک مسلمان مرد سے کافر رہ کر نکاح نہیں کرسکتی، اسی طرح ایک کافر مرد ایک مسلمان عورت سے کافر رہ کر نکاح نہیں کرسکتا اور دین کا ایک ہونا ضروری ہے، اس معاملہ میں دنیاوی عزوجاہ، باہمی محبت اور کسی قسم کا دباؤ آڑے نہیں آسکتا اور دین کے سامنے یہ ساری باتیں ہیچ ہیں۔

پس جو لوگ سول میرج کے طور پر دین کے اختلاف کے باوجود شادی کرتے ہیں، وہ حرام کاری کرتے ہیں، اسلامی نقطہ سے یہ نکاح نہیں ہوتا، بل کہ حرام کاری ہوتی ہے اور ان سے جو اولاد پیدا ہوگی، وہ صحیح النسب نہ ہوگی، بل کہ عیاشی کا نتیجہ ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں غالب آ گئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (پ ۲ ع ۱۶ سورۂ بقرہ:۲۴۹)

اوپر سے دو حکمرانوں کا ذکر ہو رہا ہے، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو بتایا کہ عددی اکثریت واقلیت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ تم اس پر فیصلہ کر کے بیٹھ جاؤ اور سمجھ لو کہ جو

قوم عدد میں کم ہے، اسے شکست یقینی ہے اور جو قوم عدد میں زیادہ ہے، اسے فتح ضرور ہوگی، یہ بات نہیں ہے، بل کہ دراصل اللہ تعالیٰ کے "اِذن وامر" کا ہے اور اسی پر فیصلہ ہوتا ہے، اقلیت واکثریت کی الجھنیں اس معاملہ میں آڑے نہیں آسکتی ہیں، بل کہ معاملہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فیصلہ اور قدرت میں ہے، اور بارہا ایسا ہوا ہے اور ہوتا ہے کہ تعداد میں کم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے مقابلہ کی بھاری اکثریت پر فتح پائی ہے اور بڑی بھیڑ چھوٹی جماعت سے شکست کھا کر بھاگی ہے، پس حق وباطل کے معاملہ میں تعداد کی کمی اور زیادتی کوئی چیز نہیں ہے، بل کہ اصل چیز حق اور باطل کا فرق ہے، اور جو لوگ صبر کے اسلحہ سے لیس ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی، صبر ایمان کی ایک شاخ ہے، جو اپنے اندر مومن کی بہت سے صفات رکھتی ہے، توکل علی اللہ، استقامت علی الحق، خدا پرستی، اظہار سے بے خوفی وغیرہ صبر کی صفات ہیں، جو لوگ صبر کا دامن تھام کے ان صفات کے حامل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے، چاہے وہ اپنے مقابل کی نسبت سے کتنے ہی کم ہوں، ہندوستان کے مسلمان اقلیت واکثریت کے اس قرآنی نظریہ کو دیکھیں اور اپنی زندگی میں صبر وایمان کی کیفیت پیدا کر کے نصرتِ خداوندی کے مستحق بنیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

اور اگر اللہ کا انسانوں کے ساتھ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع کرنے کا معاملہ نہ ہوتا تو یہ زمین یقیناً خراب ہو جاتی، لیکن اللہ تمام عالم پر فضل کرنے والا ہے۔ (پ ۲ ع ۱۶ سورۂ بقرہ: ۲۵۱)

خدا کی یہ زمین اسی نظام کے ماتحت رہنی چاہیے، جس کی وجہ سے اس میں امن وصلاح کی فضا پیدا ہو، ایسے لوگوں کا اس پر قبضہ ہونا چاہیے کہ جو اپنے کو اس کا خادم تصور کریں اور اپنے زمینی اقتدار کو فضلِ خداوندی سمجھیں، اس زمین پر شریروں، مُفسِدوں اور برائی

پھیلانے والوں کے قبضہ واقتدار کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، تمکنتِ ارضی کی نسل یا طبقہ، یا نظریہ کا حق نہیں ہے، بل کہ اَمن واِصلاح اور صلح وسلامتی کے خادموں کو اس کی نگرانی کا حق حاصل ہے، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خارجی قوت اور ہنگامی اثر واقتدار کی وجہ سے بعض غلط نظریوں، غلط طبقوں اور غلط نسلوں کا اس پر قبضہ ہوجاتا ہے اور جب تک ان کی مادی طاقت زور دکھاتی رہتی ہے، وہ ظلم وفساد کے باوجود زمین کے بعض حصوں پر قابض ودخیل رہتے ہیں، لیکن اس کے لیے تمکینِ ارضی دوامی نہیں ہے، بل کہ صرف وقتی اور ہنگامی ہے، قانونِ قدرت ایسے غلط کاروں کو زمین سے بے دخل کرنے کے لیے مخالف طاقت برپا کرتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند دنوں کے بعد برسراقتدار پارٹی کے سامنے ایک دوسری پارٹی آجاتی ہے، جو اپنی تازہ دم کوشش سے اس غلط کار پارٹی کے اثر واقتدار کا تختہ الٹ دیتی ہے۔

اس کش مکش کے عالم میں برسراقتدار پارٹی کبھی اپنے مخالف گروپ کو جیل وبند سے دوچار کرتی ہے، کبھی اسے حکومت کا باغی ثابت کرتی ہے اور کبھی خفیہ سازشوں سے اسے شکست دینا چاہتی ہے، مگر آخر کار اسے اپنی غلط روی کے نتیجہ میں انقلاب وتغیر کا منہ دیکھنا ہی پڑتا ہے اور چند دنوں کی کش مکش کے بعد خدا کی زمین غلط کاروں کے اثر واقتدار سے نجات پاجاتی ہے، زمینی نظام کے بارے میں قدرت کا یہی نظام ہمیشہ سے جاری ہے اور ہر غلط کار طاقت کے مقابلہ میں صحیح طاقت برپا ہوتی ہے، اگر یہ نظام نہ چلتا تو زمین پر چند شریروں اور مفسدوں کا قبضہ ہوجاتا اور خدا کی زمین شر وفساد سے بھر جاتی، مگر فضلِ خداوندی ایسا نہیں ہونے دیتا۔

(روزنامہ انقلاب ۲۹؍جنوری ۱۹۸۱ء)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

ہم نے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس میں سے بعض

سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کیے ہیں۔ (پ ۳ ع ۱ سورۂ بقرہ: ۲۵۳)

اس دنیا میں انسانوں کی آبادی ہے، جس کی ہدایت کے لیے کچھ خاص خاص ہستیاں آتی رہی ہیں، بعض مذاہب کے نزدیک یہ ہستیاں مافوق الفطرت ہوتی ہیں اور ان کا تعلق خدا کی ذات وصفات سے ہوتا ہے، یعنی وہ اپنے اَجزا و جواہر کے اعتبار سے خدا سے خلقی تعلق رکھتی ہیں، اور اس کے اَوتار یا مظاہر ہوتی ہیں، اور سلسلۂ نبوت ماننے والے طبقہ کے یہاں انسانوں کی ہدایت کے لیے ان میں سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نبوت ورسالت کا منصب حاصل ہوتا ہے، اور وہ نہ اللہ تعالیٰ کے کل ہوتے ہیں، نہ جز ہوتے ہیں اور نہ ان میں خدائی صفات ہوتی ہیں، بل کہ وہ اپنی فطرت اور حقیقت کے اعتبار سے سراسر انسان ہوتے ہیں، البتہ مرتبہ نبوت ورسالت حاصل ہونے کی وجہ سے وہ انسانوں میں خلاصہ ہوتے ہیں، اور کوئی بڑا سے بڑا غیر نبی، کسی معمولی سے معمولی نبی کے مرتبہ کو ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔

عام انسانوں کے اعتبار سے نبی ہر طرح برتر ہوتے ہیں، مگر ان کے آپس میں فرقِ مراتب اور اختلافِ درجات ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل میں سے کسی کو کوئی خصوصیت دی ہے، کسی کو کوئی امتیاز دیا ہے، اس طرح وہ آپس میں فرقِ مراتب رکھتے ہوئے تمام انسانوں سے اعلیٰ وافضل ہیں، اور کسی غیر نبی انسان کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ انسان کے مقابلہ میں کسی نبی کو کم تر سمجھے اور انسان کو اس سے بڑا مانے، کوئی نبی خواہ انبیاء میں سے کسی درجہ کا ہو، بڑے سے بڑے انسان سے ہر حیثیت سے افضل اور اعلیٰ وبالا ہوتا ہے، مسلمانوں کا نبوت ورسالت کے بارے میں یہی عقیدہ ہے، غوث، قطب، ولی، امام، پیر، مرشد غرض کہ ہر انسان انبیاء سے کم تر درجہ کا ہے۔ (روز نامہ انقلاب ۱۵ رنومبر ۱۹۷۵ء)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَ لَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ ط وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! ہم نے جو روزی تم کو دی ہے، اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ ایسا دن آجائے، جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ سفارش ہوگی اور کافر ہی ظالم ہیں۔ (پ ۳ ع ۲ سورۂ بقرہ: ۲۵۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تم کو روزی دی ہے اور تم کھاتے پیتے آدمی ہو، ورنہ تمہارے جیسے سیکڑوں دو وقت کی روٹی کے محتاج ہیں، حالاں کہ وہ تم سے زیادہ عقل مند، زیادہ باشعور اور زیادہ چالاک ہیں، پس تم اپنی کمائی میں سے خود کھا پی کر کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو، غریبوں، مفلسوں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرو، دین کے کاموں میں خرچ کرو، مفادِ عامہ میں کچھ پیسے دو، تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہو اور آخرت کے لیے توشہ بھی جمع ہو، جو قیامت میں کام آئے۔

یاد رکھو! اس دن نہ تم اپنی دولت سے نیکی خرید سکو گے، نہ اس کی وجہ سے دوستی پیدا کر کے اپنا کام نکال سکو گے اور نہ ہی کسی کی سفارش تم کو فائدہ دے سکے گی، اگر اس دن کوئی چیز کام آسکتی ہے تو آج اس دنیا میں کی ہوئی نیکی کام آسکتی ہے اور بس۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! تم ہماری دی ہوئی روزی میں سے کچھ حصہ ہماری راہ میں خرچ کرو، تاکہ تم کو آئندہ فائدہ ہو اور مجازات کے دن کے لیے پیشگی جمع رہے، کیوں کہ اس دن یہی چیز کام آئے گی اور کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! خرچ کرو جو روزی ہم نے تم کو دی ہے، اس میں سے، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے، جس میں نہ خرید وفروخت ہے اور نہ دوستی ہے اور نہ سفارش ہے اور کافر ہی تو ظالم ہیں۔ (پ ۳ ع ۲ سورۂ بقرہ: ۲۵۴)

یہ دنیا آخرت کی تمہید ہے اور یہاں کے کاموں کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں پیدا فرمایا اور جینے کے طریقے بتائے، اب ہمیں چاہیے کہ اللہ کی بتائی ہوئی راہ اور دی ہوئی روزی میں اسی کی مرضی کے مطابق کام کریں اور اس بارے میں دوراندیشی، غوروفکر اور بخل سے کام نہ لیں، بل کہ اس دنیا میں نیکی کے کام کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو غنیمت سمجھیں اور اس دن سے پہلے جو کچھ کرنا ہے، کرلیں، جس دن کہ نہ کوئی معاملہ خرید وفروخت کے ذریعہ طے ہوسکتا ہے اور نہ اس کا امکان پایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی مہلت مل سکتی ہے، نہ دوستوں کی دوستی کام آسکتی ہے اور نہ ہی کسی چھوٹے بڑے آدمی کی سفارش چل سکتی ہے، اس دن تو صرف احکم الحاکمین کا حکم چلے گا اور اسی کی عدالت ہوگی، وہی حاکم ومنصف ہوگا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ رزق حلال خوب خوب کھائیں اور نیک کاموں میں خوب خوب خرچ کریں اور نہ حرام روزی کھائیں، نہ حرام جگہ خرچ کریں، بخل آخر کیوں کیا جائے؟ سب کچھ لیا دیا اللہ کا ہے، اسی نے ہمیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ ضروری ہے کہ ہمیں جس قدر ضرورت ہو، اس سے ضرور رکھ لینا چاہیے، ورنہ یہ بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوگی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَاۚ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ لگتی ہے، زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے، کون ہے، جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرسکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے، اسے بھی

وہ جانتا ہے، اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے، اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت، ادراک میں نہیں آسکتی، اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے، اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے، اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے، بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔ (پ ۳ع ۲ سورۃ البقرۃ:۲۵۵)

یہ آیت، آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مکمل معرفت بخشی گئی ہے، جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی، اس بنا پر حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا گیا ہے، اس آیت میں توحیدِ ذات اور عظمتِ صفات بیان کی گئی ہے، خدائی پوری کی پوری بلا شرکت غیرے، اس غیر فانی ذات کی ہے، جو کسی کی بخشی ہوئی زندگی سے نہیں، بل کہ آپ اپنی ہی حیات سے زندہ ہے اور جس کے بل بوتے پر کائنات کا یہ سارا نظام قائم ہے، اپنی سلطنت میں خداوندی کے جملہ اختیارات کا مالک وہ خود ہی ہے، کوئی دوسرا شریک و سہیم نہیں، اس کی ملکیت میں اور اس کی تدبیرِ مملکت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بزرگ انسان فرشتے اور دوسری ہستیاں خدا کے یہاں بڑا رسوخ اور زور رکھتی ہیں اور وہ جو چاہیں اس سے منوالیں، انہیں بتایا جا رہا ہے کہ زور چلانا تو در کنار، کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر اور کوئی مقرب ترین فرشتہ اس بادشاہِ ارض و سماء کے دربار میں بلا اجازت زبان تک کھولنے کی جرأت نہیں رکھتا۔

انہیں یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے کام میں دخل کیسے دے سکتا ہے، جب کہ کسی دوسرے کے پاس وہ علم ہی نہیں ہے، جس سے وہ نظامِ کائنات اور اس کی مصلحتوں کو سمجھ سکتا ہو، سب کا علم ناقص اور محدود ہے۔

لہٰذا ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس خدا کی ہدایت و رہنمائی پر اعتماد کریں، جو علم کا اصلی سرچشمہ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۱؍مارچ ۱۹۷۸ء)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ

يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے، صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے، اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

(پ ۳ ع ۲، سورۃ البقرۃ:۲۵۶)

اسلام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جا سکتا، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے، جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقا کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے، خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرماں برداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے، اس کا نام فسق ہے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرماں برداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے، یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے، یہ کفر ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر خود اپنا حکم چلانے لگے، اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہونچ جائے، اسی کا نام طاغوت ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۷ ۲ر فروری ۱۹۷۸)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اور اللہ کام بنانے والا ہے مومنوں کا، نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف، اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اولیاء اور رفیق شیطان ہیں، وہ ان کو نکالتے ہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف، وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۳ ع ۲ سورۃ البقرۃ:۲۵۷)

جولوگ ہر قسم کی غیر خدا کی طاقتوں سے کٹ کر ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، وہ سب سے الگ ہوکر صرف اسی ایک کے ہوجاتے ہیں، اور وہ بھی ان کو اس طرح اپنالیتا ہے کہ ان کو سب سے بے نیاز کر دیتا ہے اور کسی موقع پر وہ اس سے ناامید ہوکر دوسروں کی دوستی اور تعلق کا خیال نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کو کفر وشرک کی ظلمتوں اور ناامیدی ویاس کی اندھیریوں سے نکال کر دین وایمان اور یقین وحوصلہ مندی کی روشنی میں لاتا ہے، جہاں وہ اپنے کو ایک تابناک عالم میں پاتے ہیں، اور ان کے اردگرد، اولوالعزمی، بلند ہمتی، اِقدام، امید اور تازگی وبشاشت ہوتی ہے، اور وہ اس عالم میں رہ کر دنیا سے جنت کا راستہ طے کرتے ہیں، برخلاف اس کے جن لوگوں کو شیطانی چیزوں سے تعلق ہے اور شیطنت کی دوستی ان کی زندگی کا مقصد ہے، ان کے قدم قدم پر ڈر، ناامیدی ہے، خوف، بزدلی اور ناکامی ظلمت ہوتی ہے، اور ایمان ویقین کی روشنی سے محرومی کے نتیجہ میں طرح طرح کے اندھیروں کا سامنا ہوتا ہے، جن میں وہ زندگی بھر بھٹکتے رہتے ہیں، اور آخر میں ناکامی کے غار میں گرجاتے ہیں اور کوئی نکالنے والا نہیں ہوتا اور ہمیشہ کے لیے دوزخ کی ناکام زندگی کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اللہ ان لوگوں کا ولی ہے، جو ایمان لائے، اللہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اولیاء طاغوت ہیں، وہ ان لوگوں کو روشنی سے اندھیریوں کی طرف لاتے ہیں، یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(پ ۳ ع ۲ سورۃ البقرۃ: ۲۵۷)

ایمان سراسر نور ہے، اس میں ظلمت کا شائبہ بھی نہیں، اس میدان میں روشنی ہی روشنی ہے، اس میں اندھیری کی پرچھائیں تک نہیں، اس راہ کے راہیوں کے گردوپیش جلوے ہی ہیں، اس میں کسی بھی مرحلہ پر دل ونگاہ کے لیے محرومی نہیں، بخلاف اس کے کفر سراسر ظلمت ہے، اس میں نور کا نام ونشان نہیں، اس گڑھے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اس میں اجالے کے لیے کوئی روشن دان نہیں، اس ظلمت خانہ میں محرومی ہی محرومی ہے، اور روح واخلاص کے لیے کہیں بھی امن وسکون نہیں۔

پس اس سورج کے ہوتے ہوئے، اس چاند کی موجودگی میں اور لیل ونہار کی گردش کے باوجود یہ کائنات انسانی دو بلاکوں میں تقسیم ہے، ایک بلاک کفر وظلمات کا ہے، دوسرا بلاک ایمان وانوار کا ہے، دونوں کی حدیں الگ الگ ہیں، دونوں کا وجود اپنی اپنی جگہ ہے، نہ دن کی روشنی کفر وظلمت کے بلاک میں روشنی پہونچاتی ہے، نہ رات کی اندھیری ایمان وانوار کے بلاک میں ظلمت پہونچاتی ہے، بل کہ نظامِ قدرت اپنا تکوینی کاروبار کررہا ہے، اور دونوں حقائق اپنی اپنی جگہ ثابت ہیں، روشنی کے لیے روشنی اور ظلمت کے لیے ظلمت ہے۔

اوپر کی آیت میں ایمان وکفر کے ان ہی دو گروہوں اور ان کی پوزیشن کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ اربابِ دین ودیانت اللہ والے ہیں، ان کی زندگی تابناک ہے، ان کے حالات روشن ہیں، اور ان کی قسمت بیدار ہے، اللہ ان کو اندھیریوں سے نکال کر اَحوال وظروف کے اجالے میں لاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کے لیے روشن شاہ راہ پاتے ہیں۔

برخلاف اس کے اَربابِ کفر وضلالت اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں، ان کے حوالی وموالی طاغوتی ذریات ہیں، نفسانی خواہشیں، حیوانی تمنائیں، بہیمانہ قوتیں اور شیطانی خرمستیاں ان کے آگے پیچھے لگی ہوئی ہیں، جو ان کو حالات وکیفیات کی ظلمتوں میں ڈھکیلتی رہتی ہیں اور وہ اس خیال میں جیتے جی کوئی روشن شاہ راہ نہیں پاتے، اور آخرت میں بھی ان کو

ظلمت سے واسطہ پڑتا ہے۔

پس اے انسانو! تم ان دونوں بلاکوں میں سے اس بلاک کے ساتھ ہو جاؤ، جس کے اندر امن ہے، سلامتی ہے، روشنی ہے، بجلی ہے، سکون ہے، اور ہر طرح سے حالات کی سازگاری ہے، اور ظلمت نصیب اور سیاہ بخت بلاک سے دور بھاگو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے، جو ایمان لائے ہیں، وہ ان کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے، اور جنھوں نے کفر کیا ہے، ان کے دوست طاغوت ہیں، وہ ان کو نور سے ظلمتوں کی طرف نکالتے ہیں، یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۳ ع ۲ سورۃ البقرۃ: ۲۵۷)

دین و دیانت کی زندگی ہمیشہ امن و سکون اور استقلال و عزیمت کی زندگی ہوتی ہے، اہلِ ایمان ناگوار حالات و واقعات سے دوچار ضرور ہوتے ہیں، مگر ان میں پریشانی اور گھبراہٹ کا وہ عالم برپا نہیں ہوتا، جو غیروں میں ایسے وقت میں پایا جاتا ہے، کیوں کہ مومن کا دوست اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، ان کو ہر مصیبت کی ظلمت سے نکال کر امید و خوش حالی کے نور میں لاتا ہے، حالات کے اندھیروں میں سکون کی روشنی دیتا ہے، اور ناگوار واقعات کی الجھنوں میں سکون کا اجالا بخشتا ہے۔

بخلاف اس کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی فعالیت و قدرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے اندر تزلزل، پریشانی اور تذبذب کام کرتا ہے، وہ ہر ناگوار حال کے وقت مرنے لگتے ہیں، ان کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے، اور نجات کی کوئی راہ نہیں ملتی، ان کے آگے پیچھے طاغوتی طاقتیں ہوتی ہیں، جو ان کو گمراہ کرتی رہتی ہیں، شیاطین کا گروہ ان کو حالات کی

خوش گواری سے نکال کرنا گواری وناامیدی کی ظلمت میں ڈال دیتا ہے، وہ لوگ ہر معاملہ میں سراسیمہ ہوجاتے ہیں، اوران کو آگے راستہ نہیں ملتا، کیوں کہ وہ عزیمت وپامردی سے محروم ہوتے ہیں اوران کے اندر حالات کے مقابلہ کی قوت نہیں ہوتی، ایسے لوگوں کے لیے ابدی ناگواری ہے،اوروہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب)

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۷

جولوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا حامی ومددگار اللہ ہے، اوروہ ان کوتاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے، اور جولوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی ومددگار طاغوت ہیں، اوروہ انھیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۳ ع ۲ سورۃ البقرۃ: ۲۵۷)

تاریکیوں سے مراد جہالت کی تاریکیاں اورنور سے مراد علم حق ہے، جس کی روشنی میں انسان اپنی اور کائنات کی حقیقت اوراپنی زندگی کے مقصد کو صاف صاف دیکھ کر صحیح راہ عمل پر گامزن ہوتا ہے، انسان خدا سے منھ موڑ کر بہت سے طاغوتوں کے چنگل میں پھنستا ہے، ایک طاغوت شیطان ہے، جو جھوٹی ترغیبات کا سدابہار باغ پیش کرتا ہے، دوسرا طاغوت اپنا نفس ہے، جو اسے جذبات وخواہشات کا غلام بنا کر غلط راستوں پر کھینچے لیے پھرتا ہے اور بے شمار فتنے اور اغراض اس کے درپے ہیں، جن میں سے ہرایک اپنی بندگی کراتا ہے اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اورکس کی ناراضی سے بچے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا

اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اللہ ولی ہے مومنوں کا، ان کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے، اور کافروں کے اولیاء طاغوت ہیں، جو ان کو نور سے نکال کر ظلمات کی طرف لاتے ہیں، یہ لوگ جہنم والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۳ ع ۲ سورۃ البقرۃ: ۲۵۷)

جو جیسا ہوتا ہے، اس کے متعلقین بھی ویسے ہی ہوتے ہیں، اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ آدمی اپنے متعلقین اور دوستوں سے پہچانا جاتا ہے، اس معیار پر اللہ والوں اور شیطان والوں کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، جن کے عقائد و اعمال اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں، وہ اللہ والے ہیں اور اللہ ان کا ہے، ان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی کارسازی اور نگرانی میں بسر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرح کی ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے، کفر و شرک کی اندھیریوں سے جس طرح نکال کر دین و ایمان کی روشنی میں لاتا ہے، اسی طرح زندگی کے ہر اندھیرے موڑ پر اپنی مدد کی روشنی سے رہنمائی فرماتا ہے، مسلمان اگر واقعی معنوں میں ایمانی قوت رکھتا ہے تو ہمیشہ نصرتِ الٰہی سے ہم کنار ہوتا ہے، اور کسی مرحلہ پر اپنے کو تنہا نہیں پاتا۔

اس کے مقابلہ میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کی زندگی شیطنت و شرارت اور کفر و شرک میں گزرتی ہے، ان کے ہم نوا "طاغوت" ہوتے ہیں، جو ہر قسم کی غیر دینی حالت پیدا کرنے میں ہر وقت چست و چاق ہوتے ہیں اور اپنے مشرکانہ و کافرانہ عقیدہ والے ساتھیوں اور خدا کے باغیوں کو ایمان و اسلام کی روشنی سے دور کر کے کفر و شرک کی اندھیریوں میں لے جاتے ہیں اور زندگی کے کسی مرحلہ پر ان کو نصرتِ الٰہی کی روشنی نہیں ملتی، بل کہ وہ الجھنوں میں پھنس کر مزید الجھن پاتے ہیں، اور ان کی زندگی ہمیشہ طرح طرح کے پریشان کن حالات میں گھری رہتی ہے اور کسی موقع پر ان کو سکونِ دل،

طمانینتِ قلب اور راحتِ جسم و جان نصیب نہیں ہوتی ہے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾

ان لوگوں کی مثال جو اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانہ کے مانند ہے، جو سات خوشوں کو اُگاتا ہے، ہر خوشہ میں سو دانے ہوتے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے، زیادہ بھی کرتا ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۱)

اخلاص وایثار کے ساتھ خیرات کرنے میں بڑا زور ہوتا ہے اور یہ چیز کبھی ضائع نہیں جاتی، جو لوگ اپنی کمائی سے کچھ حصہ ان راہوں میں خرچ کر دیتے ہیں، جن کی نشان دہی اللہ نے فرمائی ہے، وہ بہت ہی کامیاب و بامُراد ہیں، وہ درحقیقت اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کر رہے ہیں، اور ان کی کھیتی باڑی کے لیے نہ خشک سالی کا ڈر ہے، نہ کیڑا لگنے کا خوف ہے، نہ طوفان کی تباہی کا خطرہ ہے، غرض کہ ان کی کھیتی کے لیے آفتِ سماوی و ارضی کا کوئی وہم وگمان نہیں ہے، بل کہ وہ خدا کی نگرانی میں اس طرح بڑھتی، پھلتی اور پھولتی ہے کہ دنیاوی کسان اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔

خدا کی راہ میں ایک روپیہ کا دانہ ڈالنے سے جو پودا لگتا ہے، اس میں سات خوشے ہوتے ہیں، ہر خوشہ میں سو، سو روپیہ کا دانہ لگتا ہے، اس طرح ایک کے سات سو روپئے ہوجاتے ہیں، یہ تعداد تو گویا یقینی اور ضروری ہے، اس کے بعد مزید پیداوار کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے، فضلِ خداوندی بہت سے مخلصوں کو ان کے اخلاص کی گہرائی دیکھ کر اس سے بھی زیادہ دے دیتا ہے۔

پس خدا کی راہ میں خرچ کرنا، ایسی کاشت کاری ہے، جس میں نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اور جس کی پیداوار کی مقدار مقرر ہے، اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، بل کہ

مزید کی امید ہے، اے سرمایہ دارو! تم اپنے خزانوں میں یہ جو کروڑوں، لاکھوں کی تعداد میں دانے رکھے سڑا رہے ہو، انھیں اخلاص وایثار کی زمین میں ڈال دو، تم اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ موجودہ دولت سے سات سو گنا زیادہ امن وسکون، عزت واعتماد، شہرت اور نیک نامی حاصل ہے، آخرت میں جو ثواب ملے گا، وہ اپنی جگہ پر ہے، اس دنیا میں بھی تم اپنی خیرات کا ثمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھو گے اور تمہاری اولاد بھی اس سے فائدہ اٹھائے گی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۱ رجنوری ۱۹۵۴ء)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؁

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے، بڑھاتا ہے، وہ کشادہ دست بھی ہے اور خوب واقف کار ہے۔

(پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۱)

جس قدر خلوص اور جتنے گہرے جذبے کے ساتھ انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اتنا ہی اللہ کی طرف سے اس کا اجر زیادہ ہوگا، جو خدا ایک دانے میں اتنی برکت دیتا ہے کہ اس سے سات سو دانے اُگ سکتے ہیں، اس کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ تمہاری خیرات کو بھی اسی طرح نشوونما بخشے، اور ایک روپئے کے خرچ کو اتنی ترقی دے کہ اس کا اجر سات سو گنا ہو کر تمہاری طرف پلٹے، وہ تو بڑا ہی فیاض اور کشادہ دست ہے، ایسا نہیں ہوگا کہ تمہارے اعمال جتنے اجر کے مستحق ہوں، وہ نہ دے سکے، تم خواہ دکھاوے کے لیے خرچ کرو یا خلوص کے ساتھ، بہرحال تمہارے دلوں کی بات وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ان لوگوں کی مثال جو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانے کے مانند ہے، جس نے سات خوشے اُگائے، ہر خوشہ میں سو دانے، اور اللہ جسے چاہتا ہے، اس سے بھی زیادہ کرتا ہے اور اللہ وسیع وعلیم ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ:۲۶۱)

ایک کسان کو کاشت کاری کے تمام آداب ورسوم معلوم ہیں، اس کی زمین نہایت زرخیز ہے، سیرابی کا معقول انتظام ہے، بیج کے اندر نمودار ہونے کی پوری صلاحیت موجود ہے، اور پھر اس نے تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دانہ اپنے کھیت میں ڈال دیا، فطرتِ الٰہیہ کی آغوش میں وہ دانہ چند دنوں تک پڑا رہا، پھر رب السمٰوات والارض کی قدرت کا پھولتا پھلتا نمونہ بن کر نکلا، کسان نے دیکھا تو دل باغ باغ ہوا، اس نے ہزار جتن سے پودے کی نگرانی کی، سرد، گرم ہوائیں گزرتی رہیں، جنگل میں رات دن کے تھپیڑے چلتے رہے، دھوپ، برسات کی متضاد قوت لڑتی رہی، مگر وہ پودا تمام مراحل نہایت خاموشی سے طے کرتا رہا، حتیٰ کہ اس میں پھول پھل آگئے اور دیکھتے دیکھتے ایک حقیر دانہ کیچڑ کی آغوش سے اس طرح نمایاں ہوا کہ اس میں سات بالیاں نکل آئیں اور ہر بالی میں سینکڑوں دانے پیدا ہوگئے، یعنی ایک دانہ سے سات بالیں اور ہر بالی میں سو دانے نکلے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک دانہ چند دن میں سات سو دانے بن گیا۔

بتاؤ! اگر تم یہ حقیقت اپنی آنکھ سے نہ دیکھتے تو بھلا یقین کرتے کہ کہ رائی کا ایک دانہ کچھ دنوں تک پردۂ تقدیر میں رہ کر غلہ کا پہاڑ ہوسکتا ہے؟ یہی حال صدقہ وخیرات کا ہے، معمولی خیرات بھی صحیح مصرف دیکھ کر کی جائے اور پھر۔۔۔۔اذیت دہی نہ کرکے اس کی خبر گیری کی جائے اور اسے اسی جذبہ سے پالا جائے، جس جذبہ سے ایک کسان اپنے معمولی دانہ کی پرورش کرتا ہے، صدقہ کا مال گویا دانہ ہے، خوب یاد رکھو، یہ مال نہایت صالح اور پاک

ہو، تاکہ اس کی نمو کی قوت کام کر سکے، صدقہ لینے والے، گویا زمین ہیں، خوب دیکھو کہ ہم کسے صدقہ وخیرات دیتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اچھا دانہ خراب زمین میں پڑ کر ضائع ہو جائے، پھر صدقہ کرنے کے بعد احسان نہ جتلاؤ، تکلیف نہ دو، ورنہ تمہارا یہ پودا خراب ہو جائے گا۔

مطلب یہ کہ اگر تم خدا کی راہ میں پورے حقوق اور کامل حفاظت کے ساتھ خرچ کروگے تو اسی طرح ایک کا سات سو، اور اس سے زیادہ ہو سکتا ہے، جس طرح ایک دانہ ہو جاتا ہے، قرآن حکیم کا خاص وصف یہی ہے کہ وہ باریک سے باریک حقیقت کو ایسے طرز اور ایسی مثال سے سمجھاتا ہے کہ گنوار تک سمجھ جائے، غالباً تم بھی صدقہ وخیرات کے اجر کو سمجھ گئے ہو گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًی ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اس خرچ کے بعد احسان جتلانے اور اذیت پہونچانے کا رویہ نہیں اختیار کرتے، ان کے لیے اجر ہے، ان کے رب کے پاس، نہ ان کے اوپر کوئی خوف ہے اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۲)

امدادِ باہمی اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونا، اسلامی زندگی کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، مسلمانوں میں قانونِ قدرت کے مطابق طبقات کی تقسیم تو رہے گی، اور امیر، غریب کا فرق تو چلتا رہے گا، مگر یہ فرق انسان کے بنیادی حقوق میں رخنہ اندوزی نہیں کر سکتا، اور اسلام ایک سکنڈ کے لیے اس قسم کی طبقاتی تفریق کو گوارا نہیں کر سکتا، وہ مسلمانوں کو باہمی امداد پر زیادہ سے زیادہ تیار کرتا ہے اور ایک ایسی دنیا بناتا ہے، جس میں انسان اپنے درجات وطبقات کی بندش سے آزاد ہو کر صرف انسان نظر آئیں، وہ طبقاتی فرق کو اس درجہ ختم کرتا ہے کہ نہ صرف امراء کو غرباء کی پرورش کا حکم دیتا ہے، بل کہ اس کے ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ خبردار

مالی ہمدردی کے بعد پھر وہی طبقاتی رنگ نہ پیدا ہونے لگے، اور ایک مال دار ایک غریب کو اپنی مدد کے نتیجہ میں تختۂ مشق نہ بنائے، اسے برا بھلا نہ کہے، اسے اپنا غلام اور نوکر نہ سمجھے، اس کے ساتھ ایسی کوئی حرکت نہ کرے، جس سے اس غریب کے خیال میں احساسِ کمتری کا شائبہ پیدا ہو جائے، اور معاشرتی یکسانیت کے بعد ذہنی نیچ اونچ کی جڑ مضبوط ہونے لگے۔

قرآن حکیم کہتا ہے:

کہ اگر تم نے کسی کی مدد کی ہے، تو یہ اس پر کوئی احسان نہیں کیا ہے، بل کہ اپنے خدا کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کیا ہے، اور اس کی جزا آخرت میں زیادہ سے زیادہ ملنے والی ہے۔

لہٰذا کوئی مال دار یہ گمان ہرگز نہ کرے کہ میں نے فلاں وقت فلاں کی مدد کی ہے، اور اس گمان کے نتیجہ میں اسے بیگار پکڑے، یا چار بات سنائے، اگر کسی مال دار نے ایسا کیا، تو اس کا مال بھی گیا اور اجر بھی، اسلام میں اخلاص، ایثار، محبت اور باہمی اتحاد کی قدر و قیمت ہے، ان باتوں کے لیے ریا، نمود اور احسان جتلانا زہرِ قاتل ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنے اَموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر ایسا کرنے کے بعد احسان یا اذیت کا معاملہ نہیں کرتے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اَجر ہے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی غم گین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۲)

اللہ کی راہ میں اپنی دولت کو خرچ کرنا اور پھر اس پر خوش ہونا بڑی مبارک اور خوش آئند بات ہے، اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اعزاز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جن مصارف پر خرچ کیا جائے، ان سے دنیا میں بدلہ لینے کی کوشش نہ کی جائے، اور نیک سلوک کرنے کے بعد یہ سمجھا جائے کہ جن پر احسان کیا گیا ہے، وہ ہمارے غلام ہو گئے اور اب

ہم کو حق حاصل ہو گیا کہ ان کو ستائیں، کچی پکی سنائیں، اور بار بار موقع بہ موقع کہیں کہ ہم نے تم پر احسان کیا ہے، تم ایسے تھے، ہم نے یہ کیا، اور تم ویسے تھے ہم نے وہ کیا، یا پھر اپنی زبان اور حرکت سے ان کو تکلیف دی جائے اور دولت کے غرور میں مجبوروں کو ہر طرح اور مجبور کیا جائے، ایسا کرنا نہایت گری ہوئی حرکت ہے، اس سے دناءت، کمینہ پن اور حوصلہ کی تنگی کا پتہ چلتا ہے، ایسے لوگ نہایت پست خیال، تنگ ظرف اور کمینہ فطرت ہیں، ان کے لیے اللہ کے یہاں کوئی اجر وثواب نہیں ہے، بل کہ ایسے لوگوں کے لیے اجر وثواب ہے، جو اپنا مال خرچ کر کے اس کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور نہ اس کی وجہ سے غلط دباؤ ڈالتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں، نہ اذیت پہونچاتے ہیں، تو ان کے لیے ان کا اجر اللہ کے یہاں ثابت ہو چکا، نہ انھیں کوئی خوف ہے، نہ کوئی غم۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲٦۲)

خدا کی رضا جوئی کی راہیں مسلمانوں کے مال و دولت کی پاک روشنی سے منور ہونی چاہئیں، مسلمانوں کا دینی معاملہ ہو، یا اسلامی زندگی کا موقع ہو، مسلمان قوم کو اسلامی نقطۂ نظر سے اس میں مال و دولت سے حصہ لینا چاہیے، اسلامی معاشرہ کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنا اور دین کے نام پر انفرادی یا اجتماعی کام میں حصہ لینا، خدا کی رضا جوئی کی راہ ہے، اس میں جان و مال سے حصہ لینا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔

اگر کسی مسلمان نے زید، عمرو اور بکر کی مدد کی، تو یہ زید، عمرو اور بکر کی مدد نہیں ہوئی، بل کہ اسلامی زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی مدد ہوئی، اسلامی معاشرہ کا تقاضا پورا ہوا۔

پس اگر کسی نے کسی واقعی دینی آدمی کی مدد کی، کسی اسلامی ادارہ کی مدد کی، اور اسلامی

زندگی کے کسی شعبہ کی مدد کی، تو ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے توسط ہی سے یہ کام ہوگا، پھر بڑی نادانی ہوگی، جس کے توسط سے دینی کام میں حصہ لیا گیا، اسے احسان جتلایا جائے اور بدلہ کے طور پر پریشان کیا جائے، اسلام ایسی مدد کی کوئی قدر نہیں کرتا، اس کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

خدا کے یہاں وہ احسان قابلِ اجر ہے، جس کے پیچھے نہ احسان جتلانے کا دم چھلا ہے، نہ اس کے بدلے میں ایذا رسانی کا معاملہ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں، اور نہ اذیت پہونچاتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے یہاں اجر ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۲)

کسی انسان کو سنبھالنا اور اس کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے، اور اسلام نے اسے بعض حالات میں فرض قرار دیا ہے، اور عام حالات میں اسے بہتر قرار دیتے ہوئے بہت ہی اجر و ثواب کا ذریعہ بنایا ہے، اور غریبوں، فقیروں، یتیموں، بیواؤں پر خرچ کرنے کی بڑی تاکید کی ہے اور اس پر بڑا ثواب بتایا ہے، مگر یہ کام باعثِ ثواب اسی وقت ہوگا، جب اس میں اخلاص وللہیت کا معیار بہت بلند ہوگا، اور اپنی جیب اور اپنے خزانے سے غرباء اور مساکین پر خرچ کرنے کے بعد یہ سمجھنا ہوگا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان غریبوں اور مسکینوں کی خدمت کا موقع دیا، اور ہم ضعیف و ناتواں لوگوں کے ذریعہ اس نے اپنے بندوں کی حاجت روائی فرمائی، جب یہ جذبہ ہوگا تو کبھی بھی اپنی سخاوت اور داد و دہش پر فخر نہیں ہوگا اور نہ کسی پر اپنا احسان جتانے کا خیال پیدا ہوگا، نہ کسی کو کچھ دینے کے بعد اس سے کام لینے، بے گاری کرانے اور سخت و سست کہنے کی ہمت پڑے گی۔

اور اگر کسی کو کچھ دینے کے بعد یہ خیال ہو کہ ہم نے اس پر احسان کیا ہے، ہمارا حق ہے کہ اسے جو چاہیں، اس سے کام لیں، تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خرچ کسی کام کا نہیں ہے، بل کہ اس کا وبال پڑے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اس کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں، ان کے لیے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے، اور نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۴، سورۃ البقرۃ: ۲۶۲)

نیک کاموں میں اپنا مال خرچ کرنا بڑی خیر و برکت کی بات ہے، اور اس کا اجر و ثواب بہت ہی زیادہ اور قابلِ قدر ہے، لوگوں کی خبر گیری کرنا، غریبوں، مفلسوں، بیواؤں، یتیموں، حاجت مندوں اور دوسرے غرض مندوں کا کام چلانا اور اس راہ میں اپنی کمائی سے کچھ خرچ کرنا بڑے کردار کی بات ہے، آدمی اگر زبانی ہمدردی کرتا ہے، کسی کے کام کے لیے کچھ وقت دیتا ہے اور دوڑ دھوپ کرتا ہے، تو اسے زیادہ اہمیت نہیں ہے، لیکن ان باتوں کے ساتھ ساتھ اگر اپنی جیب سے کچھ خرچ بھی کرتا ہے، تو یہ بات بہت اونچی بن جاتی ہے، اور یہ تمام آدمی کا کام نہیں ہے، بل کہ اسے وہ لوگ کرتے ہیں، جن کے پاس دولت کے ساتھ ساتھ دل اور دین بھی ہوتا ہے، ایسے ہی لوگ صرف اللہ کی رضا مندی اور اپنے بھائی کی حاجت برآری کے لیے جیب سے پیسہ نکال سکتے ہیں، ویسے تو کتنے ہی مال دار ہیں، جو لوگوں پر احسان رکھنے کے لیے، ان سے کام لینے کے لیے اور اپنی خواہشوں کو کسی صورت سے پوری کرنے کے لیے بہت زیادہ دولت دیتے ہیں، مگر ان کو ایک پیسہ اخلاص و محبت کے ساتھ انسانیت کی فلاح و نجاح کے نام پر دینا نصیب نہیں ہوتا۔

پس جولوگ اپنی دولت کو نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں اور اس کے بعد نہ بدلہ چاہتے ہیں، نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے اور پریشان کرتے ہیں، ان کو اس کردار کی جزا بہت بلند ملے گی، اور وہ خاص طور سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جناب میں مراتب ودرجات کے مستحق قرار پائیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۲۶۲

جولوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اپنے اس خرچ کے بعد جتلانے یا تکلیف دینے کا معاملہ نہیں کرتے، ان کے لیے ان کا بدلہ ہے ان کے رب کے یہاں، اور نہ ان کے اوپر کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۲)

خیر اور نیکی کی راہ میں مال خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ مال اللہ کی راہ میں کس ضرورت مند آدمی یا کام کے واسطہ سے خرچ کیا جائے گا، اور کسی شخص کو دینا یا کسی کام میں لگانا ہوگا، مگر یہ شخص یا کام صرف واسطہ ہوگا، اصل نہیں ہوگا، اب اگر کوئی آدمی کوئی نیک کام کرے اور اس سلسلے میں کسی کو کچھ دے تو یہ اگرچہ بظاہر ایک آدمی کو دے رہا ہے، مگر درحقیقت اپنے لیے نیک کام میں خرچ کررہا ہے، اور اس کا اجروثواب اسی خرچ کرنے والے کو ملنے والا ہے، اس صورتِ حال کے بعد کسی کو کچھ دے کر احسان جتانا یا اس کے بدلے کسی قسم کی جسمانی یا روحانی اذیت پہونچانا، انتہا درجہ کا کمینہ پن ہے، اور اس سے بڑھ کر کوئی گراوٹ نہیں ہوسکتی کہ آدمی جس کے ذریعہ نیک کام میں خرچ کرے۔

اس ذریعہ ہی کو اپنا مقصد قرار دے کر اس سے مطلب نکالے، احسان جتائے اور اذیت دے، ایسے لوگ اپنے نیک عمل کو ضائع کرتے ہیں، بخلاف اس کے جولوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرکے توفیق پانے پر شکر کرتے ہیں اور احسان جتانے اور اذیت پہونچانے کے

بجائے سوچتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں کسی کے ذریعہ سے نیکی کا موقع دیا، یہ اس کا احسان ہے، ورنہ کتنے باحیثیت اور مال دار ہیں کہ ان کو یہ موقع زندگی بھر نصیب نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو ان کے نیک کام کا بدلہ نہایت اچھے انداز میں ملے گا، اور یہ لوگ ہر طرح کی الجھنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ط وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اچھی بات اور درگزر کرنا، ایسے صدقہ سے بہتر ہے، جس کے پیچھے دکھ درد ہو اور اللہ غنی اور حلیم ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

”قول معروف“ وہ بات ہے، جس کی خوبی عقل اور شریعت کی رو سے ثابت ہو اور اس کی معقولیت پر اربابِ عقل وشعور اور اہلِ دین وشرع متفق ہوں، ”مغفرت“ وہ کردار عظیم ہے، جو کسی سے غلطی سرزد ہو جانے پر انتقام ومواخذہ کا ہاتھ روک دیتا ہے اور عفو ودرگزر کی فضا پیدا کر کے غصہ، انتقام، بدلہ، مواخذہ، لڑائی، تُوتُو، مَیں مَیں، اور انفرادی اور اجتماعی افراط وتفریط کی ناگوار صورتِ حال کو رونما نہیں ہونے دیتا۔

صدقات وخیرات کرنے میں نیکی اور ثواب اسی لیے ہے کہ اس کارِ خیر سے اسلامی معاشرہ میں احسان واصلاح کی فضا پیدا ہوتی ہے، امارت وغربت کی خلیج پٹتی ہے، جماعتی اور انفرادی احساس وشعور کی بحالی میں فرق نہیں آنے پاتا، بل کہ بستی کی بستی اطمینان وسکون سے سوتی اور جاگتی ہے اور نیکی کی زندگی بسر کرتی ہے، لیکن اگر صدقات وخیرات کرنے کے نتیجہ میں اربابِ مال وزر عوام پر اپنا رعب جمائیں، اپنی احسان مندی کا احساس دلائیں اور للہ فی اللہ نیکی کر کے لوگوں کو غلام سمجھیں اور اپنے قول وعمل سے بستی کے غریبوں، محتاجوں اور بے کسوں کو اذیت پہونچائیں، تو پھر صدقات وخیرات کا منشا فوت ہو جائے گا اور احساس

وشعور میں نیچ اونچ باقی رہے گی، امیری اور غریبی کا اختلاف طبقاتی بیماری کا باعث بنے گا، اور باہمی محبت وشرافت کی زندگی پیدا نہ ہو سکے گی۔

اس لیے اس سے بہتر تو یہی ہے کہ اربابِ ثروت اپنے مال اپنی تجوریوں میں بند رکھیں اور اسے باہر نکال کر جماعتی روگ کا باعث نہ بنائیں، ایسے صدقات وخیرات سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میٹھے بول کا معاملہ کیا جائے، خوش دلی وکشادہ قلبی سے ہنس مکھ زندگی گزاری جائے، جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کر کے اور مواخذہ وبدلہ کی ناگواری ختم کر کے اپنی بستی میں رحم وکرم اور لطف واحسان کو برپا کیا جائے، تاکہ گفتگو اور بات چیت سے کسی قسم کی ناگواری نہ پیدا ہو اور طبقہ کا ہر چھوٹا بڑا ہنسی، خوشی کی آزاد ومطمئن زندگی بسر کرے۔

اے مسلمانو! اپنوں اور غیروں کے ساتھ میٹھی بولی بولو اور بخش دو، گر خطا کرے کوئی، یہ دو باتیں نتیجہ کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ

اچھی بات اور درگزر کرنا، بہتر ہے، اس صدقہ سے، جس کے پیچھے تکلیف ہو۔

(پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

دنیا میں اگر انسان نیکی کرنا چاہے تو نیکی کے کام بہت ہیں اور ان کے کرنے کے بہت سے مواقع ہیں اور ہر انسان نیکی کر سکتا ہے اور اپنے کیے کے مطابق اس سے حصہ پا سکتا ہے، بل کہ نیکی کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت میں رکھ کر اس میں چند در چند زیادتی فرمائی ہے، اور اپنے فضل وکرم سے مزید کی کوئی انتہا نہیں رکھی ہے، اور معمولی معمولی نیکیوں پر بڑے بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہاں پر محتاج لوگوں کی خبر گیری کا بیان ہوتا ہے اور ان کو صدقات وخیرات دینے کی تاکید فرمائی جارہی ہے، اسی سلسلہ میں فرمایا جارہا ہے کہ ایک میٹھا بول اور کسی لغزش پر

درگزر بھی بڑا نیک کام ہے اور اس کا اجر بہت زیادہ ہے، خاص طور سے ضرورت کے وقت تو کسی کی ایک میٹھی بات اتنی مفید پڑ جاتی ہے کہ ہزاروں روپئے کی مدد بھی اتنی مفید نہیں پڑتی۔

اسی طرح بعض مرتبہ درگزر کرنا اور اپنے خاطی کو معاف کر دینا، اس کے حق میں اس قدر مفید پڑ جاتا ہے کہ بڑے بڑے احسانات اس کے سامنے ہیچ پڑ جاتے ہیں۔

اس لیے ایسی احسان مندی جس کے بعد روحانی اور مادی تکلیف دی جائے اور احسان بتا کر اور بد کلامی کر کے اپنے احسان کا بدلہ لیا جائے، یہ احسان مندی بہتر نہیں ہے، اور اس سے بہتر ہے کہ غرباء ومساکین اپنوں سے میٹھی بات کریں اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کی بات کریں اور اہلِ اقتدار لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کریں، ایسا کرنا اس احسان سے بدرجہا بہتر ہے، جس کے بعد روحانی یا جسمانی اذیت ہو۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ

اچھی بات اور عفو و درگزر کرنا بہتر ہے، اس صدقہ سے، جس کے پیچھے ستانا ہو۔

(پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

کسی مسلمان سے ہنس کر بولنا صدقہ ہے، کسی مسلمان سے اچھی بات کہنا صدقہ ہے، اور کسی مسلمان سے خوش خلقی سے ملنا صدقہ ہے، ایسا صدقہ جس کے لیے اجر وثواب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اچھی جزا مرتب ہونے والی ہے، صدقہ یہی نہیں ہے کہ کوئی کسی کی نقدی مدد کر دے، کھانا کھلا دے اور ننگے کو کپڑا پہنا دے، بل کہ یہ بھی صدقہ ہے اور وہ بھی صدقہ ہے، بل کہ مالی صدقہ اسی وقت کام یاب اور سود مند ہو سکتا ہے، جب صدقہ کرنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ میں نے فلاں کے لیے اپنا اتنا پیسہ خرچ کیا ہے، اپنے کھانے سے انہیں کھانا کھلایا ہے، اور اپنے کپڑے سے اسے کپڑا پہنایا ہے، اس لیے مالی صدقہ میں ان غلط تصورات سے بچنا ضروری ہے، اور ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم

نے کسی پر احسان کیا ہے، کیوں کہ یہ احسان نہیں ہے، صدقہ ہے۔

پھر وہ لوگ بالکل ہی ناکام ہیں، جو کسی بھائی کے ساتھ صدقہ وخیرات کے ذریعہ احسان کرکے اسے وقتاً فوقتاً جتاتے رہتے ہیں اور اس کے دباؤ سے کام لیتے رہتے ہیں، اور غریبوں، محتاجوں کو مختلف طریقوں سے ستاتے رہتے ہیں، کبھی ناجائز بولیاں بولتے ہیں، کبھی غلط کام لیتے ہیں اور کبھی کسی اور طریقہ سے دباتے ہیں، ایسے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں کے پیچھے پیسے خرچ کیے ہیں، اس لیے ایسے بدعقل لوگوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ مالی خیرات بند کرکے لوگوں سے میٹھی میٹھی باتیں کیا کریں اور مخلوق کی دل جوئی اپنا شیوہ بنائیں، مالی خیرات دوسرے حضرات کریں گے، جن کا ظرف وسیع ہوگا اور جو غریبوں اور محتاجوں کو چار پیسے پر اپنا زرخرید غلام نہیں سمجھیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۰ء)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اچھی بات اور درگزر کرنا ایسے صدقہ سے بہتر ہے، جس کے پیچھے دکھ درد ہو، اور اللہ غنی اور حلیم ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

”قول معروف“ وہ بات ہے، جس کی خوبی عقل اور شریعت کی رو سے ثابت ہو اور اس کی معقولیت پر ارباب عقل وشعور اور اہلِ دین وشرع متفق ہوں، ”مغفرت“ وہ عظیم کردار ہے، جو کسی سے غلطی سرزد ہوجانے پر انتقام ومواخذہ کا ہاتھ روک دیتا ہے اور عفو ودرگزر سے غصہ، انتقام، بدلہ، مواخذہ، لڑائی، جھگڑا کی ناگوار صورت کو رونما نہیں ہونے دیتا، صدقات وخیرات میں نیکی اور ثواب اسی لیے ہے کہ اس کارِخیر سے اسلامی معاشرہ میں اصلاح واحسان کی فضا پیدا ہوتی ہے، امیری وغریبی کی خلیج پٹتی ہے، جماعتی اور انفرادی اطمینان وسکون پیدا ہوتا ہے۔

لیکن اگر صدقات وخیرات کرکے اہلِ مال وزر اپنی احسان مندی کا احساس

دلائیں اوراپنے قول وفعل سے غریبوں اور محتاجوں کو اذیت پہونچائیں، تو پھر صدقات وخیرات کا مقصد نیکی کمانا نہیں، بل کہ لوگوں کو ذلیل ورسوا کرنا ہو جائے گا، اس سے طبقاتی بیماری بڑھے گی، اس سے تو بہتر یہی ہے کہ ایسے تنگ دل لوگ یہ نیک کام نہ کریں، دوسرے اہلِ ظرف اس کو انجام دیں گے، ایسے صدقات وخیرات سے ہزارہا درجہ بہتر یہ ہے کہ لوگوں سے میٹھی بولی، بولی جائے، پیار سے بات چیت کی جائے اور ان میں رہ کر خوش دلی وکشادہ قلبی کی زندگی بسر کی جائے، یہ صدقہ بھی کچھ کم ثواب نہیں رکھتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اچھی بات اور درگزر کرنا ایسے صدقہ سے بہتر ہے، جس کے پیچھے اذیت رسانی ہو، اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

دین وایمان کی برکت سے انسانی زندگی کا گوشہ گوشہ حسین وجمیل اور معیاری بن جاتا ہے، اور منھ کی بولی تک پھول بن کر جھڑتی ہے، کیوں کہ جب پوری زندگی دین وایمان کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے تو وہ مومن ایمان واسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن جاتا ہے، قرآن حکیم ہمیں بتا رہا ہے کہ تم انسانوں سے میٹھے بول بولا کرو، اور اگر کسی سے کوئی نامناسب حرکت ہو جائے تو عفو ودرگزر کا رویہ اختیار کرو، یہ دونوں باتیں بڑی ہی اہم اور انسانیت کے حق میں بہت ہی مفید ہیں، کسی کے ساتھ میٹھی بولی اور درگزر کی روش اس کے لیے بہت ہی خوش کن ہے اور خود تمہارے حق میں بہت مفید ہے، اتنی مفید ہے کہ اگر تم کسی کو کچھ مالی خیرات کر کے اسے بعد میں اپنا احسان مند ثابت کرو تو اس سے بہتر ہے کہ ایک کلمۂ خیر کہہ کر اس کا کام بھی چلا دو اور اپنا بار بھی نہ ڈالو۔

کسی کے ساتھ احسان کر کے احسان جتانا، بعد میں طرح طرح سے تکلیف دینا اور موقع بہ موقع نامناسب انداز میں پیش آنا بہت ہی بری بات ہے، نیکی کے کام کرو تو اس کا اجر

ضائع مت کرو، اس طرح سے اجر ضائع ہو جاتا ہے، تم کو اجر و ثواب کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری نیکی کی ضرورت نہیں ہے، پس تم نیک ہو تو اپنے لیے نیک بنو اور دوسروں کو تکلیف نہ دو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اچھی بات اور بخش دینا اس صدقہ سے بہتر ہے، جس کے پیچھے تکلیف ہو، اور اللہ بے نیاز بُردبار ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

انسانی فائدہ کا ہر کام اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے صدقہ کا حکم رکھتا ہے، کسی کی مدد کر دینا صدقہ ہے، کسی کو اچھا مشورہ دینا صدقہ ہے، کسی کی حاجت پوری کرنا صدقہ ہے۔

غرض کہ انسانیت کے کام آنا صدقہ ہے، اور سب سے بڑا صدقہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اللہ کے کسی مجبور و معذور بندے کی مالی مدد کی جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ میں فلاں شخص پر احسان کر رہا ہوں، یا اس کے بدلے میں اس سے کوئی کام لوں گا، اس صدقہ سے بہتر ہے کہ آدمی میٹھی بولی بول کر حاجت مند کو دوسرا دروازہ دکھا دے اور کچھ نہ دے۔

اس کو اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جس احسان و سلوک کے بعد آدمی اپنا احسان جتائے، جسے کچھ لیا دیا ہے، اسے سخت سست کہے، موقع بہ موقع احسان کو ظاہر کرتا رہے، یا احسان کے بدلے میں جسمانی یا روحانی اذیت پہونچائے، تو اس سے بہتر یہی ہے کہ اچھے بول، بول کر حاجت مند کو رخصت کر دے اور احسان کے نام پر اس کی گردن پر سوار نہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ کو ایسے نیک سلوک کی ضرورت نہیں ہے، وہ بڑا بے نیاز ہے اور اس کے صبر و حلم کا ظرف بہت وسیع ہے، اللہ کے بندوں کے کام رکے نہیں رہ جائیں گے، کم ظرف پڑے رہیں گے اور اللہ کے دوسرے بندے کام کر جائیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اچھی بات اور درگزر کرنا بہتر ہے اس صدقہ سے، جس کے بعد اذیت ہو، اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

اس رنج وغم اور بھاگ دوڑ کی دنیا میں میٹھے بول بھی بڑے قیمتی ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی وجہ سے افراد اور جماعت کی زندگی کو بڑی اچھی راہ مل جاتی ہے اور ایک اچھی بات وہ کام کر جاتی ہے، جو خزانوں اور انسانوں کے بس کی نہیں ہوتی۔

پھر بڑی بات یہ ہے کہ اس طرح کی کام کی بات کو نہ احسان کہا جاتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے کسی طرف سے گراں باری محسوس کی جاتی ہے، بخلاف اس کے کہ چار پیسے کی بھی مدد کبھی احسان مندی اور گراں باری کا باعث بن جاتی ہے، حالاں کہ اسلام نے احسان جتانے اور اس کا بدلہ لینے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص کسی بھائی سے کام کی ایک بات کر دے، جس سے اس کا بھلا ہو جائے، تو وہ بات اس مالی امداد وتعاون سے بدرجہا بہتر ہے، جس کے بعد احسان جتانے کی اذیتیں پائی جاتی ہوں، بات بات پر اپنی مدد کو ظاہر کیا جائے، ہر موقع پر اس کے دباؤ سے غلط طور پر اثر ڈالا جائے اور سخت سست بات کی جائے۔

اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ حتی الامکان کسی کا احسان نہ لیں اور اپنا کام چلا کر سوال نہ کریں، لیکن اگر کوئی احسان کر دے تو اسے چاہیے کہ احسان نہ جتائے اور اس کا بدلہ دنیا میں نہ لے، اور اگر اس طرح احسان جتانا ہو تو احسان کرنے سے بہتر ہے کہ حاجت مند سے کوئی اچھی بات کر دے، کوئی نیک مشورہ دے دے، یا خوب صورتی سے ٹال دے، اسلامی معاشرہ میں حُسنِ کلام اور قول معروف کی بڑی قیمت ہے، جس کے درجہ کو

صدقات وخیرات بھی بسا اوقات نہیں پہونچ سکتے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اچھی بات اور درگزر کردینا، اس صدقہ وخیرات سے بہتر ہے، جس کے پیچھے اذیت ہو، اور اللہ تو بے پروا، بُردبار ہے۔ (پ ۳ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۳)

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے مدنی فی الطبع ہے، اس کی زندگی اجتماع وتعاون چاہتی ہے، اور اپنے ہم جنسوں میں رہ کر کامیابی وسرخ روئی سے ہم کنار ہونا چاہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی انسان کہیں تنہا ہوتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو بے دست وپا محسوس کرتا ہے اور اس بے بسی اور بے کسی کے ماحول سے بھاگ کر بستی کا رخ کرتا ہے۔

اسی جذبۂ فطرت کی وجہ سے ہر انسان میں باہمی انس ومحبت کا مادہ ہوتا ہے، اور ہر آدمی دوسرے کی طرف جھکتا ہے اور امدادِ باہمی کے طریقوں پر عمل کرتا ہے، امدادِ باہمی کے سلسلے میں مالی اِمداد، مشاورتی اِمداد، ذہنی اِمداد اور نفسیاتی اِمداد وغیرہ انسانی آبادی میں ظہور پذیر ہوتی ہے، زبانی اِمداد اور مالی اِمداد بنیادی نظام رکھتی ہے۔

اسلام نے انسانی احتیاج کو زیادہ سے زیادہ تسلیم کرتے ہوئے، اس کی بڑی رعایت کی ہے، اور اسے پورا کرنے کے لیے مختلف قسم کے اسباب ووسائل بہم پہونچائے ہیں، زکوٰۃ کا نظام، صدقات وخیرات کا سلسلہ اور مختلف مواقع پر قسم قسم کے مالی ایثار کی ترغیب اسی لیے ہے کہ انسانی احتیاج پوری ہوسکے، اور امداد باہمی سے انسان فائدہ حاصل کرسکے۔

لیکن خوب یاد رکھو، یہ باتیں انسانیت کی فلاح ونجاح اور شادکامی وکامرانی کے لیے کی گئی ہیں، اور ان کا مقصد انسانیت پر حرف رکھنا یا اسے ذلیل کرنا ہرگز نہیں ہے، پس اگر کوئی مالی امداد کا برتاؤ کرکے کسی کو ذلیل وخوار کرنا چاہتا ہے اور اسے مادی یا روحانی تکلیف دینا چاہتا

ہے، تو وہ محسنِ انسانیت نہیں ہے، بل کہ انسانیت کا دشمن اور اس کے لیے باعثِ رسوائی ہے۔

اس لیے اس قسم کی مالی امداد کرنا، جس کے بعد احسان جتانا، ذہنی، جسمانی اور روحانی کوفت میں مبتلا کرنا اور یہ بات ثابت کرنا ہو کہ فلاں وقت پر ہم نے تمہاری مدد کی تھی، سخت ترین بداخلاقی ہے، اس سے بہتر تو یہی تھا کہ وہ مالی امداد ہی نہ کرتا اور لوگوں سے میٹھے بول بولتا، اگر اسے کسی سے کوئی تکلیف پہونچی ہوتی تو درگزر کرتا، چوں کہ کسی سے کوئی میٹھی بات کرنے اور کسی موقع پر اس سے درگزر کرنے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا، اس لیے انسان ایسے مواقع پر احسان مندی کا تصور نہیں کرتا ہے اور بعد میں اسے اپنا اہم کارنامہ نہیں قرار دیتا کہ لوگوں کو ستائے اور احسان کا بدلہ لے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى

اے مومنو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا پہونچا کر۔

(پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۴)

فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم نے کچھ صدقہ خیرات کر دیا ہے تو خوامخواہ خود اس محتاج سے یا سوسائٹی اور اپنے دوستوں سے بار بار اس کے احسان کو ذکر کر کے اپنی دریا دلی کا ثبوت نہ دو، ورنہ تمہاری یہ خیرات باطل، بے اصل مذموم ہو کر ختم ہو جائے گی، اسی طرح اگر کسی پر احسان کیا ہے تو اسے تکلیف نہ دو، اس کو بے گار مت پکڑو، اپنے احسان کے بدلے میں اس کی محنت نہ حاصل کرو، اس کے ضمیر کے خلاف کوئی بات کہہ کر اسے ٹھیس نہ پہونچاؤ، چار پیسے خرچ کرنے سے تم کسی کے دل کے مالک نہیں بن جاؤ گے، ہاں اس کو زیر بار کرنے سے اپنے ثواب کو باطل کرو گے۔

لہٰذا خیر و خیرات کرنے والے یاد رکھیں، اپنے احسان کو یاد دہانی اور ایذا رسانی سے باطل نہ کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى

اے ایمان والو! تم لوگ اپنے صدقات وخیرات کو احسان جتلانے اور اذیت دینے سے باطل مت کرو۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ: ۲۶۴)

کسی کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرنا انسانیت کی سب سے بڑی خیر خواہی ہے، اور یہ خود اپنے اوپر بھی احسان کرنا ہے کہ اس طرح سے اپنے کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور اجر وثواب ملتا ہے، مگر تنگ ظرف اور سطحی نظر والے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی پر احسان کیا ہے، تو ہمارا حق ہو گیا ہے کہ اسے طرح طرح سے ستائیں، اسے موقع بہ موقع بُرا بھلا کہیں، اس کی پگڑی اچھالیں اور ایک غلام کی طرح اس سے جب چاہیں کام لیں اور اوپر سے کڑی کڑی باتیں سنائیں، جو لوگ احسان کرنے کے بعد احسان جتاتے ہیں اور جسمانی یا روحانی اذیت دیتے ہیں، وہ اپنے اجر وثواب کو ضائع کر دیتے ہیں اور دنیا میں بھی شریفوں کی نظر سے گر جاتے ہیں اور آخرت میں بے وقعت ہو جاتے ہیں، جن کو ایسا کرنا ہو، اسے چاہیے کہ احسان ہی نہ کرے، خواہ مخواہ نیکی کر کے اسے ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟

اس سے تو بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت مند آئے تو اچھی باتیں کر کے خوب صورتی سے ٹال دے اور دوسری راہ دکھا دے، اس سے حاجت مند کا کام بھی اللہ دوسروں سے چلا دے گا اور اس کا احسان بھی باطل نہیں ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۲؍جون ۱۹۶۳ء)

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات وقرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی سطحِ مرتفع پر ایک باغ ہو، اگر زور کی

بارش ہوجائے تو دوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہوجائے، تم جو کچھ کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔ (پ ۳ ع ۴ سورۃ البقرۃ:۲۶۵)

اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے خوب واقف ہے، دنیا میں آدمی جس نیت سے کام کرتا ہے، اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی نیکی دکھاوے اور نام ونمود کے لیے کرتا ہے یا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اس سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اس کے نزدیک اصلی قدر حُسنِ نیت کی ہے۔

آدمی کا محض لوگوں کے دکھانے کے لیے خیرات کرنا صریحاً یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ خلق ہی اس کی خدا ہے، اور وہ اجر چاہتا ہے اللہ سے، اس لیے اس سے پہلی آیت میں ریاکارانہ عمل کی تمثیل پیش کی گئی، اب جو اللہ کے بندے انتہائی جذبۂ خیر اور کمال درجے کی نیک نیتی کے ساتھ خیرات کرتے ہیں، ان کی مثال زوردار بارش سے دی گئی اور جس خیرات میں جذبۂ خیر کی شدت نہ ہو، اس کی مثال ہلکی پھوار سے دی گئی، لیکن بہر حال دونوں کی دونوں اس کے حق میں فائدہ مند ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۲۶۷﴾

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو، جس کو تم نے کمایا ہے، اور ان پاکیزہ چیزوں سے خرچ کرو، جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے، اور اس میں سے خبیث اور ردی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ تم اسے خرچ کرو، اور تم خود اسے خوشی سے لینے والے نہیں ہو، مگر اس میں تساہلی اور چشم پوشی کرتے ہوئے، اور خوب جان لو کہ اللہ غنی، حمید ہے۔

(پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرہ:۲۶۷)

اگر کسی کو صدقات، خیرات کرنا ہے، زکوٰۃ دینی ہے اور خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال اور اپنا

کچھ کھانا خرچ کرنا ہے تو وہ اپنی طبیعت سے بلا جبر و اکراہ کے اچھی سے اچھی چیز دے اور یہ نہ سمجھے کہ چلو، اپنی کمائی اور اپنے مال سے ردی اور خراب چیز صدقہ و خیرات کر کے اپنی گردن چھڑا لوں، اللہ کو کسی کے صدقہ کی پرواہ نہیں ہے، نہ خدا کسی کی دولت کا محتاج ہے، وہ تو بندوں کے ظرف کو دیکھنا چاہتا ہے کہ خدا کے نام پر ان کے اندر ایثار و اخلاص کی کس قدر روح موجود ہے۔

قرآن کہتا ہے:

اے لوگو! خدا کی دی ہوئی روزی میں سے بہتر سے بہتر چیز خدا کی راہ میں دو، اور ایسا نہ کرو کہ ردی اور خراب چیز خدا کی راہ میں دے کر سمجھو کہ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے، تم ایسی چیز کو ہرگز خدا کی راہ میں نہ دو، جسے تم خود لینے میں تامل کرو، بتاؤ فصل کٹنے کے وقت اگر تم کو خراب غلہ دے دیا جائے اور کہا جائے کہ تم اپنے حصہ کا غلہ اسی سے لے لو، تو کیا تم اسے خوشی سے لے لو گے، یا اسے واپس کرو گے، اگر بہت کرو گے تو ناک بھوں چڑھا کر اپنے ساتھیوں کی حرکت سے چشم پوشی کرتے ہوئے لو گے، پس تم اس قسم کا غلہ خدا کی راہ میں نہ دو، اسی طرح کسی کو کھانا کھلانا ہو یا کپڑا دینا ہو یا کوئی اور چیز خدا کی راہ میں خرچ کرنی ہو تو ہمیشہ اچھی چیز خرچ کرو، اور جسے تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، اسے خدا کی راہ میں بھی ناپسند کرو۔

بہت سے لوگ جب صدقات و خیرات کرتے ہیں تو پھٹا پرانا کپڑا اٹھا کر دے دیتے ہیں، خراب چیز زیادہ تعداد میں خرید کر تقسیم کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کی مجبوری سے اس طرح مذاق کرتے ہیں، یہ بات خدا کو ناپسند ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۴/مارچ ۱۹۵۴ء)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِيۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِيۡهِ ‌ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۞ (۲۶۷)

اے ایمان والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے

لیے نکالا ہے، اس میں سے بہتر حصہ راہِ حق میں خرچ کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو، حالاں کہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارہ نہ کروگے، اِلاَّ یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم چشم پوشی کر جاؤ، اور جان رکھو کہ اللہ بے نیاز، خوبیوں والا ہے۔ (پ ۳ع ۵ سورۃ البقرہ:۲۶۷)

اللہ کے نزدیک صدقہ کے مقبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمائی کا ہو، حرام کا یا مشتبہ اور مشکوک نہ ہو اور اچھی سے اچھی چیز اللہ کی راہ میں دی جائے، بری اور خراب چیز خیرات میں نہ لگائے کہ اگر کوئی لے بھی تو، اس کا جی نہ چاہے، اور لے بھی تو محض شرما شرمی میں لے لے، خوشی سے نہ لے اور جان لو کہ اللہ بے پرواہے، تمہارا محتاج نہیں، اور خوبیوں والا ہے، اگر بہتر سے بہتر چیزوں کو شوق اور محبت سے دے تو پسند فرماتا ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳ راگست ۱۹۷۸ء)

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

اے ایمان والو! خرچ کرو اللہ کی راہ میں ان پاکیزہ چیزوں سے جسے تم نے کمایا ہے اور اس چیز سے جسے ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔ (پ ۳ع ۵ سورۃ البقرہ:۲۶۷)

اسلام نقدی مال اور زمینی پیداوار کو انسان کا جائز حق تسلیم کرتا ہے اور جس آدمی نے اپنے کسب ومحنت سے نقد مال جمع کیا، یا زمینی پیداوار حاصل کی، وہ اس کا مالک ہے، اور کسی دوسرے کو اس میں دست درازی کرنے کا حق نہیں ہے، بل کہ جو اس قسم کا ارادہ رکھتا ہے، اس سے اسلام نہایت صفائی اور نہایت نرمی سے کہتا ہے کہ تم بھی اپنے زورِ بازو اور صنعت وحرفت سے یہ حق اپنے لیے حاصل کرو، اور بلاشرکتِ غیر مالک بن جاؤ، اسلام ذاتی ملکیت اور انفرادی دولت وپیداوار کے خلاف نہیں ہے، بل کہ وہ اس کے حق میں ہے اور اپنے ماننے والے سے اپیل کرتا ہے، تم فضلِ خداوندی سے اپنا حصہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرو اور کھاؤ، پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

لیکن چوں کہ اسلام خوب جانتا ہے کہ انسانی معاشرہ کا ہر ہر فرد اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے کسب و معیشت میں اسلامی نظریہ پر عمل نہیں کر سکتا، بل کہ ہر بستی میں کچھ بے کس و مجبور اور مسکین و غریب لوگ ہوں گے، جو قدرتی یا سماجی مجبوری کی وجہ سے اپنے لیے کوئی ذاتی ملکیت نہیں پیدا کر سکتے اور وہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے تک کا انتظام نہیں کر سکتے، اس لیے اسلام نے نقدی اور پیداوار کے مالکوں کو حکم دیا کہ تم لوگ اپنے مسکینوں اور غریبوں پر خرچ کرو، اور ان کی ہر طرح کی پرورش اور تربیت کے لیے اپنی دونوں قسم کی پونجی صرف کرو، یعنی (۱) کسب و معیشت کے نقدی مال و زر سے اور (۲) حرث و زرع کے ذریعہ حاصل شدہ پیداوار اور غلہ سے خرچ کرو۔

مسلمان خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر قسم کی آمدنی میں خدا کا حق ہے، یعنی رفاہ عام میں ہر قسم کی آمدنی سے معتد بہ حصہ خرچ کرنا پڑے گا، اور یہ نہیں ہے کہ رمضان میں چند پیسے نکال کر کسی کو دے دیئے اور ذمہ داری ختم ہوگئی، بل کہ ہر قسم کی آمدنی کا تزکیہ کرنا ہوگا اور سب سے پہلے معاشرہ کے مسکینوں کی خدمت کرنی ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠

اے ایمان والو! جو تم کماتے ہو، اس کی پاکیزہ چیزوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ زمین کی پیداوار ہے، اس سے خرچ کرو۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرہ: ۲۶۷)

یہ زمین ایک دسترخوان ہے، جس سے تمام مخلوقات اپنے اپنے حصہ کو لیتی ہے، کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ میزبان کے گھر جا کر کسی بھی مہمان کو کھانے پینے سے روک سکے، دعوت کے نام پر اسے صرف اتنا ہی حق حاصل ہے کہ خود جہاں تک ہو سکے، آسودہ ہو جائے اور جو کچھ باقی رہ جائے، اس کی فکر جتن سے یکسو ہو کر معاملہ کو صاحبِ خانہ کی صواب دید پر چھوڑ دے۔

اسی طرح یہ زمین تمام مخلوقات کے واسطے اللہ تعالیٰ کی دعوتِ عام کا دسترخوان ہے

اور ہر مخلوق کو اس سے اپنا حصہ لینے کا عمومی اعلان ہے، اور کسی مخلوق کو حق نہیں ہے کہ اپنا حصہ لینے کے بعد دوسرے کے حصہ میں کسی طرح کی بھی دخل اندازی کرے، اس زمین سے تم جو کچھ جوت بو کر کما سکتے ہو، کماؤ اور کھاؤ اور جو کچھ بچ رہے، اسے اللہ کی مخلوق کے لیے چھوڑ دو، اسی طرح تم اس زمین کے اوپر کمائی کے دوسرے طریقوں سے روزی حاصل کرو اور اپنی ضرورت کے بعد اسے عام کردو، پھر یہی حکم نہیں ہے، بل کہ حکم یہ ہے کہ تم زمین سے جو پیداوار حاصل کرتے ہو اور دوسرے طریقوں سے جو کماتے ہو، اس میں سے پاکیزہ وطیب چیز کو اللہ کے لیے خرچ کرو، اللہ کے بندوں اور اللہ کے کاموں کے لیے اسے عام کرو۔

اور یہ خیال ہرگز نہ لاؤ کہ اپنی کمائی اور آمدنی کا اچھا حصہ تو تم خود استعمال کرو اور خراب ونامناسب حصہ دوسرے ضرورت مندوں کے لیے چھوڑ دو، نہیں بل کہ دل کو وسیع کرو اور عزائم کو بلند رکھو اور تمہارا نعرہ یہ ہو کہ انسان ہونے کے اعتبار سے سب کی ضرورت ایک قسم کی ہے، سب ہی اچھی چیز کے طالب ہیں اور اچھی چیز ہی سب کے لیے مفید ہوتی ہے۔

لہٰذا ہم خود اچھی چیز استعمال کریں گے اور دوسرے ضرورت مندوں کو اچھی ہی چیز دیں گے، مسلمان کا دل ایسا ہی وسیع ہونا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۰ء)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠

اے ایمان والو! خرچ کرو اللہ کی راہ میں ان پاکیزہ چیزوں سے جسے تم نے کمایا ہے اور اس چیز سے جسے ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرہ: ۲۶۷)

یہ زمین اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے، جس پر اس کی مخلوق کو کھانے اور پیٹ بھرنے کا حق ہے، اور کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ کسی دوسرے کو اس سے اٹھانے یا کم کھانے پر مجبور کرے، یا پھر ایسی صورت پیدا کرے کہ دوسرا فائدہ اٹھانے میں اذیت اور دقت محسوس کرے۔

یہ درست ہے کہ اللہ کے علم وقدرت کے مطابق بہت سے لوگ اسباب وذرائع

استعمال کرنے کے قابل ہیں تو یہ لوگ اس سے مجبور و معذور ہیں، یہ صورتِ حال تقریباً ہر جان دار میں پائی جاتی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معذور و مجبور خداوندی دسترخوان سے اپنا حق نہ حاصل کر سکیں اور ان کو اس میں طرح طرح کی دشواری ہو، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا ہے کہ وسائل رزق و معیشت سے کام لینے والے ان کا خیال کریں، اور اپنی کمائی سے ایک حصہ ان کو دیں، وہ بھی وہ حصہ جو نہایت پاک وطیب ہو اور ان کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہو، اس سے اگر ایک طرف ان کو مسکینوں، غریبوں اور معذوروں کی قدر و قیمت معلوم ہوگی تو دوسری طرف غریب و مسکین اپنے آپ کو انسانی معاشرہ کا ایک شریف ترین حصہ قرار دیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ صاحبِ حیثیت لوگ اپنی کمائی اور ہماری عطا کردہ روزی کا بہترین حصہ اَربابِ حاجت پر خرچ کریں اور ان کے لیے اپنے دل میں بڑی فراخی پیدا کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۖ﴿۲۶۸﴾

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا، اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش کا اور فضل کا، اور اللہ کشادگی والا، جاننے والا ہے۔ (پ ۳ ع ۵، سورۃ البقرہ: ۲۶۸)

شیطانی طاقت ہمیشہ انسانی طاقت کو شکست دینے کے چکر میں رہا کرتی ہے اور انسان عمل و خیال کے ہر ہر گوشہ میں گھس کر انسان کو پچھاڑنے کی ترکیب نکالتی ہے، اور چوں کہ انسان اس کی مخفی چالوں سے واقف ہونے میں غلطی کرتا ہے، اس لیے شیطان کام یاب ہو جاتا ہے اور انسان ان کے پھندے میں پھنس جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں انسان کی مدد فرماتا ہے اور اسے شیطانی چالوں سے آگاہ کرنے کے لیے خاص خاص ارشادات و ہدایات کے ذریعہ انسان کی خیر خواہی کرتا ہے اور شیطان کے مقابلہ میں انسان کو اچھے اچھے احکامات دیتا ہے۔

شیطان آدمیوں کو فقر و فاقہ سے ڈرا کر چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ، سود خوری، زائد منافع بازی اور نہ معلوم ان سے کیا کیا کام کراتا ہے اور جب انسان محتاجی اور تنگی کے جال میں اور شیطانی وسوسوں میں پڑ کر پھنس جاتا ہے تو پھر وہ قسم قسم کی بے ایمانیوں، بدمعاشیوں اور حرام کاریوں کا مشورہ دیتا ہے، اور انسان کو محتاجی کے بعد برائی کی دَل دَل میں پھنسا کر الگ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو اپنے فضل و کرم کی یقین دہانی کراتا ہے، رزق و معیشت میں کشادگی کی راہیں بتاتا ہے اور اپنے علم و قدرت کا یقین دلا کر انسان کو تسلی دیتا ہے۔

اب یہ انسان کی شُدبُد ہے کہ وہ شیطانی راہ پر جائے یا رحمانی راستہ اختیار کرے، یہ شُدبُد دین و دیانت کی روشنی میں آنے سے ملتی ہے اور خدا پرستی کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۴/ اپریل ۱۹۷۹ء)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ

شیطان تمہیں فقر و محتاجگی سے ڈراتا ہے اور تم کو کھلی کھلی برائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرہ: ۲۶۸)

انسان اپنے کو بہت دُور اندیش، مصلحت پسند اور ہر بات میں فائدہ کی صورت سوچنے والا سمجھتا ہے، خاص طور سے روپیہ پیسہ کے خرچ کرنے کے معاملہ میں اس کی دور اندیشی بہت خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے، کیوں کہ ایسے وقت میں طرح طرح کے وسوسے، خطرات، گمان اور اوہام سامنے آتے ہیں اور انسان کو مستقبل سے ڈراتے ہیں، ایسے وقت میں شیطان کا قابو بھی خوب چلتا ہے، اور وہ انسان کو اپنی راہ پر لے آتا ہے، اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اگر تم نے اتنی رقم کسی غریب و محتاج کو کسی کارِ خیر میں اور اللہ کی مرضی کے نام پر نکال دی تو تم کل کہاں سے کھاؤ گے، بال بچوں کا کیا انتظام ہوگا؟ اور تمہاری یہ اچھی خاصی عیش و عشرت کی زندگی کیسے بسر ہوگی؟ ایک طرف شیطان یوں اللہ کے نام پر

خرچ کرنے سے روکتا ہے اور دوسری طرف خوب خوب حرام کاری اور عیاشی کراتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت پانے کے بعد انسان نہایت بخیل، کنجوس ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی نہایت حرام کار و بدکار ہو کر اپنی زندگی نہایت بُری گزارتا ہے۔

حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور اپنے فضل کی یقین دہانی کراتا ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری لغزشوں کو معاف کرے گا، اور آئندہ تمہیں اپنے فضل و کرم اور مال و دولت سے مزید نوازے گا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شیطانی پھندوں میں نہ پڑیں اور اللہ تعالیٰ کے برحق وعدہ پر ایمان رکھ کر جہاں تک وسعت ہو، اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَ فَضْلًا ؕ

شیطان تم کو فقر کی دھمکی دیتا ہے اور تمہیں برائی کا حکم کرتا ہے، اور اللہ اپنی طرف سے مغفرت کا وعدہ کرتا ہے اور فضل کا بھی۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرہ: ۲۶۸)

انسان کو شیطنت کی وجہ سے بڑی پریشانی رہا کرتی ہے، شیطان رجیم انسان کو طرح طرح سے پریشان کرتا ہے، کبھی اسے فقر و محتاجی سے ڈراتا ہے اور کبھی برائی پر آمادہ کرتا ہے، اور انسان کو دونوں خرابیوں پر آمادہ کر کے دنیا بھر کی برائی پر جری کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اپنی نسل آپ ختم کرنے پر آمادہ کر کے اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کے قتل کا مرتکب بناتا ہے، شیطانی خیالات لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر کے قحط و گرانی کا خطرہ محسوس کراتا ہے اور پھر اس کا علاج یہ بتاتا ہے کہ نسل کشی کرو اور اپنے آپ کو تباہ و برباد کرو، کیوں کہ اگر بچے پیدا ہوں گے تو ان کی کفالت کرنی پڑے گی اور اپنی روٹی مشکل میں پڑ جائے گی، دودھ، مکھن اور ملائی کھانے کو نہیں ملے گا اور اولاد تمہارے نوالے میں شریک ہو کر تمہیں بھوکا رکھے گی، اس لیے نسل کشی کر کے عیش کی زندگی بسر کرنی چاہیے، خوب خوب مزا اڑانا چاہیے اور دنیا میں اولاد تک کے

دکھ، درد، رنج وغم سے بالاتر ہوکر ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔

آج دنیا میں یہ شیطانی وسوسہ عام ہوگیا ہے اور ہر طرف سے نسل پر کنٹرول کے لیے گولیاں، انجکشن، آپریشن کی یورش انسانی بستی پر ہورہی ہے اور انسان انفرادیت پسند ہوکر اپنی عیاشی پر نظر رکھنے لگا ہے، اس تصور اور نظریہ کی وجہ سے بہت سی برائیاں عام ہورہی ہیں اور زندگی کا مقصد زیادہ تر یہ ہوگیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کر کے خود کھاؤ پیو اور عیش کرو، اور اس میں سے کسی دوسرے کو حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کو نہ دو، یہ انسانیت نہیں ہے، بل کہ شیطنت ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ

شیطان تم کو فقر و محتاجی کی دھمکی دیتا ہے اور تم کو بے حیائی کا حکم کرتا ہے، اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرہ: ۲۶۸)

انسان کے دل ودماغ پر بُرے خیالات، بُرے احساسات اور بُرے اَفکار کی بڑی تیزی سے ملن ہوجاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اچھا خاصا آدمی برائیوں کا شکار ہوجاتا ہے، یہ صورتِ حال ان شیطانی حرکتوں کا نتیجہ ہوتی ہے، جن سے انسانوں کو اسلام نے ہر موقع پر ڈرایا ہے اور ان کی نشان دہی کر کے انسان کو چوکنا رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

نفسانی خواہشوں اور کھانے پینے کی باتوں میں شیطنت کا زور خوب چلتا ہے اور ذرا سے حملے میں انسانی عقل وشعور کا شہ سوار گرجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شیطان عام طور سے شہوت، خواہش، بہیمیت اور خود غرضی کی راہ سے انسانیت پر حملہ آور ہوتا ہے، اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان راہوں پر اسلامی تعلیمات کا پہرہ لگائے رکھیں، تاکہ اسلام کے سنتری، شیطان کی ذریات کو ان راہوں سے حملہ آور نہ ہونے دیں۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ اس جگہ فرماتا ہے کہ شیطان انسانوں کو ڈراتا دھمکاتا ہے کہ اگر تم

اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کروگے اور انسانیت کے گلستاں کے لیے تر وتازگی کا سامان مہیا کروگے، تو تمہاری رونق ختم ہو جائے گی اور تم بھوکے مرجاؤگے، اس لیے تم اپنی فکر میں رہو، اگر دھن دولت زیادہ ہے تو اسے دوسروں پر خرچ کر کے افلاس ومحتاجی کے اندیشہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، بل کہ اس مال داری کو عیش وعیاشی اور بے حیائی وشہوت رانی میں خرچ کرو اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے بجائے عیش وعشرت کر کے پھول جاؤ۔

اللہ تعالیٰ شیطان کے اس چور راستے سے حملہ کرنے پر انسانوں کو آگاہ کرتے ہوئے ان کو اطمینان دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے، وہ تمہیں جیسے اپنے فضل وکرم سے جس طرح اس وقت نوازتا ہے، اسی طرح کل بھی نوازے گا، تم شیطانی راہ سے دور رہو اور خدا کی راہ پر چلو، اگر خدا کی راہ میں بشریت کو ٹھوکر لگے گی، تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادے گا اور اپنے دامنِ عفو میں تمہاری لغزش کو چھپا لے گا۔

ایک طرف شیطان کے لائے ہوئے خطرات وخدشات ہیں، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی یقین دہانی ہے، اب تم سوچو کہ کدھر جاؤگے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۰ر دسمبر ۱۹۸۰ء)

وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور جو نفقہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو یا جو نذر تم مانتے ہو تو یقیناً اللہ اسے جانتا ہے، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرۃ: ۲۷۰)

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نعوذ باللہ وہ تمہاری خیراتوں کا محتاج ہے اور جب تم اس کے لیے خرچ کرتے ہو تو اس کا کام چلتا ہے، اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ کچھ رقموں اور جانوروں کو آسمان کی طرف یا کسی سنسان جگہ ڈال دو، اور وہ خدا کے ذاتی کام میں آجائیں گے، بل کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور اس کے لیے نذر ماننے

کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی بتائی ہوئی راہوں میں اپنی کمائی کا کچھ حصہ خرچ کرو، جو گھوم پھر کر تمہارے ہی ہم جنس اور بھائی بند تک محدود رہے گا، اور اس کا مقصد خدا کی مرضی کے مطابق انسانیت کی خدمت ہوگی، زکوٰۃ کی فرضیت، صدقات وخیرات کی ترغیب، خدا کے لیے نذر ونیاز کا منشا یہی ہے کہ تم خاص خاص حالتوں اور خاص خاص موقعوں میں اللہ کی ہدایت کے مطابق اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کچھ رقمیں خرچ کرو، غریبوں، محتاجوں، فقیروں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کو دو، تاکہ ان کا کام چلے، یا پھر خدا کی رضامندی کے پیشِ نظر تم سچائی کے پہونچانے میں مالی امداد کرو، دین کے اجتماعی کاموں اور ملی ضرورتوں میں روپیہ پیسہ دو، تاکہ حق کا حکم بلند ہو اور باطل کا زور ختم ہو۔

اب اگر خدا نے تم کو توفیق دی اور خدا کی بتائی ہوئی راہوں میں اپنی کمائی کا کچھ حصہ خرچ کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہو تو تم اپنی انسانیت کی تکمیل کر رہے ہو، اپنے روحانی تقاضوں کو پورا کر رہے ہو اور اپنے خدا اور رسول کی مرضی حاصل کر رہے ہو، اس لیے کسی دوسرے آدمی پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں ہے، شکر کرو کہ خدا نے تمہیں توفیق دی اور اس کی مرضی پر چلنا تم کو نصیب ہو گیا، جس ذات کے حکم پر تم نے اس سعادت مندی کا ثبوت دیا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا ہے، یا اس کی رضاجوئی کے لیے نذر ونیاز مان کر پوری کی ہے۔

پس تم کو زیبا نہیں کہ اس توفیق پر ادھر ادھر شیخی بکھارو، ڈینگیں مارو اور قوم وملت کے افراد پر احسان رکھو کہ فلاں وقت پر میں نے تم کو خیرات دی تھی، فلاں موقع پر تمہیں سنبھالا تھا اور فلاں دن تمہارے کھانے کا انتظام میں نے اپنی جیب سے کیا تھا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور تم لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا جو نذر کرتے ہو، اللہ اسے جانتا ہے، اور

ظالموں کے لیے کوئی ناصر و مددگار نہیں ہے۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرۃ: ۲۷۰)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو کھانے پینے سے زیادہ دھن دولت دے، اور پھر اس کی توفیق دے کہ وہ اس میں سے حسبِ ضرورت نیکی کے کاموں میں خرچ کرے اور دین و دیانت کی راہ میں اپنی کمائی سے کچھ نہ کچھ دے، اللہ کے لیے نذر مانے اور اس کی جناب میں اپنی نیازمندی کا اظہار مال و دولت سے کرے، اگر کسی کو یہ سعادت نصیب ہو تو اسے اپنے کو بہت خوش بخت سمجھنا چاہیے، اور قبولیت کی دعا کرنی چاہیے، کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی نے بندہ کی نیازمندی کو کسی خرابی کی وجہ سے قبول نہ فرمایا تو سب کچھ کیا دھرا پانی میں چلا جائے گا، اس لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد اترانا، نمائش کرنا، لوگوں میں اس کا پروپیگنڈا کرنا، احسان جتانا اور اس کے عوض کچھ تعریف و توصیف چاہنا، بڑی نادانی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کا کون بندہ کتنی دولت اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور اس کی نیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے کسی کا ظاہر اور باطن چھپا ہوا نہیں ہے، وہ سب کا حال جانتا ہے اور جو لوگ کچھ خرچ کر کے جتاتے ہیں اور ریاکاری کرتے ہیں، وہ اپنے اَعمال کو بے کار کر دیتے ہیں، ان کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا اور کسی طرف سے کوئی دست گیری کرنے والا نہیں ہوگا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹ رجنوری ۱۹۷۹ء)

وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور جو نفقہ خرچ کرتے ہو یا جو نذر تم مانتے ہو، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔ (پ ۳ ع ۵ سورۃ البقرۃ: ۲۷۰)

انسان اپنے لیے یا اللہ کے لیے جو کچھ خرچ کرتا ہے یا داد و دہش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے کہ اس کی مقدار کیا ہے اور اس کی کمیت کے ساتھ ساتھ اس کی کیفیت

کا وزن کیا ہے؟ کس بندے نے کیا خرچ کیا ہے اور اس کی مقدار اور نیت کیا ہے؟ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہیں، اور ان کو بتانے یا جتانے کی ضرورت نہیں ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق ہر مقدار کا اجروثواب دے گا اور ایک حبہ ضائع نہیں کرے گا، بشرطے کہ اس میں جان ہو اور اس میں اجروثواب کے حصول کا استحقاق ہو۔

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھوڑا بہت خرچ کر کے دنیا میں اس کا اظہار کرتے ہیں، یا انسانوں کو بتایا کرتے ہیں، یا اپنے دل میں سوچا کرتے ہیں کہ ہم نے یہ خیرات کی، یہ صدقات دیئے اور یہ منت پوری کی اور یہ نیکی کی راہ میں دولت خرچ کی، اپنی اس روش سے اپنی مالی نیکی کو بے جان کرتے ہیں اور اس سے اہلیت وقابلیت کو سلب کرتے ہیں، کسی انسان کے ساتھ اچھا سلوک کر کے اسے جتانا، یا اس کی وجہ سے اسے کوئی اذیت دینا جب اجروثواب کو ختم کر دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کچھ خرچ کرنے کے بعد اس کا جتانا، یا اسے ظاہر کرنا کیوں نہ اجروثواب کی اہلیت وصلاحیت کو ختم کرے گا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۷راپریل ۱۹۶۱ء)

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط

اور تم لوگ جو مال خرچ کرو گے تو اپنے واسطے۔ (پ ۳ ع ۵، سورۃ البقرۃ: ۲۷۲)

اگر کوئی شخص کسی غریب کو کھلاتا پلاتا ہے، یا کہ خیرات کرتا ہے، تو اس کی جزا خود اس کو ملنے والی ہے، اس نے ایسا کر کے کسی غریب پر احسان نہیں کیا ہے، کسی کو بادشاہ نہیں بنا دیا اور نہ کسی کو زندگی بخش دی، بل کہ آپ نے اپنے حق میں بھلا کیا، کیوں کہ اس نیک کام کا بدلہ اس کو ملنے والا ہے اور اجروثواب کی جو مقدار بھی ملے گی، اسی کو ملے گی۔

پس جو لوگ صدقات وخیرات کرتے وقت سمجھتے ہیں کہ ہم نے تیر مار دیا ہے، مدرسہ کو چندہ دے کر مدرسین اور طلبہ پر احسان کیا ہے، کسی مسجد میں چندہ دے کر مصلیوں کو

خرید لیا ہے، یا کسی نیک کام میں ہاتھ بٹا کر اس کے کرتا دھرتا لوگوں پر لطف و کرم کی نگاہ کی ہے، وہ سخت غلطی پر ہیں اور ایسا سمجھنے میں ان کا بڑا قصور ہے، اور ایسا قصور کہ اس سے اجر و ثواب میں کمی آجاتی ہے اور کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔

تم بعض لوگوں کو دیکھتے ہو کہ وہ چار پیسہ کسی ادارے کو دے کر اپنا نوکر سمجھتے ہیں، کسی ضرورت مند کا کام چلا کر اسے بے دام غلام سمجھتے ہیں، اور کسی مسجد یا مدرسہ پر کچھ چندہ دے کر اسے اپنے مقصد کے لیے آلۂ کار سمجھتے ہیں، ایسے نادانوں اور احمقوں کو معلوم نہیں کہ اگر انہوں نے کوئی کام کیا ہے تو اپنے لیے کیا ہے، وہ احسان کسی پر رکھتے ہیں، ان کو تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات و خیرات کرنے کا موقع دے دیا، اگر یہ صورت نہ نکلتی تو چار پیسہ ان کی جیب سے کیسے نکلتا؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

لوگ اپنے اَموال کو رات اور دن میں چھپا کر اور کھلے طور پر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں اجر ہے اور نہ ان کے اوپر غم ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

(پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۴)

نیک کام کے لیے کوئی خاص زمانہ اور کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں ہے، نیکی ہر زمانہ اور ہر صورت میں کی جاسکتی ہے، اور نیکی کا اَجر و ثواب بہر صورت نہیں کیا جاسکتا، خصوصیت سے انسانی خدمت کی ہر وقت اور ہر طور سے ضرورت پڑتی ہے، اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت موقع رہتا ہے، مالی امداد اور معاشی تعاون دن کے اندھیرے میں زیبا ہے اور دن کے اجالے میں بھی، چھپا کر بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے اور کھلے طور پر بھی، جو لوگ صدقات و خیرات کے کام اکثر و بیشتر کیا کرتے ہیں اور رات اور دن کی قید ان کے

لیے اس کارِ خیر سے مانع نہیں ہوتی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے قانون مجازات میں بڑی کشادگی ہے اور اس کردار پر بڑا اجر ہے۔

صرف یہی نہیں کہ ان کو صدقات وخیرات کا اجر مل جائے گا اور بس، بل کہ مزید برآں امن وسکون کا فضلِ خدوندی ان کو ملتا ہے، اور صدقات وخیرات کرنے والے کبھی حالات کی ناگواری اور ماحول کی ناسازگاری سے گھبراتے نہیں، بل کہ وہ ہر سرد وگرم ہوا کا مقابلہ بڑے اطمینان وسکون سے کرتے ہیں، اور کسی معاملہ میں ذہنی پریشانی، قلبی گھبراہٹ اور دماغی الجھن نہیں ہوتی، صدقات وخیرات کے نتیجہ کا یہ پہلو انسانی زندگی کے لیے اس قدر اہم اور مفید ہے کہ اگر صرف یہی صدقات وخیرات کا اجر بنے تو یہی کافی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹/اپریل ۱۹۸۰ء)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ان پر یہ عذاب اس لیے ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیع ربا کے مثل ہے، حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے اس بارے میں نصیحت آچکی اور وہ باز آ گیا، تو اس کے لیے گزشتہ لین دین ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، اور جو لوٹے گا تو وہ لوگ جہنم والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

حرام خوری کی لت جب آدمی کو پڑ جاتی ہے، تو پھر اس کے سامنے حلال وحرام کا سوال باقی نہیں رہتا، بل کہ وہ آنکھیں بند کر کے لوٹ کھسوٹ میں لگا رہتا ہے، رات دن لاؤ مال، لاؤ مال کی رٹ لگاتا رہتا ہے اور جہاں کہیں حرام وحلال کا سوال آتا ہے، وہ شخص اپنی خواہش کے مطابق دلیل بنا لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میری حرام خوری پیدا ہونے والی عقل جو

کچھ سمجھتی ہے، وہ سوفی صد صحیح ہے۔

پھر ایسے بدماغوں کو ان کی شیطانی خواہشیں سبز باغ دکھاتی ہیں اور بات بنانے کا خوب موقع فراہم کرتی ہیں، چنان چہ سود خوروں کو جب انسانی خون کی چاٹ لگ جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں بیع وشرا میں اور سود بیاج میں فرق ہی کیا ہے، خرید وفروخت میں بھی ہم روپیہ لگا کر منافع کماتے ہیں اور ربا میں بھی اسی طرح روپیہ لگا کر نفع حاصل کرتے ہیں، دونوں میں روپیہ کے ذریعہ منافع حاصل ہوتا ہے، پھر ربا حرام اور خرید وفروخت حلال کیوں ہوا؟ اور کیوں نہ دونوں کا معاملہ ایک سا ہو؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عقل کے پورے اور گانٹھ کے پکے غلط اندازہ لگاتے ہیں اور ان کی خوں خوار خواہش غلط قیاس کرتی ہے، خرید وفروخت کے ذریعہ منافع کمانا اور بات ہے، اور نقد روپیہ لے کر اس کا سود لینا دینا اور بات ہے، تجارت اسبابِ معاش ومعیشت میں سے ایک افضل سبب ہے، جس میں آدمی اپنے سرمایہ اور اپنی محنت کی مدد سے کچھ پیسے کماتا ہے، انسانی ضروریات کا پورا ہونا اس پر موقوف ہے اور سود کا معاملہ کہ صرف روپیہ کی زیادتی منافع کماتی ہے اور اپنی محنت کو اس میں دخل نہیں ہوتا، اور یہ طریقہ انسانیت کے لیے بجائے مفید ہونے کے سخت مضر اور نقصان دہ ہے۔

تجربہ بتا رہا ہے کہ اس سودی کاروبار نے ہمیشہ انسانی زندگی کی قدروں کو زِیروزَبر کیا ہے اور زمین پر اس سے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی ہے، بخلاف خرید وفروخت کے کہ اس کے ذریعہ انسانی زندگی پھلتی پھولتی ہے اور سدا بہار ہوتی ہے، اور سود سے اس میں خزاں آتی ہے اور معاشی نظام درہم برہم ہوتا ہے، پس جو لوگ جاہلیت میں یہ کام کر چکے ہیں، ان کی بات تو گئی گزری ہوئی، اب اگر کوئی یہ حرکت کرے گا اور سود کا کاروبار کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰؍مارچ ۱۹۵۴ء)

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ اس آدمی کی طرح کھڑے ہوتے ہیں، جسے شیطان نے لگ کر مخبوط بنا دیا ہے، یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے، حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

سود خور ہر وقت اس چکر اور پھیر میں لگا رہتا ہے کہ اسے کہاں سے حرام کا مال ہاتھ لگے، اسے ہوش وحواس کی خبر نہیں رہتی، وہ گرتا پڑتا رہتا ہے، اس کی قلبی کیفیت اور اقتصادی ومعاشی حالت کو کبھی سکون وقرار نہیں ملتا، چوں کہ سود خواری انسان کو انسانیت سے نکال کر شیطنت میں ڈال دیتی ہے اور سود خوار ہر وقت شیطانی چکر میں لگا رہتا ہے، اس لیے وہ اپنے حرام مقصد کے لیے بڑی آسانی سے کہہ دیتا ہے کہ سود کیسے حرام ہے؟ خرید وفروخت ہی طرح سود میں بھی نفع ہوتا ہے اور جس طرح ایک تاجر نفع پر اپنا مال فروخت کرتا ہے، اسی طرح ہم بھی، منافع پر قرض دیتے ہیں، حالاں کہ ذرا سوچتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ بیع وشرا میں اور سود وربا میں زمین وآسمان کا فرق ہے، پھر اگر سود خور خدانخواستہ مسلمان ہے، اس کے باز آجانے کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت میں منافع کو جائز وحلال قرار دیا ہے اور قرضہ دے کر سود لینے کو حرام وناجائز بتایا ہے، اغیار جو چاہیں کریں، لیکن مسلمان کے لیے سود لینا، سود دینا، سود کی گواہی کرنا اور اس کے معاملے میں سراسر حرام ہے اور اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے، اس بارے میں خدا کے حکم کے صاف وصریح اعلان کے بعد کوئی عذر بھی مسموع ومقبول نہیں ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوتے ہیں مگر اس شخص کے مانند جسے

شیطان نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہے، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو ربا ہی کے مانند ہے، حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

جن لوگوں کی زندگی اپنے کو بے اطمینانی اور الجھن میں رکھے گی اور ان کو کبھی سکون واطمینان حاصل نہیں ہوسکتا، اور وہ آخرت تک پریشانی وحیرانی کی نذر رہا کریں گے، خصوصاً جن کو دوسروں کا خون چوسنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور جن کو انسانی خون منہ لگ جاتا ہے، وہ اس حرام خوری میں اس قدر لذت پاتے ہیں کہ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اندر باہر ہر جگہ اور ہر حال میں اسی چکر میں رہتے ہیں کہ کہاں سے اور کیسے حرام خوری کی سبیل پیدا ہو، اور ہماری خواہش کی جہنم ایندھن پائے، ایسے لوگ کبھی راہِ مستقیم پر نہیں چلتے، بل کہ جب بھی کسی کام کے لیے اٹھتے ہیں تو اِدھر اُدھر گرتے پڑتے سود خوری کی طرف جھک جاتے ہیں اور ہر کام میں اپنا وہی حرام مفاد دیکھتے ہیں، سود خور افراد کی طرح سود خور قوموں کو بھی دنیا میں سکون نہیں ملتا، بنی اسرائیل کی مثال سامنے ہے، اس قوم نے دنیا میں سودی کاروبار کے ذریعہ اپنی تباہی مول لی اور دنیا کے ہر گوشے سے سود وسو سال کے بعد مار مار کر بھگائی گئی۔

ایسے احمقوں کی دلیل یہ ہے کہ سود بھی تو خرید وفروخت کی طرح منافع کا کام ہے اور جس طرح تجارت میں روپیہ سے نفع ہوتا ہے، اسی طرح ربا میں بھی ہوتا ہے، حالاں کہ دونوں میں نمایاں فرق ہے، ایک میں انسان کا مفاد ہے، دوسرے میں ضرر ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۶/۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ نہیں اٹھتے ہیں، مگر جس طرح اٹھتا ہے، وہ شخص جسے شیطان نے لپٹ کر مخبوط الحواس کر دیا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۵)

سودخوری وہ لعنت ہے، جس میں آدمی پھنس کر دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل وخوار ہوتا ہے، اور اسے کسی وقت کہیں چین نصیب نہیں ہوتا، اس کا دماغ ہر وقت چکر میں رہتا ہے اور اس کے دل کو کہیں اطمینان وسکون نہیں ملتا، اس کی مثال اس شخص کے مانند ہوتی ہے، جسے شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا ہو اور اس کی عقل پر شیطان کا عمل دخل ہو، نہ وہ کسی موقع پر اپنی عقل سے کام لے سکتا ہے اور نہ کبھی اس کی عقل ٹھکانے لگ سکتی ہے، سودخواری کا چکر شیطانی چکر ہوتا ہے، جس سے کبھی نجات نہیں ہوتی اور جو لوگ اس چکر میں پڑ گئے ہیں، وہ رات دن تیلی کے بیلوں کی طرح حرام آمدنی کے پھیر میں گھومتے رہتے ہیں، قیامت کے دن بھی ایسے لوگ گرتے پڑتے اٹھیں گے اور ان کا محشر کے میدان میں سیدھے اٹھنا بھی نصیب نہ ہوگا۔

خوب سمجھ لو کہ سودخوار خوں خوار ہوتا ہے، بھیڑیا تو زیادہ تر جانوروں کا خون چوستا ہے، مگر سودخوار صرف انسانوں کا خون چوستا ہے، وہ بھی مفلس، غریب اور مجبور انسانوں کا، یہ بل کہ بھیڑیا بھی ہے بل کہ جونک ہے، جو بستی میں رہ کر انسانیت کے جسم پر رات دن لپٹی رہتی ہے اور اس کا خون چوستی رہتی ہے، ایسے خوں خوار کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۷ رمئی ۱۹۸۳ء)

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات وخیرات کو بڑھاتا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۶)

نیکی پائیدار، جان دار ہوتی ہے اور اس میں نشو ونما اور پھلنے پھولنے کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے اور بُرائی ناپائیدار ہوتی ہے اور وہ خود فنا ہو کر برائی کرنے والوں کو فنا کر دیتی ہے، سود، بیاج انسانی زندگی میں ایک بہت ہی بڑا گناہ ہے، ایسا گناہ کہ اس کے سننے ہی سے گھن آتی ہے اور انسانیت کا جسم لرز جاتا ہے، لہٰذا ایسی برائی کو مٹنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ اسے مٹاتا ہے اور سود بیاج کھانے والوں کی عزت، آبرو اور تندرستی کو فنا کر دیتا ہے اور انسان کے ان دشمنوں کا منہ کالا ہوتا ہے، بخلاف اس کے صدقات وخیرات کی نیکی انسانوں کو زندہ

رہنے میں مدد دیتی ہے اور صدقات وخیرات کرنے والوں کو غرباء ومساکین دعا دیتے ہیں۔

لہٰذا ایسے لوگوں کو دنیا میں باعزت زندہ رہنے کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی نیکی کو زندۂ جاوید کر کے اس میں اضافہ فرماتا رہتا ہے اور یہ شجر طیب ہمیشہ پھلتا پھولتا رہتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾

فنا کرتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ تمام ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو کفر کرتے ہیں۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۶)

سود اور بیاج انسانی سوسائٹی کے لیے وہ مرض ہے کہ جب جگہ پکڑ لیتا ہے تو شہروں اور بستیوں کو ویران کیے بغیر نہیں رہتا، جس قوم میں یہ مرض گھسا اس قوم کا اقتصادی اور معاشی حیثیت سے صفایا ہو گیا اور ان دونوں کے نقصان کی وجہ سے وہ قوم تہذیب وتمدن، اخلاق وروحانیت اور دین ودیانت سے بے بہرہ ہو گئی، بخلاف اس کے جس ملک اور جس قوم میں امدادِ باہمی کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں اور بڑوں نے چھوٹوں کو اپنی داد ودہش اور صدقہ وخیرات سے نوازا، اس کا توازن ہر حیثیت سے قائم رہا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اسلامی برادری سے سود خوری کی لعنت کو یک قلم موقوف قرار دے رہا ہے اور باہمی احسانات وتبرعات کی فضا پیدا کرتا ہے، اس کی یقین دہانی ہے کہ رب السمٰوٰت والارض نے رزق ومعیشت کے سلسلے میں یہ معیار رکھا ہے کہ وہ سود اور ربا کے ذریعہ چوسے ہوئے خون میں غذائی برکت اور معاشی آسودگی نہیں پیدا فرماتا، بل کہ اس میں نابرکتی اور نحوست پیدا کر کے اسے غیر مفید بنا دیتا ہے، بخلاف اس کے احسان وصدقہ اور تبرع وخیرات میں اس نے افادیت رکھی ہے اور اس افادیت وبرکت سے لینے والوں کے ساتھ دینے والوں کو وہ حصہ دیتا ہے، ایک کی حاجت روائی کرتا ہے اور دوسرے کے مال ودولت میں فراوانی دیتا ہے

اور جو لوگ اسلامی احکام اور قرآنی اوامر پر عمل نہیں کرتے اور کافرانہ زندگی کی بے اعتدالیوں میں مبتلا رہ کر سود خوری کرتے ہیں اور گنہ گاری مول لیتے ہیں، وہ خدا کے فیض و کرم سے محروم ہیں، ان کی طرف خدا کی کوئی توجہ نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰ راگست ۱۹۵۲ء)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ ہر ناشکر اور گنہ گار کو پسند نہیں کرتا۔

(پ ۳ ع ٦، سورۃ البقرۃ: ٢٧٦)

سود خواری بہت بڑی لعنت ہے اور یہ لعنت جس انسانی بستی میں پہونچ جاتی ہے، اسے تباہ و برباد کر کے چھوڑتی ہے، یہ برائی ہر قسم کی نیکی کو کھا جاتی ہے اور نیکیوں کی جڑ بنیاد کھود دیتی ہے، اس سے پورے معاشرے میں اقتصادی بدحالی پیدا ہو جاتی ہے، لوگوں میں زندگی کی توانائی باقی نہیں رہ جاتی اور جینے کی حسین و جمیل راہیں دشوار گزار بن جاتی ہیں، اور اس کے مقابلہ میں صدقات و خیرات سے پوری بستی میں خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے، باہمی ہمدردی اور غم خواری کے جذبات ابھرتے ہیں اور انسانوں میں انسانیت مسکرانے لگتی ہے، ہر طرف حوصلہ مندی، اولوالعزمی اور عالی ظرفی کی نمود ہوتی ہے اور مالی نظام کی درستگی سے معاشرہ کا پورا ڈھانچہ صحیح و سالم ہوتا ہے، اس آیت میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ سود میں خیر و برکت نہیں ہے، بل کہ لعنت و نحوست ہے اور اس سے مال و دولت میں زیادتی نہیں ہوتی ہے، بل کہ مال و دولت اور خیر و فلاح کی جڑ بنیاد ختم ہو جاتی ہے اور صدقات و خیرات، زکوٰۃ و عطیات اور محتاجوں کی خبر گیری میں خیر ہی خیر ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صدقات و خیرات میں نمو کی بڑی صلاحیت ودیعت فرماتا ہے اور اس سے بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔

تم دیکھ سکتے ہو کہ سود خواروں اور بیاج کھانے والوں کے گھر پر کیا جاہ و جلال ہوتا ہے اور صدقات و خیرات کرنے والوں کے دروازے پر کیا دھوم دھام ہوتی ہے اور اس

سے تم دونوں کے نتائج کا فرق معلوم کر سکتے ہو۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سود خوار کی عبادت مقبول نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے کسی اچھے کام کی کوئی قدر نہیں ہے اور صدقات وخیرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کم ہوجاتی ہے اور اس کے رحم وکرم کی خوش نودی حاصل ہوتی ہے۔(روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

مٹاتا ہے اللہ ربا اور سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات وخیرات کو اور اللہ تمام ناشکر گناہ گاروں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۳ ع ۶، سورۃ البقرۃ:۲۷۶)

سود بیاج کو اور ہر ایسے منافع کو جس کے مقابلہ میں رقم اور محنت وکوشش نہ ہو، اسلام ربا کے جامع لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ہر ایسے معاملہ سے شدت سے منع کرتا ہے، جس میں نہ اپنا مال خرچ ہو اور نہ محنت لگے، مگر ایک مقررہ مقدار میں آمدنی ہوجاتی ہو، ایسی آمدنی سود ہے اور اس میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہے، سود غریب ومحتاج انسان کی پریشانی ومجبوری سے فائدہ اٹھانے کا نتیجہ ہے اور سود درحقیقت غریب کا خون ہوتا ہے، جس کی ادائیگی کے وقت اس کا بدن اور اس کی روح بھی پژمردہ ہوجاتی ہے، اسلام ایسی کسی آمدنی کو جائز قرار نہیں دیتا اور نہ وہ اس میں کسی قسم کی خیر وبرکت کا قائل ہے، بخلاف اس کے اپنی پاکیزہ کمائی سے حسبِ حیثیت کچھ مال اللہ کی رضا جوئی کے لیے غریبوں محتاجوں کو دے دینا بہت ہی مبارک ومسعود کام ہے اور اس میں بڑی خیر وبرکت ہے اور معمولی صدقات وخیرات سے انسانوں کو غیر معمولی فائدہ ہوتا ہے، لینے والے کو بھی اور دینے والے کو بھی، اس لیے اللہ تعالیٰ کو ایسے شکر گزار بندے پسند ہیں، جو اپنی پاک کمائی سے حسبِ حیثیت صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ایسے ناشکرا اور کمینے لوگوں کو سخت ناپسند فرماتا ہے، جو اللہ کی دی ہوئی بے حساب دولت پانے کے باوجود نہ صرف زکوٰۃ وخیرات نہیں دیتے بل کہ سود بیاج کا کام کرتے ہیں۔(روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ تمام ناشکروں گنہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ:۲۷۶)

سود وہ لعنت ہے، جو انسانی بستی کو چند سالوں میں چر جاتی ہے اور پوری بستی چیخ اٹھتی ہے، تمام لوگ خیر و برکت سے محروم ہو جاتے ہیں اور چند سرمایہ پرستوں کی دولت کے حق میں بستی بھر سے مال و دولت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، ہر طرف بے رونقی پھیل جاتی ہے اور ہر طرف کمی، نایابی اور کم یابی کا منظر پیدا ہو جاتا ہے، نیز سود خوری کرنے والا طبقہ چند ہی دنوں میں ذلت و رسوائی اور لعنت و ملامت کی زد میں آ کر عزت و شرافت اور انسانیت سے عاری ہو جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سودی کاروبار بستی کے ہر طبقہ کو محتاج اور ذلیل کر دیتا ہے اور ہر طرف بدحالی نمایاں ہو جاتی ہے۔

اور صدقات و خیرات کی فراوانی بستی کے عوام میں خوش حالی اور فراخی پیدا کرتی ہے، لوگوں کو ضروریاتِ زندگی آسانی سے ملتی ہیں، ہر طرف خوشی اور اطمینان کا دور دورہ ہوتا ہے اور ہر طبقہ اپنی اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہوتا ہے، اُمراء اور مال دار صدقات و خیرات کر کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرتے ہیں اور اپنے دینی اور اخلاقی و روحانی جذبات کو تسکین دیتے ہیں اور عوام ان کے فضل و احسان سے معمور ہو کر ان کے خیر خواہ بنے رہتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صدقات و خیرات کے ذریعہ عوامی خدمت سے دنیا میں خیر و برکت کا ظہور ہوتا ہے اور انسانیت ہر طبقہ میں اپنی تمام قدروں کے ساتھ ابھرتی ہے اور لوگ اَمن و سکون سے زندگی گزر بسر کرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۶ ستمبر ۱۹۸۰ء)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ

اللہ تعالیٰ ربا کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ:۲۷۶)

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کر کے اس کے جینے کی صورت پیدا فرمائی ہے،

سب کے لیے زمین سے حصہ دیا ہے، سب کے لیے روزی کی آسانی دی ہے، اور سب کے لیے سر چھپانے کے حق کو عام کیا ہے، اللہ نے انسان کو اس زمین میں بڑی حد تک منتظم کی حیثیت دی ہے اور اسے ان تمام کاموں میں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر فرمایا ہے۔

پس اگر انسان اللہ کی نیابت میں رہ کر لوٹ مار شروع کر دے تو ظاہر ہے کہ اسے ان برکتوں سے محروم کر دیا جائے گا، جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور ان کی جگہ ہر قسم کی محرومی و حرماں نصیبی دے دی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے کھاتے پیتے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ محتاجوں کی خبر گیری میں اپنا مال خرچ کریں اور صدقات و خیرات کر کے خود ثواب کمائیں اور غریبوں کے جینے کا سہارا پیدا کریں، اب اگر کوئی غریبوں اور حاجت مندوں کو کچھ دینے کے بجائے الٹے خود ان سے لینے اور لوٹنے کی حرکت کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس میں اس کی ہمت افزائی نہیں کی جا سکتی۔

بل کہ اس کو سزا دی جائے گی اور اس کے اس کام کو ناکام کیا جائے گا، جو لوگ ربا اور سود بیاج کا دھندا کرتے ہیں، وہ اپنے روپیہ سے غریبوں کا کام چلانے کے بجائے خود اپنا کام چلاتے ہیں اور الٹے ان سے روپیہ پیسہ وصول کرتے ہیں، اس لیے ان کے لیے خرابی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سود و بیاج میں برکت نہیں ہوا کرتی، بل کہ صدقات و خیرات میں برکت ہوتی ہے، جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، وہ اللہ کے نظام میں خلل انداز اور انسانوں کے دشمن ہیں، ان کے نیک کام بھی اکارت جاتے ہیں اور ان کی کوئی ہمت افزائی نہیں کی جاتی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۱/۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ

اللہ ربا اور سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۶)

ربا اور سود ایک لعنت ہے، جو چند خود غرضوں کی وجہ سے انسانی بستی میں آتی ہے اور پوری بستی کو معاشی اور اقتصادی اعتبار سے بے جان کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں چند شکم

پرست، دولت کے پجاری اور پیٹ کے بندے، عام لوگوں کی توانائی چاٹ جاتے ہیں اور جس طرح کھڑی لکڑی کو گھن چاٹ جاتا ہے، اسی طرح یہ لوگ انسانی معاشرہ کو چٹ کر جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انسانوں نے سود خوری کو ہمیشہ غضب وانتقام کی نظر سے دیکھا ہے اور اگر کسی بستی میں دو ایک سود خور رہے ہیں تو ان کو نسلاً بعد نسلٍ نفرت وحقارت کا نشانہ بنایا ہے، یہودی قوم اس بارے میں دنیا کی تمام قوموں سے آگے رہی ہے، اس لیے اسے ہر بستی کے لوگوں نے سو دو سو سال کے بعد مار بھگایا ہے، کیوں کہ وہ جس بستی میں گئے، عوام کی دولت، عزت، زمین پر سود کے ذریعہ قبضہ کیا اور لوگوں کو دیکھتے ہی دیکھتے بے حال کر دیا اور لوگ ان سے چیخ اٹھے اور مار کر اپنی بستی سے نکالا، ہمارے زمانے میں جرمنی اور دوسرے مغربی ممالک نے بڑی چالاکی سے اپنے اندر سے اس فاسد عنصر کو نکال کر عربوں پر مسلط کر دیا ہے اور اب یہ قوم معلق زندگی بسر کرتی ہے۔

بخلاف اس کے صدقات وخیرات میں بڑی برکت اور نیک نامی ہے، اس سے انسانوں کی زندگی بنتی ہے، مجبوروں کے کام چلتے ہیں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنے والوں کو دنیا دعا دیتی ہے، ان کو چاہتی ہے اور ان کے لیے آنکھیں بچھاتی ہے، ایسے لوگ اپنی بستی کے لیے باعثِ خیر وبرکت ہوتے ہیں، جو صدقات وخیرات سے عوام کی خبر گیری کرتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی سود خوری اور صدقات میں سے ہر ایک کو ایک مقام حاصل ہے، ربا اور سود خوری کو ویرانی وبربادی کا اور صدقات وخیرات کو ترقی واضافہ کا اور سود خور اللہ کی لعنت میں گرفتار رہتا ہے، جب کہ صدقہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط

اللہ ربا کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۶)

جس چیز میں افادیت ہوگی اور اس سے اللہ کی مخلوق کو فیض و فائدہ پہونچے گا، وہ قائم ودائم رہے گی اور اس میں کثرت وزیادتی ہوگی اور جس چیز سے اللہ کی مخلوق کو ضرر پہونچے گا اور اس سے انسانی بستی میں تباہی و بربادی آئے گی، اسے فروغ نہ ہوگا، بل کہ اس میں قلت و کمی ہوگی اور اللہ تعالیٰ اسے آگے بڑھنے نہیں دے گا۔

اسی قانونِ فطرت کے مطابق سود اور صدقہ کا معاملہ بھی ہے کہ چوں کہ سود و بیاج سے انسانی بستی میں تباہی و بربادی آتی ہے اور معاشرہ اقتصادی اور معاشی اعتبار سے بالکل بے جان ہوجاتا ہے اور دولت کا بڑا حصہ کسی ایک بخیل اور کنجوس کی تجوری میں پہونچ جاتا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں دیتا اور سود کی بے انتہا دولت ہونے کے باوجود سود خوار فرد یا قوم کو کبھی سکھ اور چین نصیب نہیں ہوتا، بل کہ وہ دنیا میں بھی غیر مطمئن اور ذلیل وخوار رہتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے عذاب وعقاب کا معاملہ برپا ہوتا ہے، بخلاف اس کے صدقات وخیرات دینے سے گھر میں برکت آتی ہے، کاروبار میں زیادتی اور کثرت ہوتی ہے، منافع ہوتے ہیں اور دولت کھیت میں چاہے زیادہ نہ ہو، مگر کیفیت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہوجاتی ہے، صدقات وخیرات کرنے والے معمولی دولت مند سود خواروں کے مقابلہ میں نہایت مطمئن، نہایت باوقار اور باعزت زندگی بسر کرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸/اپریل ۱۹۷۲ء)

یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ

مٹاتا ہے اللہ ربا کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۶)

جو چیز، جو بات، جو نظریہ، جو کام اور جو اصول اس دنیا میں انسانوں کے حق میں جس قدر مفید، نفع بخش اور آرام دہ ہوتا ہے، اسی قدر اس میں دوام وبقا ہوتی ہے، یہ قانونِ قدرت ہے، جس سے کوئی شے خالی نہیں ہے، اسی اصولِ قدرت کے ماتحت ربا اور سود و بیاج کے لیے تباہی و بربادی ہے اور صدقات وخیرات کے لیے نشوونما اور افزائش وزیادتی ہے، ربا سے انسانی

بستی میں بے رونقی آجاتی ہے، خاندانوں پر مردنی چھا جاتی ہے اور افراد کا خون سوکھ جاتا ہے، اس لیے یہ مضر انسانیت کام تباہ وبرباد ہو جاتا ہے اور جو لوگ یہ کام کرتے ہیں، ان کے لیے سراسر تباہی وبربادی اور ہلاکت ہے، دنیا میں بھی وہ ہر طرح ذلیل وخوار رہتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے سخت قسم کا عذابِ خداوندی ہے اور اس کے مقابلہ میں صدقات وخیرات سے انسانوں کے کام چلتے ہیں، بستیوں میں آسودگی پیدا ہوتی ہے، خاندانوں سے محرومی کے دن ختم ہوتے ہیں اور افراد واشخاص پر اطمینان وسکون اور امید وآرام کی بشارت ظاہر ہوتی ہے، اس لیے ان کے کرنے والے دنیا وآخرت میں نیک نامی ونیک انجامی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی دولت سے حاجت مندوں کا کام چلا دیتے ہیں، ان کے مال میں زیادتی وافزائش ہوتی ہے اور لوگ ان کو نیک نامی اور عزت سے یاد کر کے ان کی یاد اور ان کے کام میں بڑی قدریں پیدا کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو چند در چند اجر وثواب دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! تم لوگ اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا سود بیاج میں، اگر تم مومن ہو۔ (پ ۳ ع ۶، سورۃ البقرۃ: ۲۷۸)

سود انسانی سوسائٹی میں ایسی زبردست لعنت ہے کہ اس کے عام ہونے سے پورا معاشرہ لعنتی بن جاتا ہے اور اس سے انسانیت کی قدریں ایک ایک کر کے رخصت ہو جاتی ہیں، سودخوری اصل میں ان لوگوں کا کام ہے، جو اپنے جسم میں انسانیت کے خون کا خزانہ جمع کرتے ہیں، ان کے موٹے موٹے جسم انسانیت کے خون میں غرق ہوتے ہیں۔

اسلام نے اس لعنت کو بڑی سختی سے ختم کیا ہے اور اسے انسانی بستی میں یک لخت ممنوع قرار دے دیا ہے، تاکہ امیر آدمی غریب کے جسم سے جونک بن کر لپٹ نہ جائے اور اس کا خون چوس چوس کر موٹا نہ ہو اور کسی آدمی کی غریبی اور مفلسی سے کوئی خوش حال ناجائز

فائدہ حاصل کر کے اپنے عروج وارتقاء کی بنیاد دوسروں کے زوال وانحطاط پر نہ رکھے۔

قرآن حکیم مسلمانوں سے فرماتا ہے:

اگر تم صحیح معنوں میں مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور سود بیاج کی تمہاری وہ رقم جو اس کی حرمت سے پہلے دوسروں کے ذمہ باقی ہے، اسے یک لخت چھوڑ دیا جائے، چاہے وہ دس پانچ ہو، چاہے دس پانچ لاکھ ہو۔

آج مسلمانوں میں جو لوگ اس حرام خوری میں مبتلا ہیں، وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں اور روزہ، نماز اور حج وزکوٰۃ کے سہارے اسے اپنے حق میں ایک لمحہ کے لیے مقید نہ سمجھیں، جو آدمی سود خوری کرتا ہے، اسے کوئی برتری اور عزت نہیں ہے، نہ اللہ کے یہاں، نہ اللہ کے رسول کے یہاں اور نہ ہی مسلمانوں کے یہاں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور سود سے جو باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو، پس اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہارے لیے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

(پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

اسلام نے سود خواری کی لعنت کو انسانی بستی کے لیے درندگی اور خون ریزی قرار دیا ہے اور سود خواری کا سد باب کر کے انسانیت پر بڑا رحم فرمایا ہے، سب سود کا کاروبار ناجائز قرار دیا گیا تو کچھ مسلمانوں کے پرانے سود جو زمانۂ جاہلیت سے چل رہے تھے، دوسروں کے ذمہ باقی تھے اور سوال تھا کہ اس پرانے سود کو چھوڑ کر اصل پونجی وصول کی جائے، یا اصل مال کے

ساتھ اب کے مرتبہ سود بھی لے لیا جائے اور پھر آئندہ کے لیے یہ کاروبار بند کر دیا جائے۔

قرآن فرماتا ہے:

جب سود حرام قرار دیا جا چکا ہے تو نیا اور پرانا برابر ہے اور اب سود کی ایک پائی بھی تم وصول نہیں کر سکتے اور اگر تم اس حکم کو نہیں مانتے ہو اور جاہلیت کا سود لینے کے لیے تیار ہو تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ اس کا انجام تمہارے حق میں اچھا نہیں ہے۔

غور کرو کہ جب زمانۂ جاہلیت کے سود لے لینے پر اس قدر کڑی دھمکی ہے، تو اس حرکت پر کیا سزا ہوگی کہ بعد میں بھی سودی کاروبار کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، وہ انسانیت کا خون چوستے ہیں اور وہ اللہ و رسول کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور ان کی زندگی اللہ و رسول کے مقابلے میں گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سود خواری کی لعنت سے بچائے اور اللہ و رسول کی پیروی کی توفیق دے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو، پس اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے تمہارے اموال کے راس المال ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

عرب جاہلی میں سود اور ربا کا کاروبار عام تھا اور سرمایہ دار لوگ غریبوں کی غربت سے

فائدہ اٹھا کر ان کا خون چوستے رہتے تھے، یہ ذوق سود خوری اس قدر عام تھا کہ گویا یہ بھی ایک قسم کی تجارت تھی، جس کا رواج بلا کسی جھجھک کے عام تھا، مگر اسلام نے اس خون خواری اور انسانیت خواری کو بند کر دیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ سود کا کاروبار یکسر بند کر دیں، پہلے جو کچھ لیا دیا، وہ پہلے کی بات ہے۔

اب اگر سود کی رقم کسی غریب پر چڑھی بھی ہے تو اسے بھی چھوڑ دو اور سود خواری سے توبہ کر کے اپنے قرضہ کا راس المال لے لو اور اس کے اوپر سود و بیاج کا حساب نہ کرو، اللہ و رسول پر ایمان لانے کا یہی تقاضا ہے اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، ان کے لیے حرام ہے کہ وہ اس طرح انسانوں کی غربت اور محتاجی سے فائدہ اٹھائیں اور جو لوگ اب بھی سود کا دھندا کرنا ہی چاہتے ہیں اور انسانیت پر رحم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کو اللہ و رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے، ایسے خون خواروں اور درندوں کے مقابلہ میں اللہ و رسول کے احکام و قوانین آئیں گے اور جرم و سزا کے اصول کے ماتحت ان کی گردنیں ناپی جائیں گی۔

اسلام نے انسانیت کے تحفظ اور بچاؤ کے لیے کس قدر سرگرمی دکھائی ہے؟ اس کا اندازہ اسی اندازِ بیان سے ہو جاتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۷ رستمبر ۱۹۶۲ء)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو، اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو، تو تمہارے لیے تمہارے راس الاموال اور اصل پونجی ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹)

انسانوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا، قرضہ کے نام پر کمائی کرنا اورسود بیاج کے لیے غریبوں، مجبوروں کا خون چوسنا، انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے اور جو معاشرہ یا مذہب اس کو روا رکھتا ہے، وہ انسانیت کا خیرخواہ نہیں ہے، بل کہ اول درجہ کا دشمن ہے، اس کو جلد از جلد انسانی بستی سے دور کرنا چاہیے۔

اسلام کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں یہودیوں کے اندر اور دوسرے طبقوں کے اندر سودخواری کی لعنت پھیل گئی تھی اور غریبوں، محتاجوں کو سود پر قرضہ دیا جاتا تھا، اسلام نے آتے ہی اس لعنت کو سماج سے یکسر ختم کر دیا اور صاف صاف بتادیا کہ اب جو لوگ سودی کاروبار کریں گے، ان سے اللہ و رسول کی جنگ جاری ہو جائے گی، جو ہو چکا، وہ ہو چکا، اب آئندہ سے اگر قرضہ کے سلسلے میں سود کی پُرانی رقم باقی ہے تو اسے بھی لینا حرام ہے۔

البتہ قرضہ کی اصل رقم وصول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر اس میں ظلم و زیادتی کسی طرف سے نہ ہو اور نہ ایک دوسرے کو برائی کا تصور کام کرے، بل کہ محبت و انسانیت اور خدا و رسول کے نام پر یہ صورت اختیار کی جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸؍جنوری ۱۹۶۳ء)

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور اگر آدمی تنگ دست ہو تو کشادگی تک کے لیے مہلت دو اور تمہارا صدقہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ (پ ۳ ع ۶، سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

اِمداد باہمی اور تعاون کی صورت ہی اس وجہ سے رونما ہوتی ہے کہ ایک انسان دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور جس قسم کی محتاجی ہوتی ہے، اسی قسم کی امداد بھی کی جاتی ہے، عموماً اسی احتیاج اور اس پر تعاون کا نتیجہ بہت نامناسب صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور بعض حیثیت سے اس کی برائی بہت بڑھ جاتی ہے۔

اس تعاون کے نام پر لوگ اپنا فائدہ حاصل کرنے کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں، کبھی تو لوگ روپیہ قرض دے کر غریب کو اپنا نوکر اور خادم بنانے کی فکر کرتے ہیں، کبھی ناجائز منافع یعنی سود لیتے ہیں، کبھی تو قرض خواہ کو روحانی اور قلبی اذیت پہونچاتے ہیں اور کبھی مالی وجسمانی اذیت پہونچا کر سُود دَر سُو وصول کرتے ہیں، پھر ان باتوں کے باوجود قرضہ کی وصولی میں نہایت ہی غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں، یہ تعاون بجائے انسانی سوسائٹی میں سکون پیدا کرنے کے اور انتشار کا باعث ہوجاتا ہے، اس لیے قرآن حکیم فرمارہا ہے:

کسی کو کچھ دے کر احسان مت جتلاؤ، سود نہ لو، بل کہ اگر قرض خواہ غریب ہے تو تم حوصلہ سے کام لے کر اسے موقع دو کہ کشادگی آنے پر تمہارا راس المال خوشی خوشی تمہارے پاس خود لے کر آجائے اور شکر ومسرت کی فضا میں انسانی ہمدردی قائم رہے، اگر تم حوصلہ مندی میں آگے بڑھ کر غریب سے قرضہ ہی معاف کردو تو پھر تمہاری یہ معافی صدقہ وخیرات کے حساب میں درج ہوجائے گی اور تم خدا کے نیک بندے ثابت ہوگے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور اگر وہ تنگ دست ہو تو کشادگی تک مہلت دینا ہے اور تمہارا صدقہ کردینا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

اگر کسی نے کسی کو کچھ قرضہ دیا ہے تو اس کا بہت بڑا احسان ہے اور اسے پورا پورا حق حاصل ہے کہ جسے قرضہ دیا ہے، اس سے وصول کرے اور اپنا قرضہ واپس لے، انسانی زندگی میں قرضہ کی صورت امدادِ باہمی کی بہترین چیز ہے، جس کی ہر آدمی کو سخت ضرورت ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرضہ کے نام پر لوگوں کی دولت ماری جائے اور ضرورت پر کسی سے قرضہ لے کر دینے کا نام نہ لیا جائے، بل کہ قرضہ کا مطلب یہ ہے کہ وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے

بعد اپنے بھائی کا احسان مانتے ہوئے کوشش کی جائے کہ جلد از جلد بھائی کا قرضہ ادا ہو جائے، انسانی فلاح و بہبود کے لیے قرضہ دینے والے کی ہمت افزائی کی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ اس نے قرضہ لینے والوں کو بھی تاکید کی ہے کہ جہاں تک جلد ہو سکے، قرضہ ادا کر دینا چاہیے اور وسعت ہونے پر تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

ہاں اگر قرضہ لینے والا مجبور ہے، اب تک اس کی حالت قرضہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہوئی ہے تو قرض خواہ کو چاہیے کہ ذرا مہلت اور آسانی دے دے، کیوں کہ جس بات کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کو قرضہ دے کر اس کی مدد کی ہے، وہ اب تک باقی ہے اور اس کی حالت ابھی تک اچھی نہیں ہوئی ہے اور اگر قرضہ دینے والا دیکھے کہ اس کے محتاج بھائی کی حالت بہت ہی ابتر ہے اور وہ اپنی رقم چھوڑ سکتا ہے تو چھوڑ دے، یہ کام صدقہ ہو جائے گا اور ثواب ملے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور تنگ دست ہو تو مہلت ہے اور تم صدقہ کر دو تو بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر تم علم رکھتے ہو۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

پہلے سے بیان ہو رہا ہے کہ سود کو حرام قرار دیا ہے، تم لوگ سودی کاروبار بند کر دو اور اب اس کی مطلق اجازت نہیں ہے، جاہلی دور میں جو کچھ ہو چکا، ہو چکا، اب اس کو روا نہیں رکھا جا سکتا اور جو لوگ اب بھی سودی لین دین کر رہے ہیں، ان کو اللہ سے مقابلہ کی تیاری کر لینی چاہیے، یا تو اللہ کا قانون ہی چلے گا، یا پھر ان کی سود خوری کی گرم بازاری ہی چلے گی، اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے، قرضہ پر سود لینے اور دوسرے کی مجبوری سے فائدہ کی ضرورت ہی کیا ہے، انسانوں کے کام آنا، دوسروں کی ضرورت پوری کرنا، مجبوروں کی مجبوری کا لحاظ کرنا،

غربت وافلاس میں شرافت وانسانیت سے پیش آنا اور اسی قسم کے اخلاقی مظاہرے سے اپنی انسانیت کا پیش کرنا بھی تو انسانیت کی ذمہ داری ہے، یہ کیا ضروری ہے کہ ہر جگہ اپنے مفاد کو پیش نظر رکھ کر لوگوں کی مجبوری سے فائدہ ہی حاصل کیا جائے۔

لہٰذا تم سود کا کاروبار بند کر کے اپنے قرضہ دار کو مہلت دو، اگر وہ تنگ دست اور مجبور ہو، اور اس کی مجبوری پر رحم کرو اور اگر تم اپنا قرضہ سرے سے معاف ہی کر دو تو کیا کہنا، اللہ تم کو اور دے گا اور یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے، مگر سود و بیاج کی لعنت کو رواج مت دو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴ مئی ۱۹۶۳ء)

وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ ؕ وَ اَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾

اگر قرض دار تنگ دست ہے تو کشادگی تک ڈھیل دے دو اور اگر تم صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

سود اور بیاج دینا لینا یکسر حرام قرار دیا گیا، قرضہ دینا اور انسانوں کی مجبوری میں کام آنا بہت بڑا کام بتایا گیا ہے اور اس پر اجر و ثواب کی بشارت آئی ہے، حتی الامکان مجبوروں کی حالت پر ترس کھانے کی تاکید آئی ہے، یہاں پر اسی کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی قرض دار کا حال خراب ہے، ادائیگی میں پریشانی ہوتی ہے، واقعی مجبوری کی وجہ سے اس کی زندگی میں الجھن ہے، کھانے پینے بھر مشکل سے جمع ہوتا ہے، پھر قرضہ کہاں سے ادا کرے؟

اگر اس کو اس طرح کی تنگ دستی، بدحالی اور تنگی ہے، تو تم اسے ڈھیل دے دو، ادائیگی میں سختی مت کرو، نرمی برتو اور اگر تم اپنے ظرف کو وسیع کر کے اللہ کے اس مجبور بندے پر رحم کرو اور سرے سے قرضہ کی رقم معاف کر دو، تو سبحان اللہ کیا بات ہے، یہ تو تمہارے حق میں بہت بہتر ہے، اجر و ثواب کے اعتبار سے، نیک نامی کے اعتبار سے اور خدمت و خیر خواہی کے اعتبار

سے تمہارا مرتبہ بہت اونچا ہو جائے گا اور تم کو ہر جگہ اچھی نظر سے دیکھا جائے گا، پس قرضہ کی وصولی میں آسانی برتو اور اگر ہو سکے تو معاف کر دو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۹؍جنوری ۱۹۶۳ء)

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو فراخی اور کشادگی ہونے تک ڈھیل اور مہلت دو، اور اگر صدقہ کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم کو علم ہے۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

انسانی ہمدردی، باہمی تعاون، ایک دوسرے کے کام آنا ہر مسلمان کی زندگی کے محسنات میں سے ہے اور ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے، اپنے بھائی کی مدد کرے، اسے قرضہ دینے کی ضرورت پڑے تو بلا تردد قرضہ دے دے، مگر ایک پائی سود نہ لے اور اپنے بھائی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائے، کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا بہت ہی گری ہوئی بات ہے اور اس میں کوئی مردانگی اور شرافت نہیں ہے۔

پس اگر تم نے اپنے کسی حاجت مند بھائی کا کام چلانے کے لیے قرضہ دیا ہے اور وہ اپنی ناداری و غربت کی وجہ سے دینے میں تاخیر کر رہا ہے، تو تم اس کی مجبوری پر مزید رحم کرو اور مہلت دے دو کہ جب تم کو آسانی ہو قرضہ ادا کرنا، تو یہ تمہارا بہت ہی اہم کردار ہوگا اور اس کی قدر و قیمت انسانیت کے نزدیک جو ہوگی وہ ہوگی، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہوگی، پھر اگر تم نے اپنے بھائی کی مجبوری پر اپنی مزید حوصلہ مندی کا مظاہرہ کیا اور قرضہ کو اللہ کے لیے معاف کر دیا تو نورٌ علیٰ نور ہے، قرض خواہ کو بھی چاہیے کہ وہ قرضہ کی ادائیگی کی پوری کوشش کرے، اس طرح جانیں اپنی اپنی زرداری کو سمجھیں اور انسانی معاشرہ کا کام چلتا ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اگر ایک شخص تنگی والا ہے تو کشادگی تک ڈھیل دینی چاہیے اور اگر خیرات کر دو تو تمہارے لیے اچھا ہے، اگر جانتے ہو۔ (پ ۳ ع ٦ سورۃ البقرۃ: ۲۸۰)

اسلام امداد باہمی کی فضا زیادہ سے زیادہ ہموار کرتا ہے اور اپنے ہر ماننے والے کو اس بات پر تیار کرتا ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ کے لیے بہترین فرد ثابت ہو اور اس سے مخلوقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے، اس سلسلہ میں تنگ دست اور ضرورت مند کو دینا اور اس کی مصیبت میں کام آجانا ہی اہم بات ہے۔

اس لیے اسلام نے اجر و ثواب کی فضا میں اپنے ہر پیرو کو آمادہ کیا ہے اور ایسے قرضہ جات پر کسی قسم کے دنیاوی فائدہ کو جائز قرار نہیں دیا، بل کہ قرضہ دینے کے بعد کہتا ہے کہ اگر قرضہ لینے والا محتاج ہے اور اس میں ادائیگی کی سکت نہیں پیدا ہو سکی ہے، تو تم کچھ دنوں اور صبر و تحمل سے کام لو اور اتنی مہلت دو کہ وہ غریب کشادگی پا سکے اور تمہارے قرضہ کی ادائیگی کا انتظام کر سکے اور اگر کوئی دردمند کسی محتاج اور مفلس کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے اپنا قرضہ اس طرح معاف کر دے کہ اسے صدقات و خیرات کے حساب میں ڈال دے، تو یہ بات اس کے لیے بڑی اچھی ہے اور اس پر بڑا ہی اجر و ثواب ملے گا۔

یہ احکام ان مجبوروں اور غریبوں کے لیے ہیں، جو بے چارے اپنی مجبوری سے قرضہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور پھر مسلسل بدحالی کی وجہ سے ان کو قرضہ کی ادائیگی کی صورت نظر نہیں آتی، مگر جو لوگ قرضہ لے کر دینا نہ جانیں اور مار کر بیٹھ جانا چاہیں، ان کے ساتھ سختی کرنی چاہیے اور لوگوں کے مال و دولت کو مار کر بیٹھنے کی عادت چھڑانی چاہیے، اسلامی معاشرہ کی بحالی اور خوش حالی کے لیے ہر ہر فرد مسئول ہے اور ہر شخص پر ذمہ داری یکساں ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۹؍جون ۱۹۷۹ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ربا میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو، پس اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لیے تمہارا راس المال ہے، اور اگر قرضہ لینے والا تنگ دست ہے تو کشادگی تک ڈھیل دے دو اور تمہارا صدقہ کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰)

سود، ربا اور بیاج کا لین دین اسلامی تعلیمات کی رو سے قطعی حرام ہے اور کسی صورت میں اس کی گنجائش نہیں ہے، اسلام سے پہلے یہ مرض انسانی بستی میں عام تھا اور ہر امیر کبیر آدمی اپنے پاس پڑوس کے کمزوروں کا خون چوس رہا تھا، نیز اس دور کی پوری دنیا میں یہی نظام چل رہا تھا، اسلام نے جب اس کی حرمت کا اعلان کیا تو قطعی طور سے اس کاروبار کو بند کرنے کا اعلان کیا اور اس میں اتنی شدت اختیار کی کہ مسلمانوں کے لیے سوائے باز آجانے کے کوئی چارہ نہیں رہا، حتیٰ کہ پہلے کا اگر قرضہ دیا ہوا ہے اور اس پر سود کی رقم چڑھی ہوئی ہے، تو اس رقم کو بھی لینا قطعی حرام قرار دے دیا۔

البتہ راس المال اور اصل پونجی واپس لینے کی اجازت دی گئی، مگر اس میں آسانی کرنے اور مہلت دینے، بل کہ سرے سے معاف کر دینے کی تلقین کی گئی، اب جو لوگ قرآن کی اس تعلیم کے خلاف ہو کر سودی کاروبار سے کسی نہ کسی حد تک تعلق رکھنا چاہتے ہیں، ان کو انسانیت ہی کا نہیں، بل کہ اللہ و رسول کا دشمن قرار دیا گیا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

تم لوگ اس دن سے ڈرو، جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر نفس اپنی کمائی کو پورے طور سے پائے گا اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ:۲۸۱)

انسان کو اگر انجام کار کی خوشی یا غم نہ ہو تو وہ قابو میں نہیں آ سکتا، انسان کو یہ چیز بہت سے اقدامات سے باز رکھتی ہے کہ اسے ان کے انجام سے دوچار ہوتا ہے اور آخرت کی خوش بختی یا بدبختی کا سامنا کرتا ہے، انجام بینی کے سلسلے میں آخرت پر نظر رکھنا بنیادی چیز ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے اصلی انجام بینی آخرت پر نظر رکھنا ہے۔

قرآن حکیم کا تقریباً ایک تہائی حصہ معاد اور قیامت کے بیان پر شامل ہے اور انسانی زندگی کو آخرت کے مجازاتی حالات سے آگاہ کررہا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ انسان اپنی دنیاوی زندگی کے بارے میں ذرا ذرا سی بات پر نتیجہ پر غور کرنے کا سخت عادی ہے اور کوئی کام اس وقت تک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، جب تک اسے اس میں اپنا فائدہ یا نقصان سے بچنے کی صورت نظر نہ آئے، مگر جب آخرت کی زندگی کے سلسلے میں انجام بینی کی دعوت دی جاتی ہے تو وہی انسان غفلت وخود فراموشی کی حد کر دیتا ہے اور ہر سنی کو ان سنی کر دیتا ہے، اوپر کی آیت میں انسانوں کو اسی بات کی دعوت دی جارہی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲ رجولائی ۱۹۵۳ء)

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اور تم لوگ اس دن سے ڈرو، جس میں اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر جان کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ:۲۸۱)

ہم مسلمان اس دنیا میں یہ عقیدہ لے کر نہیں آئے کہ ساٹھ ستر سال کی زندگی مقصود

ہے اور اس سے آگے کوئی منزل نہیں ہے۔

لہٰذا اس زندگی کو عیش و عشرت کا گہوارہ بنالو، اور لوٹ مار، چوری ڈکیتی، بے ایمانی، ہٹ دھرمی غرض کہ جس طرح سے بھی ہو، دولت حاصل کر کے کھاؤ پیو اور آرام کرو، بل کہ ہم مسلمان اس دنیا کو ساٹھ ستر سال کی راہ سمجھ کر آئے ہیں اور اس راہ سے گزر کر ہمیں آخرت کے مقصد کی سمت جانا ہے، وہی آخرت ہماری منزل ہے، اس دنیا میں زادِ راہ کی طرح ہم ضرور کھائیں، کمائیں گے اور اس کی چیزوں سے اسی نقطۂ نظر سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور اس میں کمی نہیں کریں گے، مگر ہم یہ ہرگز نہیں کریں گے کہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ کر حرام حلال کی تمیز اٹھائیں اور آخرت سے بے پروا ہو کر جانوروں کی زندگی بسر کرنے لگیں، ہمیں اس دنیا میں رہ کر آخرت کے دن سے ڈرتے رہنا ہے، جس میں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ایک ایک چیز کا حساب و کتاب ہوگا اور ہر فرد کو عدل و انصاف کی ترازو سے اس کے عمل کا پورا پورا حصہ ملے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اور تم لوگ اس دن سے ڈرو، جس میں اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (پ ۳ ع ۶ سورۃ البقرۃ: ۲۸۱)

اس دنیا میں اگر جزا و سزا اور قیامت کے مجازات کا ڈر نہ ہو تو پھر کسی کو کیا پڑی ہے کہ نیکی کے کام کرے، برائیوں سے رکے، چوری چماری، بدکاری، عیاشی، فحاشی سے بچ کر اچھے اچھے کام کرے اور ایمان داری، دین داری، دیانت داری کا برتاؤ کر کے اچھی فضا پیدا کرے۔

اگر عقیدۂ قیامت دل میں نہ ہو تو پھر کسی انسان میں کس لیے خوبی پیدا ہو؟ اسی لیے اسلام اور دوسرے تمام برحق مذاہب نے عقیدۂ مجازات اور قانونِ جزا و سزا پر زیادہ زور

دے کر اسے لازم قرار دیا ہے، جن نظریات وافکار میں یہ عقیدہ نہیں ہے، ان کے ماننے والوں کی زندگی دنیا بھر کی خرابیوں کا مجموعہ ہوتی ہے، ان کے یہاں انسانیت، کردار، ضمیر کی آواز، سچائی، شرافت، اخلاق ایسے الفاظ ہیں، جن کے نفع بالکل وقتی اور ہنگامی ہوتے ہیں اور ان سے کوئی خاص مفہوم مراد نہیں ہوتا۔

مسلمان قوم دنیا میں اس عقیدہ پر سب سے زیادہ عمل کرنے والی بتائی گئی ہے، اس لیے اس کے اندر مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس قدم قدم پر ہونا چاہیے اور ہر کام میں پہلے یہ ذہن پیدا کرلینا چاہیے کہ کل قیامت میں اس کا انجام کیا ہوگا، اگر اس معیار پر زندگی بسر کی جائے، تو بغیر کسی دباؤ کے انسان خودبخود ذمہ دارترین مخلوق بن جائے گا۔(روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ

اے ایمان والو! جب تم لوگ آپس میں کسی خاص مدت کے لیے قرضہ کا لین دین کرو، اسے لکھ لو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا عدل وانصاف سے لکھے۔

(۳ع ۷ سورۃ البقرۃ: ۲۸۲)

اسلام نے معاملات کی صفائی پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور کاروبار میں کسی قسم کی خرابی کے احتمال کو بھی غلط مانا ہے، عام طور سے باہمی اعتماد کی بنیادوں پر جب کوئی کام کیا جاتا ہے اور اس میں اصول اور قانون کا لحاظ نہیں کیا جاتا، تو آگے چل کر خرابی آجاتی ہے اور وہی باہمی اعتماد اس خرابی کی جڑ بنیاد بنتا ہے۔

اسلام کی نظر میں اعتماد وتعلق کے باوجود معاملات میں صفائی کے خیال سے اصول اور قاعدہ کا برتنا نہایت ضروری ہے، اس میں کوئی بداعتمادی یا بدظنی کی بات نہیں ہے، بل کہ اصول وضابطہ کا سوال ہے، ضابطہ اور قاعدہ بُرا ماننے کی چیز نہیں ہے۔

چنانچہ حکم دیا جارہا ہے کہ جب کبھی آپس میں قرضہ لینے دینے کی باری آئے تو قرضہ کی مقدار، ادائیگی کی مدت اور گواہوں کی موجودگی وغیرہ کو صراحت کے ساتھ لکھ لو اور اس قسم کے سرخط یا تحریر کے وقت کسی قسم کی چال بازی، بے ایمانی اور دل کے کھوٹ کا خیال نہ ہونا چاہیے، بل کہ لکھنے والے عدل وانصاف اور ایمان داری کے نقطۂ نظر سے یہ کام کریں، کیوں کہ تحریر کا منشا دیانت داری ہی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۶ رجولائی ۱۹۷۳ء)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ

اے ایمان والو! جب تم لوگ کسی قرض کا لین دین کرو، ایک مقررہ مدت کے لیے، تو اسے لکھ لیا کرو۔ (۳ع ۷ سورۃ البقرۃ: ۲۸۲)

قرض لینا اچھا نہیں ہے، تنگی ننگی اپنا کام چلا لینا اس سے بہتر ہے کہ ہم کسی سے ادھار رقم لیں اور پھر اس کی ادائیگی میں طرح طرح کی تکلیف، خفت اور سبکی محسوس کریں، مگر اس کے باوجود انسانی زندگی میں کبھی کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے اور بعض اوقات مجبوری کی وجہ سے قرض لینے کی باری آجاتی ہے۔

چوں کہ اسلام میں سود بیاج کی گنجائش نہیں ہے کہ کسی کو قرض دے کر اس پر سود کا حساب شروع کر دیا جائے اور جب تک اپنی اصل رقم نہ ملے، خاموشی سے سودی رقم وصول کی جائے، بل کہ اسلام نے قرض کو صرف امداد باہمی کی ایک شکل قرار دی ہے، اس لیے اس کی ادائیگی میں حتی الامکان جلدی کرنی چاہئے اور قرض لیتے دیتے وقت ہی جانبین سے طے ہو جائے کہ واپسی کس وقت ہوگی، یہی نہیں، بل کہ معاملات میں باضابطگی اور صفائی ہونی چاہیے۔

اس لیے قرض کی رقم، اس کی ادائیگی کی مدت اور اس کی شکل سب کچھ تحریر میں آجانا چاہیے اور جانبین میں سے کسی کو اسے اپنے بارے میں بے اعتباری یا بدگمانی نہیں خیال کرنا چاہیے، بل کہ اسے اسلامی اور شرعی حکم سمجھ کر لکھا پڑھی کر لینی چاہیے، اس سے نہ تعلقات

خراب ہوں گے اور نہ معاملہ میں کوئی بدمزگی پیدا ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے، جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں، انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے مان لیا ہے، یہ سب اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی، مالک ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری طرف پلٹنا ہے۔

(پ ۳ ع ۷ سورۃ البقرۃ: ۲۸۵)

اس آیت میں اسلام اور اسلامی طرزِ عمل کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ کو، اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو ماننا، اس کے تمام رسولوں کو تسلیم کرنا، بغیر اس کے کہ ان کے درمیان فرق کیا جائے، یعنی کسی کو مانا جائے، کسی کو نہ مانا جائے اور اس امر کو تسلیم کرنا کہ آخر ہمیں اس کے حضور میں حاضر ہونا ہے، یہ پانچ امور اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، ان کو قبول کرنے کے بعد ایک مسلمان کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم پہونچے، اسے وہ بسر و چشم قبول کرے، اس کی اطاعت کرے اور اپنے حسنِ عمل پر گھمنڈ نہ کرے، بل کہ اللہ سے عفو و درگزر کی درخواست کرتا رہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ۟ وَ اغْفِرْ لَنَا ۟ وَ ارْحَمْنَا ۟

اَنۡتَ مَوۡلٰنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۸۶﴾

اللہ کسی متنفس پر اس کی قوت سے بڑھ کے ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا، ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے، اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ کر، مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال، جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے، پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رکھ، ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔ (پ ۳ ع ۸ سورۃ البقرۃ:۲۸۶)

اللہ کے یہاں انسان کی ذمہ داری اس کی مقدرت کے لحاظ سے ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ بندہ ایک کام کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اللہ اس سے باز پرس کرے، اسی طرح ہر شخص اسی قصور میں پکڑا جائے گا، جس کا وہ خود مرتکب ہوا ہو، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کے قصور میں دوسرا پکڑا جائے، ہاں یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی نے کسی نیک کام کی بنا رکھی ہو اور دنیا میں ہزاروں سال تک اس کام کے اثرات چلتے رہیں اور یہ سب اس کے کارنامے میں لکھے جائیں اور ایک دوسرے شخص نے کسی برائی کی بنا رکھی ہو اور مدتوں دنیا میں اس کا جاری رہے، وہ اس ظالم اول کے حساب میں درج ہوتا ہے، مومن ہمیشہ اپنی کم مائیگی کا احساس رکھتا ہے، جو آزمائشیں اگلوں کو پیش آئیں، ان سے بچانے کے لیے التجا کرتا ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں یہی عرض کرتا ہے کہ مشکلات کا اتنا ہی بار ہم پر ڈال، جسے ہم سہار لے جائیں، ایسا نہ ہو کہ ہمارے قدم راہِ حق سے ڈگمگا جائیں، یہ دعا مسلمانوں کے لیے غیر معمولی تسکینِ قلب کا باعث ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ‌ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۶﴾

وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والا ہے۔ (پ ۳ ع ۹ سورۃ آل عمران:۶)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی عقل ودانائی دی ہے، اسے علم وتحقیق کی بڑی طاقت بخشی ہے اور اس کے دل ودماغ کو بڑے کام کا بنایا ہے، پھر اس کے اندر باطنی کمالات کی طرح ظاہری کمالات کو بھی اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔

ایک انسان کو دیکھو تو اس کی شکل وصورت، بناوٹ، ساخت، سمجھ، بوجھ اور رفتار وگفتار سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کا ظہور ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے گلشن صورت ومعنی میں رنگینی رکھی ہے، شعوب وقبائل کے تختہ ہائے گل اور رَوِشیں الگ الگ رنگ وبو رکھتی ہیں، پھر ہر پھول اپنے امتیازات کی وجہ سے دوسرے سے الگ ہے اور یہ تمام کام صرف قدرتِ الٰہی نے اس وقت کیے، جب کہ انسان کا ظاہری وجود بھی نہیں تھا، بل کہ وہ رحمِ مادر میں حیات دنیا کے تمہیدی ایام واوقات بسر کر رہا تھا۔

ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اسے غذا دی، زندگی دی، شکل وصورت دی اور وہ سب کچھ دیا، جسے لے کر وہ دنیا میں آیا، جسے عورت بنایا، وہ عورت بن کر آئی، کسی کو سیاہی دی، کسی کو سفیدی سے نوازا، کسی کو رشک مہر وماہ بنایا، کسی کی صورت کو ایسے میں جاذبِ قلب ونظر بنایا، اسی طرح ظاہری نوک پلک اور ناک نقشہ کے مطابق باطنی کیفیات میں امتیازات کو قائم فرمایا، عقل وبصیرت، حُسنِ تدبیر، ناعاقبت اندیشی، حوصلہ، جذبہ، احساس، امید، اقدام، وسعتِ نظری، غرض کہ مختلف صفات سے انسان کو نوازا۔

پھر اسی کی شانِ کریمی ہے کہ انسانوں ہی میں بعض لوگ ایسی شکل وصورت لے کر آتے ہیں، جو اپنی ہیئت میں انسانی شکل وصورت سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور اخباروں میں ان کے اعضاء وجوارح کی ناموزونیت کی خبریں تعجب سے پڑھی جاتی ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۲ر مئی ۱۹۸۱ء)

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ

الْحَكِيْمُ ۞

زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں، وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے، بناتا ہے، اس زبردست حکمت والے کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ (پ ۳ ع ۹ سورۃ آل عمران: ٦)

اللہ تعالیٰ کائنات کی تمام حقیقتوں کا جاننے والا ہے، لہٰذا جو کتاب اس نے نازل کی ہے، حق اسی میں ملے گا، اس کی ذات تمہاری فطرت سے خوب واقف ہے، اس لیے اس کی رہنمائی کے بغیر تمہارے لیے چارہ نہیں ہے، پھر جس نے تمہارے استقرار حمل سے لے کر بعد کے مراحل تک ہر موقع پر تمہاری چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں تک کو پورا کرنے کا اہتمام کیا، کس طرح ممکن تھا کہ وہ دنیا کی زندگی میں تمہاری ہدایت کا انتظام نہ کرتا، اس لیے تم ہر حالت میں اس کے محتاج ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

وہی تو ذات ہے، جو رحموں کے اندر تم لوگوں کو جیسا چاہتی ہے، تشکیل کرتی ہے۔

(پ ۳ ع ۹ سورۃ آل عمران: ٦)

تم روزانہ ہزاروں انسانوں کو دیکھتے ہو، سب کے ایک ناک، دو کان، ایک منہ، دو آنکھ، ایک سر، دو ہاتھ، ایک شکم اور دو پیر ہوتے ہیں، سب کا سر ایک سا، سب کا چہرہ ایک قسم، سب کی بولی بات ایک طرح، مگر اس کے باوجود سب ایک دوسرے سے جدا، کیا مجال کہ اس قدر مشابہت کے باوجود تم کو کہیں بھی دو ایسے انسان نظر آجائیں، جو بالکل ایک ہوں اور دونوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ ہو۔

تم اگر اسی ایک حقیقت پر نظر ڈالو تو خالق انسانیت کی صفت تخلیق پر فدا ہو کر اس کی تسبیح و تقدیس میں لگ جاؤ، تمام رحمِ مادر کی ساخت ایک ہے، سب کی خاصیت تولید ایک

ہے، سب میں بچہ پیدا کرنے کی استعداد اور قابلیت ایک ہے، مگر تم دیکھتے ہو کہ قدرت کا ہاتھ کس طرح اپنا کام کرتا ہے اور اپنی مرضی اور منشا کے مطابق اللہ تعالیٰ کس رنگ میں انسانوں کی تشکیل کرتا ہے، کوئی گورا ہے، کوئی کالا ہے، کوئی سانولا ہے، کسی کا رنگ زردی مائل ہے، کسی پر سرخی جھلک مار رہی ہے، کوئی مرد بنتا ہے، کوئی عورت اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ نہ مرد ہوتا ہے، نہ عورت، بل کہ مخنث ہوتا ہے۔

پھر ہر انسان کا چہرہ مہرہ، ہاتھ، پیر، رنگ و روغن، چال ڈھال، غور و فکر، سمجھ بوجھ، دل و دماغ الگ الگ ہوتا ہے، پھر دنیا کی آب و ہوا، نسلی اور خاندانی روایت کے مطابق کسی جگہ اور کسی خاندان میں مدت کچھ کم ہوتی ہے اور کسی میں زیادہ، کہیں حد درجہ کمی ہوتی ہے، کہیں حد درجہ زیادتی۔

انسانی تخلیق کی ان تمام کارگزاریوں میں سوائے اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات کے کوئی دوسری طاقت دخل انداز نہیں اور نہ کسی کا بس چلتا ہے کہ ذرہ برابر اس میں کتر بیونت کر سکے، اگر خارجی اثرات کچھ کام کر سکتے ہیں، تو اسی خدا کے حکم اور اس کی مرضی سے کر سکتے ہیں، پس اسی خدا کے گُن گاؤ اور اسی کو اپنا خالق و مالک سمجھو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸/مارچ ۱۹۵۴ء)

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

وہی خدا ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے، اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں، ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات، جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی

پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالاں کہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں" اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔ (پ ۳ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۷)

آیات محکمات سے مراد وہ آیات ہیں، جن کا مفہوم اور مدعا واضح ہے، یہ کتاب کی اصل بنیاد ہیں، یعنی قرآن جس غرض کے لیے نازل ہوا ہے، اس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں، ان میں اسلام کی دعوت، عبرت ونصیحت کی باتیں، گمراہوں کی تردید اور راہِ راست کی توضیح کی گئی ہے، انہیں میں دین کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں، عقائد وعبادات، اخلاق، فرائض اور امر ونہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں، طالبِ حق کے لیے یہ آیات کافی ہیں اور اسی سے اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

مشابہات وہ آیات ہیں، جن کے مفہوم میں وضاحت نہیں، جو چیزیں انسان کے حواس سے ماورا ہیں، جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئی ہیں، نہ آسکتی ہیں، ان کے لیے ظاہر ہے کہ انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ مل سکتے ہیں، جو انہیں کے لیے وضع کیے گئے ہوں، اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لیے الفاظ اور اسالیب وہ استعمال کیے گئے ہیں، جو اصل حقیقت سے قریب تر ہیں۔

چنان چہ مابعد الطبعی مسائل کے بیان میں قرآن کے اندر ایسی ہی زبان واسلوب ملے گا، پس جو لوگ طالبِ حق ہیں، وہ حقیقت کے اس دھندلے تصور پر قناعت کر لیتے ہیں، ان پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنی تمام توجہ محکمات پر صرف کر دیتے ہیں، جہاں خلجان بھی پیدا ہوتا ہے تو وہاں موشگافیاں کرنے کے بجائے وہ اللہ کے کلام پر مجمل ایمان لا کر اپنی توجہ کام کی باتوں کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ہُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِہٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَۃِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ

وہی اللہ کی ذات ہے، جس نے آپ پر کتاب (قرآن) کو نازل کیا، اس میں کھلی کھلی آیتیں ہیں، جو کہ کتاب (قرآن) کی اصل ہیں اور دوسری بعض آیتیں متشابہات ہیں، پس جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ قرآن کی ان آیتوں کے پیچھے پڑے ہیں، جو متشابہ ہیں، وہ فتنہ اور تاویل کو چاہتے ہوئے ایسا کر رہے ہیں۔ (پ ۳ع ۹ سورۃ آل عمران: ۷)

قرآن حکیم انسانی ہدایت کی کتاب ہے، اس کے مضامین آدمیوں کے استفادہ کے لیے ہیں، اس کے نزول کا مقصد رشد و ہدایت ہے اور جتنی باتیں انسانی ہدایت کے لیے ضروری ہیں، کھول کھول کر نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں، کوئی ضروری بات نہ چھوڑی گئی ہے اور نہ پوشیدہ رکھی گئی ہے۔

انسانی ہدایت کے نصاب کی تکمیل کے بعد قرآن کے کچھ مقامات ایسے ہیں، جو چوں کہ عام انسانوں کی ہدایت کے متعلق نہیں ہیں، اس سے ان میں اخفا رکھا گیا ہے اور ان کا علم بعض اقوال کی بنا پر اللہ و رسول جانتے ہیں، یا وہ لوگ جانتے ہیں، جن کو تائید قدسی سے فیض وافر ملا ہے اور بعض اقوال کی بنا پر ان کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بہر حال جہاں تک عوامی ضروریات کا تعلق ہے، وہ ان ہی آیتوں سے پوری ہو جاتی ہیں، جو محکمات اور واضح ہیں، مگر بہت سے بے عمل اور باتونی لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کو ظاہری احکام اور امر و نواہی پر چلنے کی توفیق نہیں ہوتی اور رات دن ان ہی آیات و مقامات کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں، جن کے لیے وہ مکلف نہیں ہیں، ظاہر پر تو عمل نہیں کرتے، مگر باطن کی کرید میں لگے رہتے ہیں۔

ایسے بے عمل اور دماغی گھوڑا دوڑانے والے لوگ بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں اور ان کی کجروی بہت ہی مضر ہوتی ہے، چنان چہ بہت سے بے عمل، جان چور اور اسلامی احکام سے بھاگنے والے قرآن کے احکام سے بھاگنے اور عوام میں اپنی قرآن دشمنی کو چھپانے کے لیے ایسا کرتے ہیں کہ ان ہی متشابہات کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں، آج کل اس قسم کے جاہل اور بے عمل بہت زیادہ ہیں، جو اسلام اور دین کو نہ جانتے ہیں، نہ اس پر عمل کرتے ہیں، مگر قرآن کی تفسیر و تاویل کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اپنی عقلی تشریح سے خوب خوب گل کھلاتے ہیں، ایسے لوگ بہت ہی خطرناک ہیں، ان سے بچو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳؍ مارچ ۱۹۵۴ء)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

اے ہمارے پروردگار! تو ہماری ہدایت کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ فرما اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بہت ہی زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔

(پ ۳ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۸)

ضلالت و گمراہی بہر حال نہایت ہی خطرناک چیز ہے اور انسان اس کی وجہ سے کہیں کا نہیں رہ جاتا، مگر وہ گمراہی بڑی ہی خطرناک اور تباہ کن ہے، جو رشد و ہدایت کے بعد آجاتی ہے، یہ الٹی چال انسان کو ایسے گڑھے میں ڈھکیل دیتی ہے، جہاں سے پھر نکلنا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ جو لوگ ابتدا میں غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارتے ہیں اور دین و دیانت کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈالتے رہتے ہیں، وہ کسی وقت میں جب چونکتے ہیں تو رُشد و ہدایت کی راہ پر آجاتے ہیں اور اچھی سے اچھی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔

مگر جو لوگ پہلے اچھی زندگی گزارتے تھے اور دین و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے، وہ جب گمراہ ہوتے ہیں تو عام طور سے مرتے دم تک پھر راہِ راست پر نہیں

آتے اور شیطان عزازیل کی طرح ہمیشہ گمراہ کرتے کراتے رہتے ہیں۔

یہاں پر ان اَربابِ علم وفضل اور خدا کے نیک بندوں کی دعا نقل ہو رہی ہے، جو ہدایت یاب ہو چکے ہیں، مگر دوبارہ گمراہی کے بھیانک انجام سے لرزاں رہتے ہیں اور ہر وقت اپنے خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے خدا! ہمارے پھر ایسے حالات سے سابقہ نہ پڑے، جو ہماری موجودہ زندگی کو بدل دے اور ہم فائدہ اٹھانے کے بعد نقصان میں پڑ جائیں، ابتدائی نقصان کو برداشت کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ تلاش کی جا سکتی ہے، مگر یہ آخری نقصان کے لیے نہ کوئی بہانہ چل سکتا ہے اور نہ کوئی بات بنائے بن سکتی ہے، وہ لوگ غور کریں، جو کل اچھی زندگی گزارتے تھے اور آج ماحول کی رو میں بہہ کر برائی کی گود میں پڑے سو رہے ہیں کہ ان کی یہ عبرت ناک تبدیلی ان کو کہاں لے جا کر چھوڑے گی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۲؍مارچ ۱۹۵۴ء)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا ؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ۝۱۰

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کو ان کے اموال اور اولاد کام نہ آئیں گے، اور اللہ سے کچھ بھی نہ بچا سکیں گے، اور وہ لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۰)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نہیں ہیں، دنیا کی کوئی چیز ان کی نہیں ہے، بظاہر ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس مال و دولت ہو، عزت و شوکت ہو، قوت و طاقت ہو اور جاہ و حشمت ہو، مگر درحقیقت یہ سب ان کے حق میں ہوائی قلعہ ہوں گے، جن کی دیواریں ہوا پر ہیں اور جن کا وجود ہوائی ہے اور اس کے مقابلہ میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبدیت اور بندگی میں زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ بظاہر اگرچہ غریب و مسکین ہوں، ان کے پاس دولت و ثروت نہ ہو اور عہدہ و منصب کے اعتبار سے وہ صفر ہوں، مگر ایک دولتِ ایمان کی وجہ سے یہ ساری کائنات ان کی

ہے اور وہ ہر اعتبار سے غنی و بے نیاز ہیں، یہ حقیقت صرف کہنے اور ماننے تک محدود نہیں ہے اور صرف ایک نقطہ اور عقیدہ کے طور پر نہیں ہے، بل کہ واقعہ ہے، اور اہلِ کفر و اہلِ ایمان کے درمیان "حد فاصل" اور "قوت فرقان" ہے۔

پس یہ مال و دولت، یہ آل و اولاد اور جاہ وحشمت بڑے کام کی چیزیں ہیں، اگر انسان میں خدا پرستی ہو اور عبدیت کا جوہر نمایاں ہو اور یہ چیزیں سراسر بے کار اور وبال ہیں، اگر انسان کے اندر کفر و شرک کی روح گھسی ہو اور اس کے فکر و نظر کا مرکز ومحور اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی بھی چیز ہو۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی ۲۸ر فروری ۱۹۶۰ء)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم لوگ عنقریب مغلوب کرائے جاؤ گے اور جہنم کی طرف اٹھا کر لے جائے جاؤ گے اور وہ بہت ہی بُرا پچھاڑنا ہے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۲)

کفر و کفریات وہم و گمان کی بے بنیاد پیداوار ہیں، جن کے لیے نہ کوئی بنیاد ہے، نہ کوئی ثبات ہے اور نہ کوئی زندگی ہے، اسلام اور اسلامیات یقین وعمل کی پائیدار حقیقتیں ہیں، جن کے لیے بنیاد ہی بنیاد ہے، ثبات ہی ثبات ہے اور زندگی ہی زندگی ہے۔

پس جو لوگ وہم و گمان کے چٹیل صحرا میں سرگرداں ہیں، ان کے دامن میں یقین، عقیدہ کے پھول نہیں آسکتے، جن کے دماغوں میں غلط خیالات سے کھوکھلا پن اور سنسناہٹ ہے، وہ عقل و بصیرت کی ٹھوس حقیقتوں سے مالا مال نہیں ہوسکتے، جن کے دلوں میں غیروں کا رعب داب بیٹھا ہے، وہ کبھی عزم و ثبات کی چٹان پر نہیں جم سکتے، بخلاف اس کے جن کے دامن میں توحید پرستی کے پھول ہیں، ان کی زندگی میں کبھی خزاں نصیب نہیں ہوسکتی، جن کے دل و دماغ انسانیت وروحانیت کی خوشبو سے معطر ہیں، ان میں کبھی قنوط و مایوسی کی کمزوری نہیں آسکتی، جن کے سینوں میں یقین وعقیدہ کی چٹان ہے، ان کے قدموں پر زلزلوں اور

بھونچالوں کا جادو کبھی نہیں چل سکتا۔

یہاں پر اسی حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کفر ذہنی شکست کا نتیجہ ہے، اس کے لیے کبھی فتح کی نوید نہیں ہے، کافر ایک خدا سے نہ ڈر کر دنیا بھر سے لرزتا ہے، اسے زندگی کے کسی موڑ پر سکون نہیں ملتا، اس کی یہی پریشانی خاطر اور ارادہ وقصد کی بے ثباتی لے ڈوبتی ہے، وہ کبھی موقع پر ٹک نہیں سکتا۔

اور مسلمان اگر حقیقی مسلمان ہے اور توحید وسنت کی گراں مایہ سے مالا مال ہے، تو اس کے لیے ناامیدی وقنوط کا کوئی موقع نہیں ہے، وہ ایک خدا پر ایمان لاکر اور اس سے ڈر کر ساری دنیا سے بے خوف وخطر ہو جاتا ہے، اس کے سامنے خشکی وتری ایک ہوتی ہے، اس لیے وہ مردانہ ہمت سے کام لے کر فتح مند وکام یاب ہوتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۹ر مارچ ۱۹۵۴ء)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

آپ کافروں سے کہہ دیں کہ عنقریب تم لوگ مغلوب ہوگے اور اٹھائے جاؤ گے جہنم کی طرف، اور وہ کیا ہی بُری تیاری ہے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۲)

کفر وشرک کوئی عقیدہ نہیں، بل کہ انتشار ہے، جو لوگ کفر کی الجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں، ان میں عقیدہ اور عمل کی ٹھوس بنیاد پیدا نہیں ہو سکتی اور وہ ہمیشہ طرح طرح کی ہنگامی چیزوں میں اپنی ہر طرح کی استعداد کھوتے رہیں گے، بخلاف اس کے جن میں توحید وخدا پرستی کا عقیدہ کام کرتا ہے، ان میں ایمان وعقیدہ کی مضبوط قدریں موجود ہیں اور مرکزیت واجتماعیت کی روح سے ان کی جماعتی اور قومی زندگی میں گرمی قائم ہے اور ہر طرح کی کام یابی وکام رانی ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے، جو خدا پرستی اور توحید کی حدوں میں آکر شک وشبہ، تزلزل، پس وپیش اور گومگو سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور فلاح ونجاح کے یقین وعقیدہ کی روشنی ان میں اقدام اور جوشِ عمل پیدا کرتی ہے۔

الحاصل ہر قسم کی کام یابی اور غلبہ اہلِ توحید کے لیے ہے، اگر کبھی کافروں اور مشرکوں کا ہجوم ہو اور ہنگامی طور سے کسی موقع پر غالب بھی آ گئے، تو عنقریب وہ مغلوب ہوں گے اور ان کو شکست کھانی ہوگی، کیوں کہ کفر کا نام ہی انتشار، لاقانونیت، بے ضابطگی، بے اصولی اور لاذکریت کے لیے کافی ہے، پھر آخرت میں بھی ان کے لیے ناکامی ہی ناکامی ہے اور وہ جہنم کی طرف چلائے جائیں گے، جو ان کے لیے پہلے ہی سے تیار کر لی گئی ہے۔

کفر کی ایسی ناکام زندگی اور ناکام موت سے اللہ بچائے اور دین و ایمان کی کام یاب زندگی اور کام ران موت دے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

آپ کفار سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تم لوگ مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف لے جائے جاؤ گے اور وہ بدترین جگہ ہے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۲)

کافرانہ زندگی ایک بے ضابطہ زندگی ہے، اس کے لیے نہ کوئی اصول ہے، نہ قانون، برائی سے کوئی نہ روکنے ٹوکنے والا ہے، نہ بھلائی کے لیے حکم کرنے والا ہے، بل کہ کافرانہ زندگی ایک چلتی پھرتی لاش ہے، جو مردہ ہونے کے باوجود چند دن تک حرکت کرتی رہتی ہے۔

کیا کوئی اس بات کی ذمہ داری لے سکتا ہے کہ وحشی جانوروں کی بھیڑ، چوپایوں کی قطار اور جانوروں کا گلہ اپنی رفتار سے کوئی منزل پا لے گا، یا کوئی اس بات کو ثابت کر سکتا ہے کہ حیوانات کی نقل و حرکت کسی ایسے نظام اور ضابطہ کی ماتحت ہوتی ہے، جس کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

صحیح زندگی وہی زندگی ہے، جو ضابطہ اور قانون کی حد میں ہو، جس پر کچھ ذمہ داریاں ہوں اور جو اپنے نظام کے لیے جواب دہ ہو، ایسی ہی زندگی کام یاب ہوتی ہے، دنیا میں سر بلند ہوتی ہے اور نتائج کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔

اب یہ دوسری بات ہے کہ جس قوم کا باضابطہ جس قدر نفع بخش ہوگا، وہ قوم اسی قدر

کام یاب و بامرام رہے گی اور جس کا نظامِ حیات جتنا پھسپھسا ہوگا، اس کی کام یابی میں اتنی ہی ڈھیل ہوگی، بہرحال باضابطہ زندگی، بے ضابطہ زندگی کے مقابلہ میں بہتر اور نتیجہ بخش ہوتی ہے، آج دیکھ لو، جو قوم جس قدر ٹھوس ضابطہ کی پابند ہے، اسی قدر اس کی زندگی غالب ہے اور اس کا وجود نتیجہ سے فیض یاب ہے اور جو قوم بے ضابطہ، بے اصول اور بے ڈھنگی ہے، اسے بھیڑ کی وجہ سے ایک وقتی طاقت تو حاصل ہوتی ہے، مگر اس طاقت کو بقا نہیں ہے، کیوں کہ یہ طاقت کسی نظام کے نتیجہ میں نہیں ہے، بل کہ وقت کے بحران کا نتیجہ ہے۔

مسلمان اپنے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں نظر دوڑا کر دیکھ لیں اور پھر اسلام کے نظامِ زندگی کو دیکھیں، شاید ان کی آنکھ سے کوئی پردہ ہٹ جائے اور حقیقت کو دیکھنے کی توفیق نصیب ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾

کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی کیا چیز ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی رَوِش اختیار کریں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے بندوں کے رویّے پر گہری نظر رکھتا ہے۔ (پ۳ ع۱۰ سورۃ آل عمران:۱۵)

دنیا کی مرغوبات کا ذکر کرنے کے بعد آخرت کی زندگی کے متعلق بتایا جارہا ہے کہ وہاں ازدواجی زندگی بڑی پاکیزہ ہوگی، اگر دنیا میں کوئی مرد نیک ہے اور اس کی بیوی نیک نہیں ہے، تو آخرت میں اس کا رشتہ کٹ جائے گا اور اس نیک مرد کو کوئی دوسری نیک بیوی دے دی جائے گی، اگر یہاں کوئی عورت نیک ہے اور اس کا شوہر بد ہے، تو وہاں اس بُرے شوہر کی صحبت سے خلاصی پاجائے گی اور کوئی نیک مرد اس کا شریکِ زندگی بنایا جائے گا، اگر یہاں کوئی شوہر اور

بیوی دونوں نیک ہیں، تو وہاں ان کا یہی رشتہ ابدی و سرمدی ہو جائے گا، اللہ کا فیصلہ سرسری اور سطحی نہیں، وہ خوب جانتا ہے کہ انعام کا مستحق کون ہے؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳/اپریل ۱۹۷۸ء)

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

جو لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس تو بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو اور محفوظ رکھ ہم کو جہنم کے عذاب سے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۶)

اللہ کے نیک بندوں کی باتیں بھی بڑی نیک ہوا کرتی ہیں اور رحمت کو ان پر بے اختیار وجد آتا ہے، ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کا طرز اتنا پاکیزہ اور والہانہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ان پر وجد کرتا ہے، یہاں پر اللہ کے ایسے ہی برگزیدہ بندوں کی دعا نقل فرمائی جا رہی ہے اور ان کے دل کی آواز اہلِ دنیا کو سنائی جا رہی ہے، وہ بڑے اخلاص و ایثار کے ساتھ کہتے ہیں:

اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے نبی کی دعوت پر لبیک کہا اور کفر و شرک کی زندگی چھوڑ کر توحید و خدا پرستی کی زندگی قبول کی اور یہ انقلاب اسی لیے ہم نے پسند کیا کہ تجھے پسند ہے اور تو اس سے راضی ہوتا ہے، پس تو ہماری تمام اگلی پچھلی کمزوریوں کو بخش دے اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرما، جنت کی نعمتوں سے ہمیں محروم نہ فرما اور جہنم کی آنچ سے بھی ہمیں دور رکھ، کیوں کہ ان ہی نیک آرزوؤں کے لیے ہم نے اسلام قبول کیا، تیری غلامی میں آنا منظور کیا اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کر کے تیری راہ اختیار کی۔

جس مومن و متقی کی یہ خواہشیں ہوں گی، ذرا سوچو کہ اس کی زندگی اور اس کے احساسات و رجحانات کیسے لطیف و پاکیزہ ہوں گے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کس قدر لطف آتا ہو گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

یہ وہ لوگ ہیں، جو کہتے ہیں کہ " مالک! ہم ایمان لائے، ہماری خطاؤں سے درگزر

فرما اور ہمیں آتشِ دوزخ سے بچالے" یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راست باز ہیں، فرماں بردار ہیں اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۷)

پکے مومن کے اندر اَوصافِ حسنہ کا پیدا ہوجانا لازمی ہے، وہ سراپا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے، راہِ حق میں کسی قسم کی گزند پہونچے، نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرلیتا ہے، کسی ناکامی سے دل شکستہ نہیں ہوتا، کسی لالچ سے پھسل نہیں جاتا اور ایسی حالت میں بھی حق کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے رہتا ہے، جب کہ بظاہر اس کی کام یابی کا کوئی اِمکان نظر نہیں آتا، یہ اوصاف مومنین کے اندر پیدا ہوجائیں تو دنیا وآخرت کی کام رانی یقینی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۛ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

دین درحقیقت اللہ کے نزدیک اسلام ہے اور مخالف نہیں ہوئے اہلِ کتاب، مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا، باہمی ضد سے اور جو اللہ کی آیتوں کا منکر ہو، تو اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران ۱۹)

دین اسلام انسانیت کا پہلا اور آخری دین ہے اور ہمیشہ سے یہی دین انسانوں میں رائج رہا ہے اور آئندہ بھی رائج رہے گا، البتہ زمانہ اور ماحول کی رعایت سے دین اسلام کی بعض جزئیاتی شکلیں مختلف ہوتی رہی ہیں، یہی دین حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور یہی دین حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی رہا ہے اور اسی کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی ہے۔

غرض کہ ہر زمانہ میں اسلام ہی دین انسانی رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام احوال وظروف کی مناسبت سے اسے پیش کرتے رہے ہیں، پس جو لوگ اسلام کے مخالف ہوئے،

وہ اس لیے نہیں کہ اسلام کوئی نیا دین ہے، بل کہ وہ باہمی عداوت اور آپس کی چپقلش کی وجہ سے اس کے منکر ہوئے، یہود و نصاریٰ کو بھی معلوم تھا کہ یہودیت و مسیحیت بھی دین اسلام کی ایک شکل ہے، مگر وہ آپس کی دشمنی کی وجہ سے اس کے مخالف بن گئے۔

پس اگر کوئی کہتا ہے کہ دین اسلام ہی انسانی مذہب نہیں ہے، بل کہ دوسرے مذاہب بھی اسی طرح برحق ہیں، تو وہ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کی رو سے غلط کہتا ہے، ہمارے لیے ایسے آدمی کا رد کرنا ضروری ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ ہم دوسرے مذاہب کے لوگوں کو خواہ مخواہ بُرا بھلا نہیں کہتے اور ہمارا اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم وحدتِ اَدیان کی لغویت پر ایمان لائیں اور اسلام کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب مان لیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ر فروری ۱۹۸۵ء)

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے، جنہیں کتاب دی گئی تھی، اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کا انکار کردے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

(پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران ۱۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کے لیے ایک ہی نظام زندگی اور ایک ہی طریقۂ حیات صحیح و درست ہے، انسان کے لیے لازم ہے، زندگی بجالانے کا طریقہ خود نہ ایجاد کرے، بل کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے، اس کی پیروی کرے، اسی طرزِ

فکروعمل کا نام اسلام ہے، دنیا میں اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی آئے، اس کا دین اسلام ہی تھا، اس نے اسلام کی تعلیم دی ہے، اس اصل کو مسخ کر کے اور اس میں کمی وبیشی کر کے جو بہت سے مذاہب رائج کیے گئے ہیں، ان کی پیدائش کا سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوگوں نے اپنی جائز حد سے بڑھ کر حقوق، فائدے اور امتیازات حاصل کرنے چاہے اور اپنی خواہشات کے مطابق اصل دین کے عقائد، اصول اور احکام میں ردوبدل کر ڈالا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ ط

اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی، مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپس میں ضد سے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران ۱۹)

آپس کی ضد بہت ہی بُری چیز ہوتی ہے، جس جماعت میں یہ بیماری آتی ہے، وہ سراسر محروم ہوجاتی ہے اور بھلائی کی تمام باتیں ایک ایک کر کے اس سے رخصت ہوجاتی ہیں، جس گھرانے میں باہمی ضد ہوگئی، اس کا ستیاناس ہوگیا، جس قوم میں آپس میں پھوٹ پڑی، اس کا صفایا ہوگیا، جس بستی میں ہٹ دھرمی کی جڑ پکڑی، اس کی جڑ کٹ گئی، معلوم نہیں اس میں کیا مزہ ہے کہ ہمیشہ سے افراد، قومیں، جماعتیں اور بستیاں اس مہلک وبا میں مبتلا ہوتی ہی رہیں اور اب بھی ہیں۔

یہی بیماری ظہورِ اسلام کے وقت یہود ونصاریٰ میں پیدا ہوگئی تھی، دونوں ہی فرقے کے لوگ اپنی اپنی کتابوں کی بشارت اور پیشین گوئی کے انتظار میں تھے، مگر جب ان کے صحیفوں کی پیشین گوئی پوری ہوئی تورات کے مطابق کوہ بشیر سے آتشیں شریعت کی روشنی چمکنے لگی اور انجیل کے مطابق بعد میں آنے والا آ گیا، تو دونوں آپس میں لڑ پڑے اور دین اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے، آج بھی بڑے بڑے فوائد ہم لوگ آپس کی جنگ میں کھو دیتے ہیں اور پیچ میں پڑ کر ہر قسم کی محرومی مول لیتے ہیں، حالاں کہ اگر ذرا بھی غور کریں تو معلوم ہوجائے کہ

سر نیچا رکھنے میں بلندی کی راہیں سامنے آتی ہیں اور سر اونچا رکھنے میں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹/اگست ۱۹۷۵ء)

فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط

پس اگر وہ آپ سے جھگڑا اور حجت کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں نے اپنا رُخ اللہ کی طرف کر کے اپنے کو اس کے تابع کر دیا ہے اور جو لوگ میرے پیچھے رہے ہیں وہ بھی۔

(پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۲۰)

جو لوگ اونچا کام کرتے ہیں، وہ معمولی معمولی باتوں میں الجھ کر رہ نہیں جاتے، بل کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں نہایت کشادہ قلبی سے سادہ اور صاف جواب دے کر آگے بڑھتے ہیں، کیوں کہ مخالفین تو چاہتے ہی ہیں کہ وہ ان کو الجھائے رکھیں اور ان کے کاموں میں تاخیر و تفریق پیدا ہو، ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی کفار و مشرکین یہی چال چل رہے تھے اور بڑی چالاکی سے روزانہ ایک نہ ایک الجھاؤ پیدا کر کے آپ کو پریشان کرنے کی ترکیب کیا کرتے تھے، اور چوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول و نبی تھے اور حکمِ رب سے ہر کام کرتے تھے، اس لیے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوا کہ آپ ان شریروں اور مُفسدوں کے چکر سے دور رہ کر نہایت صفائی سے کہہ دیجئے کہ میں اور میرے ساتھی تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہیں اور دین اسلام کو اپنا مقصد بنا چکے ہیں، اب تم جو راہ چاہو، اختیار کرو، ہماری راہ متعین ہو چکی ہے اور اس میں کسی قسم کا تزلزل و تردد نہیں ہے۔

کفار و مشرکین کی مخالفت و ایذا رسانی کے دورِ شباب میں یہ اعلانِ اسلام بھی نبوت کے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ ہے، جس میں ہمارے لیے سبق ہے کہ ہم بھی ناگوار حالات میں اپنے دین و ایمان کا برملا اعلان و اظہار کریں اور کسی فرقہ یا حالت یا حکومت سے اس اعلان کے بارے میں خطرہ نہ محسوس کریں، یہ اجتماعی اعلان بھی فتحِ مبین کی ایک شکل

ہے اور جو لوگ ایسے وقت میں اس اعلان سے گھبراتے ہیں اور اسلام کا نام لیتے ان کا دم نکلنے لگتا ہے، وہ ابن الوقت ہیں، نہ وہ اسلام کے ترجمان بن سکتے ہیں، نہ مسلمانوں کے پیشوا اور نہ ہی ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴ رستمبر ۱۹۶۰ء)

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط

پس اگر وہ لوگ آپ سے حجت کریں تو کہہ دیجیۓ کہ میں نے اپنے کو اللہ کے حوالے کر دیا ہے اور جنہوں نے میری پیروی کی۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۲۰)

سچائی تمام انسانیت کی مشترکہ دولت ہے، اس کی نگرانی ہر فردِ بشر کے لیے ضروری ہے، اس کی ناز برداری کے لیے کسی ایک طبقہ یا ایک قسم کی ذمہ داری نہیں ہے، اگر کسی ملک یا کسی قوم کے لوگ سچائی کے اپنانے میں یا اس کی حفاظت میں سستی کرتے ہیں، تو وہ خود مجرم ہیں، اپنے معاشرے میں وہ غیر ذمہ دار قرار دیئے جائیں گے، اپنے ضمیر کی عدالت میں وہ جرم وسزا کے کٹہرے میں کھڑے کیے جائیں گے اور ناکردنی کا وبال ان پر آئے گا، پس جس قدر سچائیاں ہیں، ان کے بارے میں تمام انسان جواب دہ ہیں اور ان کا ہر فرد مسئول ہے۔

یہ خدا کا خاص فضل ہے کہ وہ سچائیوں کی یاد دہانی کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجتا ہے اور ان کے ذریعہ گمراہ لوگوں کو تنبیہ کرتا ہے، اب کوئی گروہ دین و دیانت اور اخلاق و روحانیت کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرے اور خدا کے داعی کے ساتھ محبت و دلیل اور لڑائی جھگڑا کرے تو یہ اس کی انتہائی حماقت ہے، ایسے وقت میں اللہ کے داعی کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اعلان کر دے کہ میرا کام سچائی کی تبلیغ تھا، میں نے اسے پورا کر دیا، تم مانو یا نہ مانو، یہ تمہارا کام ہے، بہرحال تم مانو یا نہ مانو، میں اور میرے ساتھ چلنے والے تو اسے تسلیم کرتے ہیں اور خدا کی جناب میں اپنے فرض کی ادائیگی سے سرخ روئی حاصل کرتے ہیں، میرا کام سرکشوں کی گردن پکڑ کر ان کو راہِ راست پر لانا نہیں ہے، بل کہ میرا منصب جھوٹ اور سچ کو

الگ کر کے جھوٹ سے پرہیز اور سچ سے محبت کرنے کی دعوت دے دینا ہے۔

آج بھی یہی صورتِ حال ہے، سچائی کا پیغام سنا دینا ضروری ہے، لوگوں کو سچا بنانا ضروری نہیں ہے، سچا بننا خود لوگوں کا کام ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۶ / مارچ ۱۹۵۴ء)

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط

پس اگر وہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیں کہ میں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے، اور اپنے رخ کو اس کے تابع کر دیا ہے اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۲۰)

دین کے حقائق اس قدر واضح ہوتے ہیں کہ ان کے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کسی لڑائی، تکرار اور جھگڑے کی بالکل ضرورت نہیں ہے اور جو لوگ ان میں مجادلہ کرتے ہیں، وہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا کہ باتیں سمجھتے نہیں، بل کہ وہ سب کچھ سمجھ بوجھ کر شرارت اور سرکشی کرتے ہیں اور حقائق کے مقابلہ میں اپنے مزعومات کو پیش کر کے اپنی جہالت وشرارت کا ثبوت دیتے ہیں، اسی لیے ایسے لوگوں سے دینی معاملات میں بحث ومباحثہ کرنا عبث ہے، اور ان سے "توتو" "میں میں" کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے، ایسے لوگوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ اچھا بھئی تم اپنی جگہ خوش رہو اور ہم اپنی جگہ خوش ہیں، ہم نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دی ہے اور ہم مسلمان ہو کر اس کے تابع اور فرماں بردار ہو گئے ہیں، ہم اور ہمارے ساتھی ایک خدا کی پیروی کر کے تم ہزاروں لاکھوں کی شرارتوں سے بے خوف ہو چکے ہیں۔

البتہ جو لوگ دنیا کی باتوں کو سمجھنا چاہتے ہیں اور اسی سلسلے میں افہام وتفہیم ہوتی ہے، تو اس میں حصہ لے کر اور اپنا وقت لگا کر دین کی تبلیغ واشاعت کرنی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط

پس اگر وہ لوگ تم سے دلیل اور حجت کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور میری اتباع

کرنے والوں نے اپنے کو اللہ کے حوالے کر دیا۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۲۰)

دین کے معاملہ میں زیادہ دلیل اور حجت نہیں کرنی چاہیے، دنیا میں ہر مذہب والے اپنے مذہب تو تسلیم ورضا کے جذبے سے مانتے ہیں، ورنہ مغربی قومیں ایک خدا کو تین اور تین خدا کو ایک کا فلسفہ ہرگز تسلیم نہ کرتیں، پتھروں کی ننگی تصویروں کی پوجا، اونچے اونچے لوگ بھی اس جذبہ سے کرتے ہیں کہ مذہب کے معاملہ میں دلیل وحجت سے کام نہیں چلتا، بل کہ عقیدہ وعمل میں تسلیم ورضا سے کام لینا پڑتا ہے۔

اسلام اپنے عقیدہ وعمل میں بلاشبہ دنیا کے مذاہب سے اعلیٰ وبالا ہے اور اس میں کوئی عقیدہ یا عمل ایسا نہیں ہے، جسے ظاہر کرنے میں عقل سلیم کسی قسم کے احساسِ کم تری میں مبتلا ہو، جب کہ دوسرے مذاہب میں اکثر مرغوبات واعمال اسی قسم کے ہیں اور ان کے اظہار میں عقل وفہم کو تردد ہوتا ہے۔

پس مسلمانوں کو بڑی دلیری اور صفائی سے کہہ دینا چاہیے کہ ہم صرف ایک اللہ کے ماننے والے ہیں اور اس کے اظہار میں ہم کو کوئی جھجھک نہیں ہے، بعض جدید ذہن ومزاج کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے اس درجہ احساسِ کم تری میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کو اسلام کا نہایت شریفانہ باہمی کردار یعنی سلام کرنا بھی شرم کا باعث ہوتا ہے، حالاں کہ وہ خود شرم وحیا سے بڑی حد تک کورے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ان میں یہ ذہنیت ہوتی ہے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ

پس اگر وہ لوگ آپ سے حجت کریں تو کہہ دیں کہ میں نے اور میرے متبعین نے اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ (پ ۳ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۲۰)

اَربابِ کار اگر عوام کی بکواس کا جواب دیتے پھریں اور ہر لغویات کے پیچھے پڑتے رہیں، تو ان کی تحریک ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور وہ دنیا میں ناکام ہو جائیں، اس

لیے ہمیشہ انبیاء ورُسل علیہم السلام نے عوام کی باتوں سے یکسو ہو کر کام کیا ہے، البتہ جن باتوں کو وہ ضروری سمجھتے تھے، ان کی طرف توجہ دیتے تھے کہ نبوت کی بصیرت کی صواب دید کی بات ہے کہ کس مخالف کی کون سی بات قابلِ توجہ ہے۔

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ آپ نے کفار ومشرکین کی بہت سی باتوں کا جواب دیا ہے، اب حجت پوری ہو چکی ہے اور ان سے زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ صاف کہہ دیں کہ اب میں اور میرے ماننے والے ان لغو باتوں سے ہٹ کر اور ہر قسم کے خطرات سے بے خوف ہو کر اللہ کے ہو گئے ہیں اور اب ہمیں تمہاری کسی بات کی پروا نہیں ہے، تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں، نتیجہ خود سامنے آنے والا ہے، آج کل کام کرنے والوں کا یہی طریقہ ہونا چاہئے۔ (رزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹ / اگست ۱۹۷۹ء)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان کو قتل کرتے ہیں، جو لوگوں کو انصاف کا حکم کرتے ہیں، تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔

(پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران ۲۱)

دنیا اور آخرت میں وہ بدبخت و بدنصیب انسان سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہیں، جو نہ خود نیکی کا کام کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو نیکی کرنے کی آسانیاں فراہم کرتے ہیں، بل کہ نیکی کے مبلغوں اور داعیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے وجود تک کو برداشت نہیں کرتے، ایسے بدکار اور بدانجام لوگ دنیا کے ہر دور میں اور ہر جگہ میں رہا کیے ہیں اور ان کے وجود سے انسانیت کو بڑی بڑی محرومیاں ہوئی ہیں اور برائیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اخلاقی احکام واوامر کے منکروں میں یہ لوگ بڑے ہی خطرناک ہوتے ہیں، ان کی خطرناکی سے بار بار مطلع کیا

گیا ہے اور خاص طور سے مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ تم ان کے سائے تک سے دور رہا کرو، ورنہ یہ لوگ تم کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور برائی کا بڑھتا ہوا اثر تم پر اپنا سایہ ڈال دے گا۔

یہودیوں میں ایک ایسا بد بخت طبقہ تھا، جو اللہ کی آیتوں کا صریح انکار کرتا تھا اور اپنے انبیاء تک کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتا تھا اور اس کے اپنے داعیوں، مبلغوں اور عالموں کی تو کوئی وقعت ہی نہ تھی، ان کو قتل کر دینا اور مار ڈالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، ایسے بد بختوں کا انجام یہ ہے کہ آخرت میں ان کے لیے سخت قسم کا عذاب ہے، جس سے نجات کی کوئی شکل نہیں ہے۔

مسلمان قوم کو چاہیئے کہ وہ اپنے کو ایسے ذہن کے لوگوں سے بچائے رکھے اور ان کی ہوا تک سے بچے، ورنہ اس کا ذہن بھی خراب ہو جائے گا اور اس کی عافیت بھی جاتی رہے گی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں، جو انصاف کی بات کرتے ہیں، پس آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے۔ (پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران ۲۱)

دنیا میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا انکار کرنا اور اپنے کو اس کے احکام اور اوامر و نواہی سے آزاد رکھ کر غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنا ہے اور ہر قسم کی برائی اسی چشمہ سے پھوٹتی ہے اور انسان اس دَل دَل میں پھنسنے کے بعد بڑی مشکل سے نجات پاتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو ہر اچھی بات ناپسند ہوتی ہے اور اچھائی کا ہر داعی اس کی نظر میں کھٹکتا ہے، سچوں کی سچی باتیں بہت تلخ معلوم ہوتی ہیں اور کافرانہ جرأت

اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ اللہ کے فرستادوں کو تکلیف دینا، مُصلحوں کو مارنا اور اپنے بہی خواہوں کی جان لے لینا معمولی بات ہو جاتی ہے، اور ایسے منکروں کی وجہ سے اللہ کی زمین کا امن غارت ہو جاتا ہے اور ساری دنیا شر و فساد سے بھر جاتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے سکھ چین نہیں ہے، وہ ہمیشہ طرح طرح کی تکلیفوں اور الجھنوں میں مبتلا رہتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کو دائمی عذاب میں رہنا پڑتا ہے، پس اپنی بے عملی اور بدعملی کا اعتراف واقرار کرتے ہوئے کبھی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی تحقیر نہیں کرنی چاہیے اور نہ بہی خواہوں، نیکی کے مبلغوں اور مصلحوں کی ایذا رسانی کے درپے ہونا چاہیے کہ ایسے لوگ ہمیشہ ناکام رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ ۫ وَ مَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

جو لوگ خدا کی آیتوں کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہیں اور بلا وجہ انبیاء کو قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں، جو عدل و انصاف کا حکم کرتے ہیں، تو آپ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے، ان لوگوں کے اَعمال دنیا اور آخرت میں محبوط ہیں اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ (پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران ۲۱، ۲۲)

اس امن و سکون کی بستی میں بے چینی اور بدامنی پھیلانا کبھی کسی قوم کو راس نہیں آیا ہے، مفسدین کی ٹولیاں ہمیشہ اپنی شرارت کی وجہ سے اس دارالامان کو دارالخوف بناتی رہی ہیں اور ہمیشہ اس ناکردنی کی پاداش بھگتتی رہتی ہیں، مگر کم فہم انسان نے آج تک یہ راہ نہیں چھوڑی، خدا کی جناب سے آئی ہوئی کھلی کھلی نشانیوں سے اندھا بن جانا، اس کی آیتوں سے بہرا بن جانا اور اس کے مصلحوں اور پیغام بروں کی زندگی کے لیے خطرہ بن جانا، کسی قوم کی بربادی کے لیے کافی ہے۔

ایسی قوم نہ دنیا میں عزت وآبرومندی کی زندگی بسر کرسکتی، نہ آخرت میں عزت وآبرو کا مقام پاسکتی ہے، دونوں جہان میں اس کی دست گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اوپر کی آیتوں میں یہودیوں کی کرتوتوں کو ظاہر کر کے امتِ مسلمہ کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ یہ فلسفہ تمہاری زندگی کا وظیفہ ہونا چاہیے کہ خدا کا انکار، انبیاء اور مصلحوں کا قتل اور ان کی نافرمانی ہمیشہ خطرناک نتیجہ کی حامل ہوتی ہے۔

لہٰذا اس سے بچنا چاہیے، اگر تمہیں یقین نہ آئے تو آنکھ اٹھا کر دیکھ لو، ان کی اندھی، بہری قوم کے سامنے یہ حقیقتیں بے نقاب ہیں، مگر ان سے کوئی عزت پذیری نہیں ہے، وہی لوگ ملک میں امن وامان اور اصلاح وفلاح کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی جان کے لالے پڑ رہے ہیں، اس صورتِ حال کے نتیجہ میں دیکھ لو قوم کا کیا حال ہے؟ اور عزت وآبرو میں بین الاقوامیت تو بڑی بات ہے، بین المملکت کا کون سا درجہ ملا، قرآن حکیم کی یہ آواز برحق ہے، اس کے خلاف نہ پہلے کبھی ہوا، نہ آج ہو رہا ہے اور نہ ہی آئندہ ہوگا، زمین میں قتل وغارت، فتنہ وفساد اور اپنے مصلحوں اور محسنوں کی ناقدری قوموں پر بڑی گراں گزری ہے۔

اے کاش! یہ پاگل دور اس حقیقت کو سمجھتا اور اس سے سبق لیتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمۡ فِىۡ دِيۡنِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ۚ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہیں کتاب کا کوئی حصہ دیا گیا ہے، وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف، تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرا دے تو پھر ان کا ایک گروہ روگردانی کر کے مکر جاتا ہے، یہ بات اس لیے ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں تو

جہنم کی آگ صرف چند گنے چنے دن تک چھوئے گی اوران کی افترا بازی نے ان کو دین کے معاملہ میں مغرور بنادیا ہے، اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم اس روز ان کو جمع کریں گے، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور ہر ایک جان اپنی کمائی کی پوری جزا پائے گی اوران لوگوں پر ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔ (پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۳، ۲۴، ۲۵)

یہاں یہودیوں کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ انہوں نے اپنی دین داری اور تقویٰ وتقدس پر ناز کرتے ہوئے قرآن کا یہ کہہ کرانکار کردیا کہ ہمیں کیا فکر ہے اور مسلمان بننے کی ضرورت کیا ہے، ہمیں تو صرف دو چار دن جہنم کی آگ برائے نام چھوئے گی اور کچھ نہ ہوگا، حالاں کہ ان کا یہ مذہبی غرور اتنا خطرناک ہے کہ قیامت میں نجات مشکل ہے۔

پس جولوگ آج برائیوں میں مبتلا ہیں، حرام کاری ان کا شیوہ ہے، برائی ان کا پیشہ ہے اوراپنی حالت بدلنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں، لاکھ قرآنی جواہر پارے پیش کیے جائیں، لاکھ بصیرت وعبرت کے مقالے لکھے جائیں، علماء ہزار چیخیں چلائیں، مدرسے ہزار تبلیغ کی فکر کریں، مگر وہ لوگ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے اور بڑی بے فکری سے کہہ دیتے ہیں، ہم اللہ کے محبوب کے امتی ہیں، بلاشبہ یہ دعویٰ ہر مسلمان کرسکتا ہے، بشرطے کہ اعمال درست ہوں، اس کا منہ اس قابل ہوسکے کہ یہ دعویٰ کرے، مگر برائیوں میں مبتلا ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا گمراہی پہ گمراہی ہے اور یہودیوں کی پیروی کرنا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۲ رستمبر ۱۹۵۰ء)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، ان کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے، تاکہ اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ایک فریق ان

میں سے اعتراض کر کے منہ پھیر لیتا ہے، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا ہمیں تو جہنم کی آگ صرف معدودے چند دنوں چھوئے گی اور ان کو دین کے بارے میں ان کی کارستانی نے دھوکہ میں رکھا ہے۔ (پ ۳ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۳، ۲۴)

یہاں خاص طور سے یہودیوں کی حرکت کا بیان ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تم ان کی راہ پر نہ چلنا، ورنہ تمہارا حال بھی وہی ہوگا، جو اس قوم کا ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کا علم دیا، تورات دی، حلال و حرام کی تمیز دی اور علم و فضل کی دولت سے نوازا، مگر جب اسلام کا نور ظاہر ہوا، تو لکھی پڑھی قوم ظلم و جہالت میں کفار و مشرکین سے بھی دس قدم آگے ہو گئی اور ہٹ دھرمی اور ضد کا پورا مظاہرہ کیا، حالاں کہ ان کے لیے دین اسلام کوئی نیا دین نہیں تھا، نہ ان کی دعوت نئی ہے، توحید و رسالت، قیامت، دوزخ، جنت، حلال و حرام سب کچھ ان کے لیے پرانی باتیں تھیں۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ان کے لیے نئی ثابت ہوئی اور انہوں نے حسد اور دشمنی میں پڑ کر ہر حقیقت کو ٹھکرا دیا اور ہر بات کو جھٹلایا، اس حسد و دشمنی کی بنیاد وہی کتابی علم بنا اور اپنی ہمہ دانی اور اللہ کی نظر میں محبوبیت کی غلط فہمی نے یہود قوم کا بیڑہ غرق کر دیا، وہ کہتے تھے کہ ہم خدا کے مقرب و محبوب لکھے پڑھے لوگ ہیں، بھلا ہمیں دوسروں کی دعوت پر لبیک کہنا زیب دے سکتا ہے؟ ہم تو وہ پاک وصاف لوگ ہیں، جن کو اگر جہنم کی آگ بھی چھوئے گی تو صرف برائے نام۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾

اے اللہ! تو مالک الملک ہے، جسے چاہتا ہے تو ملک دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تو ملک چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تو ذلت دیتا ہے،

بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (پ ۳ع ۱۱ سورۃ آل عمران:۲۶)

ہمارے رسول کے واسطہ سے ہر ایک مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے معبود کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے اور وظیفہ کے طور پر اس کو دعا بنا لے، تا کہ اس کے اعتقاد و یقین میں پختگی پیدا ہو اور یہ دنیا کی زندگی جہاں کسی موڑ پر گھومے، فوراً یہ عقیدہ رہنمائی کر سکے، خدا کے بارے میں اس قدر جامع اور کامل و مکمل عقیدہ شاید ہی کسی دوسرے مذہب میں مل سکے۔

اس دعا میں خدا کی فعالیت اور اس کی قدرت کو جس ہمہ گیر انداز میں سمجھایا گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس عقیدہ کے بعد کسی انسان میں اغیار پرستی کا وہم بھی جگہ نہیں پکڑ سکتا اور زندگی کے ہر لمحہ اور ہر کام میں صرف خدا کی قدرت اور اس کی فعالیت کا عقیدہ رہنمائی کرے گا۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ جو بھی کام کرے، جس مرحلہ پر بھی پہونچے، جس ماحول میں بھی جائے، جس حالت میں بھی رہے، اس عقیدہ سے معمور رہے کہ ذرہ ذرہ قبضۂ قدرت میں ہے، ایک پتہ بھی خدا کی مرضی کے بغیر نہیں ہل سکتا، ایک مچھر بھی اس کی مرضی کے بغیر پر نہیں مار سکتا، وہی ذاتِ خداوندی ہے، جو عزت و ذلت دیتی ہے، اسی کے بس میں امارت و غربت ہے، وہ بادشاہ کو گدا بنا دیتا ہے، گدا کو بادشاہ کر دیتا ہے، ذلیل کو عزت دیتا ہے، عزت مند کو ذلیل کرتا ہے، دنیا کی کسی دوسری طاقت میں یہ چیز نہیں ہے، خدا کی قدرت اس کے حق میں محفوظ ہے اور کوئی مخلوق اس میں شریک و سہیم نہیں ہے۔

اگر یہ تصور و عقیدہ ہو تو انسان کسی جگہ بھی مات نہیں کھا سکتا اور اس کے سرور و نشاط میں کسی بھی موقع پر کمی نہیں آسکتی، اسی قسم کے عقیدہ کے فقدان سے مسلمانوں میں صحیح زندگی کا فقدان ہو رہا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵؍ مارچ ۱۹۵۴ء)

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ

الَّیۡلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوۡلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَ تُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ تُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ۫ وَ تَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

کہو، خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کردے، بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں، جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جان دار کو اور جسے چاہتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے۔ (پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۶، ۲۷)

جب انسان ایک طرف اللہ کا انکار کرنے والوں اور نافرمانوں کے کرتوت دیکھتا ہے اور پھر یہ دیکھتا ہے کہ وہ دنیا میں کس طرح پھل پھول رہے ہیں، دوسری طرف اہلِ ایمان کی اطاعت شعاریاں دیکھتا ہے اور پھر ان کو اس فقر و فاقہ اور ان مصائب و آلام کا شکار دیکھتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل سے یہ سوال حسرت کے انداز میں ابھرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا ہے اور بتایا ہے، اس کا ایک مخصوص نظامِ قدرت ہے، اس پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوۡلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَ تُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ تُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ ۫ وَ تَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اے اللہ! تو رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بے حساب روزی دیتا ہے۔ (پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۷)

یہ عالم دنیائے رنگ و بو ہے، یہاں بہار و خزاں کے دور آتے ہیں اور اپنے اپنے اثرات دکھاتے ہیں، یہاں نہ اندھیرے کے لیے دوام ہے، نہ اجالے کے لیے بقا ہے، نہ

یہاں کی زندگی کا اعتبار ہے اور نہ موت ہی کوئی انوکھی چیز ہے، بل کہ یہ بوقلمونیوں کی دنیا، رنگ برنگ کے مناظر ومظاہر کا مرصعہ ہے۔

یہاں سردی سے گرمی جنم لیتی ہے، اجالے کے سینے سے اندھیرا ابھرتا ہے، موت کی گود میں زندگی پلتی ہے اور زندگی کے پہلو میں موت کی عمل داری جاری ہے، پس یہ دنیا متحرک ہے، یہاں ایک حال کو قرار وسکون نہیں ہے، اس کارخانۂ عالم میں قدرت کا عمل دخل کام کر رہا ہے، وہ جو چاہتی ہے، کرتی ہے، کسی کو دخل دینے یا دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے، بل کہ سارا اقتدار اسی حاکمِ اعلیٰ اور رب العالمین کو حاصل ہے، جو ہر کیف وکم کی پرورش کرتا ہے۔

اس نظام پر کسی انسانی طاقت کا بس نہیں ہے اور کوئی دوسری طاقت خدائی منشا میں دخیل نہیں ہوسکتی، اس لیے تم کو جو کچھ طلب کرنا ہے، اسی رب السمٰوٰت والارض سے طلب کرو، جو کچھ حاصل کرنا ہے، اسی سے حاصل کرو اور جو کچھ چاہنا ہے، اسی سے چاہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دعا کے ذریعہ اپنی گونا گوں قوتوں کی یاددہانی بھی کردی اور بتادیا ہے کہ ہمارے بس سے کوئی چیز باہر نہیں ہے، ہم جو چاہیں کرسکتے ہیں، لہٰذا تم ہمیں سے لو لگاؤ۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۰/اپریل ۱۹۵۴ء)

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

آپ فرمادیں کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے، تم اسے چھپاؤ گے، یا ظاہر کرو گے، اللہ اسے جانتا ہے اور زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، اسے جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(پ ۳ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۹)

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر ہر چیز پیدا کی ہے، وہ اس کا مالک ہے، پس یہاں کی کوئی چیز چاہے وہ کیف وحالت سے متعلق ہو، چاہے کم اور مقدار سے اس کا تعلق ہو، اللہ

تعالیٰ کے علم وقدرت سے باہر نہیں ہے، یہ انسانوں کے بتانے کی بات نہیں ہے، بل کہ خود جاننے اور ماننے کی بات ہے، اور جس میں ذرا بھی شعور ہے، وہ اس بات کو خوب سمجھ سکتا ہے، یہاں ہر چند بے شعور اور جھگڑالو قسم کے لوگوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ تمہارے دلوں کی بات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم اسے ظاہر کرو یا نہ کرو، نیتوں کو، ارادوں کو اور خیالوں کو وہ جانتا ہے اور کوئی عالم ہو یا کوئی چیز ہو، کسی حال میں اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

جب یہ بات ہے تو پھر یہ منافقت کیا، یہ ظاہر و باطن کی تفریق کیا اور یہ دل میں کچھ، زبان پر کچھ کیا؟ انسان کو ہر حال میں ایک قسم کا ہونا چاہیے اور کسی معاملہ میں دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

آپ کہہ دیں کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم کو محبوب بنالے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

(پ ۳ ع ۱۲ سورۃ آل عمران: ۳۱)

دنیا میں ہر انسان دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ہی کی عبادت کرتا ہے اور اس کی بندگی کا دم بھرتا ہے، دہریوں کے علاوہ جتنے بھی اہلِ مذہب اور ملل وادیان کے ماننے والے ہیں، سب کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم خدا پرست اور اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں، چنان چہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و رسالت کے مقابلہ میں کفار و مشرکین تک نے یہ کہا کہ ہم تو صرف اللہ ہی کو مانتے ہیں اور بتوں کو صرف واسطہ اور قربت کے طور پر پوجتے ہیں۔

ان کے اس قول پر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ہدایت فرماتا ہے کہ آپ ان سے فرمادیں کہ اگر خدا کی پرستش کا دعویٰ ہے تو اس کی دلیل بت پرستی اور شرک سے نہیں دی جاسکتی، بل کہ

میری ہدایت پر چل کر توحیدِ الٰہی پر عقیدہ وعمل کو بنانا ہوگا اور میں خدا کا جو حکم سناتا ہوں، اسی پر چلنا ہوگا، میری اتباع اور پیروی سے ہٹ کر توحیدِ الٰہی کا دعویٰ سراسر غلط ہے اور بے بنیاد ہے، ہم مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ رسول کی پیروی کیے بغیر خدا کی عبدیت اور بندگی نہیں ہوسکتی اور جو لوگ ہمارے رسول کی ہدایت پر نہیں چلتے وہ خدا پرست نہیں، نہ ان کی مغفرت ہوگی اور نہ نجات ہوگی، نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے رسول کے ذریعہ خدا تک پہونچنا۔

مسلمانوں میں بعض جاہل قسم کے لوگ دوسرے مسلمانوں پر الزام دھرتے ہیں کہ وہ رسول کو نہیں مانتے، یہ ان کے منہ کی بات ہے، جس کی ذمہ داری ان پر ہے، مگر ایسی بات منہ سے نکالنا ہی بڑی بے خوفی کی بات ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱

آپ کہہ دیں کہ تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، اور اللہ غفور رحیم ہے۔

(پ ۳ ع ۱۲ سورۃ آل عمران: ۳۱)

ہم اللہ کے بندے ہیں، ہمیں اس کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کے لیے جینا مرنا چاہیے، مگر یہ عبادت کیسے ہو؟ اور کس طرح سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا ہو، اس کے لیے دنیا کے مختلف مذاہب نے مختلف طریقے بتائے ہیں اور قدیم زمانہ سے لے کر آج تک انسان اس معاملہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں، ہمارے عقیدہ کی رو سے یہ سب طریقے خدا پرستی کے لیے کافی نہیں ہیں، بل کہ ایک ہی طریقہ اس میں کام یابی کا ضامن ہے اور وہ اسلام کا طریقہ ہے۔

جب ہم نے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کو پسند کیا، تو ہمارا عقیدہ یہ ہوا کہ دوسرے تمام طریقے صحیح نہیں ہیں، اور خدا پرستی صرف اسلام کے طریقہ پر ہونی چاہیے، پھر یہ

طریقہ کہاں سے اور کیسے اختیار کیا جائے، اس کا جواب صرف یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع ہی سے یہ طریقہ حاصل ہوسکتا ہے اور اسلامی عبادت میں کسی دوسرے کی زندگی سند اور دلیل نہیں بن سکتی، البتہ مثال اور نظیر بن سکتی ہے۔

پس خدا کی عبادت ومحبت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت واطاعت ضروری ہے، اس کے بغیر خدارسی محال ہے اور جو فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ رسول کی زندگی اور ان کی باتیں جو حدیثوں کی شکل میں موجود ہیں، ان میں سے اکثر بے اصل ہیں اور جو کچھ ہے، وہ قرآن ہے، وہ گمراہ اور گمراہ کن ہیں اور اس قرآنی فرمان کے خلاف عمل کرنے والے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

اور اس وقت زکریا نے اپنے رب کو پکارا، کہا کہ اے میرے رب! بخش دے مجھ کو اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔(پ ۳ ع ۱۲ سورۃ آل عمران ۳۸)

اس دنیا میں انسان کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید، سب سے زیادہ پیاری اور سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ ذریتِ طیبہ یعنی" پاکیزہ اولاد" ہے، یہ وہ بہترین دنیاوی چیز ہے، جس کی دعا حضراتِ انبیاء علیہم السلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے خاص خاص وقتوں میں فرمائی ہے اور اس کی قبولیت کا بڑی آرزومندی سے انتظار فرمایا ہے، بخلاف اس کے شریر اور بے ہودہ اولاد، اس دنیا میں انسان کے حق میں بدترین چیز ہے اور اس کے لیے اس سے زیادہ مضر اور تکلیف دہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اسی لیے اس سے اچھے لوگوں نے پناہ مانگی ہے، مگر ساتھ ہی والدین کو بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے ہیں اور اپنی اولاد کو نیک بننے اور بنانے میں کہاں تک کام یاب ہیں، ایسا کم ہوتا ہے کہ شریروں کی اولاد انتہا درجہ کی متقی وپرہیزگار ہو، جس طرح یہ بھی کم ہوتا ہے،

شریفوں کی اولاد کمینہ ہو اور شریر بن کر اپنے خاندان کا نام ضائع کرے، اس کے باوجود دنیا میں نیک خاندانوں میں بُری اور بُرے خاندانوں میں نیک اولاد ہوتی رہتی ہے، اور اولاد کو اچھا یا بُرا بنانا بڑی حد تک خاندانوں اور والدین پر موقوف ہوتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں اپنے لیے نیک اولاد کی دعا مانگی، تو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا نیک پارسا اور بزرگ نبی بیٹا عطا فرمایا اور حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ اور بھی بلند انسان بنا دیا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۶/اپریل ۱۹۷۷ء)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

پس جن لوگوں نے کفر کیا تو میں ان کو دنیا اور آخرت میں شدید قسم کا عذاب دوں گا، اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (پ ۳ ع ۱۴ سورۃ آل عمران: ۵۶)

یہاں پر فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی اختیار کریں گے اور دین وایمان کی روشن شاہراہوں سے ہٹ کر کفر و الحاد کی اندھیری راہ اختیار کریں گے، ان کی دنیا اور آخرت دونوں ہی اکارت جائے گی، بل کہ سخت ناکامی اور تباہی میں گزرے گی۔

واقعہ یہی ہے کہ جو لوگ قانون فطرت سے ہٹ کر زندگی بسر کرتے ہیں اور اللہ کے احکام و نواہی سے منہ موڑ کر صرف اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، ان کی زندگیاں سراسر بے اصولی ہوتی ہیں اور کسی مرحلہ پر ان کو کامرانی و فائز المرامی نصیب نہیں ہوتی، تم کہو گے کہ خدا کے منکروں کی زندگیاں دنیا میں تو اچھی حالت میں بسر ہو رہی ہیں اور وہ ٹھاٹھ سے کھاتے پیتے نظر آتے ہیں، مگر مجموعی حیثیت سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ قومی اور جماعتی زندگی میں ان کے لیے کس قدر الجھنیں، پریشانیاں اور حیرانیاں ہیں اور کسی وقت ان کو

بے خوفی، امن اور اطمینان نصیب نہیں ہے۔

آج بھی تم دیکھ لو کہ جن گمراہ و نافرمان ممالک کے عوام بظاہر خوش حال اور فارغ البال نظر آتے ہیں، ان کی اجتماعی زندگی کس قدر غیر مطمئن اور پریشان ہے اور ان کو قومی اور اجتماعی اعتبار سے دوسروں کے مقابلہ میں رات و دن طرح طرح کی الجھنیں ہیں، یقین کرو کہ ان کی یہ الجھنیں آئندہ کی پریشانیوں کا پیش خیمہ ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴؍جنوری ۱۹۸۱ء)

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کیے تو اللہ ان کے اجر کو پورا پورا دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ (پ ۳ ع ۱۴ سورۃ آل عمران: ۵۷)

جو لوگ کفر و شرک کی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ سراسر ناکامی و نامرادی کی زندگی گزارتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کبھی ان کو خوشی نہیں مل سکتی، اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جن لوگوں نے فطرت کے قوانین کی پیروی کی اور قدرت کی منشا کے مطابق زندگی بسر کرکے ایمان و دین کی راہ اختیار کی، وہ سراسر کام یاب ہیں اور دنیا و آخرت میں ان کے لیے ہر طرح کی کام یابی و کامرانی ہے اور وہ دونوں جہان میں کسی قسم کے رنج و غم سے دوچار نہ ہوں گے۔

اور اگر تکوینی حالات اور دنیا کے روزمرہ کے عاملات کی رَو میں یہ لوگ بھی کبھی بہے تو بہت جلد ان کو نجات مل جائے گی اور ان کے دل و دماغ پر احساسِ کم تری اور قنوت و ناامیدی کی بیماری طاری نہ ہوگی، حالات کی خوش گواری و ناگواری سے بالاتر ہو کر ان کی زندگی پُرنشاط ہوتی ہے، کیوں کہ ان کو پورا پورا اجر دیا جائے گا اور کسی معاملہ میں ذرہ برابر کمی نہ کی جائے گی۔

تم کہو گے کہ اہلِ دین و دیانت تو ہماری نظر میں دوسروں کے مقابلہ میں بڑی عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور وہ ہر وقت تنگی میں رہتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ بے شک وہ ہماری

تمہاری نظر میں پریشان حال معلوم ہوتے ہیں، مگر وہ اپنے طور پر بہت ہی مطمئن رہتے ہیں اور ہماری تمہاری حالت پر ترس کھاتے ہیں کہ یہ لوگ کس قدر حیران و پریشان رہا کرتے ہیں، امن وسکون کی دولت درحقیقت دین داروں کے لیے ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۶؍دسمبر ۱۹۸۰ء)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ فرمادیں کہ اے اہلِ کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ، جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے، وہ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنائیں، پس اگر وہ اس بات سے پھر جاتے ہیں تو کہو کہ تم گواہی دو کہ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۶۴)

یہاں پر اسلام کی دعوت عامہ کو ان تمام لوگوں پر عام کیا جارہا ہے، جو اپنے کو عقیدہ توحید ورسالت اور قیامت پر مانتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ ہم موحد ہیں، ہمارا ایمان خدا پر ہے اور ہم قیامت ومجازات اور نبوت ورسالت کے قائل ہیں۔

یہ دعویٰ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کا تھا، اللہ تعالیٰ نے اِتمامِ محبت کے طور پر فرمایا کہ اے رسول! ان سے کہو کہ اگر تم لوگ اپنی بات میں سچے ہو تو آؤ ہم تمہیں وحدتِ کلمہ کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات کی طرف بلاتے ہیں، جو ہمارے تمہارے مابین مشترک ہے اور جس کا تم بھی زبان سے دعویٰ کرتے ہو، یعنی یہ کہ کم ازکم اللہ کی توحید پر متفق ہوجاؤ اور ہم تم اس کی عبادت اس طرح کریں کہ اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ اسے سب کچھ مان کر اپنے بڑوں کو اللہ کے مقابلہ میں رب، مالک اور صاحبِ تصرف سمجھیں۔

اور جو بات خدا کے بارے میں کرنی چاہیے، ہم ان کے بارے میں کریں، اگر تم لوگ اپنے وعدے میں سچے ہو، تو آؤ توحیدِ الٰہی پر متفق ہو کر ہمارے ساتھ ہو جاؤ، ورنہ گواہ رہو کہ اس دنیا میں صرف ہم ہی موحد و خدا پرست اور مومن و مسلم ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳؍نومبر ۱۹۸۱ء)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! تم اسی کلمہ پر آؤ، ہمارے ساتھ جمع ہو جاؤ، جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے، یعنی ہم نہ عبادت کریں مگر اللہ کی، اور اس کا کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور بعض بعض کو خدا کے علاوہ رب نہ بنائیں، پس اگر اہلِ کتاب اس بات سے پھر جائیں تو تم لوگ ان سے کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۶۴)

اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ خدا کی توحید کے زبان سے قائل ہوتے ہوئے عمل سے اس کے خلاف کام کرتے تھے اور جب ان کے سامنے اسلامی احکام وقوانین پیش کیے جاتے تھے، تو کہتے تھے کہ ہم اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں، ان میں بھی قرآن ہی کی تعلیمات ہیں، توحید، جزا و سزا، قیامت، ملائکہ وغیرہ کا بیان ان کتابوں میں بھی ہے۔

یہ کہہ کر اسلامی احکام وقوانین کا انکار کر دیا کرتے تھے، حالاں کہ ان کا عمل خود اپنی کتابوں پر نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے زبانی جمع خرچ کو توڑنے کے لیے ایک آخری ترکیب یہ نکالی کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہو کہ اچھا آؤ، اسلام کو نہیں مانتے ہو تو اس حقیقت کو مانو، جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے اور تم بھی ہماری طرح اس کا دعویٰ کرتے ہو، آؤ ہم مل کر معاہدہ کریں۔

(۱) ہم توحید پرستی کا عملی ثبوت دیں گے۔

(۲) خدا کے لیے بیٹا بیٹی نہیں ٹھہرائیں گے اور بھی کسی قسم کا کوئی شریک نہ مانیں گے۔

(۳) نیز اپنے احبار ورہبان، اولیاء وعلماء اور ملاؤں کو خدا کا درجہ دے کر خدا کے مقابلہ میں ان کو بھی خدائی صفات کا حامل نہیں تسلیم کریں گے، بل کہ ان کو صرف اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کریں گے، اہلِ کتاب اگر اس متفق علیہ حقیقت کو بھی نہ مانیں تو پھر اے مسلمانو! تم اعلان کردو کہ ہم موحد اور مسلمان ہیں اور اہل کتاب پر اِتمامِ حجت ہو چکی ہے، وہ بھی اس کے گواہ ہیں۔

اے مسلمانو! خدا کے لیے بتاؤ، اگر ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے صحابۂ کرام یا پرانے زمانے کے کوئی بزرگ آج ہمارے پاس آجائیں اور ہماری غیر اسلامی زندگی اور مشرکانہ رسوم ورواج کو دیکھ کر اوپر کے بیان کیے ہوئے مطالبات کردیں تو کیا ہم ان کو صحیح جوابات دے کر اپنی اسلام دوستی کا ثبوت پہونچا سکتے ہیں؟ ہمیں برا بھلا کہنے سے پہلے سوچ لو کہ ہم کیا سے کیا ہو رہے ہیں؟۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ فرما دیں کہ اے اہلِ کتاب تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے، وہ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنائیں، پس اگر وہ اس بات سے پھر جاتے ہیں تو کہو کہ تم گواہی دو کہ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۶۴)

یہاں پر اسلام کی دعوت عامہ کو ان تمام لوگوں پر تمام کیا جا رہا ہے، جو اپنے کو عقیدہ توحید ورسالت اور قیامت پر مانتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ ہم موحد ہیں، ہمارا ایمان خدا

پر ہے اور ہم قیامت ومجازات اور نبوت ورسالت کے قائل ہیں، یہ دعویٰ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کا تھا، اللہ تعالیٰ نے اتمامِ حجت کے طور پر فرمایا کہ اے رسول! ان سے کہو کہ اگر تم لوگ اپنی بات میں سچے ہو تو آؤ ہم تمہیں وحدت کلمہ کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات کی طرف بلاتے ہیں، جو ہمارے تمہارے مابین مشترک ہے اور جس کا تم بھی زبان سے دعویٰ کرتے ہو، یعنی یہ کہ کم از کم اللہ کی توحید پر متفق ہو جاؤ اور ہم تم اس کی عبادت اس طرح کریں کہ اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ اسے سب کچھ مان کر اپنے بڑوں کو اللہ کے مقابلہ میں رب، مالک اور صاحبِ تصرف سمجھیں اور جو بات خدا کے بارے میں کرنی چاہیے، ہم ان کے بارے میں کریں، اگر تم لوگ اپنے وعدے میں سچے ہو، تو آؤ توحیدِ الٰہی پر متفق ہو کر ہمارے ساتھ ہو جاؤ، ورنہ گواہ رہو کہ اس دنیا میں صرف ہم ہی موحد وخدا پرست اور مومن ومسلم ہیں۔

مسلمانوں نے توحید کو جس شان دار طریقہ پر اپنایا ہے، دنیا میں کوئی مذہب ان کے اس میں مقابل نہیں ہے، مگر افسوس کہ بعد میں ان میں سے بہت سے لوگوں نے مشرکانہ روش اختیار کی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳ر نومبر ۱۹۸۱ء)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے چاہا کہ وہ لوگ تم لوگوں کو گمراہ کر دیں، حالاں کہ وہ اپنے ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران:۶۹)

ہر تحریک کے لیے دو قسم کے خطرات ہوتے ہیں اور وہ تحریک یا اسکیم ہمیشہ ان دونوں کی وجہ سے ابتلا میں رہا کرتی ہے، ایک داخلی فتنہ، دوسرا خارجی فتنہ، داخلی فتنہ وہ ہے، جو خود اس تحریک میں شریک ہونے والوں اور اس کے ماننے والوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے

اور خارجی فتنہ وہ ہے، جو باہر رہنے والوں کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے، اسلام کو بھی یہی دو فتنے ہمیشہ سے درپیش رہا کیے ہیں، خارجی فتنوں میں اہلِ کتاب کا فتنہ بہت ہی اہم اور خطرناک ہے، مشرکین کی سازشیں جنگ وجدال کی صورت میں ظاہر ہوکر کسی آخری فیصلہ پر پہونچ سکتی ہیں، مگر اہلِ کتاب کی سازشوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔

آپ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرجائیں تو معلوم ہو کہ اسلام کی آمد کے بعد سے آج تک یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی قائم ہے اور ایسا ہوا ہے، زمانہ اور حالات کے اختلاف سے، ان کی دشمنی کی صورتیں تو بدلی ہیں، مگر دشمنی اپنی جگہ پر قائم ہے، ایک زمانہ میں یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو براہِ راست گمراہ کرتے تھے، پھر ایک زمانہ آیا کہ صلیبی جنگوں کی صورت میں یہ مقابلہ ہوا، اور اب خیالات ونظریات کے نام پر یہ لوگ اسلام سے دشمنی کررہے ہیں۔

اوپر کی آیات میں بتایا جارہا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی ایک جماعت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کرتی رہے گی، چنان چہ یہ بات آج بھی پائی جاتی ہے، تم دیکھ لو کہ آج یورپ کے عیسائیوں کا ایک مخصوص طبقہ ایسے ایسے نظریات وخیالات مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے، جو ان کے ذہنوں کو گمراہ کرسکیں، آج مسلمانوں میں الحاد وبددینی کا جو عالم برپا ہے، اس کی بڑی وجہ اس عیسائی گروہ کی ذہنی تگ ودَو ہے، قرآن نے اس خارجی فتنہ سے مسلمانوں کو ڈرایا تھا، مگر مسلمانوں پر بھی کچھ نہ کچھ نصاریٰ کا جادو چل گیا اور وہ گمراہ ہوگئے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۶ رجنوری ۱۹۵۴ء)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٩﴾

اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے تمنا کی کہ کاش وہ تم مسلمانوں کو گمراہ کردیں، حالاں کہ وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کررہے ہیں اور اسے خود سمجھتے نہیں ہیں۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۶۹)

اسلام دنیا کے تمام مذاہب سے الگ تھلگ زندگی کی دعوت دیتا ہے، اس کے عقائد وخیالات، عواطف ورجحانات اور اعمال ووظائف دنیا کی تمام اگلی پچھلی قوموں اور ملتوں سے جداگانہ ہوتے ہیں، اس کا میل کسی دوسرے نظامِ زندگی سے نہیں ہے، اسی لیے باوجودے کہ اسلام کسی ملت و مذہب سے ٹکر نہیں لیتا اور صرف اپنی راہ دنیا کو دکھاتا ہے۔

دنیا کے دوسرے تمام نظام ہائے زندگی اور مذاہب اسلام کو اپنا مدمقابل گردانتے ہیں اور اس کے ساتھ جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہا کرتے ہیں، ان میں یہودیت ونصرانیت پیش پیش ہیں، یہ دونوں اہلِ کتاب کے مذاہب ہیں اور اسلام سے ان کو سب سے پہلے ٹکر لینی پڑی، اس لیے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اہلِ کتاب کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں سے ہمیشہ جنگ کرتا رہا، کبھی ہتھیار کی جنگ، کبھی قلم کی جنگ اور کبھی زبان کی جنگ۔

اس دشمنی کے سلسلہ میں اہلِ کتاب یہ بھی سوچتے ہیں کہ بہتر ہے کہ مسلمانوں کو گمراہ کرکے اسلام سے برگشتہ کردیا جائے، تاکہ ان میں اسلامی روح باقی نہ رہے اور وہ ہمارے نظام کے مقابلہ میں اپنا نظام نہ چلاسکیں، چنان چہ اس زمانہ میں بھی اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کی یہی چال ہے کہ مسلمانوں کو یقین وعمل کے اعتبار سے خالی کردیا جائے اور نام کے اعتبار سے مسلمان باقی نہ رہنے دیا جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کا ایک طبقہ تمنا کرتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کردے۔

(پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۶۹)

یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے ازلی اور ابدی حریف ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ اسی چکر میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین وایمان سے برگشتہ کیا جائے، ایک زمانہ میں صلیبی جنگوں کے ذریعہ عیسائیوں نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، پھر ان کے مذہبی

لوگوں نے اسلام پر طرح طرح کے حملے کیے، اس کے بعد اقتدار واثر کے ذریعہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کی چال چلی گئی اور مشنریوں کے ذریعہ مسلمانوں کو طرح طرح کی چالوں میں پھنسانے کی کوشش ہوئی۔

یہ تو عیسائیوں کا تماشہ تھا، یہودیوں نے بھی سازش اور اندرونی مخالفت کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اور طرح طرح سے اسلام سے دنیا کو متنفر کرنے کی کوشش کی، حال ہی میں بھی اسرائیل کی یہودی حکومت نے قرآن حکیم میں تحریف کرکے اس میں کمی کی ہے، جیسا کہ خبریں بتا رہی ہیں۔

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ یہ اہلِ کتاب کبھی تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، اور ان کی ایک پارٹی ہمیشہ تم کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں رہے گی، کبھی علم وفن کی راہ سے سامنے آئے گی، کبھی طاقت وقوت لے کر آئے گی، کبھی مکر وفریب کا لبادہ اوڑھ کر نکلے گی، اور کبھی سیاست وحکومت کے رنگ میں نمودار ہوگی۔

بہر حال ہر زمانہ میں ان کی ایک پارٹی مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں پیش پیش رہے گی، اس لیے مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۷۱

اے اہلِ کتاب! کیوں تم لوگ حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو، حالاں کہ تم جانتے ہو۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۷۱)

جان بوجھ کر انجان بننا بڑی حماقت کی بات ہے اور اس حماقت میں بسا اوقات لکھے پڑھے لوگ جب پھنس جاتے ہیں تو بے چارے عوام بھی بری طرح پس جاتے ہیں، اور بڑے بڑے حقائق وواقعات سے دنیا کو محرومی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے افضال واکرام کے فیوض سے بڑی حد تک انسان بے بہرہ رہ جاتا ہے۔

دنیا میں ویسے تو لکھے پڑھے لوگوں کی ہٹ دھرمی کی مثالیں بہت ملتی ہیں، مگر ایک موقع پر اس طبقہ نے جو حرکت کی ہے، وہ علم و جہالت اور رشد و ضلالت کی تاریخ میں بہت ہی مشہور ہے، یعنی جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں حق و صداقت کی آواز بلند کی، تو یہود و نصاریٰ کے مذہبی گروہ نے سب کچھ جاننے کے باوجود حقائق سے انکار کرنا اپنا شیوہ بنالیا، اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی دشمنی میں ہر دن کو رات اور ہر رات کو دن تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے جاہلوں نے دنیائے اسلام کے فیوض و برکات حاصل کیے اور دنیا و آخرت میں فلاح و نجاح کی سند پائی، اور یہود و نصاریٰ کے علماء نے انکار و جحود کر کے خود کو بھی تہس نہس کیا اور اپنی قوموں کو بھی برباد کیا، اور ان کی طرح ان کی قوم علم، سمجھ، فہم و فراست سب کچھ رکھنے کے باوجود سراسر محروم رہی۔

دنیا میں ایک اچھے طبقہ کی یہ محرومی اور بُرے طبقہ کی یہ کامیابی انسانی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے، جس سے ہم آج بھی عبرت حاصل کر سکتے ہیں، بشرطے کہ ہم میں سبق حاصل کرنے کا شوق ہو اور تعصب کا پردہ آنکھ پر نہ پڑا ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَآَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

اے اہلِ کتاب! تم لوگ کیوں حق کو باطل سے مشتبہ کرتے ہو اور جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہو، حالاں کہ تم جانتے ہو۔ (پ ۳ ع ۱۵ سورۃ آل عمران: ۷۱)

سچائی کو چھپانا، حق بات جان بوجھ کر نہ بیان کرنا اور حق و باطل میں التباس و اشتباہ پیدا کرنا صرف اَخلاقی اور دینی ہی جرم نہیں ہے، بل کہ انسانی جرائم میں سے ہے، اور جو لوگ یہ حرکت کرتے ہیں، وہ سماج اور سوسائٹی کے اکابر مجرمین میں سے ہیں، کیوں کہ اس حرکت سے انسانیت بُری طرح متاثر ہوتی ہے اور دنیا والوں کو سچی راہ دکھائی نہیں دیتی، خاص طور سے مذہبی اور دینی طبقہ کی طرف سے ایسی غلطی بڑی ہی خطرناک ہوتی ہے، اور دین کے نام

پر کتمانِ حق دین کو عوام میں غلط انداز میں پیش کرتا ہے، اسی لیے کلمۂ حق کا جابر وظالم ماحول میں بیان کرنا افضل جہاد اور بہترین کوشش قرار دیا گیا ہے۔

یہود ونصاریٰ اسلام سے پہلے دنیا کی بڑی طاقتوں میں سے تھے اور مشرقی دنیا کے کچھ حصوں کے علاوہ پوری دنیا میں ان ہی دونوں مذاہب کا سکہ چلتا تھا، مگر ان کے ذمہ داروں نے صرف اپنے مفاد کی خاطر حق کو ضرب پہونچائی، سچائی کو چھپایا اور باطل کے مقابلہ میں حق کی مدد نہ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑی حد تک سچائی کے فروغ کو صدمہ پہونچا اور دنیا حق وصداقت کی روشنی سے محروم ہو کر باطل کی ظلمت میں بھٹکتی رہی۔

اسی لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم اپنی ذمہ داری کو قبول کرو اور حق وحقانیت اور صدق وصداقت کو دنیا میں بلا جھجھک اور بغیر خوف کے پھیلاؤ، ورنہ سچائی کا چلن انسانی بستی سے اٹھ جائے گا اور ہر طرف جھوٹ، فساد اور برائی کا دور دورہ ہو جائے گا، مسلمانوں میں جو لوگ اس ذمہ داری میں غفلت کرتے ہیں، وہ بڑے خطرناک قسم کے مجرم ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مومنوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اس پر شروع دن میں ایمان لاؤ اور آخر دن میں کفر کرو، شاید کہ وہ اپنے دین سے لوٹ جائیں۔

(پ ۳ ع ۱۶ سورۃ آل عمران: ۷۲)

مسلمان بھی کتاب والے ہیں اور ان کے پاس ایک کامل ومکمل نظامِ حیات ہے، ان کے مقابلہ میں یہود ونصاریٰ اور دوسرے لوگ بھی اہلِ کتاب ہونے کے دعویدار ہیں، اس دعوے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اپنے قدیم اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے جدید اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے اپنی ناقص ونامکمل کتاب پر بہت نازاں ہیں اور مسلمانوں کو اپنا رقیب سمجھتے

ہیں، اس لیے طرح طرح کی چال چلتے ہیں اور مسلمانوں کو ان کے نظامِ حیات اور دین سے برگشتہ کر کے اسلام کو دنیا سے ختم کر دینا چاہتے ہیں اور اپنی سرداری منوانا چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں کبھی وہ کھل کر مسلمانوں سے لڑتے بھڑتے ہیں، جنگ کی باتیں کرتے ہیں اور آستین چڑھا کر میدان میں اترتے ہیں، کبھی غیروں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ساز باز کرتے ہیں، خفیہ ریشہ دوانیاں کرتے ہیں اور مسلمانوں کی پشت پر پیچھے سے چھرا مارنا چاہتے ہیں، اور کبھی ایسا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، ان کا دم بھرتے ہیں اور بظاہر مسلمانوں کے مذہب میں آکر ان کی بیخ کنی کرتے ہیں۔

یعنی یہ لوگ ہر طرح سے مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، حتیٰ کہ کچھ بس نہیں چلتا تو ظاہر میں مسلمان بن جاتے ہیں، اور اپنی پارٹی سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صبح کو مسلمان بنو اور شام کو اپنے گھر میں آکر آبائی مذہب اپناؤ، اس طرح شاید یہ مسلمان ہماری تمہاری باتوں میں آجائیں اور اسلام کے اعمال وخیالات سے منحرف ہو کر ہمارے کہنے کے مطابق کرنے لگیں۔

مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہمیشہ پالا پڑا ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ مختلف روپوں میں مسلمانوں کی بیخ کنی کرتے رہے ہیں، آج بھی اسی قسم کے کچھ لوگ ابھر رہے ہیں، جو مسلمانوں کو کسی طرح سے اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے اور اجتماعی اور انفرادی زندگی کو ہر قیمت پر بچانا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳؍جنوری ۱۹۵۳ء)

وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

اور بے شک ان اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت کج کرتی ہے اپنی زبان کو کتاب

کے ساتھ، تا کہ تم اسے کتاب سے گمان کرو، حالاں کہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، حالاں کہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ (پ ۳ع ۱۶ سورۃ آل عمران: ۷۸)

اپنے مفاد اور مصلحت کے لیے سچائی کو چھپانا پُرانا مرض ہے، غلط قسم کے انسانوں نے ہمیشہ یہ حرکت کی ہے کہ اپنے ذاتی مفاد اور شخصی وجاہت کے لیے سچائیوں کو منہ چڑھانے کی کوشش کی ہے، پھر شرارت پسند انسان اسی پر بس نہیں کرتے، بل کہ سچائیوں کو چھپا کر جھوٹ کو فروغ دینے کی بھی کوشش کرتے ہیں اور اپنے ہفوات وخرافات کو حقائق بتانے کی تدبیریں کرتے ہیں، جس قوم میں جس قدر غلط مفاد پرستی ہوگی اور دوسروں کے مقابلہ میں اسے اپنی برتری کا غلط خیال ہوگا، وہ قوم اسی قدر باطل نوازی میں آگے ہوگی۔

اسلام کی تشریف آوری کے وقت یہودی قوم میں یہ مرض بہت عام تھا اور وہ اسلام کے مقابلہ میں بل کہ دنیا کی ہر قوم کے مقابلہ میں اپنے کو نہایت غلط طریقہ پر بلند کرنا چاہتی تھی، اس لیے وہ شریعت کے نام پر خوب خوب بے عنوانیاں کرتی تھی، قرآن حکیم فرمارہا ہے:

ان کا حال یہ تھا کہ تورات کے صاف اور صریح احکام وآیات کو زبان دبا کر، ٹیڑھی کر کے اور توڑ مروڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ غلط مطلب کا شبہ ہونے لگتا تھا، پھر لوگوں سے کہتے تھے، کہ یہی مطلب جو ہماری آواز سے پیدا ہو رہا ہے، صحیح ہے اور خدا کا یہی حکم ہے، حالاں کہ وہ سراسر غلط ہوتا تھا۔

آج کل بھی کچھ ایسے غلط کار لوگ ہیں، جو قرآن وحدیث کے غلط معانی ومطالب بیان کرنے کے لیے ان کی نحوی وصرفی ترکیبوں میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور الٹ پھیر سے کام لے کر کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کا یہی مطلب ہے، جو ہم بیان کر رہے ہیں، ایسے کج دلوں، کج زبانوں اور کج فہموں سے بچنا ضروری ہے، ورنہ یہ لوگ اسلام کا حلیہ بدلنے کی پوری کوشش کریں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۵/مارچ ۱۹۵۴ء)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

کسی بشر کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم لوگ میرے بندے بن جاؤ اللہ کے علاوہ۔ (پ ۳ ع ۱۶ سورۃ آل عمران: ۷۹)

انسان ہر حال میں انسان ہے، وہ نبی، رسول، پیغمبر، غوث، قطب، اَبدال، پیر، فقیر، شیخ، مرشد سب کچھ ہوسکتا ہے اور اس پر آدمی جس قدر اصطلاحات چاہے چسپاں کرلے، مگر وہ کبھی نہ خدا ہوسکتا ہے اور نہ اس کے اندر خدا کی کوئی صفت آسکتی ہے، بل کہ وہ ذات وصفات میں خدا سے بالکل الگ صرف انسان اور بندہ ہے، انسان فی نفسہٖ صاحبِ کرامت وشرافت ہے، اللہ کی اشرف ترین مخلوق پر اور کائنات میں اسے ہر چیز پر فوقیت اور برتری حاصل ہے، مگر خدا کے مقابلہ میں انسان گویا کچھ بھی نہیں ہے، وہ انسان ہونے کے اعتبار سے، نبی، رسول، ولی، قطب سب کچھ ہے اور ہوسکتا ہے، مگر وہ نہ خدا ہوسکتا ہے اور نہ کسی ایک خدائی صفت کا حامل ہوسکتا ہے۔

اس لیے کسی نبی، رسول کا یہ دعویٰ کبھی نہیں رہا کہ اس میں خدائی اثر کے ہونے سے اور اس کا خدا سے کچھ ذاتی تعلق ہے، بل کہ ہر نبی اور رسول نے اپنے کو دنیا کے سامنے اللہ کا بندہ اور رسول ہی بتا کر پیش کیا اور اسی حیثیت سے دعوت دی، اب اگر ان کے امتی اور ماننے والے ان کا خدا کا جز یا بالکل خدا بنانا چاہیں تو یہ ان کی صریح گمراہی ہے اور انبیاء ورسل اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

اور اگر کوئی مرید اپنے پیر کو، کوئی طالب علم اپنے استاذ کو، کوئی بیمار اپنے طبیب کو، کوئی حاجت مند اپنے محسن کو خدائی دیتا ہے، تو یہ مسکین کی تقسیم ہے، اس کی وقعت ہی کیا ہے اور جو اسے وقعت دے، وہ انسانوں میں بڑا احمق انسان ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ

كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم نبوت عطا فرمائے، اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ، وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو، جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے، جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو، وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے، جب کہ تم مسلم ہو۔ (پ ۳ ع ۱۶ سورۃ آل عمران: ۷۹، ۸۰)

ان آیات میں ان تمام غلط باتوں کی تردید کی گئی ہے، جو دنیا کی مختلف قوموں نے خدا کی طرف سے آئے ہوئے پیغمبروں کی طرف منسوب کر کے اپنی مذہبی کتابوں میں شامل کردی ہیں اور جن کی رو سے کوئی پیغمبر یا فرشتہ کسی نہ کسی طرح خدا اور معبود قرار پاتا ہے۔

حالاں کہ ایسی کوئی تعلیم جو اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی و پرستش سکھاتی ہو اور کسی بندے کو بندگی کی حد سے بڑھا کر خدائی کے مقام تک لے جاتی ہو، ہرگز کسی پیغمبر کی دی ہوئی تعلیم نہیں ہوسکتی، جہاں کسی مذہبی کتاب میں یہ چیز نظر آئے، سمجھ لو کہ یہ گمراہ کن لوگوں کی تحریفات کا نتیجہ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَ لَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں، حالاں کہ آسمان وزمین کی ساری چیز چاروناچار اللہ کی تابعِ فرمان (مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ (پ ۳ ع ۱۷ سورۃ آل عمران: ۸۳)

کائنات کا پورا نظام بندھے ٹکے نظام کے تحت چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے جو اصول اور قاعدے بنا دیئے ہیں، اس سے کوئی چیز سرِ موانحراف نہیں کرسکتی، آسمان، زمین، سورج، چاند، ہوا، بارش کے لیے جو ڈیوٹی قدرت کی طرف سے دی گئی ہے، وہ اس کی اطاعت وبندگی میں لگے ہوئے ہیں اور اس لحاظ سے وہ مسلم یعنی مطیع وفرماں بردار ہیں، اب تم اس کائنات کے اندر رہتے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر اور کون سا طریقہ تلاش کررہے ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰى وَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ۪ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ٘ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ١ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾

کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو چیز ہم پر اور ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اَسباط پر نازل کی گئی اس پر اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور بہت سے انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی اس پر، ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے مطیع ہیں اور جو شخص اسلام کے علاوہ دین کو چاہے گا تو اس کو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں ناکام لوگوں میں سے ہوگا۔ (پ ۳ ع ۱۷ سورۃ آل عمران: ۸۴، ۸۵)

اس آیت میں نہایت واضح طور سے ایک مسلمان کو بتایا جارہا ہے کہ سابقہ کتبِ سماویہ اور حضراتِ انبیاء ورسل پر ایمان لائے بغیر اسلام کی تکمیل نہیں ہوسکتی اور ہر مسلمان کو تمام آسمانی کتابوں اور خدائی رسولوں کا اقرار کرنا چاہیے اور ان پر یوں ایمان لانا چاہیے کہ کسی کے بارے میں کوئی امتیازی عقیدہ نہ رکھے، بل کہ سب کو ایک طرح کا نبی ورسول سمجھے، یہی اسلام کی تعلیم ہے اور اسلام یہی حکم دیتا ہے، یہی دین برحق ہے، اور جو شخص اس دین کے علاوہ اور کوئی دوسرا دین اپنائے گا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مقبولیت نہیں ہوگی اور اسے سراسر ناکامی ہوگی۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ جو کچھ لوگ آج کل وحدتِ اَدیان کا پروپیگنڈا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب دین برحق پر ہیں، آدمی جسے چاہے اپنالے، تو نجات کے لیے کافی ہے، یہ پروپیگنڈا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، اسلام کو ایسے کھیلوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے، یہ سیاسی تماشے ہیں، جو حکومت وسیاست کے ہر دور میں دیکھے دکھائے جاتے ہیں، اکبر بادشاہ نے اسی کی بنیاد پر وہ کام کیا، جسے آج کی سیاسی اور سرکاری دنیا میں بڑی قدرومنزلت حاصل ہے، مسلمانوں کو ان باتوں سے دور رہ کر اسلام پر عمل کرنا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۹/اگست ۱۹۸۲ء)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جو شخص اسلام کے علاوہ دین چاہے گا تو ہم اس سے ہرگز ہرگز قبول نہ کریں گے، اور آخرت میں ناکام لوگوں میں سے ہوگا۔ (پ ۳ع ۱۷ سورۃ آل عمران: ۸۵)

اسلام دینِ فطرت ہے، اور انسانوں کے لیے آخری قانونِ حیات وممات ہے، اس لیے اسلام کے بعد اگر کوئی شخص اسلام کے سوا کسی اور دھرم، مذہب اور دین کو قبول کرے گا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مقبولیت نہیں ہوگی اور ایسا انسان گمراہی میں مبتلا ہو کر دنیا اور آخرت میں خسران میں رہے گا، یہی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے، یہی قرآن کی تصریح ہے اور یہی حقیقت ہے۔

اس حقیقت کے علاوہ اس کے مقابلے میں جو کچھ کہا جاتا ہے یا کہا جائے گا، وہ سراسر غلط اور گمراہی ہے، اس سے ہر مسلمان کو دور رہنا چاہیے، یہ گمراہی اور غلطی سیاسی راہ سے آئے یا عقلیت وفلسفہ کی راہ سے آئے، یا پھر کسی اور مصلحت اور ذہنیت کی راہ سے، اس حقیقت کے اظہار واعتراف اور تبلیغ میں کسی مسلمان کو جھینپنے اور جھجھکنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، جب آج ایک پارٹی کا ممبر اپنی پارٹی کو تمام پارٹیوں کے مقابلہ میں برحق اور سب کو غلط قرار دے کر اسی پر فخر کرتا ہے اور دوسری پارٹیوں کی گمراہی کو تقریر اور تحریر کے ذریعہ ظاہر

کر کے دوسروں کو دعوت دیتا ہے، تو مسلمان کیوں نہ اسلام کو برحق اور دوسرے مذاہب کو غلط قرار دے کر دنیا کو اسلام کی دعوت دیں؟ جب ایک شخص اپنی پارٹی کا ممبر اس وقت تک نہیں بن سکتا، جب تک دوسری تمام پارٹیوں کو غلط قرار دے کر اپنی پارٹی کو صحیح ہونے کا عقیدہ پیدا نہ کرے، تو ایک مسلمان اس وقت تک کیسے پکا مسلمان ہوسکتا ہے، جب تک وہ اپنے اسلام کو اور ساتھ ہی دوسرے تمام اَدیان و مذاہب کو برحق تسلیم کر کے وحدت الادیان کے گمراہ کن نظریہ کا حامل ہو؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳؍اگست ۱۹۶۰ء)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

جو شخص چاہے اسلام کے علاوہ کوئی دین تو اس کی طرف سے یہ مقبول نہ ہوگا، اور آخرت میں ناکام لوگوں میں سے ہوگا۔ (پ ۳ ع ۱۷ سورۃ آل عمران: ۸۵)

اس سے اوپر کی آیتوں میں اہلِ کتاب کا تذکرہ ہو رہا ہے، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تورات و انجیل پر عمل کرنا اسلام کے آجانے کے بعد نامقبول ولاحاصل ہے، جو شخص اس خیال میں ہے، وہ عاقبت الامر اور انجام کار میں ناکام رہے گا۔

جب تورات و انجیل پر عمل کرنا اسلام کے بعد بے معنی امر ہے، حالاں کہ یہ کتابیں منزّل من اللہ ہیں، تو مسلمان سوچیں کہ اسلام کے بعد اپنی خواہشوں پر عمل کرنا جو کہ سراسر شیطانی پیداوار ہیں، کہاں تک مقبول و ماجور ہوگا اور ایسا کرنے والے لوگ نتیجہ کے اعتبار سے کیوں ناکام نہ ہوں گے؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرتا ہے، وہ کبھی قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ نتیجہ کے اعتبار سے نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ (پ ۳ ع ۱۷ سورۃ آل عمران: ۸۵)

کل بتایا گیا تھا کہ اسلام دین فطرت ہے، یعنی قانون کی اطاعت کا دین آفتاب

وماہتاب اور کائنات کی ہر چیز قانونِ فطرت کی مطیع ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ انسان دین فطرت کو چھوڑ کر کسی اور غیر فطری دین کو قبول کرے، یہاں فرمایا کہ جو شخص اسلام کو جو دین فطرت ہے، چھوڑ کر کسی مصنوعی دین کو اختیار کرے گا، وہ انسانی مزاج سے موافقت پیدا نہیں کر سکے گا اور انسانی فطرت اسے قبول نہیں کر سکے گی اور انجام یہ ہوگا کہ فطرت کا مقابلہ کرنے سے خود انسان کو نقصان ہوگا اور اس کا انجام بخیر نہ ہوگا، پس جس شخص کو دینِ فطرت کی تلاش ہو، ایسا دین جو ساری کائنات پر حاوی ہے، وہ اسلام کی طرف آئے اور اس کے اصولوں پر رکھ کر دیکھے کہ ان سے اس کی فطرت کو سکون ملتا ہے یا نہیں؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶

اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا، جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور گواہی دی کہ رسول برحق ہے اور ان کے پاس دلائل آ چکے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

(پ ۳ ع ۱۷ سورۃ آل عمران:۸۶)

بینائی پا کر اندھا بن جانا وہ جرم ہے، جس کی سزا یہی ہونی چاہیے کہ ہمیشہ کے لیے کور چشمی دے دی جائے، قوت سماع ہوتے ہوئے بہرا بننے کا فیشن اسی قابل ہے کہ ہمیشہ کے لیے بہرا پن ملے اور دل و دماغ ملنے کے بعد عقل و شعور سے بیگانگی اس کی سزاوار ہے کہ ناسمجھی اور حماقت کی مہر لگا دی جائے، اس دنیائے سیاہ و سفید اور عالم کون و فساد میں کتنے ہی روشن دن آئے، مگر بد بخت انسانوں نے ان کو اپنے حق میں سیاہ رات بنا لیا اور کتنے ہی بننے سنورنے کے حالات ظاہر ہوئے، لیکن نا اہلوں نے ان کو اپنے بگاڑنے کا ذریعہ بنا لیا اور اپنی کج روی اور کج فہمی سے سیدھی راہوں اور صاف ستھری باتوں کو اپنے بخت و نصیب کے حق میں مستقل الجھنیں بنا دیا، ایسے محروموں اور بد بختوں نے حق و صداقت کو پا کر اس کا اقرار

واعتراف کیا، دین وایمان کے داعیوں اور مبلغوں کی دعوت پر لبیک کہا اور خدا کی دی ہوئی بینائی سے اس کے بے شمار دلائل وشواہد اور نشانیاں دیکھیں، مگر سعادت مندی وخوش نصیبی کی گود میں آجانے کے بعد انہوں نے ان تمام حقائق کو یکسر مفقود کر دیا اور دین وایمان اور حق وصداقت کو تسلیم کرنے کے بعد کفر وضلالت کی زندگی اختیار کی، ایسے نالائق اور نااہل اپنے دشمن ہیں اور انہوں نے اپنے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، جو لوگ اپنے لیے خود ظالم ہوں، قدرت انہیں کیوں پسند کرے اور ان کو کس لیے اپنی نوازشوں کے قابل گردانے؟

ہم مسلمان ہیں، ہم نے دین اسلام پایا ہے، ہم نے رسولِ خدا کو برحق گردانا ہے اور ہمارے پاس خدا کی آیات وعلائم آئی ہیں، ان تمام حقائق کے مقابلہ میں اگر ہم خلاف رویہ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے کیسے نوازے گا؟

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ رمئی ۱۹۷۶ء)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

تم لوگ ہرگز نہیں پاؤ گے نیکی کو، یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے، جسے تم محبوب رکھتے ہو اور جو نیک چیز تم خرچ کرو گے، تو اللہ اسے جاننے والا ہے۔ (۴ع ۱ سورۃ آل عمران: ۹۲)

اسلام قارونیت کے خلاف جہاد کرنا فرض قرار دیتا ہے، وہ زیادہ سے زیادہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے سامان چند روزہ ہیں، ان پر فخر وغرور نہ کرو، یہ فتنہ ہیں، ان میں پڑ کر اپنی آخرت سے بے فکر مت ہو جاؤ، اور ایسا نہ کرو کہ دنیا کی خریداری میں آخرت کا نقدی خرچ کر ڈالو۔

یہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، اس تعلیم سے عملی اثر کے مرتب ہونے کے طور پر زیادہ سے زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ جو چیز تمہیں دنیا میں زیادہ پسند خاطر ہو، اسے خدا کی راہ میں

خرچ کرو، تاکہ معلوم ہو کہ تم اسلام کی تعلیم پر کہاں تک عامل ہو، گویا خدا کی راہ میں خرچ کرنا امتحان ہے، اس تعلیم کا جس میں مومن کی نظر دنیا سے ہٹا کر آخرت کی طرف کی گئی ہے، ایک سرمایہ دار کو اپنے ایک لاکھ روپیہ سے اتنی محبت نہیں ہوگی جتنی کہ ایک غریب کو اپنے ایک روپیہ سے ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدا کے نزدیک ایک روپیہ محبوب، ایک لاکھ غیر محبوب سے زیادہ وزنی ہے، پس ہر مسلمان کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اتنی رقم دے، جو اسے خود بھی پسند ہو، اور اگر کسی نے یوں ہی بے توجہی سے ایک روپیہ کسی حاجت مند کو اٹھا کر دے دیا تو اس کی قدر و قیمت زیادہ نہیں ہے، "برّ" ایک ایسا مقام ہے، جہاں ہر انسان اسی وقت پہونچتا ہے، جب کہ اپنی مرغوب و محبوب چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کرے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۶ ر دسمبر ۱۹۵۰ء)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

تم لوگ ہرگز بھلائی کو نہیں پا سکتے، جب تک کہ تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، اور جو مال تم خرچ کرتے ہو، اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (۴ع ۱ سورۃ آل عمران: ۹۲)

قرآن نے انسانوں کو ایک دوسرے کے کام آنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی ہے اور ہر طرح سے انسانوں کو امداد باہمی پر ابھارا ہے، اس سلسلہ میں مالی امداد و تعاون کے لیے تو اس نے مستقل اصول و قوانین بنائے ہیں اور اپنے پیروؤں کو ان پر سختی سے چلاتا ہے۔

ان اصول و قوانین کے بعد بھی قرآن اور اسلام نے موقع بہ موقع مالی تعاون کی راہ نکالی ہے اور مسلمانوں کو نفلی صدقات و خیرات کرنے کی تاکید کی ہے، اس کے زیادہ سے زیادہ ثواب سے آگاہ کیا ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی ہے، پھر اس سلسلہ میں انشراحِ صدر اور ایثار کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے، تاکہ اس تعاون کا مقصد فوت نہ ہو اور

اس میں کسی طرح کی عدمِ افادیت نہ آئے۔

اس لیے اسلام نے بہتر سے بہتر چیز خرچ کرنے کی تاکید اور اپنی ضروریاتِ زندگی میں سے بھائی کا حصہ نکالنے کو کہا، تاکہ کوئی شخص ایسا نہ سمجھے کہ غیر ضروری اور زائد چیزوں کو دے کر فرصت ہو جائے گی اور خدا راضی ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ بہتر نیکی یہ ہے کہ تم اپنی ضرورت کی طرح اپنے بھائی کی ضرورت کا بھی احساس کرو اور جن چیزوں کو تم اپنے لیے ضروری سمجھتے ہو، ان کو اپنے بھائیوں کے لیے بھی ضروری سمجھ کر انہیں اللہ کی راہ میں دو، تاکہ وہ اپنا کام تمہاری مدد سے اچھی طرح حسن وکمال کے ساتھ انجام دے سکیں، اللہ سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے، تم جیسا بوؤ گے، ویسا ہی کاٹو گے، جیسا کرو گے، ویسا ہی پاؤ گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۳/دسمبر ۱۹۵۸ء)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۥ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

تم لوگ نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے، یہاں تک کہ تم اپنی محبوب چیزوں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کہ خرچ کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ (۴ع۱ سورۃ آل عمران: ۹۲)

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اسے کسی چیز کی مطلق حاجت نہیں ہے، وہ تمام مخلوق کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور سب کو سب کچھ دیتا ہے، جس کی صفت یہ ہے کہ اسے کسی مخلوق کی کسی چیز کی کیا حاجت ہوگی؟

البتہ مخلوق کو ضرورت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کرے اور اس کی رضاجوئی کے لیے اپنی متاعِ عزیز کو قربان کرنے سے دریغ نہ کرے، اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اور ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی ضرورت ہے، خاص طور سے انسان کو تو اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور رحمت ومغفرت

کی بڑی ضرورت ہے، اوراس کے لیے انسان جو کچھ بھی کرے، کم ہی ہے، اور جس طرح انسان کو اپنی ذات سے نیکی اور رضائے خداوندی کے حصول کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔

اسی طرح اپنے مال ودولت اور مال ومتاع سے اس کی تلاش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ پاک وطیب ہے، وہ پاک وطیب مال کو قبول کرتا ہے اور غلط مال اللہ تعالیٰ کی جناب میں نامراد اور نامقبول ہے اور جو مال جس قدر زیادہ حلال وطیب ہوگا، اسی قدر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیت پیدا ہوگی۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ مال ودولت کو اپنے لیے مخصوص سمجھتے ہیں اور اس میں ایک پائی بھی راہِ خدا میں نکالنا نہیں چاہتے اور جب کبھی ایسا موقع آتا ہے تو دامن چھڑانے کے لیے بڑی تنگی کے ساتھ، بہت معمولی چیز بھی گئی گزری مقدار میں اللہ کی راہ میں دے دیا کرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴؍جون ۱۹۶۰ء)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ

تم ہرگز ہرگز بھلائی نہیں پاسکتے، جب تک تم اپنی محبتوں کے اس خزانہ کو خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوجاؤ، جن کی دولتوں میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے۔ (پ۴ع۱، سورۃ آل عمران: ۹۲)

تم زندگی کے بیوپار میں نہ کسی بھلائی کو پاسکتے ہو، نہ کسی نیکی کو، نہ کوئی منافع حاصل کرسکتے ہو اور نہ خسارے اور گھاٹے سے بچ سکتے ہو، جب تک تمہارے مال میں، تمہاری دولت میں، تمہاری تجارت میں اور تمہاری روپیہ پیسہ کی تجوریوں میں اس خدا کا حصہ نہ ہو، جس نے تم کو یہ سب کچھ دیا ہے۔

اللہ کی قدرت ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کو سب کچھ دے دے اور جس کے پاس سب کچھ ہو، اسے ایک بار دے کر سب کچھ چھین لے، ایک مسلمان اگر غریب ہے اور وہ غربت پر صبر کرتا ہے تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور ضرور اس کی غربت میں انقلاب آئے گا۔

اگر ایک مسلمان دولت مند ہے اور خدا کا شکر گزار ہے تو اس کی دولت میں یقیناً خیر و برکت ہوگی، انسان اپنی دولت سے محبت کرتا ہے، اپنی راحت و آرام سے محبت کرتا ہے، اپنی کوٹھی بنگلوں، مکانوں اور دکانوں سے محبت کرتا ہے، اپنے پھلوں، پھولوں اور طرح طرح کے کھانوں سے محبت کرتا ہے، محبت کے ان خزانوں میں دوسرے غریبوں اور اللہ کے بندوں کا بھی حصہ ہے، دینی مدرسوں اور یتیم خانوں کا بھی حق ہے، مہمانوں، مسافروں، غریب عزیزوں، ماں باپ، بھائی بہنوں کا بھی حصہ ہے۔

خدا کا شکر ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان حقوق اور حصوں کو ادا کیا جائے، جب تک ہم خدا کے حکم پر اپنی محبوب چیزوں کو حصہ رسد قربان نہ کریں گے، اس وقت تک خدا کی محبت کا سودا اور اس سودے میں نفع ہونا ممکن نہیں، نفع بھی ہوگا تو پائیدار نہ ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ

تم لوگ نیکی کو ہرگز نہیں پہونچ سکتے، یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز کو، جسے تم پسند کرتے ہو۔ (۴ع۱ سورۃ آل عمران: ۹۲)

اگر تم نے کسی ضرورت مند کو اپنی ایسی بے کار چیز اٹھا کر دے دی، جو تمہارے گھر میں پڑی سڑ رہی تھی اور اس کے رکھنے کے لیے جگہ نہیں تھی، تو یہ کوئی نیک کام نہیں ہے، بل کہ تم نے اپنا بے کار سامان کسی کوڑا کرکٹ میں ڈالنے کے بجائے ایک شخص کو دے دیا اور تمہارا بار ہلکا ہوگیا۔

نیکی تو یہ ہے کہ تم کسی ضرورت مند آدمی کو اپنی ایسی چیز دے دو، جو خود تمہارے لیے ضروری ہے اور تم اسے بہت جتن سے رکھتے ہو اور کسی طرح اسے باہر کرنا نہیں چاہتے ہو، مگر تمہارے ایک بھائی کی ضرورت نے اس عمدہ کارآمد اور بہترین سامان کو تم سے لے لیا اور تم نے ہنسی خوشی سے دے دیا۔

جب بندوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو پھر اللہ کے ساتھ یہ معاملہ کیوں نہ ہو، اگر اللہ

تعالیٰ سے تم کو نیکی لینی ہے تو تم کو اپنی پیاری چیز دینی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں عقیدت ومحبت اور اخلاص کی گراں قدر متاع پیش کرنی ہوگی، اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے، جب کہ تم اپنی محبوب سے محبوب تر چیز کو بھی اللہ کے حکم پر قربان کردو، چاہے وہ جان کی صورت میں ہو، چاہے مال کی شکل میں ہو، اسے اولاد کہا جائے یا دولت وثروت کے نام سے پکارا جائے، یا پھر جذبات وخواہش سے اس کو تعبیر کیا جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹/جنوری ۱۹۵۸ء)

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

بے شک سب سے پہلا گھر جو کہ انسانوں کے لیے بنایا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت ہے اور تمام عالم کے لیے ہدایت ہے، اس میں کھلی کھلی نشانیاں اور مقامِ ابراہیم ہے، اور جو بھی اس میں داخل ہو جائے گا، مامون ہو جائے گا۔ (پ ۴ ع ا سورۃ آل عمران: ۹۶، ۹۷)

دنیا میں روحانیت کا سب سے پہلا مرکز مکہ میں کعبۃ اللہ ٹھہرایا گیا، جو تمام عالَم انسانی کی روحانی زندگی کا مرکزِ اولین قرار پایا، وہ مرکز حقیقت کا مرجع وماویٰ تھا، اس پر نہ کسی قوم کا قبضہ تھا، نہ کسی ملک کی اجارہ داری تھی اور نہ ہی وہ ملتِ حنیفیہ کے علاوہ کسی دوسرے نظریہ اور تصور کا مرکز ہو سکتا تھا، وہ تمام عالم کے لیے ہدایت کا مینارہ تھا، اس لیے کسی خاص فرد یا خاص جماعت اور خاص مذہب کی جاگیر نہ تھا کہ وہ جسے چاہے اپنے خیالات وتصورات کے موافق اس میں میناکاری کرے۔

پھر اس کی مرکزیت کی واضح علامتیں موجود تھیں، جن سے ابراہیمی دین کی مرکزیت کا ثبوت ملتا تھا، مقامِ ابراہیم تک اس میں موجود تھا، اس پر صرف قریش کے افکار ونظریات کا قبضہ نہ تھا کہ وہ جیسے چاہیں اس میں تغیر وتبدل کریں، ان کے ورثہ میں صرف کعبہ کی تولیت اور مجاوری تھی، اس کی دیکھ بھال تھی، اور اس سلسلے میں ایامِ حج کا نظم وضبط ان کے

ذمہ تھا، اگر انہوں نے اپنی حد سے آگے بڑھ کر یہودیت اور نصرانیت کے تصورات کو اس میں دخیل کرنا چاہا، اور الوہیت کا تجسیمی منظر قائم کرنا چاہا، جو حنیفیت کے سراسر خلاف تھا، تو یہ ان کی زیادتی تھی، جسے بہر حال حنیفیت برداشت نہیں کر سکتی تھی، اسی لیے فتحِ مکہ کے دن حنیفیت نے کعبہ کو ان تمام نشانات سے پاک کر دیا، جو اس کی مرکزیت کے منافی تھے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۳؍اپریل ۱۹۵۲ء)

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

اور لوگوں پر فرض ہے کہ جو استطاعت رکھے، وہ خدا کے لیے بیت اللہ کا حج ادا کرے، اور جو شخص کفر کرے گا تو اللہ تمام عالم سے بے پرواہ ہے۔ (پ ۴ ع ا سورۃ آل عمران: ۹۷)

کعبہ جو انسانی روحانیت کا مرکز گردانا گیا ہے، اور جسے دینِ حنیف کے مؤسس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے تعمیر کیا ہے، اس کی تطہیر و تجدید کا کام ہو گیا، اسلام نے اس گھر کو اپنا مرکز بنا لیا ہے۔

لہٰذا آپ تمام انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی مرکزیت کا اعتقاد رکھیں اور جو لوگ وہاں پہونچ سکتے ہیں، پہونچ کر فیض و روحانیت کا اکتساب و اخذ کریں، اپنے روحانی منافع کو حاصل کریں اور اس کی مرکزیت کی سالمیت میں مدد دیں۔

اسلام کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا، جو انسانیت کے بس میں نہ ہو، وہ ہر معاملہ میں انسانی طاقت کا اعتبار کرتا ہے، وہ دینِ فطرت ہے، اس لیے کبھی بھی غیر فطری بات نہیں کرتا،، حج ان ہی لوگوں پر فرض ہے، جو کعبہ تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہیں، غیر مستطیع کے لیے حاضری ضروری نہیں ہے، بل کہ اس کی مرکزیت کا اعتقاد کافی ہے، لیکن استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کفر ہے۔

قرآن کی زبان میں استطاعت کے باوجود جو حج نہ کرے گا، وہ کفر کرے گا، اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بے نیاز ہے، اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ لوگ اس کے در پر آ کر اسے کوئی فائدہ پہونچائیں، بل کہ جو لوگ وہاں ہوں گے، اپنا فائدہ حاصل کریں گے اور اپنی روحانی اور دینی سالمیت کو برقرار رکھیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۴/ اپریل ۱۹۵۲ء)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝١٠٠

اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، اگر تم لوگ اس گروہ کی اطاعت کرنے لگو، جسے کتاب دی گئی ہے، تو وہ تمہیں ایمان کے بعد کافر بنا دیں گے۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۰)

ہدایت یاب ہونے کے بعد گمراہ ہو جانا اور بینائی ملنے کے بعد اندھا بن جانا، اس قدر خطرناک جرم ہے کہ اس کی سزا تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں، یوں تو ہر فرد اور قوم کے ہدایت یاب ہونے کے بعد گمراہی کا خطرہ رہتا ہے، مگر مسلمان قوم کے بارے میں یہ خطرہ بہت شدید ہوتا ہے اور اسے اس معاملہ میں بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ ایک مسلمان قوم کے مقابلہ میں جس قدر غیر اسلامی قومیں ہیں، سب کی سب مجتمع ہیں، اور سب ہی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے کام کرتی ہیں۔

پھر ان طاقتوں میں اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی طاقت مسلمان کے لیے بڑی ہی خطرناک ہے، کیوں کہ یہ یہودی اور نصرانی دینی، علمی فکر اور ذہنی پہلوؤں سے مسلمان پر وار کرتے ہیں اور فکر و نظر کی راہ سے مسلمان قوم کو گمراہی کی دعوت دیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں براہِ راست مسلمانوں کی رقیب ہیں اور اپنے کو اس کے بالمقابل سمجھتی ہیں، اس لیے مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی کھلی کھلی مخالفتوں اور شدید آویزشوں سے پوری طرح مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی خفیہ چالوں اور علم و فکر کی

تاریک راہوں کی یلغار سے بہت زیادہ چوکنا رہنا چاہئے۔

کافرومشرک تو کھل کر مقابلہ میں آجاتا ہے، مگر یہودی ونصرانی دوست بن کر جڑ کاٹتا ہے اور زندگی کے حسین رنگ میں موت کی دعوت دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳؍اکتوبر ۱۹۷۲ء)

وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور اے مسلمانو! تم کیسے کفر کر سکتے ہو، جب کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے اور جو خدا پر اعتماد کرتا ہے تو سیدھی راہ کی طرف اس کی ہدایت کردی جاتی ہے۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۱)

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم اہلِ کتاب کے پھیرے میں پڑو گے تو یہ تمہیں گمراہ کرنے کی تدبیریں کریں گے، اب بتایا جارہا ہے کہ اگر تم اپنی اور اپنے دین کی حقیقت کو سمجھو اور اس پر عمل کرو تو کون سی طاقت ہے، جو تمہیں گمراہ کر سکے گی۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ قوم جس پر خدا کی آیتوں کا نزول ہوتا ہے اور ہر مرحلہ پر اس کی آسمانی ہدایت ہوتی ہے، پھر اس کی رہنمائی کے لیے اللہ کا رسول اس کے اندر بنفسِ نفیس موجود ہے، ان حالات میں ایسی قوم پر کسی دوسری جماعت کا غلط رنگ چڑھ سکے، تم لوگ اگر توحید ورسالت پر پورا پورا عقیدہ رکھتے ہو اور اسلامی عقائد وتصورات پر مضبوطی سے قائم ہو تو پھر تمہیں کوئی طاقت گمراہ نہیں کر سکتی، کیوں کہ تمہاری ایسی زندگی رشد وہدایت کی ضامن ہے۔

اگر آج بھی مسلمان غیر مسلموں کے اوہام وخیالات کے نرغے میں پھنسے ہیں، تو انہیں خدا ورسول اور کتاب وسنت پر جم جانا چاہیے، تاکہ وہ اپنے مرکز کی کشش سے دوسری طرف نہ بہک سکیں، اور اسلام کی مقناطیسی قوت انہیں اِدھر اُدھر نہ جانے دے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰؍اکتوبر ۱۹۵۲ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور بجز اسلام کے تم کسی اور حالت پر مت مرنا۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ سب سے بلند و بالا ہے اور سب پر غالب ہے، وہ قادرِ مطلق ہے، اس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہے کرے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم بہت ہی وسیع ہے اور اس کی رحمت عام ہے، اسی طرح اس کا انتقام اور غضب بھی بہت عام ہے اور اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، ایک مومن کی زندگی خوفِ خدا کے محور پر گردش کرتی ہے اور ایک ایک حرکت و سکون خشیتِ الٰہی پر ہوتی ہے اور حقیقی معنوں میں وہ خدا پرست ہوتا ہے، خدا پرستی یہ نہیں ہے کہ کوئی انسان زبان سے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرتا ہے، وہ خدا سے ڈرتا ہے اور وہ عبدیت و بندگی کا قائل ہے اور عقیدہ و عمل کا یہ حال ہے کہ نہ دل میں خشیتِ الٰہی کا کوئی شوشہ ہو اور نہ عمل و کردار سے اس کا ظہور ہو۔

تقویٰ اور خدا پرستی کے زبانی دعویدار تو بہت زیادہ لوگ ہیں اور ہو سکتے ہیں، مگر اس کا معیار صرف اسلام ہے، جو انسان صرف اسلام پر زندہ رہ کر اسلام پر مرے اور پوری زندگی اسلام کے اصول و فروع پر بسر کرے، وہ حقیقی متقی و خدا پرست ہے اور تقویٰ الٰہی کا جو حق ہے، اسی کے مطابق زندہ رہتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳ رمئی ۱۹۶۰ء)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

اے اہلِ ایمان! تم صحیح معنی میں تقویٰ اختیار کرو اور یہ عزم کر لو کہ تم مسلمان ہو کر ہی مروگے۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲)

یعنی اہلِ ایمان کو دو باتوں کا عزم کر لینا چاہیے، اول یہ کہ وہ اپنے دینِ اسلام کی ذمہ

داریوں کو محسوس کریں گے اور اپنے اندر تقویٰ کی روح کو کمزور نہ ہونے دیں گے اور خدا کے تصور سے اپنے دماغ کو بے گانہ نہ ہونے دیں گے، دوم یہ کہ ان کا انجام اسلام پر ہو، وہ اسلام کے لیے جیئیں اور اسلام کے لیے مریں اور اسلام ہی کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں، گویا اسلام اتنی بڑی دولت ہے کہ جو شخص اس کے بغیر مرا، وہ مفلس ہو کر مرا، اور اس کا آنا جانا بے کار رہا۔

مسلمان ہو کر مرنے سے مراد یہ ہے کہ جب تک تم اسلام کے مشن کو پورا نہ کرلو، دنیا سے جانے کا نام نہ لو، اور جب تم مرو تو اس اطمینان کے ساتھ کہ اسلام کے تقاضے پورے ہوئے اور اس کا پیغام گھر گھر پہونچ گیا، بہر حال مرتے مرتے بھی اسلام کے لیے کوشش ہونی چاہیے، کیوں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اسی کے ذریعہ نوعِ انسانی کو امن اور فلاح کی راہ مل سکتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہیے، اور تم لوگ نہ مرو، مگر اس حال میں کہ مسلمان رہو۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲)

ویسے تو پوری انسانیت خدا کی مخلوق ہے اور سب کو اس سے ڈرنا چاہیے، اگر یہ بات ہو جائے تو ماشاء اللہ، سبحان اللہ، مگر انسانی بدبختی کی یہ صورتِ حال نہایت ناپسندیدہ ہے کہ بہت سے انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروا نہیں کرتے، ان کو کسی حال میں خدا کے مواخذہ اور اس کی باز پرس کا ذرہ برابر خیال نہیں ہوتا اور وہ اپنی زندگی میں اس قدر شریر ہوتے ہیں کہ مرتے دم تک ان سے شرارت نہیں جاتی۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور مومنوں سے فرماتا ہے کہ تم نے اسلام قبول کر کے تقویٰ کا جو عہد و پیمان کیا ہے اور ساری دنیا کے انسانوں سے تم نے اسلام قبول کر کے جو قطع تعلق کیا ہے، تو اب تمہیں لازم ہے کہ پوری زندگی خشیتِ الٰہی اور تقویٰ میں بسر کرو اور

مرتے دم تک تقویٰ کی راہ سے نہ پھرو۔

مسلمانوں کے افراد ہوں یا جماعتیں سب کو تقویٰ کی زندگی بسر کرنی چاہیے، عوام، خواص، علماء، عبّاد، حکمراں، با اقتدار، مال دار، غریب، مرد، عورت غرض کہ ہر طبقہ اور ہر گروہ کا ہر فرد زندگی کے پورے نظام میں اللہ تعالیٰ کی بالادستی کو قابض و دخیل مانے، اور ہر حرکت اور ہر سکون میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا عقیدہ رکھے، پھر کیا مجال ہے کہ اجتماعی زندگی یا انفرادی زندگی میں مسلمان ذرا بھی کہیں ناکام ہو، اور اس میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہو، ایک اللہ کی غلامی سے انسان حریت و آزادی کی بڑی حسین و جمیل زندگی پا جاتا ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۴ر ستمبر ۱۹۷۹ء)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اے مومنو! اللہ سے تقویٰ کی زندگی جیسی چاہیے اختیار کرو، اور تمہیں موت نہ آئے مگر تم مسلمان ہو۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲)

تقویٰ کیا ہے؟ ظاہر اور باطن میں اپنے کو خدا کی جناب میں جواب دہ تصور کرنا، اپنے اعمال میں ظاہری حرکتوں کے ساتھ باطنی روح پیدا کرنا اور زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال دینا، جس میں ہر نکلی ہوئی چیز پر اللہ اور اس کے رسول کی مہر ثبت ہو۔

خدا سے تقویٰ کا معاملہ کامل و مکمل ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ تقویٰ اور فتویٰ کی تفریق کر کے اپنی زندگی کو دورنگی بناؤ، جہاں اپنا فائدہ نظر آئے، متقی بن جاؤ اور جہاں نقصان کی باری آئے تو تقویٰ کا لبادہ اتار کر پھینک دو، اسے اسلام تقویٰ نہیں کہتا، ایسا کرنے والے اس کے نزدیک متقی نہیں بن سکتے۔

پس اے مسلمانو! حقیقی تقویٰ اختیار کرو، دین کے ایک مضبوط مرکز پر جم جاؤ، ایسا نہ ہو کہ دینی زندگی میں قلابازیاں کھاتے رہو اور انجام کار اسلامی تقاضوں کے خلاف ہو، جیو تو

مسلمان اور مرو تو مسلمان۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴ ؍ جولائی ۱۹۵۰ء)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے مومنو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے، اور خبردار تمہاری موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم دنیا سے مسلمان اٹھو۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲)

خدا سے حقیقی تقویٰ دینی زندگی اور اسلامی موت کا ذمہ دار ہے، اگر زندگی خدا کے حقیقی ڈر سے خالی ہے تو پھر مسلمان مرنا یقینی نہیں ہے، آخرت جس کی پہلی منزل موت ہے، اس وقت سنور سکتی ہے، جب کہ دنیا درست ہو، اور دنیاوی زندگی کی استواری تقویٰ و پرہیزگاری پر موقوف ہے۔

پس اے مسلمانو! دنیا میں ایسی متقیانہ زندگی گزارو کہ مرتے دم تک تمہیں کوئی جھونکا ہلا نہ سکے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲ ؍ جولائی ۱۹۵۰ء)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو، سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو، جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے، اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے، تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے، شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا

سیدھا راستہ نظر آجائے۔ (پ ۴ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲، ۱۰۳)

اللہ کی رسی سے مراد دین ہے، دین ہی وہ رشتہ ہے، جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے، اس رسی کو مضبوط پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اصل مرکز توجہ دین ہونا چاہیے، اس کی اقامت اور اس کی خدمت میں تعاون کرتے رہیں۔

دل چسپی دین کی بنیادی تعلیمات سے ہوگی، تو ان کی دل چسپیاں اور توجہات جزئیات وفروع میں زیادہ نہ ہوں گی اور اس طرح آپس میں تفرقہ واختلاف نہ ہوگا اور اگر انہوں نے اصل دین سے ہٹ کر چھوٹے چھوٹے مسائل میں اپنی توجہ لگائی تو پھر وہی نتیجہ ہوگا، جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگوں کا حال تھا، قبیلوں کی باہمی لڑائیاں، کشت وخون اس درجہ بڑھ چکا تھا کہ اگر اسلام کی نعمت انہیں نہ ملتی، تو وہ قوم نیست ونابود ہوجاتی، اسلام ہی کی بدولت ایک دوسرے کے خون کے پیاسے باہم مل کر شیر وشکر ہوگئے۔

اب بھی تمہاری آپس کی عداوت دین ہی کے ذریعہ دور ہوسکتی ہے، بشرطے کہ تم فروعی مسائل کے بجائے بنیادی باتوں کی طرف اپنی توجہ لگاؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ر اپریل ۱۹۷۸ء)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

مسلمانو! اللہ سے ڈرو، ایسا ڈرنا جو فی الحقیقت ڈرنا ہے، اور دیکھو دنیا سے نہ جاؤ، مگر اس حالت میں کہ اسلام پر ثابت قدم ہو۔ اور دیکھو سب مل جل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہوجاؤ، اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کی یاد سے غافل نہ ہو، تمہارا یہ حال تھا

کہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، لیکن اس کے فضل وکرم سے ایسا ہوا کہ بھائی بھائی بن گئے، تمہارا حال تو یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو، (ذرا پاؤں پھسلا اور شعلوں میں جا گرے) لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا، (اور زندگی اور کامرانی کے میدان میں پہونچا دیا) اللہ اس طرح اپنی کارفرمائیوں کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے، تاکہ تم منزلِ مقصود کی راہ پالو۔ (پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۲، ۱۰۳)

اے مسلمانو! جماعت کے تفرقہ سے بچو، اور خدا کی رسی مضبوط پکڑ لو، خدا کی سب سے بڑی نعمت تم پر یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، اس نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا، تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے، جو داعی الی الخیر ہو، وہ نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور قوم کو راہِ حق وہدایت پر قائم رکھے، جماعت کے تفرقہ کی طرح دین کا اختلاف بھی مہلک ہے، اہلِ کتاب کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ دینِ حق کے علم اور کتاب اللہ کے حصول کے بعد پھر باہمی اختلاف میں پڑ گئے اور دین کی وحدت ضائع کر کے الگ الگ ٹولیاں بنا لیں، ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ، اور ایک دین پر جمے رہنے کی جگہ الگ الگ فرقہ بندیوں میں بٹ جاؤ۔ (مولانا ابوالکلام آزاد، از روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰ رجون ۱۹۵۰ء)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠

اللہ کی رسی کو سب مل جل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو۔

(پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ قول وعمل کی ہر منزل میں متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رکھیں، اس قدر مضبوط کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور بڑی سے بڑی حکومتوں کا جلال اسے نہ چھڑا سکے، آسمان اپنی جگہ بدل جائے، زمین اپنی جگہ سے ٹل جائے، دنیا میں زندگی کا ہر قانون انقلاب کی نذر ہو جائے، مگر قرآن کا یہ قانون کبھی نہیں بدل سکتا کہ مسلمان

ہونے کے باوجود اللہ کے رشتے کو چھوڑنے پر تیار ہو جائے۔

اللہ کا نام مسلمانوں کی زندگی کا اقتدار اعلیٰ ہے، مسلمان اسی نام پر پیدا ہوتا ہے، اسی نام کے سہارے زندہ رہتا ہے، اسی نام کا نعرہ بلند کر کے میدانِ جنگ میں فتح پاتا ہے اور اسی نام کی طاقت سے اپنی ناکامیوں کو کامیابی سے بدلتا ہے، مسلمان حمد و ثنا کے موقع پر الحمدللہ کہتا ہے، حیرت اور تعجب کے وقت سبحان اللہ، گناہ سے بچنے کے لیے استغفر اللہ۔

اس زندگی کے بعد دائمی زندگی سے ہم کنار ہونے پر لا الٰہ الا اللہ اور مرنے والے مسلمان کی تعزیت پر انا اللہ کہتا ہے، مسلمان کے نقطۂ نگاہ سے یہ زمین ارض اللہ ہے اور زمین پر بسنے والے انسان عباد اللہ، زمین اللہ کی زمین ہے، اور بندے اللہ کے بندے ہیں، اللہ کی ذات اور صفات کے اسی عقیدے کو دیکھ کر جرمنی کا مشہور شاعر گوئٹے چیخ اٹھتا تھا، اللہ اکبر۔

اگر اسلام اس کا نام ہے کہ ہر انسان کو اللہ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے، تو کیا ہم سب مسلمان نہیں ہیں؟ دنیا میں کوئی قوم بادشاہ کے نام پر جمع ہوتی ہے، کوئی قوم اپنے قومی دستور کے نام پر جمع ہوتی ہے، کوئی اپنے آمر اور ڈکٹیٹر کے حکم پر، مگر یہ مسلمان ہیں اور یہ ان کا امتیازِ خاص کہ ان کی زندگی کی ساری تنظیم اللہ کے نام پر ہوتی ہے، دنیا کی تمام قومیں خدا کو مانتی ہیں، مگر اسلام کہتا ہے کہ جس خدا کو مانتے ہو، گردن بھی اسی کے سامنے جھکانی چاہئے۔

چوں کہ خدا کا حکم ہے کہ مسلمان اختلاف نہ کریں، آپس کے تعلقات کو پارہ پارہ نہ کریں، اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اختلاف کی جگہ اتحاد کی طاقت سے کام لے اور اسلامی نظامِ زندگی کو فولاد کی طرح مضبوط اور محکم رکھے۔ (روزنامہ انقلاب، بمبئی)

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے، جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتی رہے، اچھی

باتوں کا حکم کرے اور بُری باتوں سے روکے، اور ایسے ہی لوگ کام یاب ہونے والے ہیں۔

(پ ۴ع ۲، سورۃ آل عمران: ۱۰۴)

کوئی سوسائٹی اس وقت تک تباہ وبرباد نہیں ہوتی، جب تک اس کے اندر ایک پارٹی رہا کرتی ہے، جو نیکی اور بدی میں تمیز کرتی ہے اور خطرناک باتوں سے قوم کو روک کر مفید باتوں کی تلقین کرتی رہتی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جس جماعت میں ہوتا ہے، وہ قوم دل، دماغ اور عمل و کردار کے اعتبار سے تازہ رہا کرتی ہے اور اس میں صالح زندگی کی لہر دوڑا کرتی ہے۔

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو خاص طور سے اس بات سے آگاہ کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کی ہر بستی اور ہر جماعت میں ایک ایسا مخصوص طبقہ ہونا چاہیے، جو اچھائیوں پر خود عمل کرے، دوسروں کو ان پر آمادہ کرے اور برائیوں سے بچ کر عوام کو ان سے بچائے، جو لوگ یہ وظیفہ انجام دیں گے، وہ خود بھی کام یاب ہوں گے اور ان کی قوم بھی ان پر عمل کر کے کام یاب ہوگی، اور اگر اس کے برخلاف معاملہ ہوا تو اس کا منطقی نتیجہ یہی ہوگا کہ وہ قوم ناکام و نامراد ہوگی اور اس کی زندگی اور آخرت دونوں عبث اور بے کار ہوں گی۔

آج ہم مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی ذمہ داری بڑی حد تک ہماری اس روش پر ہے، جس کے باعث ہم میں نہ امر بالمعروف کا کام ہو رہا ہے اور نہ نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ر ستمبر ۱۹۷۹ء)

وَ لۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور رہنے چاہئیں، جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم

دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں، جو لوگ یہ کام کریں گے، وہی فلاح پائیں گے، کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا، جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہوگئے، جنھوں نے یہ روش اختیار کی وہ سخت سزا پائیں گے۔

(پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۴، ۱۰۵)

مسلمانوں کے لیے فلاح و بہبود کا راستہ یہی ہے کہ وہ آپس میں نیکی کا چرچا کریں اور اپنے معاشرہ میں برائیوں کو نہ پھیلنے دیں، اس کے لیے ایک گروہ کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ہمیشہ سرگرم رہنا چاہیے، ورنہ ان کا بھی وہی حشر ہوگا، جو اگلی امتوں کا ہوا، دینِ حق کی صاف اور واضح ہدایات کو چھوڑ کر غیر متعلق ضمنی اور فروعی مسائل میں الجھ گئیں اور محض ان کی بنیاد پر الگ الگ فرقوں میں بٹ گئیں، فضول اور لایعنی باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ نہ انہیں کام کا ہوش رہا، جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا، اور نہ عقیدہ و اخلاق کے ان بنیادی اصولوں سے کوئی دل چسپی رہی، جن پر درحقیقت انسان کی فلاح وسعادت کا دارومدار ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷/ اپریل ۱۹۷۸ء)

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾

اورتم ان لوگوں کے مانند نہ ہوجاؤ، جو جدا جدا ہوگئے اور جنھوں نے آپس میں اختلاف کیا، اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل آچکے تھے، ان لوگوں کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

(پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۵)

جہالت اور نادانی کے دور میں اختلاف کا ہونا اور کسی بات پر آپس میں لڑ جانا، قیاس سے بعید نہیں ہے، نادانی اور جہالت کے زمانہ میں ایسا ہونا لازمی ہوتا ہے، اس لیے جہالت و نادانی سے دور رکھنے کے لیے ہر طرح کا جتن کیا جاتا ہے، اور اپنے کو اور دوسروں کو

علم ودانش کی روشنی میں لایا جاتا ہے، مگر وہ اختلاف وافتراق بڑا ہی مہلک اور خطرناک ہوتا ہے، جو علم ودانش کے بعد رونما ہوتا ہے، اور آدمی جان بوجھ کر ظلم ونادانی کا شکار بن جاتا ہے، جس کے بعد سنبھلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، اور اس کی سزا نہایت بری شکل میں ملتی ہے، پھر بنائے ایک نہیں بنتی۔

دیکھو کہ آج کل ہم مسلمان میں پڑھے لکھے لوگ مذہب کے نام پر کیسے کیسے فتنے اٹھاتے ہیں اور دین کے نام پر دلائل وبراہین کے ہوتے ہوئے کس طرح آپس میں اختلاف کرتے ہیں، اس صورتِ حال کا جو نتیجہ ہے، وہ سب ہم پر ظاہر ہے، کیوں کہ قانونِ قدرت ہے کہ جو لوگ بھی جاننے، بوجھنے کے بعد اختلاف کریں گے، ان کے لیے بڑی سزا ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۹ء)

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾

اور اے مسلمانو! تم لوگ ان لوگوں کے مانند نہ بنو، جو کھلی کھلی دلیلوں اور نشانیوں کے آنے کے بعد جدا ہو گئے اور آپس میں اختلاف کر بیٹھے، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

(پ ۴ ع ۲ سورۃ آل عمران: ۱۰۵)

قرآن وحدت انسانی کا سب سے بڑا داعی اور مبلغ ہے، وہ وحدت کلمہ کے ساتھ ساتھ وحدتِ مرکز، وحدتِ فکر، وحدتِ معاشرہ، وحدتِ تمدن اور وحدتِ خیال واعمال کی دعوت دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جب تک تم ظلم وجہالت میں پھنس کر اختلاف وافتراق کی نذر رہے، تب تک انسانی زندگی کی حقیقی لذت سے محروم رہے۔

اب جب کہ تمہارے اس وحدتِ کلمہ کی دعوت آچکی ہے، تو تم وحدتِ انسانی کی کڑی میں آجاؤ، اور گزشتہ امتوں کی طرح نہ بنو کہ اللہ کی آیتوں سے اندھے، بہرے، گونگے

بن کر نہ ایک بات سنو اور نہ اس پر عمل کرو، بلکہ ایسے تمام اگلے پچھلے مُفسدوں اور شرارت پسندوں کی راہ سے الگ ہوجاؤ، جنہوں نے خدا کی توحید کے مقابلہ میں شرک وکفر برپا کر کے انسانی گروہوں کومختلف ٹولیوں اور پارٹیوں میں بانٹ دیا۔

ایسے نامرادوں کی زندگی دردوالم کی زندگی ہے، انہیں دنیا وآخرت میں چین نہیں ہے، اگر تم لوگ بھی ان کی رَوِش اختیار کروگے اور اتحاد واتفاق کی اجتماعی زندگی سے منہ موڑوگے تو دونوں جہان میں لامرکزیت کی نذر ہوکر طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوجاؤ گے، اور تمہیں کہیں چین نصیب نہ ہوگا۔

مسلمان سوچیں کہ وہ اسلام کے کلمہ جامعہ کو قبول کر کے ایک اجتماعی زندگی کا معاہدہ کر چکے ہیں اور لامرکزیت کی زندگی سے رشتہ توڑ کر وحدتِ انسانی کی کڑی بن چکے ہیں، اس کے باوجود ان کی زندگی کس قدر اختلاف وافتراق میں گزر رہی ہے، اور اس زندگی کے نتیجہ میں بے چینی وبے امنی کی جو سزا مل رہی ہے، وہ کہاں ضروری ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۷/مارچ ۱۹۵۴ء)

وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان لانے والے ہیں، اور اکثر فاسق ہیں، وہ تم لوگوں کو سوائے اذیت دینے کے اور کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے، اگر وہ تم سے جنگ کریں گے تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہ کی جاسکے گی۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۱۰، ۱۱۱)

یوں تو اسلام کی دشمن طاقتیں کئی ایک ہیں اور رہیں گی، مگر ان میں سے اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ اگر اسلام کی دشمنی سے باز آجاتے، اور ایمان کی دولت سمیٹ لیتے تو خود ان

کے حق میں یہ بات بہت بہتر ہوجاتی، دنیا میں ان کی عزت بندھی رہ جاتی اور اکھڑتی ہوئی ساکھ پھر سے جم جاتی، اور بدعملیوں کے بعد بھی دنیا اور آخرت میں وہ منہ دکھا سکتے۔

ان میں سے کچھ دور اندیش لوگ تو اس راز کو سمجھ کر مسلمان ہوجائیں گے، مگر ان کا بڑا طبقہ اپنی گمراہی سے باز نہیں آئے گا، اور فساق وفجار کا یہ گروہ ہمیشہ مسلمانوں کے پیچھے پڑا رہے گا، یہ لوگ دنیا میں کفر والحاد کا پرچار کرتے رہیں گے، مگر مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ پٹے ہوئے مہرے تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے، البتہ وقتاً فوقتاً ان کی وجہ سے تم لوگوں کو جسمانی اور روحانی اذیت محسوس ہوگی، یہ نہ ہوگا کہ ان کفار ومشرکین کی حرکتوں سے کوئی بنیادی نقصان ہوجائے، اور مسلم قوم من حیث القوم تباہ وبرباد ہوجائے، جہاں تک وقتی مصائب اور ہنگامی مسائل کے درپیش آنے کا تعلق ہے، وہ تو دنیا کی زندگیوں میں آتے رہیں گے، ان سے کوئی قوم مرا نہیں کرتی، بل کہ زندگی کی راہ پاتی ہے، پس کفار ومشرکین کی یلغار سے مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ہراساں نہ ہوں، وقتی نقصان وفائدہ تو ہر قوم کا ہوتا ہے، ان میں بنیادی نقصان پہونچانے کی طاقت نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴؍اگست ۱۹۵۱ء)

لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَ اِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(یہ تمہارے مخالف اہلِ کتاب) تم کو سوائے اذیت کے اور کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اور اگر یہ تم سے قتال کریں گے تو تم کو اپنی پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (پ ۴ع ۳سورۃ آل عمران:۱۱۱)

اسلام ایک مستقل نظامِ زندگی ہے، اس پر چلنے والوں کی ایک مستقل زندگی ہے، اور جس طرح اسلام ایک نہ مٹنے والا اٹل نظامِ حیات ہے، اسی طرح اس کی حامل قوم بھی دنیا میں ایک نہ مٹنے والی اٹل قوم ہے، باقی رہا اسلام اور مسلمانوں کی ظاہری مخالفت کا ظہور، تو وہ ہمیشہ ہوتا رہے گا اور دنیا کی ہر باطل طاقت کہنے کو وہ اہلِ کتاب کی ہو، یا اہلِ کفر وشرک کی ہو،

اسلام کے نظام اور مسلمان قوم سے ٹکراتی رہے گی۔

قرآن حکیم مسلمانوں کو یقین دہانی کرارہا ہے کہ یہ تمہارے مخالف لاکھ ہاتھ پیر ماریں اور لاکھ چال چلیں، مگر تم خوب یاد رکھو کہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

ہاں ان کی عقربیت اور منش زنی کا اثر یہ ہوگا کہ کبھی کبھی تم کو ان کی وجہ سے جسمانی اذیت، روحانی تکلیف اور قلبی رنج ہوجائے گا، مگر یہ آنی جانی کیفیات مستقل رنگ اختیار نہیں کرسکتی ہیں۔

لہٰذا تم اس یقین اور اس دل وجگر کے ساتھ زندہ رہو کہ وقتی ہوائیں تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ہیں، ان کا ہر جھونکا ان کے اضطراب اور پیچ وتاب کا ثمرہ ہوتا ہے، وہ دوسرے کو کیا نقصان پہونچا سکتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بحران تم دیکھ رہے ہو، اس کے لیے بقا نہیں ہے، بل کہ یہ بحران اپنے منہ پر تھپڑ مار کر خود فنا ہوجائے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸/اپریل ۱۹۵۲ء)

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

اور وہ تم کو کوئی ضرر نہ پہونچا سکیں گے، مگر خفیف سی اذیت، اور اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران:۱۱۱)

مسلمانوں کے مقابل اہلِ کتاب ہوں یا کفار ومشرکین ہوں، مسلمانوں کو ان سے کوئی بنیادی نقصان نہیں پہونچ سکتا، اور وہ اوچھی حرکتوں کے علاوہ کسی جرأت مندی کا ثبوت فراہم نہیں کرسکتے، یہ ہوسکتا ہے کہ غیر مسلم طاقتیں مسلمانوں کے خلاف اخبارات ورسائل، ریڈیو اور دوسرے پروپیگنڈے کے ذرائع کو استعمال کرسکیں، مگر ان کی جڑ بنیاد اکھاڑنے کی جرأت ان میں نہیں ہوسکتی، بشرطے کہ مسلمان قوم واقعی اسلام کے اصول وفروع پر عمل درآمد کرتی ہو، اور اس کا حکمرانی کا نظام اسلامی نظریہ کے عین مطابق ہو، اور اگر مسلمان قوم اور مسلم حکمران بھی حکومت وسیاست میں غیروں کی راہ پر چل کر ان کے حریف بنیں گے، اور

ان کے نظریات وطُرُق پر چل کر ان سے مقابلہ کریں گے، تو پھر مسلمانوں کو اس وقت کوئی امتیازی بات حاصل نہ ہوگی، اور جس طرح دوسروں کے معاملات کبھی ناکام یاب اور کبھی ناکام ہوتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو ناکامی اور کام یابی سے واسطہ پڑے گا۔

دراصل توحید پرستی کی طاقت تمام طاقتوں پر بالا ہے اور مسلمان قوم کا مزاج اس کی وجہ سے بڑی طاقت، عزیمت، برتری پا جاتا ہے اور کافر بے اصول ہونے کی وجہ سے اور ایک ضد پر ایمان ویقین نہ رکھنے کے باعث ہمیشہ لامرکزیت کی نذر رہتا ہے، اور ہر موقع پر اس کے افکار وخیالات میں تزلزل رہتا ہے اور وہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہتا ہے۔

ان حقائق کو اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے بہت سے، بل کہ تمام تر معاملات ومسائل حل ہو جائیں اور ان کو بڑا سکون ملے گا۔ (رزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١٦﴾

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کو ان کے مال اور اولاد کچھ بھی ہرگز خدا سے نہیں بچا سکیں گے، اور یہ لوگ آگ والے ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران:۱۱۶)

اگر دل کی حالت ٹھیک نہیں ہے تو تمام اعضائے جسم نادرست ہیں، اگر جگر کا خون خراب ہے تو پورا جسم خرابی اور بیماری کا مرکز ہے، اور اگر عقیدہ خراب ہے تو سارے افکار وخیالات، تمام عواطف ورجحانات اور کل ارادے خراب ہیں اور روح سے جسم تک کا حصہ بیمار، خراب اور باطل ہے، اس خرابی کو دور کرنے کے لیے کتنی ہی زیادہ دوائیں استعمال کی جائیں، کتنے ہی گراں نسخے لکھائے جائیں اور کتنا ہی سخت پرہیز کیا جائے، لیکن جب تک عقیدہ کی صفائی نہیں ہوگی، نہ دوا کام دے گی، نہ پرہیز کام دے گا اور نہ ہی خارجی اسباب وذرائع کام دیں گے، ان کا نام مال ودولت ہو، چاہے آل واولاد ہو، یا پھر اور کوئی نام ہو، یہ چیزیں آدمی کے

کام آنے والی نہیں ہیں، اور قدرت کے قانون کے سامنے ان کی ایک نہیں چل سکتی۔

پس اگر ایمان وعقیدہ کی دولت اور طاقت آدمی کے پاس نہیں ہے تو ساری دولت بے کار ہے، ساری اولاد بے کار ہے، اور ساری شان وشوکت بے کار ہے، اور اگر ایک دولتِ ایمان آدمی کے پاس ہے تو اسے سب کچھ حاصل ہے، اور وہ دولت وثروت کے سہاروں سے بے نیاز اور آل واولاد کی مدد سے بے پرواہ ہے، اس کے باوجود دولت بھی کام آئے گی، اولاد بھی کام آئے گی کہ یہ چیزیں اسلامی اور دینی ماحول میں کارآمد اور مفید بن جائیں گی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۲ر جنوری ۱۹۵۸ء)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اَموال اور اَولاد خدا کے یہاں کچھ کام نہ آئیں گے، یہ تو جہنمی ہیں، جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۱۶)

اللہ تعالیٰ نیکی پر اجر دیتا ہے اور برائی پر سزا دیتا ہے، مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان ویقین نہیں رکھتے اور اس کے قانون مجازات کے بھی قائل نہیں ہوئے، ان کا معاملہ اس سے الگ ہے، وہ چاہے کیسا ہی کام کریں، ان کے لیے انجام کار کی بھلائی نہیں ہے، اور اللہ کی گرفت ان کو اپنی لپیٹ میں لے گی، تو پھر ان کی کوئی چیز کام نہ آئے گی، نہ جاہ وجلال میں بچانے کی طاقت ہوگی، نہ دولت وثروت کام دے سکے گی، نہ آل واولاد کام آئے گی، اور نہ ہی اور کوئی چھوٹی بڑی چیز کام دے سکے گی، بل کہ وہ کفر وشرک کی سزا میں اس طرح گرفتار کیے جائیں گے کہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور ان کے چھڑانے کے لیے کوئی سبیل نہ ہوگی۔

یہ مال ودولت اور اولاد اس لیے کام نہیں آئیں گی کہ کافروں نے اپنی ان چیزوں کو اپنے حق میں کارگر بنایا ہی نہیں، نہ اولاد کو نیکی کی راہ دکھائی، نہ ان کو کسی لائق بنایا اور نہ مال

ودولت کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے ان کو کارآمد بنانے کی کوشش کی، جب وہ خود ہی ناکارہ اور جہنم کے ایندھن بن کر رہے ہے تو پھر اپنی اولاد اور اپنی دولت کو کس طرح کارآمد اور مفید بنا سکتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اَموال واَولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہ بچا سکیں گے، یہ لوگ جہنمی ہیں، اور آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۱۶)

جب اعضائے رئیسہ کو کوئی بڑی بیماری لگ جاتی ہے تو پھر تمام جوارح بیمار ہوجاتے ہیں اور سب کے سب بے کار ہوجاتے ہیں، اسی طرح جب کوئی اندرونی بیماری خطرناک صورت اختیار کرلیتی ہے تو تمام خارجی اعضاء مضمحل ہوجاتے ہیں، بعینہٖ یہی حال ان لوگوں کا ہے، جو دل کے مریض ہیں اور ان کے جوہری اعضاء کفروشرک جیسی مہلک بیماری میں گھل رہے ہیں، ایسے بیماروں کو نہ ان کی اولاد کام دے سکتی ہے اور نہ اَموال واَسباب صحت دے سکتے ہیں۔

درحقیقت مریضانِ قلب کا علاج صرف انبیاء ورُسل علیہم السلام کے پاس ہوتا ہے، اور یہی حضرات اللہ کی کتابوں سے نسخۂ شفا تجویز کرتے ہیں اور جو لوگ اسے استعمال کرتے ہیں، وہ صحت مند وشفایاب ہوتے ہیں اور جو لوگ اس سے روگردانی کرکے کفروعدوان کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہ سراسر ذلیل موت کے غار میں گرجاتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کو چین نصیب نہیں ہوتا، نہ مال ودولت کام آتے ہیں نہ آل واولاد نجات دیتی ہے اور نہ ماتحت لوگ آکر بچاتے ہیں اور ان کا یہ انجام خود ان کی شرارت سے ہوتا ہے، اور اس کی ساری ذمہ داری ان ہی کے سر ہوتی ہے۔

پس اے لوگو! اپنی قلبی بیماریوں اور روحانی مرضوں کے لیے اللہ کی کتاب کے نسخے

استعمال کرو اور فلاح ونجات پاؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۱۱۸

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحبِ خصوصیت مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں، بعض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، جس چیز کو ان کے دل چھپاتے ہیں، وہ بہت بڑی ہے، ہم علامتیں تمہارے سامنے بیان کر چکے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۱۸)

مسلمان قوم دنیا کی دیگر تمام قوموں میں اپنے مخصوص عقائد واعمال کی وجہ سے ممتاز ہے اور ان میں ان کا کوئی شریک وسہیم اور ہم درد وہم نوا نہیں ہے، بل کہ دنیا کی ہر قوم اس کی شدید مخالف اور دشمن ہے اور کسی قیمت پر مسلمانوں کے مخصوص اعمال ونظریات کو پھلتا پھولتا دیکھنا کوئی دوسری جماعت پسند نہیں کرتی، اسی لیے حکم دیا جا رہا ہے اور نہایت واضح طور پر مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے مخصوص معاملات وکوائف میں غیروں کو اپنا مت سمجھو اور ان کے سامنے اپنے مخصوص حالات کو اس طرح کھول کھول کر مت رکھو، جیسے وہ تمہارے قلبی دوست اور دلی ہم دردی رکھنے والے ہیں۔

اگر تم ایسا کرو گے تو سخت نقصان میں رہو گے اور تمہارے بھولے پن سے کفار ومشرکین فائدہ اٹھا کر تمہاری زندگی کے امتیازات وخصائص کو ختم کر دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھیں گے، تم روزانہ دیکھتے ہو کہ کفار ومشرکین جماعتی اور قومی اعتبار سے تمہاری دشمنی میں پیش پیش رہتے ہیں اور تمہیں تکلیف دینے میں کسی طرح کی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اور ذاتی تعلقات اور شخصی وانفرادی دوستی کے باوجود جب وہ اجتماعی نقطۂ نظر پر آتے

ہیں، تو تمہاری جماعتی مخالفت ان کا نصب العین ہوتی ہے، پھر یہ آئے دن کی مخالفتیں ہیں، جو ظاہر ہیں، ان کے دل میں تمہارے لیے جو بغض وعناد بھرا رہتا ہے، اور وہ تمہارے خلاف دل میں جو حربہ رکھتے ہیں، وہ بہت ہی خطرناک ہے۔

قرآن حکیم کی تعلیم مسلمانوں کے لیے ہر زمانہ اور ہر جگہ کام آنے والی ہے اور ملکی، سیاسی، اجتماعی معاملات میں اغیار سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کی طرح یہ بھی ان سے بچ سکتے ہیں، اور یہ روش کسی طرح پست ذہنی، کم حوصلگی اور احساسِ کم تری کے باعث نہ ہوگی، دوسرے بھی رات دن مسلمانوں کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے فرش ہونے کے باوجود اپنے دل میں ان کے نظام کے خلاف جذبہ رکھتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ

تم لوگ ہو کہ ان سے محبت کا برتاؤ کرتے ہو اور وہ لوگ تم سے محبت کا برتاؤ نہیں کرتے، حالاں کہ تم آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۱۹)

مسلمان کا کام دنیا سے پیار کرنا ہے، اور اللہ کی ہر مخلوق پر رحم وکرم کی نگاہ رکھنا ہے، اور اس کی ذمہ داری ہے کہ انسانی اخلاق کا پورا پورا مظاہرہ کر کے اسلام کے اخلاقی پہلوؤں کو اجاگر کرے، اسی داعیہ کی بنا پر مسلمان ابتداءِ اسلام میں بھی یہود ونصاریٰ اور دوسرے کفار ومشرکین سے نہایت اَخلاق وشرافت کے ساتھ پیش آتے تھے، مگر اسلام کی اس دولت سے دوسرے سراسر محروم تھے، نہ ان میں اخلاق کی لچک تھی، نہ انسانی شرافت کی بو باس تھی اور نہ ہی وہ مسلمانوں کے لیے اپنے دل میں کوئی جگہ پاتے تھے، مسلمان بھولا بھالا ہوتا ہے اور شرافت میں ہمیشہ اپنی طرف سے اچھے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے، حتیٰ کہ بعض وقت اسے غیر شعوری طور سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہونے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نازک موقع کی نشان دہی فرمارہا ہے کہ اے مسلمانو! تم تو اسلامی

اخلاق کا پورا پورا برتاؤ کر رہے ہو، مگر کفار اور اہلِ کتاب ہیں کہ تم سے ہمیشہ کتراتے رہتے ہیں، تم لوگ باوجود کہ ان کی کتابوں تورات، انجیل، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کو خدا کی کتاب گردانتے ہو، مگر وہ تم سے دور بھاگتے رہتے ہیں، اور وہ کم بخت تمہاری کتاب اور تمہارے رسول کی تکذیب کرتے ہیں اور تم ان سے اخلاق ومحبت کا برتاؤ کرتے ہو، اب تم لوگ بھی ان سے راہ ورسم بند کرو اور اپنے اخلاق وشرافت کا مظاہرہ اپنے میں کرو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ

اور وہ لوگ تم لوگوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب وہ تم سے الگ ہوجاتے ہیں تو مارے غصہ کے تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیں کہ تم لوگ اپنے غصہ میں مرجاؤ۔ (پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۱۹)

مسلمان ریاکار اور مکار نہیں ہوتا، وہ ظاہر میں جیسا ہوتا ہے، باطن میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے، اس میں دورخی اور دورنگی نہیں ہوتی، اور کفار کا حال یہ ہے کہ ان میں چال بازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، وہ کسی موقع پر اپنی چال سے باز نہیں آتے، جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کی جیسی بات کرتے ہیں اور جب اپنے حلقہ میں جاتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے ہیں، مسلمانوں کی دشمنی میں پیچ وتاب کھا کر اپنا ہاتھ چباتے ہیں، اور کچھ بن نہیں پڑتا تو اپنا ہی نقصان کرنے لگتے ہیں، ان منافقوں اور انسان نما شیطانوں سے انسانیت کو کوئی سروکار نہیں ہے، آپ ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ تم مسلمانوں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر جلتے ہو تو جل جاؤ اور اپنے غصہ کی آگ میں بھسم ہوجاؤ، تم ہمارا کوئی نقصان نہیں کرسکتے ہو، اللہ ہمارا محافظ ونگراں ہے اور اسی کے سہارے ہماری زندگی

اسلامی اصولوں کو لے کر چلتی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اخلاق وشرافت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اغیار سے رات دن ڈرتے رہیں، بل کہ جب دیکھیں کہ وہ شیر ہوتے چلے جاتے ہیں تو نہایت ہی صفائی سے کہہ دیں کہ اچھا تم اب ہمارے خلاف خوب جلو، مرو، ہمیں تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

اگر تم لوگوں کو کوئی بھلائی ملتی ہے تو کافروں کو بری معلوم ہوتی ہے، اور اگر تم لوگوں کو کوئی بُرائی پہونچتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر سے کام لو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی چال تمہیں ضرر نہ پہونچا سکے گی، بے شک اللہ ان کے کاموں کا احاطہ کرنے والا ہے۔

(پ ۴ ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۲۰)

مسلمان کی اسلامی زندگی تمام غیر اسلامی زندگیوں سے جدا ہوتی ہے، ایک مسلمان اپنے اسلامی معاشرے کی پیروی کرتے ہوئے کسی غیر اسلامی معاشرے میں نہیں کھپ سکتا، یہ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے انفرادی طور سے کفار کسی مسلمان کو اچھی حالت میں دیکھنا گوارا کرلیں، لیکن قومی حیثیت سے مسلمانوں کو دنیا میں پھولتا پھلتا دیکھنا کفر کے دل وجگر سے نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کی اجتماعی ترقی سے کفار کا ناراض ہونا اور ان کی پستی سے ان کا خوش ہونا کفر کی فطرت میں شامل ہے۔

لیکن اگر دنیا میں مسلمان دوصفت کے حامل رہے تو وہ لاکھ بے یارومددگار ہوں، ان کے خلاف طاقتیں ہزار ان کا برا چاہیں، مگر مسلمان کا کچھ نہیں بگڑ سکتا، دوصفات کیا ہیں، "صبر" اور "تقویٰ" پس مسلمانوں پر شدائد کا علاج صرف صبر اور تقویٰ میں ہے، اگر یہ دوصفتیں ان میں

نہیں ہیں تو وہ اپنی دینی زندگی کے اس مقام پر نہیں پہونچ سکتے، جہاں جہاں داری اور جہاں بانی کا تخت بچھا ہوا ہے اور جس کے اہل صابرین اور متقین ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹۹۰ء)

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا

اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لیے رنج کا باعث ہوتی ہے، اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم لوگ صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی تدبیر تم کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گی۔ (پ ۴ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۲۰)

کفر اور اسلام میں کسی قسم کا کوئی علاقۂ محبت نہیں ہے، اور دونوں میں آگ پانی کی نسبت ہے، کفر کسی وقت یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اسلام اور اسلام کے علم بردار دنیا میں ذرا بھی خوش حال اور کام یاب ہوں، یہ تو ہو سکتا ہے کہ وقتی حالات اور ہنگامی ضروریات کی وجہ سے کفار و مشرکین مسلمانوں کے کسی معاملہ میں ہم نوا ہو جائیں، مگر بنیادی طور سے وہ کبھی بھی مسلمانوں کا نہ ساتھ دے سکتے ہیں اور نہ ان کی کسی کام یابی پر خوش ہو سکتے ہیں، مسلمان کی ہر کام یابی کفر کے دل کے لیے ایک چوٹ ہے، مسلمان کا ہنسنا کفر کے رونے کے لیے کافی ہے، اور مسلمان کی کام یابی ہی کفر کی ناکامی ہے، پس مسلمان کبھی یہ نہ سمجھیں کہ مذہبی معاملات میں اغیاروں کی طرف داری کریں گے، ان کے لیے آسانیاں فراہم کریں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم چین سے بیٹھو، تمہارے مذہبی حالات کو ہم درست کرتے ہیں، جو لوگ اس خیال میں کھوئے ہوئے ہیں، وہ بنیادی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ان کو یہ خیال ختم کر دینا چاہیے۔

پس مسلمان غیر مسلموں سے دنیاوی راہ و رسم ضرور رکھیں اور اسلام کے بتائے ہوئے انسانی حقوق و تعلقات کی نگرانی کریں گے، مگر دین کے معاملہ میں صبر، استقامت اور توکل علی اللہ کو ہر گز نہ چھوڑیں، کفار و مشرکین کے مقابلہ میں یہ ہتھیار کافی ہیں، ایک تقویٰ اور دوسرا صبر،

مسلمان ان ہی دونوں کو اپنالیں اور دنیا بھر سے بے نیاز ہو جائیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۖ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ

اگر تم کو کچھ بھلائی ملتی ہے تو ان کو بُری معلوم ہوتی ہے، اور اگر تمہیں برائی پہونچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم لوگ صبر کرو اور بچتے رہو، تو ان کی مکاری تمہیں کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتی۔ (پ ۴ع ۳ سورۃ آل عمران: ۱۲۰)

یہاں پر مسلمانوں کے لیے چند بنیادی تعلیمات بیان فرمائی جارہی ہیں اور اصول مسلمہ کے طور پر ان کو چند باتیں بتائی جارہی ہیں، ان باتوں کو مان لینا اور مان کر ان کی روشنی میں زندگی بسر کرنا مسلمانوں کی قومی اور ملی زندگی کے لیے باعثِ فلاح و نجاح ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان اچھی طرح سمجھ لیں کہ کفار و مشرکین مجموعی اعتبار سے کبھی ان کے خیر خواہ نہیں بن سکتے، مسلمانوں کی تکلیف سے نہ ان کو دکھ پہونچتا ہے، نہ ان کے آرام سے ان کو خوشی ہو سکتی ہے، بل کہ مسلمانوں کی ذرا سی بھلائی ان کے بڑے غم کا باعث بن جاتی ہے اور مسلمان کی ذرا مصیبت ان کے لیے بڑی خوشی کا سبب بن جاتی ہے، مسلمانوں کی مخالف قومیں مجموعی اعتبار سے کبھی بھی آرام و مصیبت میں شریک نہیں ہو سکتیں۔

اس حقیقت کو مان لینے کے بعد مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ استقامت، عزیمت اور صبر کو اپنا شعار بنائیں اور ساتھ ہی ہر وقت اغیار کی چالوں سے چوکنا رہیں اور ان کی ہر حرکت کی کڑی جانچ پڑتال کریں، جب تک صبر و استقامت اور حذر و احتیاط کی پوری مقدار مسلمان قوم میں باقی رہے گی، اس وقت تک اس کے دشمن کبھی پورے طور سے کام یاب نہیں ہو سکتے۔

یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہنگامی غلبہ اور وقتی زور اسباب و علل کی بنا پر دشمنوں کو حاصل ہو جائے، مگر دائمی غلبہ اور اقتدار اسے نہیں مل سکتا، مگر اس کے لیے شرط یہی ہے کہ پہلے مسلمان کفار و مشرکین کو کبھی

بھی اپنا دینی اور مذہبی دوست نہ سمجھیں اور پھر صبر وعزیمت کے ساتھ شدت سے حذر واحتیاط کی روش اختیار کریں، اس کے بعد وہ دوسری قوموں سے دنیا کے معاملات میں میل جول پیدا کریں اور نیکی کے عام کاموں میں ان کے ساتھ رہیں تو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور یہ بات محقق ہے کہ اللہ نے تم کو غزوۂ بدر میں مدد دیا، حالاں کہ تم لوگ بے سروسامان تھے، پس اللہ سے ڈرو، تاکہ تم شکر گزار رہو۔ (پ ۴ ع ۴ سورۃ آل عمران: ۱۲۳)

جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرکے کسی بھی کام کے لیے باہر نکل آتے ہیں، ان کے لیے یقیناً اور بے شک قدرت کی طرف سے انتقام ہوتا ہے، اور وہ اپنے نیک مقاصد میں کام یاب وبامرام ہوجاتے ہیں، توکل علی اللہ میں عددی کثرت وقلت کا کوئی سوال نہیں ہوتا، بل کہ اس میں مقداری کثرت وقلت کام کرتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ایک مختصر سی جماعت خدا پر توکل کی بے انتہا طاقت سے مالا مال ہوکر حیرت ناک طریقے پر آگے بڑھ جائے اور ہوسکتا ہے کہ ایک بہت بڑی جماعت خدا پرستی کے نام کے ساتھ ساتھ خدا پرستی کی دولت سے خالی ہو اور وہ حیرت ناک طریقہ پر ناکام ونامراد ہو، پس اصل چیز تعلق ہے، اللہ کی کمی اور بیشی ہے، متعلقین کی کمی اور بیشی کوئی چیز نہیں ہے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ اس زمانہ میں کتنے بے سروسامان اور گرے پڑے لوگ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی طرح بڑھے، ہوا کی طرح پھیلے، پھول کی طرح اور بو کی طرح مہکے اور کتنی جماعتیں اور انجمنیں ہاتھ پیر مارنے کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئیں، اس صورتِ حال میں یہی حقیقت کارفرما ہوتی ہے کہ پہلی حالت میں کوئی جذبہ اور قوت ہوتی ہے، اور دوسری حالت میں صرف خون ہوتا ہے، اندر کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو ایک مثال سامنے رکھ کر قرآن کے مخاطبین اول کو بتا رہا ہے

کہ غزوۂ بدر میں کفار ومشرکین کی کثرت کے سامنے تین سو تیرہ کی کیا حقیقت تھی؟ مگر خدا نے اپنے دوستوں کو فتح دی، یہی حال ہمیشہ رہتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

بَلٰٓی اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾

ہاں اگر تم مستقل رہ کر صبر کرو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آ پہونچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد کرے گا پانچ ہزار فرشتوں سے، جو کہ خاص وضع پر بنائے ہوں گے۔ (پ ۴ع ۴ سورۃ آل عمران: ۱۲۵)

صبر اور تقویٰ دو ایسی صفتیں ہیں، جو مسلمانوں کو دنیا میں استقلال، ثابت قدمی، اولوالعزمی، استقامت، تمکنت اور نصرت و فتح سے ہم کنار کرتی ہیں، اور بزدلی، اضطراب، شکست، ہزیمت اور لامرکزیت سے نجات دیتی ہیں۔

یہ دو صفات جب مسلمانوں میں پیدا ہو جاتی ہیں، تو کفار ومشرکین کے اچانک حملہ کے وقت بھی ان کو شکست نہیں ہونے پاتی، اور اللہ کے خاص فرشتے ان کی نصرت و یاوری کے لیے اترتے ہیں، اور ان کی دائمی پُرسکون و مطمئن زندگی میں وقتی اور ہنگامی ابتری پیدا نہیں ہونے پاتی اور اللہ تعالیٰ خاص طور سے اپنی طرف سے انتظام فرماتا ہے اور اپنے خاص فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کا کام کرتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں جب مسلمانوں سے صبر اور تقویٰ کا فقدان ہوگا تو ان سے یہ چیزیں سلب کر لی جائیں گی اور خداوندی نصرت و فتح کا غیبی انتظام نہیں ہوگا اور مسلمان من حیث القوم کفار ومشرکین کے حملوں کا شکار رہا کریں گے، اس امر کی تصدیق کے لیے دور اول کے مسلمانوں اور موجودہ دور کے مسلمانوں کی حالت اور ان دونوں کی تاریخ کا مطالعہ کافی ہے اور صبر و تقویٰ کے وجود اور ان کے عدم کا نظارہ عام ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳ر جولائی ۱۹۵۸)

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

خود آپ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ اللہ یا تو ان پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہو یا ان کو عذاب دے، کیوں کہ وہ ظالم لوگ ہیں۔ (پ ۴ ع ۴ سورۃ آل عمران: ۱۲۸)

انبیاء علیہم السلام نہ خدا ہوتے ہیں، نہ خدائی اختیارات ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، وہ تو بشر ہوتے ہیں، ان کی ذات اور صفات میں بشریت ہوتی ہے، البتہ خدا نے ان کو جس قدر قوت دی ہے، وہ اس کی اجازت سے اسے استعمال کرتے ہیں، خدا کی راہ میں تکلیف اٹھاتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں، اللہ کا پیغام لوگوں تک پہونچاتے ہیں اور اپنی نبوت ورسالت کا کام کرتے ہیں، اور خود نبوت ورسالت اتنا بلند مقام ہے کہ خدائی کے بعد اسی کا درجہ ہے، مگر اس میں اور خدائی میں کوئی نسبت نہیں ہے۔

اس لیے رسول اور نبی بھی ان ہی حدود میں رہ کر نبوت ورسالت کا کام کرتے ہیں، جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کر دی گئی ہیں، رسول کا کام اِبلاغ وتبلیغ ہے اور بس اب یہ کام کہ لوگ اسے قبول کریں اور اللہ ان کو اس کی توفیق دے، یا پھر وہ اپنی بدبختی کی وجہ سے عذاب کے سزاوار ہیں، یہ کام رسول کا نہیں ہے، اس کی باگ ڈور قدرت کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہے اپنے رحم وکرم سے نواز کر ہدایت دے اور جسے چاہے اس کی حالت پر چھوڑ کر عذاب دے، رسول اس معاملہ میں دخل نہیں دیتے اور نہ ہی ان کو اس میں کوئی اختیار حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اسی حقیقت کو پیش فرما کر مسلمانوں کو بتا رہا ہے کہ تمہارا کام سچائی کا پہونچانا ہے اور بس۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ ہی کی ملکیت ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ جسے

چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (پ ۴ع ۴،سورۃ آل عمران:۱۲۹)

اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، وہی اس کا مالک ہے، اس کا ہر ذرہ اس کی ملکیت ہے اور اس میں کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں ہے، وہ اس کائنات کی جس چیز میں چاہے نفع کی قوت دے دے اور جس چیز میں چاہے نقصان کا مادہ رکھ دے، وہ معتادی نفع چیزوں میں نقصان کا وقتی پہلو یا دائمی پہلو نکال سکتا ہے اور نقصان دہ چیزوں میں اسی طرح نفع کی کیفیت پیدا فرماسکتا ہے، اس کا افسانۂ قدرت میں اس کی قدرت کے یہ کھیل روزانہ نمایاں ہوتے رہتے ہیں اور انسان ان کو دیکھتے رہتے ہیں۔

اسی طرح انسانوں میں سے وہ جسے چاہے بہتر سے بہتر انسان بنادے اور جسے چاہے بد سے بدتر بنادے، یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کا معمولی کھیل ہے اور اس کی حاکمیت وملکیت کا ادنیٰ کرشمہ ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کو بدبخت وبدنصیب بناتا رہتا ہے، بل کہ اس کے برخلاف وہ بڑی رحمت ومغفرت والا ہے، وہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو نیک بنانے کی ترکیب ان کو بتاتا ہے، عقل دیتا ہے، انبیاء ورُسُل مبعوث فرماتا ہے اور رُشد وہدایت کی راہیں کھولتا ہے، تاکہ انسان ان پر چل کر اس کے عذاب سے بچے اور اس کی رحمت ومغفرت کا مستحق ثابت ہو۔

اس کی قدرت اور اس کی رحمت ان مظاہر میں رہ کر انسان اگر چاہے تو جنت کا مستحق بن سکتا ہے اور اگر چاہے تو فلاح کا سزاوار ہوسکتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ ہی کے لیے ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش

دے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔ (پ ۴ ع ۴ سورۃ آل عمران:۱۲۹)

یہ زمین، یہ آسمان اور یہ دونوں کے درمیان سب کچھ صرف ایک خدا کی ذات کے لیے ہے، اس کا مالک ومختار صرف خدا ہے، اس میں کسی کی شرکت نہیں ہے، جو لوگ زمین پر چلتے ہیں، اس سے غذا حاصل کرتے ہیں، اس پر رہتے اور سوتے ہیں اور اپنی زمین داری ثابت کرتے ہیں، وہ خدا کی زمین کی پیداوار ہیں، اسی سے وہ پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں جائیں گے، نہ وہ خود اللہ کی ملکیت سے باہر ہیں، نہ ان کے یہ کام خدا کی حکومت واختیار سے باہر ہیں۔

اسی طرح سے یہ چاند، تارے، آسمان کے دوسرے اَحوال وکوائف اور اَجرام اسی خدا کے قبضہ میں ہیں، جو آسمانوں کا مالک ومختار ہے، مگر اس کا یہ اختیار جبر وتشدد کی بنا پر نہیں ہے، بل کہ رحم وکرم پر ہے، وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیز پر ظالم وجابر نہیں ہے، بل کہ رحیم وکریم ہے، اسے اپنے زمین وآسمان سے محبت ہے، یہ سب اس کی مخلوق ہیں اور سب کی سب اس کی تابع فرمان ہیں، زمین اپنا کام کرتی ہے، آسمان اپنا کام کرتا ہے اور دونوں کے درمیان کی دوسری مخلوقات اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں، مگر زمین وآسمان کے بیچ میں انسان ایک ایسی مخلوق ہے، جسے اللہ نے ہوش وحواس اور سمجھ بوجھ دی ہے اور اسے اچھی بُری راہ سے واقف کرایا ہے، اب انسان جیسا کرے گا، خدا کی طرف سے ویسا ہی پائے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰

اے ایمان والو! سود مت کھاؤ، یعنی اصل سے زائد کئی حصے زائد کر کے، اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران:۱۳۰)

سود خور اور بیاج کے کھانے والے انسانی جسم پر موٹی موٹی جونک ہیں، جو انسانیت

کا خون چوستے رہتے ہیں، ایسے آدم خوروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مار ہے، جو دونوں جہان میں بری طرح پڑتی ہے، دنیا میں ذلت ورسوائی اور لعنت وملامت کی وجہ سے ایسے لوگوں کے چہرے کی سیاہی نہیں جاتی، اور قیامت میں آگ کے عذاب سے ان کی خبر لی جائے گی اور خوب خوب مزا چکھایا جائے گا۔

عرب کے سودخوار سود درسود پر بھی صبر نہیں کرتے تھے اور محتاجوں، غریبوں اور مفلسوں کو چند پیسوں پر گویا خرید لیتے تھے اور زندگی بھر وہ اپنا قرضہ اس لیے ادا نہیں کر سکتے تھے کہ سود در سود کا بار ان پر سوار ہو جاتا تھا۔

پس جو لوگ آج بھی سودی کاروبار کرتے ہیں، ان کے لیے بھی وہی دونوں جہان کا عذاب ہے، اور جن لوگوں نے اس حرکت سے توبہ کر لی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے سودی کاروبار چھوڑ چکے ہیں، ان کے لیے نجات اور کامیابی ہے۔

خوب یاد رکھو، سودخوار کی کوئی نیکی اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول نہیں ہوتی، اور ان کا روزہ نماز سب کچھ اکارت جاتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے مومنو! سود کو چند در چند کر کے نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، شاید کہ تم لوگ کام یاب ہو جاؤ۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۰)

اسلام ان خرابیوں کو جڑ، بنیاد سے کھود کر پھینک دینا چاہتا ہے، جو انسانیت کے لیے جسم میں جونک بن کر خون چوستی ہیں، جو انسانیت کی جڑ میں کیڑا بن کر لگتی رہتی ہیں، انسان کی اقتصادی زندگی کے لیے سب سے بڑا روگ سود کی لعنت ہے، یہ لعنت جس بستی میں گھس جاتی ہے وہاں کا اقتصادی ڈھانچہ بگڑ جاتا ہے اور وہاں کے لوگ کبھی پھل پھول نہیں سکتے۔

اس لیے اسلام نے انسانیت کی جڑ سے اس بنیادی خرابی کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا ہے اور انسانی معاشرہ سے سود کے کاروبار کو یک لخت ختم کرنے کی ہدایت کی ہے، خوب سمجھ لو کہ جس قوم میں سود کا کاروبار ہوگا، وہ قوم کبھی دنیا میں مجموعی طور سے کام یاب نہیں ہو سکتی، اور اس میں امارت وغربت کی خلیج بڑھتی ہی جائے گی، جو لوگ سود خواری کی لعنت میں مبتلا ہوں گے، درحقیقت انسانیت خور ہوں گے، اور عوام ان درندوں کی خوراک بن جائیں گے۔

اس آیت میں قرآن حکیم بیان کر رہا ہے:

اے لوگو! یہ جو تم سُود دَر سُود کا معاملہ کر کے انسان کو کچا چباتے ہو اور اپنے منہ کو انسانی خون سے رنگین کرتے ہو، اس سے باز آ جاؤ۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سود چند در چند نہ کھاؤ، تو صرف ایک مرتبہ کھا سکتے ہو، نہیں، بل کہ مطلب یہ ہے کہ سرے سے سود کا دھندا ہی بند کر دو، ورنہ یاد رکھو، سود خوری سے جو خون بنے گا، اس میں شرارت وفرعونیت ہوگی، اس سے جو جسم بنے گا، اس پر عدوان وطغیان کا رنگ چڑھا ہوگا، اس سے جو دل ودماغ پرورش پائے گا، اس میں درندگی اور بہیمیت کے علاوہ کوئی کام کی بات نہیں آئے گی۔

مسلمانوں میں بعض ایسے حرام خور ہوتے ہیں، جو صرف سود کا دھندا کرتے ہیں، مگر اس کے مارے طور پر نمازیں پڑھتے ہیں، ایسے لوگ خوب یاد رکھیں کہ سود خور کا کوئی عمل خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہوتا، جس کا جسم وروح حرام فضا میں پروان چڑھتا ہے، اس میں نیکی کا تصور ہی نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳؍فروری ۱۹۵۴ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اے مومنو! سود کو کئی گنا کر کے نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، شاید تم کام یاب ہو جاؤ

اوراس آگ سے بچو، جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۰، ۱۳۱)

انسانی برادری میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بستی کا خون چوس چوس کر اپنی تجوری میں جمع کرے، سود خواری درحقیقت ایک انجکشن ہے، جس کے ذریعہ انسان کے اقتصادی اور معاشی ڈھانچہ کا خون نکالا جاتا ہے، خدا نے انسانی بستی میں ایسے ملعون جراثیم کو ختم کرنے کا شدت سے حکم دیا ہے، کیوں کہ ایک سود خوار ساری بستی کو اقتصادی بدحالی کی تپ دق میں مبتلا کر دیتا ہے۔

سود خوار قوموں کے چہرے لعنتی نقابوں سے چھپے ہوئے ہیں، اور ان کے بھاری بھرکم افراد کے جسم میں حرام زندگی کی پرورش ہوتی ہے، سود خوار قوموں کا دائمی حصہ بزدلی، نامردی، بے ایمانی، حرام خوری اور حرام کاری ہوتا ہے، اسلام ایک سکنڈ کے لیے اسے برداشت نہیں کرسکتا کہ غریبوں، مفلسوں، مزدوروں اور کاریگروں کے جسم رزقِ حلال میں اپنے خون سکھائیں اور ان کی رہی سہی تری سود خوار عنصر چوس لے، اس لیے اسلام نے سود کا دروازہ ہی ہمیشہ کے لیے بند کر دیا، اور اس طرح اسے ختم کیا گیا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

وہ مومنین جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو دبانے والے ہیں، اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ دوست رکھتا ہے نیک کاروں کو۔

(پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

یہاں پر مومنوں کی چند ایسی صفات بیان کی جا رہی ہیں، جو اسلامی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، اور دینی معاشرہ میں ان کا ظہور ضروری ہے، ان صفات کا تعلق ویسے تو براہِ راست اللہ کے بندوں اور عام انسانوں اور مسلمانوں سے ہے، لیکن چوں کہ ان کا ظہور اسلام

وایمان کی بخشی ہوئی زندگی اور روحانی واخلاقی نظام سے ہوتا ہے، اس لیے یہ باتیں دین واسلام کی ہیں، اوران کا کرنا بھی اللہ ورسول کی فرماں برداری اوراسلام کی پیروی ہے۔

یہاں پر مومنوں کی عام معاشرتی صفات یہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) اپنی کمائی سے مسلمان ہر حال میں کچھ خرچ کرتے ہیں، جب ضرورت پڑ جائے تو خواہ ان کے ذاتی حالات اچھے ہوں یا بُرے، اور صورتِ حال اجازت دے یا نہ دے، وہ اللہ کی راہ میں بندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے خدا ورسول کی فرماں برداری میں اپنی کمائی کا جو حصہ بھی ہوسکتا ہے، نکالتے ہیں، اوراس پر خوش ہوتے ہیں۔

(۲) وہ سوسائٹی میں غم وغصہ کی فضا پیدا نہیں ہونے دیتے، اور اَمن واَمان اور سرور ومسرت کی ناز برداری میں اپنے اوپر ہر طرح کی بندش اور پابندی عائد کر لیتے ہیں، اور غصہ جیسی جذباتی چیز تک کو دبا لیتے ہیں، تا کہ اسلامی معاشرہ میں غیظ وغضب اور نفرت ودشمنی کا بیج نہ پڑے۔

(۳) صرف غصہ کو دبا لینا ہی اسلامی زندگی کا عظیم تر کردار نہیں ہے، بل کہ مومنوں کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہر قسم کے جانی، مالی، قلبی، روحانی اور جذباتی دباؤ اور نقصان کو سہہ لیتے ہیں، اور زیادتی کرنے والے کو صاف طریقہ سے معاف کر دیتے ہیں، جان بوجھ کر طاقت وقدرت کے باوجود خطا کاروں سے درگزر کرتے ہیں، اسی طرح کی اور بھی بہت سی معاشرتی صفات مومنوں کے اندر ہوتی ہیں اوران کی بستی نیکو کاروں سے سدا معمور رہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ایسی نیک بستی والوں کو اپنا دوست بناتا ہے، اور دنیا وآخرت میں اپنا فضل خاص فرماتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ

جنت ان متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو کشادگی اور تنگی میں خدا کی راہ میں خرچ

کرنے والے ہیں، اور غصہ کو پی جانے والے ہیں، اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

جس طرح عبادات اسلام کے تقاضے ہیں اور ان کے کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجروثواب مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح اخلاق بھی اسلام وایمان کے تقاضے ہیں، اور ان کے برتنے سے بھی اللہ تعالیٰ اجروثواب دیتا ہے، یہاں پر اسی اخلاقی پہلو کو اجاگر فرمایا جارہا ہے، اور بتایا جارہا ہے کہ جنت کی دائمی لذت اور ابدی نعمت خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے، جو اپنی زندگی کو اَوامرِ خداوندی کے سانچے میں ڈھال کر ہر قسم کی نواہیِ خداوندی سے بچے ہیں، اور ان کی زندگی دین ودیانت کے بارے میں اس قدر مکمل ہو چکی ہے کہ حقوق اللہ وحقوق الرسول کو پورا کرنے کے بعد وہ انسانوں میں اخلاق وروحانیت کا وہ عظیم الشان برتاؤ کرتے ہیں، جسے اسلامی روح برپا کرتی ہے۔

(۱) وہ محتاجوں، غریبوں، حاجت مندوں کا ہر حال میں خیال رکھتے ہیں، حالات کی سختی سہہ کر مجبوروں کا کام چلاتے ہیں۔ (۲) غصہ جیسے شیطانی مظاہرہ کو کبھی برداشت نہیں کرتے، بل کہ ہر نرم اور گرم حال میں ذہن ودماغ کو قابو میں رکھ کر ٹھنڈے دل سے حالات پر غور کرتے ہیں، اس طرح کسی معاملہ میں غلطی نہیں کرتے۔ (۳) عفوودرگزر ان کے اخلاق کا طغرائے امتیاز ہے، وہ اپنی ذات کے بارے میں کسی سے کچھ شکوہ وشکایت یا انتقام کا معاملہ نہیں کرتے، بل کہ ہنس کر لوگوں کی خام کاریوں اور غلطیوں کو معاف کردیتے ہیں، اچھی زندگی کے یہ شان دار مظاہرے ہیں، جو لوگ ان کو اپناتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ

ایسے لوگ جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور غصہ کو ضبط کرنے والے

اور لوگوں سے درگزر کرنے والے، اور اللہ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

(پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

یہاں پر ایسے مسلمانوں کی چند خوبیاں بیان کی جارہی ہیں، جن کے لیے دونوں جہان میں کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے بندوں کے نزدیک یکساں مقبول ہیں، وہ ایمان وعمل کی بلندیوں پر پہونچ جانے کے بعد اخلاق وکردار کی انتہائی بلندی پر ہوتے ہیں، اور ان کے ایک ایک کام سے دنیا والوں کو فائدہ پہونچتا ہے، ان کی چند صفات یہ ہیں:

وہ اللہ کی رضا جوئی میں ہمہ وقت اپنا مال قربان کرتے رہتے ہیں، کھانے پینے کی تنگی ہو یا کشادگی، بہرحال وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، اور معاشرہ کے فقراء ومساکین اور اربابِ حاجت کا خیال کرتے ہیں، ان کی حیوانی قوت ان کے قبضے سے باہر نہیں ہونے پاتی، اور وہ کسی بھی موقع پر اس قسم کے غضب کا اظہار نہیں کرتے کہ آدمیت اور انسانیت پر حرف آئے اور بہیمیت کا مظاہرہ ہونے لگے، ان کا انتقام لینے کا جذبہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے مفقود ہوتا ہے، اور وہ حتی الامکان درگزر اور بچ کے نکل جانے کو سلامتی قرار دیتے ہیں، جن انسانوں میں یہ صفات ہوتی ہیں، وہ اپنے عقیدہ وعمل اور دل ودماغ کے اعتبار سے نیک ہوتے ہیں، ایسے نیک کہ اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے اور ان کی نیکی اُن کے حق میں دونوں جہان میں نیک نتائج پیدا کرتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۱/اگست ۱۹۵۸ء)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں خوشی اور غم میں، اور کھانے والے ہیں غصہ کو، اور معاف کرنے والے ہیں لوگوں سے، اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۴)

یہاں تین قسم کے لوگوں کو قرآن نے سراہا ہے:

(۱) جو لوگ خوشی اور غمی میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے نہیں چوکتے، تھوڑا ملتا ہے تو تھوڑا خرچ کرتے ہیں اور زیادہ ملتا ہے تو زیادہ، مگر خرچ ضرور کرتے ہیں، کشادگی اور تنگی کا اثر ان کی کریمانہ طبیعت پر نہیں پڑتا۔

(۲) جو لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں، جنون چڑھ جاتا ہے، عقل گم ہو جاتی ہے، بدن پر مارے غصہ کے کپکپی طاری ہو جاتی ہے، مگر وہ انجام کا اتنا خیال کرنے والے ہیں کہ ایسے وقت میں بھی نہیں بھولتے کہ غصہ شیطانی جوش ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ ہمیشہ ندامت ہوتا ہے، ان کا کیرکٹر بہت مضبوط ہوا ہے، ان کی دماغی صلاحیت غصہ سے مغلوب ہو کر سلب نہیں ہو جاتی۔ (۳) جو لوگ انتقام کی ہوا سے بھی دور ہیں، کوئی جانی یا مالی نقصان ہو جائے، کوئی گالی دے دے، سرِ بازار پگڑی اچھال دے، بلا اجازت کوئی چیز استعمال کر لے، مرضی کے خلاف کوئی کام کر بیٹھے، لیکن یہ حضرات درگزر کو شیوۂ زندگی بنائے ہوئے ہیں۔

یہ تین قسم کے لوگ خدا کی جناب سے محسنین کا خطاب پا چکے ہیں، اور خدا کی دوستی کا ان کے لیے وعدہ ہو چکا ہے، اس فہرست میں نام لکھانا کوئی مشکل کام نہیں ہے، خدا کا دفتر ہمیشہ سب کے لیے کھلا رہتا ہے، اگر آپ چاہیں تو اپنا نام بھی اس میں درج کرا لیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓىِٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

وہ لوگ کہ جب کوئی کھلی برائی کرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو یاد

کر کے استغفار کرتے ہیں، اپنے گناہوں کے واسطے، اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور جو لوگ جان بوجھ کر کیے ہوئے گناہ پر اصرار نہیں کرتے تو ان لوگوں کی جزا مغفرت ہے ان کے پروردگار کی طرف سے۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۵ ۱۳۵، ۱۳۶)

اسلام ایسے خدا کی ذات کا یقین دلاتا ہے، جو کسی طرح اپنے بندوں کو عذاب میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، اسلام بتاتا ہے کہ خدا ستار ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے اور غفور ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نعوذ باللہ برائی پھیلانے کے حق میں ہے، گناہ بہر حال جرم ہے اور جرم کے لیے سزا یقینی ہے، اسلام ایک سکنڈ کے لیے ظلم و عدوان اور فسق و عصیان کو برداشت نہیں کر سکتا، لیکن اس کے باوجود لغزش، غلطی اور گناہ کے بعد احساسِ ندامت کو نظر انداز نہیں کرتا۔

قوموں اور افراد کے لیے جزا و سزا کا سب سے اہم معرکہ اس وقت برپا ہوتا ہے، جب کہ لوگ برائی کھلم کھلا کریں اور جان بوجھ کر کریں، اور اصرار و جرأت کے ساتھ کریں، جب یہ خطرناک وقت آجاتا ہے تو اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے، اور اس کے قانون کے لیے کوئی بہانہ معافی کا نہیں ملتا۔

مسلمان اپنے معاشرے کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کتنے گناہ ہیں، جنہیں لوگ بلا جھجک بل کہ اصرار کے ساتھ کرتے ہیں، اور قانون جزا و سزا اپنا کام کرتا ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ رجولائی ۱۹۵۰ء)

وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۪ وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۪ۙ وَ لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ۝۱۳۵ اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا١ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۝۱۳۶ؕ

وہ لوگ جو کہ جب کھلی ہوئی برائی کرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو یاد

کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں، اور اللہ کے سوا کون گناہ معاف کرتا ہے؟ اور جو جان بوجھ کر اپنے کیے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور کام کرنے والوں کے لیے اچھا اجر ہے۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۵، ۱۳۶)

تم روزانہ دیکھتے ہو کہ اس دنیا میں جو جیسا کرتا ہے، وہ ویسا ہی پھل پاتا ہے، اور نیکی کے نتیجہ میں نیکی اور بدی کے نتیجہ میں بدی سے ہم کنار ہوتا ہے، جس طرح اس دنیا میں ہر کام کے نتیجہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے لیے کچھ دیر لگتی ہے، بالکل اسی طرح اس پوری دنیا کے نتائج کے ظہور کے لیے ایک مدت ہے، اور اس مدت کے ختم ہونے پر یہاں کے تمام کاموں کے نتائج ایک ایک کر کے ہمارے سامنے آجائیں گے اور دنیا کا ہر کام ہماری نگاہوں کے سامنے اپنے نتیجہ کی شکل میں موجود ہوگا، اس دن گنہ گاروں کے لیے تباہی اور نیک کاروں کے لیے اچھائی ہے، اور وہ لوگ بھی نیک کاروں کی فہرست میں ہوں گے۔

جو اگرچہ گناہ کر چکے تھے، مگر جب ان کو حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے توبہ استغفار کیا اور اپنے جرائم پر جرأت اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کیا، اور نہ ہی ان کو اپنی گندی زندگی پر اصرار و ناز ہے، بل کہ جب اس کی یاد آتی ہے، تو شرم و ندامت سے گردن جھک جاتی ہے اور بدن پر عجز و انکساری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

ایسے گناہ گار رحمتِ خداوندی کو بہت پسند ہیں، جو گناہ میں منہمک ہونے کے بعد اپنی بُری زندگی کے خلاف ہو جائیں اور اس طرح سے بے زاری و نفرت کا اظہار کریں کہ ان کی زندگی ہی بدل جائے، اور توبہ و استغفار کی وجہ سے وہ خدا کے نیک بندے بن جائیں، ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں فضل و کرم کا خزانہ ہے اور ابدی راحتوں اور دائمی نعمتوں کی لافانی دنیا جہان ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

تم ہی بلند و بالا ہو، بشرطے کہ تمہارے اندر ایمان ہو۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۹)

ہر قسم کی بلندی، سیاست و حکومت کی بلندی، اقتدار اور طاقت کی بلندی، ایجادات و اختراعات کی بلندی، عقل و فراست کی بلندی، اخلاق و خصائل کی بلندی، مشرق میں بھی بلندی اور مغرب میں بھی بلندی۔

وہ بلندی جس کا سرچشمہ ایمان ہو، ایمان قوی ہوگا تو عمل کی دنیا ظہور میں آئے گی، ایمان کمزور ہوگا تو عمل کا گلشن بھی ہرا بھرا نہ ہوگا۔

پس تمہاری تمام کمزوریوں کا علاج ایک اور صرف ایک ہے، ایمان!

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰ رجون ۱۹۵۰ء)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

تم لوگ نہ سستی ظاہر کرو اور نہ غم کھاؤ اور تم لوگ ہی سربلند ہوئے، بشرطے کہ تم مومن ہو۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۹)

کوئی جماعت خواہ کتنی ہی طاقت ور اور پُرنشاط کیوں نہ ہو، اس کی زندگی میں بعض اوقات ایسے حالات سامنے آجاتے ہیں کہ اسے ہنگامی طور سے اپنی عملی سرگرمی میں نرمی کرنی پڑتی ہے اور حالات کا جائزہ لے کر کام کرنا پڑتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ جماعت ان حالات سے کبیدہ خاطر ہو کر بیٹھ جائے اور اپنے اوپر رنج و غم طاری کرکے گوشۂ عافیت میں چلی جائے، اور ہمیشہ کے لیے مرجائے، اگر کسی محنتی اور سرگرم کار جماعت نے وقتی حالات سے مایوسی پیدا کرلی ہے اور اپنے کونا کام سمجھ لیا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے اور وقتی باتوں سے دائمی فیصلہ کا اقدام ہے، جو کسی طرح مناسب نہیں ہے اور کسی زندہ قوم کے لیے شایانِ شان نہیں ہے۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے، یہاں کبھی گاڑی ناؤ پر

ہوتی ہے اور کبھی ناؤ گاڑی پر ہوتی ہے، کبھی سردی آتی ہے کبھی گرمی آتی ہے، پس اس گردشِ لیل ونہار میں انقلابات کے دور آئیں گے، ان سے بددل ہوجانا موت ہے، زندگی یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے اپنی کامیابی وسربلندی پر نظر رکھی جائے اور اپنے نشاط میں کمی نہ آنے دی جائے، اگر مسلمان واقعی معنوں میں مسلمان اور مومن ہیں تو ان کو مجموعی طور پر کہیں ناکامی نہیں ہوسکتی اور وہ ہمیشہ سربلند رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

اور تم لوگ نہ سست پڑو اور نہ غم گین بنو، اور تم ہی سربلند رہوگے، بشرطے کہ تم مومن رہو، اگر تم کو زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی طرح زخم لگا ہے، اور ان دنوں کو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۹، ۱۴۰)

حالات کی تاب نہ لاکر بددل ہوجانا، اپنے کو سست بنالینا اور غم والم کے دریا میں ڈوب جانا مردانِ کار کا کام نہیں ہے، اور ان باتوں سے مومن کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، ایک خدا پرست کا ایمان ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، خدا کے حکم سے ہوتا ہے، اور جو ہوگا خدا کے حکم سے ہوگا، فتح وشکست اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کے حکم کی تعمیل کرنا ہمارا کام ہے۔

اس عقیدہ اور ایمان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ مسلمان کبھی ہراساں نہیں ہوتا اور اس کی پیشانی ہمیشہ مستقبل کے نور سے چمکتی رہتی ہے، بشرطے کہ اس کے اندر ایمان واسلام کی روشنی بھی ہو اور دل کے آئینے میں ناامیدی کی سیاہی نہ آگئی ہو، جہاں تک فتح وشکست کا تعلق ہے، یہ دنیا عالمِ اسباب ہے، اس میں ہر شخص کو کامیابی اور ناکامی ہوتی ہے اور سب کو ہی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس سے بددل ہونا ایمان کی شان نہیں ہے۔

اگر کسی موقع پر مسلمانوں کو زخم لگا ہے اور ان کو ناسازگاری کا منہ دیکھنا پڑا ہے تو اسی

طرح ان کے دشمنوں کو بار ہا زخم لگا ہے اور ان کو بھی شکست ہو چکی ہے، وہ کافر ہو کر جب ان باتوں کو فراموش کر سکتے ہیں، تو مسلمانوں کو تو بدرجۂ اولیٰ ان باتوں کو دل میں نہیں لانا چاہیے، اور ان کو نہایت نشاط اور امید کے ساتھ میدانِ عمل میں آگے بڑھنا چاہیے۔

مومن و مسلم کی زندگی کا یہ فلسفہ اسے حقیقی زندگی دیتا ہے اور کبھی کسی عالم میں مردنی کے قریب نہیں جانے دیتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

اور تم لوگ نہ کمزور بنو اور نہ غم کرو، اور تم ہی لوگ بلند رہو گے، اگر تم کو زخم لگا ہے تو کفار کی قوم کو بھی اسی کے مثل زخم لگا ہے، اور اس زمانے کو ہم انسانوں کے درمیان گھماتے رہتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۳۹، ۱۴۰)

اسلام میں نا امیدی اور قنوطیت کفر کے برابر ہے اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نا امید ہو کر ناکامی کی زندگی بسر کرے، بل کہ مسلمان سدا بہار اور ہرا بھرا رہتا ہے، غم ہو یا خوشی ہر حال میں مگن رہ کر زندگی کو بامراد کرتا ہے۔

یہ دنیا انقلابات و تغیرات کا گہوارہ ہے، اس میں ظاہری اسباب و علل بھی کام کرتے ہیں اور اللہ کی قدرت بھی کام کرتی ہے، بل کہ اسی کے قانونِ قدرت کی رو سے اَسباب و علل بھی اثر دکھاتے ہیں۔

پس ان حالات میں خدا پرستوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ حالات کی ناسازگاری سے بددل ہو جائیں، اور اپنے کو بے سہارا سمجھ کر زندگی کے میدان سے بھاگ جائیں، اگر ایک مرتبہ مسلمانوں کو غیروں سے ٹھیس لگی ہے تو دوسری مرتبہ غیروں کو مسلمانوں سے زک اٹھانی پڑی ہے، یہ شکوہ شکایت اور بددلی کا موقع نہیں ہے، بل کہ بلند حوصلگی، خدا پرستی اور خدا ترسی

سے کام لے کر ایمان وخدا پرستی کی زندگی بسر کرنی چاہیے، اور زندگی کے میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اس صورت میں فتح وکامیابی دے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

اگر تم لوگوں کو زخم پہونچا ہے تو قوم کو بھی ویسا ہی زخم لگا ہے، اور ان دنوں کو ہم انسانوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۴۰)

یہ دنیا کی زندگی انسانی اکھاڑہ ہے، جس کی حالت ہر وقت بدلتی رہتی ہے، اس میں قومیں اور ملتیں کش مکش کے عالم میں بسر کرتی ہیں، فتح وشکست یہاں کا دستور ہے، اور پھر فتح وشکست کی حالت کو دوام وقرار نہیں ہے، بل کہ دوام وقرار تو صرف حق وحقانیت اور صدق وصداقت کے لیے ہے۔

پس اگر اس اکھاڑے میں تم آج شکست کھا گئے ہو تو یہ شکست دائمی نہیں ہے، کل تمہاری مدمقابل جماعت شکست خوردہ ہو جائے گی، اور اگر آج تم فاتح وکامران ہو تو کل تمہاری مخالف پارٹی تم کو زیر کر دے گی، یہ کوئی رنج کی بات نہیں ہے کہ تمہیں قوی شکست ہوگئی ہے اور تم ہنگامی طور سے پست ہو گئے ہو۔

غور کرو تو معلوم ہو کہ قوم کی وہ کشتی جو تمہیں لے ڈوبی ہے، ڈبانے والے بھی اسی کے ساتھ غرقاب ہو گئے ہیں، اگر تمہاری شکست ہوگئی ہے تو مقابل کی کون سی فتح ہوگئی ہے، قومی جر کے جس طرح ایک کو لگے ہیں، اسی طرح دوسرے کو بھی لگے ہیں۔

موجودہ حالات میں جس طرح ایک دردمند ہے، اسی طرح دوسرا بھی دردمند ہے، یہ دوسری بات ہے کہ زخم اور درد کی نوعیت الگ الگ ہے، قسم جدا جدا ہے اور شکل وصورت کے اعتبار سے ایک حالت میں دوسرے کی حالت سے بڑا فرق ہے، آنکھ اٹھا کے دیکھ لو، اگر

تم کوایک زخم ہے تو دوسروں کوسوزخم ہیں، اگرتمہاراایک سینہ دکھتا ہے تو دوسروں کا سارا بدن چور چور ہے، آج کس جماعت، کس قوم، کس پارٹی اور کس سیاست کو چین ہے، اور کون بے فکری کی نیند سورہا ہے۔

پس اس مشترک اور زخمی زندگی میں تم اس قدر کیوں گھبراتے ہو، اور دردمندی کے اظہار میں کیوں مرتے جاتے ہو، قرآنِ حکیم قدرت کا اٹل اصول بتارہا ہے کہ زمانہ کوقرار نہیں ہے، اس کا پانسہ پلٹتا رہتا ہے، اور اس کے چکر میں قوموں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔

لٰہذا ہوش وحواس کی سلامتی کے ساتھ نئے وقت کا انتظار کرو، اور اپنی عملی زندگی کو آئندہ کے تغیر وانقلاب کے لیے ہموار واستوار کرو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ‌ؕ وَ تِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ‌ۚ

اگرتم لوگوں کوزخم لگا ہے تو اس قوم کے لوگوں کوبھی اسی طرح کا زخم لگا ہے، اور اس زمانہ تو کو ہم انسانوں کے درمیان پھیرا کرتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۵ سورۃ آل عمران: ۱۴۰)

مسلمانوں کوتسلی وتسکین دی جارہی ہے اور ان کے جہادی نشاط کو برقرار رکھنے کے لیے یہ بنیادی بات بتائی جارہی ہے کہ اگرکسی موقع پر تم کو کفار ومشرکین کے مقابلہ میں کچھ شکست ہوگئی ہے اور تم کو زخم لگے ہیں، تو اگر ایک مرتبہ تم کو ایسی حالت سے پالا پڑا ہے، تو دس مرتبہ کفار ومشرکین کو ہزیمت اور زخم سے پالا پڑ چکا ہے، وہ کہاں ہر معرکہ میں محفوظ رہے ہیں، یہ جنگ تو ایسا ڈول ہے، جوکبھی خالی آتا ہے، کبھی پانی لے کر آتا ہے۔

تکوینی حالات سب کے لیے ایک قسم کے ہوتے ہیں، کبھی سردی اور کبھی گرمی ہوتی ہے اور کبھی اعتدال کا موسم آتا ہے، کبھی گاڑی ناؤ پر ہوتی ہے، کبھی ناؤ گاڑی پر ہوتی ہے۔

لٰہذا اگر کسی غزوہ میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تکوینی حالات کی رو سے شکست

ہوگئی ہے اوران کو کچھ زخم آئے ہیں، تواس میں سستی دکھانے اور ملول ہونے کی کوئی بات نہیں ہے، جب مقابلہ ہوتا ہے تو طرفین کو اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے، البتہ انجام کار کے اعتبار سے میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اوراسی عقیدہ پر مسلمانوں کو میدان میں اترنا چاہیے اور کام کرنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰؍دسمبر ۱۹۷۵ء)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ

اور کوئی نفس مرنہیں سکتا، مگراللہ کے حکم سے درآں حالے کہ وہ مقررہ وقت ہے۔

(پ ۴ ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۵)

یہ ساری کائنات خدا کی ہے، خدا ہی نے اسے پیدا کیا ہے، وہ اس کی ایک ایک چیز کو بقا دیتا ہے اور وہی فنا دیتا ہے، موت وحیات صرف اپنے خالق کے دستِ قدرت میں ہیں اور اس کے علاوہ کسی اور طاقت کو ان میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حالات بنائے، ان حالات کے اسباب وعلل پیدا فرمائے اوران کے دفع کرنے کی صورتیں بھی بتائیں، مگر وجود وعدم میں سے کسی بھی مقدار پر اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا کوئی قبضہ نہیں ہے۔

اسی حقیقت کو یہاں بیان فرمایا جارہا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے زندگی دے دی اور وہ نفس بن گئی، تواب کسی غیر میں طاقت نہیں ہے کہ وہ اسے مار سکے اوراس کی زندگی سلب کرسکے۔

البتہ اَسباب وعلل کے طور پر بیماریاں، حوادث، اَمراض اور حالات سامنے آتے ہیں، مگر وہ نہ حیات کے مالک ہیں، نہ موت پر ان کا قبضہ ہے، بل کہ وہ مُسبب الاسباب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں، جو اسی کے حکم سے اپنا اثر دکھاتے ہیں، موت کا جو وقت مقرر ہے، اس سے ایک دقیقہ آگے پیچھے موت نہیں آسکتی، اس عقیدہ اور حقیقت نے مُوحِّدوں اور مومنوں میں اپنی اپنی زندگیوں کو خدا کی راہ میں وقف کرنے کا جذبہ پیدا کیا ہے اوراس کے باعث اللہ کے بندے اللہ کے کام آتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ

اور کسی جان کے لیے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ خود مرے، مگر اللہ کی اجازت سے اس طور سے کہ اس کی میعاد مقرر ہے۔ (پ ۴ ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۵)

دنیا میں کون وفساد کا سلسلہ جاری ہے، ایک چیز بنتی ہے اور پھر بگڑتی ہے، اسی کون وفساد کے سلسلے کا نام دنیا ہے، جب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، اسی دن کا نام قیامت ہے، اس دنیا میں پیدا ہونے والی چیز کے فنا ہونے کی تمہید اس کی پیدائش ہے، پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب ایک دن مرنا ہے، یہاں کی ہر چیز کے لیے ایک مدت مقرر ہے اور اس مدت کا نام دنیاوی زندگی ہے، جس گھڑی یہ مدت ختم ہوجائے گی، اسی گھڑی موت آجائے گی، مرنے سے بچنے اور جینے کو دراز کرنے کی جس قدر ترکیبیں اور تدبیریں ہیں، وہ سب اس حقیقت کے تسلیم کرنے کے بعد ہیں کہ بہرحال مرنا ہے اور زندگی مقررہ مدت سے ایک سکنڈ زیادہ زندگی نہیں ملا سکتی۔

اس طرح یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی پیدا ہونے والی چیز اپنی معینہ مدت سے کم بھی نہیں رہ سکتی، بل کہ اسے اپنی مدت کا پورا کرنا ضروری ہے، پس جو مدت قدرت کی طرف سے مقرر ہے، اس سے نہ ایک سکنڈ کم کوئی جی سکتا ہے اور نہ ایک سکنڈ زیادہ جی سکتا ہے، بل کہ بہرحال زندگی کے مقررہ دن پورے ہوں گے، ایک مسلمان میں جب یہ عقیدہ صحیح معنوں میں پیدا ہوجاتا ہے، تو اسے زندگی کی طرف اطمینانِ کلی حاصل ہوجاتا ہے اور وہ جینے اور مرنے کو صرف اللہ کے حوالے کر کے جیتا اور مرتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَ سَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور جو شخص دنیوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا سے حصہ دے دیتے ہیں اور جو شخص اخروی نتیجہ کو چاہتا ہے تو ہم اسے آخرت سے حصہ دے دیتے ہیں اور ہم عنقریب شکر گزاروں

کونیک جزا دیں گے۔ (پ ۴ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۵)

یہ دنیا دارالعمل بھی ہے اور دارالجزا بھی، غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے والے اور ناعاقبت اندیش کے لیے یہ دنیا دارالعمل کے ساتھ دارالجزا ہے۔ اور ذمہ دار زندگی گزارنے والے کے لیے صرف دارالعمل ہے اور اس کے لیے دارالجزا آخرت ہے۔

قانونِ قدرت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شخص جو کام کرتا ہے، اس کا بدلہ ضرور ملتا ہے، اور اس کام میں انتظامی کام کرنے والوں کی خواہش پوری کرتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک خاص قسم کی تعلیم دی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تمام انسان اسی پر عمل کر کے ہماری منشا کے مطابق بدلہ لیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی کام کرنے والا اسے نہ مانتے ہوئے اپنے کام کی اجرت چاہے تو اسے نہ دی جائے، بل کہ ہر کام کے کرنے والے کو اجرت ملنی ضروری ہے۔

جو لوگ اس دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور آخرت کی زندگی پہ ان کا ایمان نہیں ہوتا، یا تو وہ سرے سے اس کے منکر ہوتے ہیں یا صرف لفظی اقرار کر کے اصل حقیقت کو نہیں مانتے ہیں، وہ اس دنیا میں جو کام کریں گے اور اس کی جزا چاہیں گے، ان کو پوری جزا دی جائے گی اور جو لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اصل زندگی مرنے کے بعد کی زندگی ہے اور وہ اسی میں آج کے کاموں کا بدلہ چاہتے ہیں، ان کو اخروی زندگی میں بدلہ دیا جاتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور جو آدمی دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے، ہم اسے دنیا سے دے دیتے ہیں اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے، ہم اسے آخرت سے دے دیتے ہیں اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔ (پ ۴ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۵)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس کو اچھے بُرے کی تمیز دی، دونوں قسم کی زندگی کے لیے حالات پیدا کیے، اچھائی کو سمجھانے اور برائی سے دور کرنے کے لیے قانون مقرر کیے، انبیاء ورسل بھیجے، یہ سب کچھ کرنے کے بعد ہر انسان کو آزادی دی کہ وہ اپنی فطری آزادی سے کام لے کر جس راہ کو چاہے قبول کرے، اس پر اب کوئی پابندی نہیں ہے، نظامِ قدرت کا دستور کچھ اس قسم کا ہے کہ انسانی کوششوں اور کاوشوں کا پھل ملتا ہے، اچھی کوششیں بھی بارآور ہوتی ہیں اور بُری کوششیں بھی پھل دیتی ہیں، سادھو اور جوگی بھی اپنی ریاضت اور محنت سے کرتب دکھاتا ہے، صوفی اور فقیر بھی اپنی ریاضت کا مزہ پاتا ہے، پس جو جس قسم کی محنت کرتا ہے، اسے اس کا پھل ویسا ہی ملتا ہے۔

یہاں اس قانونِ قدرت کو بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ نے انسانی بھلائی کے لیے تمام سامان فراہم کردیئے ہیں، اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے، اور کیا مانگتا ہے، اگر کوئی قدرت کی نشان دہی کے علی الرغم صرف دنیا کی زندگی کی بہاریں لوٹنا چاہتا ہے اور اس کے لیے رات دن کوشش کرتا ہے، تو پھر قدرت اسے اس کی کوشش کا پھل بھی دیتی ہے، اور جو شخص اس دنیا میں رہ کر آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اور اس کے لیے کام کرتا ہے تو اسے آخرت کی بھلائی ملتی ہے۔

ان دونوں گروہوں میں شکر گزار انسانوں کو بہر حال کام یابی ہے اور دونوں جہاں دنیا اور آخرت میں ثواب کے وارث ہیں، ان کے لیے یہاں بھی خوبی ہے اور وہاں بھی خوبی ہے۔

پس اے لوگو! تم اس دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا ثواب مانگو، مگر ساتھ ہی خدا کی نعمتوں کے شکر گزار رہو، تاکہ اس کی برکت سے یہ دنیا بلاکسی خاص کوشش کے حاصل ہوتی رہے اور آخرت کے لیے اطمینان سے کوشش کرسکو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۴؍فروری ۱۹۵۴ء)

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَ

سَنَجۡزِی الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۱۴۵﴾

اور جو شخص دنیا کے ثواب کا قصد کرے گا، تو ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو شخص آخرت کا مقصد کرے گا تو ہم اسے اس میں دیں گے، اور ہم جلد ہی احسان ماننے والوں کو کو جزا دیں گے۔ (پ ۴ ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۵)

یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے، کام کی محنت ملنے کے لیے دوسری جگہ ہے، جسے آخرت کے دن سے یاد کیا جاتا ہے، اسلامی عقیدہ ومجازات کی رو سے اس دنیا کے ہر کام کا حقیقی نفع آخرت میں ملے گا اور ویسے اس کے کچھ اثرات دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں، اس کی رو سے اسلام نے آخرت کو بہتر سے بہتر کرنے کے لیے اچھی اچھی باتیں بتائی ہیں اور نیکی کے راستے نکالے ہیں، جو ان پر عمل کرے گا اور چلے گا، اسے آخرت کی فلاح و بہبود کا پورا حصہ ملے گا، اور جو ان پر عمل نہیں کرے گا، بل کہ ان کے خلاف حرکات کا ارتکاب کرے گا، اس کے لیے آخرت میں ثواب کا کوئی حصہ نہ ہوگا، بل کہ اس کے لیے طرح طرح کی سزائیں ہوں گی۔

اس تشریح وتوضیح کے بعد جس کا جی چاہے دنیا کمائے، جس کا جی چاہے آخرت کمائے، جو جیسا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے ویسا ہی دے گا، اس معاملہ میں بڑی حد تک بندوں پر معاملہ چھوڑ دیا گیا ہے، اور اس کی گردن پکڑ پکڑ کر آخرت کا حصہ لینے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا ہے، البتہ نیک وبد کی راہیں بتا دی گئیں اور اچھے بُرے کی تمیز کے لیے اللہ ورسول کی ہدایتیں دے دی گئیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوۡنَ کَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَ ہَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ مَا ضَعُفُوۡا وَ مَا اسۡتَکَانُوۡا ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۶﴾

اور بہت سے نبی ہیں، جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے دشمنوں سے قتال کیا، پس وہ اللہ کی راہ میں آنے والی مصیبتوں کی وجہ سے نہ ہمت ہارے اور نہ ان کا زور گھٹا اور

نہ وہ دب سکے اور اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (پ ۴ ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۶)

زبان گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، انسان جب چاہتا ہے، اسے ہلا کر استعمال کر لیتا ہے، انسان زبان سے کام لینے میں جس قدر آگے ہے، شاید کسی دوسری چیز سے وہ اس قدر فائدہ نہیں اٹھاتا ہے۔

اسی وجہ سے صرف زبانی حقیقت کا انکار کوئی معنی نہیں رکھتا اور جب تک اس پر عمل کر کے نہ دیکھا جائے، اس اقرار کی کوئی وقعت نہیں ہے، اللہ کی راہ میں قول اور عمل دونوں کی ہم آہنگی کام آتی ہے، صرف زبانی جمع خرچ سے کوئی کام نہیں، اللہ کے فرستادہ حضرات جو انبیاء اور رُسُل سے تعبیر کیے جاتے ہیں، وہ قول وعمل کی پختگی اور دونوں کی یکسانیت میں انسانیت کے لیے مثال ہوتے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر جو لوگ زندگی گزارتے ہیں، وہ اللہ والے ہوتے ہیں اور ان میں انبیاء ورُسُل کی زندگی کا پَرتَو ہوتا ہے۔

وہ اللہ کی راہ میں ہر آنے والی مصیبت کا ہنس کر استقبال کرتے ہیں اور جس قدر مخالف طاقتیں ٹکراتی ہیں، ان سے ٹکر لیتے ہیں، نہ ہمت ہارتے ہیں، نہ کمزوری دکھاتے ہیں اور نہ ہی ذرہ برابر رنجیدہ ہوتے ہیں، بل کہ ان کے چہرے اطمینان وطمانیت کے نور سے جگمگاتے ہیں، کیوں کہ ان کے پاس صبر واستقامت کی پونجی ہوتی ہے، جو خدا کے نزدیک سب کچھ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

سوائے اس کے ان کی کوئی بات نہیں تھی کہ انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں اور کاموں میں ہمارے حد سے زیادہ گزر جانے کو بخش دے اور ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر مدد دے کر غلبہ دے۔ (پ ۴ ع ۶ سورۃ آل عمران: ۱۴۷)

جولوگ دین ودیانت پر استقامت کرتے ہیں اور جب ناگوار حالات درپیش ہوتے ہیں، طاغوتی طاقتوں سے مقابلہ کی نوبت آتی ہے،تو ظاہری سامان اور حالات کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اصلی طاقت پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور ہر وقت یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے کام میں میانہ روی اوراعتدال دے اورکسی بھی حد سے گزرجانے والی غلطی کوبخش دے، گناہوں میں زیادتی ہو یا عام کاموں میں زیادتی ہو، اس زیادتی سے ہمیں معاف فرماکر اعتدال پسندی اور میانہ روی کی توفیق دے اور ہمیں باطل طاقتوں پر فوقیت عطافرمائے،تاکہ تیرادین سربلند ہواور کفروشرک کی طاقتیں پست ہوں۔

اللہ کے نیک بندے اٹھتے، بیٹھتے،سوتے، جاگتے ہر وقت اور ہر حال میں یہی دعا کرتے ہیں اوراسی خواہش میں زندگی کے دن پورے کرتے ہیں،اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کھانے پینے کا انتظام نہیں کرتے اور ہوا پیتے ہیں،بل کہ وہ دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہر طرح کی آسانی بہم پہونچاتے ہیں۔

البتہ ان کے نزدیک یہ چیز ثانوی درجہ پر ہے اور اول درجہ پر یہ نظریہ ہے کہ ہماری زندگی انسانیت،شرافت کے معیار سے آگے نہ بڑھے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

اے مومنو! اگرتم لوگ کافروں کی اطاعت کروگےتو وہ تمہیں پیچھے کی طرف ڈھکیل دیں گےاورتم ناکام ونامراد ہوجاؤگے،بل کہ تمہارا مولیٰ اللہ ہےاوروہ بہترین مددگار ہے۔

(پ ۴ع ۷ سورۃ آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰)

اگر ہنس کوے کے پیچھے پیچھے اڑنے لگے،شاہین کنجشک کی اطاعت گزاری کرنے لگےاورشیرلومڑی کی تابع داری میں ہر وقت حاضر باش رہے،تو پھر کون ہے جو ہنس کو ہنس،

شاہین کو شاہین اور شیر کو شیر کہہ سکتا ہے، اور کون ہے جو انہیں کوا، کنجشک اور لومڑی بن جانے سے روک سکتا ہے؟

بعینہٖ اسی طرح اگر مسلمان قوم کفار و مشرکین کی پیروی کرنے لگے تو کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان، مسلمان رہ سکتے ہیں اور وہ کافر و مشرک کے ہم رنگ نہیں ہو سکتے، دنیا میں شر و فساد زیادہ ہے، کفر و شرک کی کثرت ہے اور طغیان و عُدوان کی بہتات ہے۔

پس ضروری ہے کہ ان سے تعلق رکھنے والے بھی بکثرت وجود ہوں اور فلاح و نجاح کی راہ پر چلنے والے ان کے مقابلہ میں کم ہوں اور جب یہ توازن رہے گا تو باطل کا وزن "حق" کو اکثریت اور اقلیت کے زُعم میں اپنی طرف کھینچتا رہتا ہے، پھر اس جذب و کشش کے سلسلے میں کافرانہ قوت کبھی نرم چالوں سے کام لیتی ہے اور کبھی سخت دھمکیوں کو استعمال کرتی ہے، کبھی تشدد اور قتل و غارت پر اتر آتی ہے اور کبھی دہشت انگیزی پھیلانے میں کامیابی سمجھتی ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت تم پر پڑ جائے تو کفار کی اطاعت نہ کرو، ورنہ تم ختم ہو جاؤ گے، وہ تمہیں نیست و نابود کر دیں گے اور تم دنیا و آخرت میں ناکام قوم بن کر رہ جاؤ گے، کفار کی بالا دستی کا تصور تک نہ کرو، بل کہ خدائے احکم الحاکمین کی حاکمیتِ اعلیٰ کا عزم و یقین رکھو اور خوب سمجھ لو کہ ہر آڑے وقت میں اس کی حاکمیت، مدد و یاوری کرنے والی ہے، بشرطے کہ مسلمان کفر میں ضم نہ ہو جائیں۔

آج جو حالات چل رہے ہیں، ان میں ہر مسلمان کو غور کرنا ہے کہ وہ کیا رَوِش اختیار کرے، کسی کی پیروی کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ اس سے لڑائی مول لے لے، بل کہ نہایت سکون سے الگ ہو جانا اور اپنے کام میں لگ جانا ہی غیر کا حقیقی انکار ہے اور اپنی تعمیر ہے۔ (رزنامہ انقلاب بمبئی)

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اے ایمان والو! اگر تم اطاعت کرو گے ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا ہے، تو وہ تم کو الٹے پاؤں (کفر کی طرف) واپس کر دیں گے، پس تم پلٹ جاؤ گے ناکام ہو کر، بل کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ (پ ۴ ع ۷ سورۃ آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰)

"جیسی صحبت ویسی رنگت" یوں ہی نہیں مشہور ہے، پھر اگر کسی کی اطاعت کی جائے گی تو اس کا نتیجہ کس قدر متاثر ہو گا؟

اسلام ایک نور ہے، جسے کفر کا ہر جھونکا بجھانے کی کوشش کرتا ہے، اسی وجہ سے کفر کرنے والوں سے دینی دوستی کرنا اور کفر و شرک کے معاملات میں ان کی راہ پر چلنا اور پھر اسلام کا بھی دم بھرنا نہیں ہو سکتا۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ دماغ ہو کفر کا خزانہ، مگر زبان اسلام کے دعویٰ میں صحیح ہو، راستہ چلا جائے نصاریٰ کا، مگر منزل مل جائے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، بے عملی کی زندگی میں روش اختیار کی جائے، فاسقوں، فاجروں کی، اور انجام کار ثواب کا طبق سنہرے ریشمی کپڑے سے ڈھکا ہوا آجائے، کفار تو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کی راہ سے ہٹا دیا جائے، دین کی روح ختم کر دی جائے، حقیقی اسلام مٹا کر نام کا اسلام رہنے دیا جائے، تا کہ اسلام نہ ہو مگر اسلام کا نام ہو، جس سے مسلمان مطمئن ہیں۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار و مشرکین کی پیروی کر کے ان کو اپنا پیشوا نہ بنائیں، اگر مدد کی ضرورت ہے، تو خدا کی ذات باقی و کافی ہے، ایمان و عقیدہ کی پختگی اور قوتِ عمل کی ضرورت ہے، اسی کی ذات سے ہر بگڑا کام بن سکتا ہے، دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

افسوس کہ آج مسلمانوں سے یہی عقیدۂ توحید نکل گیا اور وہ مصیبتوں کے وقت ہر

طاغوتی طاقت کا سہارا لینے کے لیے اس کی راہ پر چل پڑتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۵ راگست ۱۹۵۰ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت کروگے تو وہ تمھیں تمھاری پہلی حالت پر لوٹا دیں گے، پس تم ناکام بن کر بدل جاؤ گے، اللہ تمھارا مولیٰ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

(پ ۴ع ۷ سورۃ آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰)

کفر واسلام میں کسی طرح کا میل نہیں ہے، اور دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہوکر قائم نہیں رہ سکتی ہیں، بل کہ جہاں کفر ہوگا، وہاں اسلام نہیں ہوگا، اور جہاں اسلام ہوگا، وہاں کفر نہیں ہوگا، پھر اربابِ اسلام وایمان کی راہ چوں کہ کفر کے تمام راستوں سے جدا ہے، اور اسلام کے پیرو، پیروانِ کفر کے ساتھ تھوڑی دور بھی نہیں چل سکتے، اس لیے کفار ومشرکین کی ٹولیاں اور اسلام کے مقابلہ میں غیر مسلم طاقتیں ہمیشہ اسی پھیر میں رہتی ہیں کہ اسلام کا خاتمہ کر کے اپنا متحدہ اثر ورسوخ قائم کریں اور مسلمانوں تک کو اگر ہوسکے تو اپنی ہی راہ پر چلنے کے لیے مجبور کریں، اور چوں کہ اسلام ایک ملتِ وحدت ہے، جس کے مقابلہ میں دوسرے تمام ملل ایک محاذ پر قائم ہیں اور اسلام کو شکست دینا چاہتے ہیں۔

اس لیے اسلام کے تمام مدمقابلوں کی دائمی کوشش ہوتی ہے کہ جس طرح ممکن ہو، اسلام اور مسلمانوں کو شکست دی جائے، بل کہ ایسا کیا جائے کہ ان کا الگ وجود اپنے خصوص وامتیازات کے ساتھ باقی نہ رہ سکے، اور مسلم قوم کے جس قدر آثار وعلائم ہیں، ایک ایک کرکے دنیا سے ختم ہوجائیں، وہ طرح طرح کی دھمکیوں اور لالچوں سے مسلمانوں کو اپنے مشوروں پر چلنے کی ترغیب دیتے ہیں، ان کو اپنی اتباع میں فائدہ دکھاتے ہیں، اور ان کی

بات نہ ماننے میں نقصان ثابت کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم مسلمانوں کو اسی کافرانہ ذہنیت سے مطلع کر کے ان کو بتا رہا ہے کہ اگر تم لوگ کافروں کی بات مانو گے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اسلامی زندگی سے محروم ہو جاؤ گے، اور تم اپنی پرانی جاہلی حالت پر آ جاؤ گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۶/ جولائی ۱۹۵۳ء)

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

عن قریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، ان کے خدا کے ساتھ ایسی چیز کے شریک کرنے کی وجہ سے، جس کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

(پ ۴ ع ۷ سورۃ آل عمران: ۱۵۱)

کفر شکست خوردہ ذہنیت کا ایک مظاہرہ ہے، جس سے تمام ذہنی پستیاں اجاگر ہوتی ہیں، اور معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے انکار کے نتیجہ میں آدمی کس درجہ ہراساں و پریشان رہا کرتا ہے، اسلام سراسر فتح وظفر ہے اور کفر سراسر شکست ہے، ایک انسان مسلمان ہو کر خدا سے ڈرتا ہے، اور دوسری تمام طاقتوں سے بے خوف ہو کر دلیرانہ زندگی بسر کرتا ہے، اور ایک انسان کافر ہو کر ایک خدا سے نہیں ڈرتا اور دوسرے جتنے اس کے ذہنی، وہمی اور خیالی دیوتا ہیں، سب سے ڈرتا ہے، سب کی ناز برداری کرتا ہے اور سب کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے۔

کفر و شرک جس ذہنیت کی پیداوار ہے، اس کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک کے مقابلہ میں انسان لاکھوں کروڑوں سے خوف کھاتا ہے، اگر انسان کے اندر دوسروں کی ہیبت اور دوسروں کی وجہ سے بزدلی پیدا نہ ہو تو وہ کفر و شرک کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، جب وہ کسی غیر خدائی طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور اس کے دماغ میں غیروں کی حکمرانی ہوتی ہے، تو توحید میں ملاوٹ کر کے غیر کا احترام کرتا ہے، اس کے لیے وہی باتیں سوچتا ہے، جو اسے خدا کے بارے میں بتائی گئی ہیں، اور وہی اعتقاد رکھنے لگتا ہے، جو خدا کے بارے میں رکھنا چاہیے۔

تم اس بات کو خوب سمجھ لو کہ جب کوئی آدمی ایسا کام کرے گا، جس کے جواز کے لیے اس کے پاس دلیل نہیں ہوگی، تو یہ بات ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے ہوگی اور وہ سراسر جذباتی ہوگی یا شکست کی آواز ہوگی، اس سلسلہ میں شرک وکفر سب سے نمایاں چیز ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵؍جولائی ۱۹۵۳ء)

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾

ہم عن قریب کفار کے دل میں رعب ڈال دیں گے، کیوں کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک بنایا ہے، جس کے لیے خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، جو ظالموں کے لیے بدترین جگہ ہے۔ (پ ۴ ع ۷ سورۃ آل عمران: ۱۵۱)

ایمان سراسر عزم ویقین ہے، اور کفر سراپا وہم وفریب ہے، ایمان ایک نہ ہلنے والی بنیاد کا نام ہے، جس پر عمل ویقین کا اونچا سے اونچا قلعہ تعمیر کیا جاتا ہے، اور کفر ایک متزلزل دیوار کو کہتے ہیں، جس پر یقین وعمل کی دیوار نہیں ٹک سکتی۔

کافر ومشرک یعنی خدائے وحدہٗ کو چھوڑ کر دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے ڈرنے والا انسان، مسلم ومومن یعنی تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف ایک خدا پر یقین رکھنے والے انسان کے مقابلہ میں ہمیشہ شکست کھائے گا، بشرطے کہ مومن اپنے عزم میں پکا مومن ہو، کیوں کہ اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے، بل کہ اوہام پرستی کے چند مکر ہیں، جن کی قلعی پکے مومن کے سامنے فوراً ہی کھل جاتی ہے۔

یہ ہوگا کہ کفار ومشرکین مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑا زور دکھائیں گے، شور وپکار مچائیں گے اور ایسی اچاپت کریں گے کہ خدا کی پناہ، مگر ان کے یقین وعمل کے لیے چوں کہ کوئی بنیاد نہیں ہے، اس لیے ان کی ساری گرمیاں بھی بے بنیاد ثابت ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان کے

رنگین مزاج ودل میں توحید پرستی کا رعب ڈال دے گا اور کسی نہ کسی موقع پر پیچھے ہٹ جائے گا۔

مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نام کے مسلمان اسی انتظار میں یقین وعمل سے یکسو ہوکر توکل کے گھر میں بیٹھ رہیں اور خدا ان کافروں کے دل میں ان مسلمانوں کا رعب وداب ڈال دے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

ہم عن قریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا، جس کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، وہ ظالموں کی بدترین قیام گاہ ہے۔ (پ ۴ ع ۷، سورۃ آل عمران: ۱۵۱)

شرک کیا ہے؟ اس خوف اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے، جس کے پھندے میں کمزور عقیدہ کے لوگ پھنس جاتے ہیں، آگ، دریا، پہاڑ، ہوا، بارش، درخت، جانور، چاند، تارے، سورج، آسمان، غرض کہ ہر وہ مخلوق جو اثر انداز معلوم ہوئی، کمزور ذہن نے اسے اپنا معبود اور دیوتا سمجھ لیا، پس خدا کی عبادت میں غیر خدا کو شریک کرنا خوف ورعب کا نتیجہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومن موحد دنیا کی کسی طاقت سے رعب نہیں کھاتا، صرف ایک خدا سے ڈرتا ہے، اور مشرک وکافر دنیا کی تمام چیزوں سے خوف کھاتا ہے، صرف ایک خدا سے بے خوف ہوتا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ عقیدۂ شرک کی بنیاد ہی کم ہمتی، بزدلی، ڈر اور رعب پر پڑتی ہے، اور مشرک دنیا میں کبھی بہادر، جاں باز، جاں نثار، جری، اولوالعزم، شجاع نہیں ہوسکتا، یہ چیزیں اسی مرد کی فطرت میں ہوں گی، جو دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتا، اور صرف ایک طاقت سے ڈرتا ہے، اسے نہ دریا کی چوڑائی چکر میں ڈال سکتی ہے، نہ صحرا کی وسعت گھبراہٹ میں پھنسا سکتی ہے، نہ

آسمان کی بلندی نیچا دکھا سکتی ہے، نہ ہی چاند، سورج اور تاروں کی چمل دمک اندھا کر سکتی ہے، وہ دریاؤں، پہاڑوں، درختوں اور جانوروں کو انسانیت کا خادم تصور کرتا ہے، اس کے نزدیک نفع ونقصان کی ساری دولت وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے اور کا کوئی حصہ مخلوق کو ملا ہی نہیں۔

پس مسلمان اس بنیادی اصول کو سمجھیں اور ضابطۂ ابدی کو وقتی جوش وخروش دیکھ کر نہ سمجھیں کہ کفر وشرک کی یلغار کو ثبات ودوام ہے، یہ جو کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، چراغِ سحری کا سنبھالا ہے، یہ خود کوئی طاقت نہیں ہے، بل کہ ضعف کا مظاہرہ ہے۔

خوب یاد رکھو، اگر تمہارے دل میں بھی خدا کے علاوہ کا تصور اسی نقطۂ نظر سے جاگزیں ہے، تو تمہارے دل میں کفار ومشرکین کی ان حرکتوں سے رعب پیدا ہو جائے گا، اگر تم آج موجودہ حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر مرعوب ہوتے ہو تو اچھی طرح سمجھ لو کہ عقیدۂ توحید ورسالت میں عزیمت نہیں ہے، کیوں کہ یہ رعب موحد ومسلم کا حصہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو ضرور اللہ کی طرف سے مغفرت ہوگی اور رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے، جسے یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۵۷ء)

مسلمانوں کی حیات وموت اللہ کے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے اور دنیا کو اس پر چلانے کی دعوت دینے کے لیے ہے، اور اس کی موت بھی اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جب چاہے، جیسے چاہے اور جس طرح چاہے، لے لے۔

مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ لڑتے، مرتے دین وایمان کے تقاضوں پر عمل کرے اور دنیا کو اس کی دعوت دے، جو لوگ اس طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں کہ ان کا جینا اور مرنا دعوتِ الٰہی کا مشن ہوتا ہے، ان کے لیے مغفرت ورحمت ہے، یہ رحمت ومغفرتِ الٰہی اس قدر

قیمتی چیز ہے کہ دنیا کی ساری دولت ایک طرف اور یہ دوسری طرف، پھر بھی اس کا پلہ بھاری رہے گا اور وہ لوگ کام یاب ہیں، جو اس زندگی میں اللہ کی طرف سے اپنی مغفرت کا پروانہ حاصل کرلیں اور رحمتِ خداوندی کے مستحق بن جائیں۔

مسلمان قوم کی زندگی جب تک اس معیار حیات وموت پر گزرے گی، اللہ تعالیٰ کی مغفرت آخرت میں اور رحمت دنیا میں شاملِ حال رہے گی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۷؍جولائی ۱۹۶۰ء)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾

اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہیں اور اگر آپ کڑے سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے ضرور ہٹ جاتے، پس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں اور باتوں میں ان سے مشورہ لیا کریں اور جب پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر توکل کریں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

نرمی اور نرم دلی بہت اچھی چیز ہے، انسانی اَخلاق کا یہ پہلو انسانیت کے حق میں بہت ہی مفید اور ضروری ہے، سختی اور سخت دلی سے انسان میں جفا وقساوت ظاہر ہوتی ہے، اور اس کے نتائج بہت ہی غلط نکلتے ہیں، نرمی اور نرم دلی کی وجہ سے انسان لوگوں کو اپنی طرف موڑ سکتا ہے، ان کو اپنے اردگرد جمع کرسکتا ہے اور ان سے بڑے بڑے کام لے سکتا ہے، بخلاف اس کے سختی اور سخت دلی کی وجہ سے لوگ دور ہی دور رہتے ہیں اور قریب نہیں آتے، اَخلاقی حلاوت، کردار کی شیرینی اور عادات واَطوار میں جاذبیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہے، جس کو یہ دولت ملتی ہے، وہ بڑا ہی دھنی ہوتا ہے، یہ وصف بھی دیگر اَوصافِ حمیدہ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجۂ اتم

موجود تھا اور اس کی برکت سے آپ نے اپنے گرد قدوسیوں کی ایک جماعت کو جمع کرلیا تھا۔

اگر آپ کے اَخلاق میں شدت ہوتی تو پھر اسلام کا کام بہت مشکل ہو جاتا اور کوئی ہم نوا نہیں ملتا، نرمی اور نرم دلی کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کی قدر کی جائے، ان کی لغزشوں کو نظر انداز کیا جائے، ان کے لیے دعائے خیر کی جائے اور اُمور و معاملات میں ان سے رائے لی جائے، ویسے توکل اور بھروسہ تو اللہ کی ذات پر کیا جائے، مگر رائے مشورہ میں ہر ایک چھوٹے بڑے کو شریک کیا جائے، یہی اسلام میں اجتماعی زندگی کا اصول ہے، بل کہ انفرادی زندگی میں یہ باتیں ضروری ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷/اگست)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ

اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہوتے ہیں، اور اگر تندو تیز اور سخت دل ہوتے تو وہ لوگ ضرور آپ کے اِردگرد سے ہٹ جاتے، پس آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے، اور معاملات میں ان سے مشورہ لیا کیجیے۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران:۱۵۹)

انسان کا با اَخلاق ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اور اس نعمت سے وہی لوگ حصہ پاتے ہیں، جن پر اس کی رحمت ہوتی ہے، نرمی، شرافت اور خوش خلقی دوسروں کو رام کرنے کے لیے بہت ہی موثر حربہ ہے، جس میں مار نہیں ہے، بل کہ محبت و شفقت کی شیرینی ہے، جس آدمی کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں اور سب سے اس کا برتاؤ محبت و رحمت کا ہوتا ہے، اس سے تمام چھوٹے بڑے مانوس رہتے ہیں، اور کسی کو شکایت، بددلی اور گراں باری کا موقع نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب فرماتا ہے کہ آپ جو خلقِ عظیم کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں اور آپ کے اندر یہ جو نرمی ہے، یہ بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر خدانخواستہ آپ سخت دل ہوتے، آپ کے مزاج میں حلم و بردباری اور صبر و ضبط کے بجائے تیزی و تندی

ہوتی تو آپ ے کے گرد اگرد لوگ جمع نہ ہوتے اور سب کے سب آپ کی سختی سے تنگ آ کر بدک جاتے، آپ کو دین کی تبلیغ کے لیے یہ اچھے لوگ نہ ملتے اور نہ ہی آپ اچھے ساتھیوں سے فائدہ اٹھا کر دین کا کام اس انداز میں کر سکتے تھے۔

اس لیے یہ لوگ جو آپ کے پاس ہیں، ان کی دل جوئی کیا کریں، ان سے رائے مشورہ لیا کریں، اور ان کو اپنے اجتماع ومعاشرہ کا خونی فرد سمجھیں اور ان کی لغزشوں کو نظر انداز کر کے ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں، ان ہی اَخلاقِ حسنہ سے سوسائٹی بنتی ہے، اور ایک آدمی ان کی وجہ سے انجمن سجائے رہتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾

پس آپ ان سے درگزر فرمایئے اور ان کے لیے استغفار کیجیے، اور معاملہ میں ان سے مشورہ لیا کیجیے، اور جب آپ عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کیجیے، بے شک اللہ تعالیٰ متوکلین کو پسند فرماتا ہے۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران:۱۵۹)

اسلامی نظامِ زندگی کا شیرازہ اس طرح بندھا ہوا ہے کہ اس کا کوئی گوشہ اتحاد واتفاق کی روح سے خالی نہیں ہے، عام مسلمانوں کے پیشواؤں اور ان کے رہنماؤں کے لیے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ رہبری کریں اور ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں، بل کہ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کی عوامی غلطیوں سے درگزر کرتے رہیں۔

عوام میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں، دس اچھا کہتے ہیں تو دو ایک بُرا کہنے والے بھی ہوتے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے رہنما دس کی اچھائیوں سے نظر پھیر کر دو ایک کی برائی کو پکڑلیں، بل کہ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عفوودرگزر کی سنت اختیار کریں، غلط گو اور غلط کار لوگوں کی خیر خواہی میں ان کے لیے دعا کریں، اللہ سے ان کی لغزش کی معافی کی درخواست

کریں، آخر مسلمانوں کے رہنما ان بعض عام اور غیر ذمہ دار مسلمانوں کے لیے بھی تو رہنما ہیں، اور ان کی اچھائی اور برائی پر بھی تو انہیں نظر رکھنی ہے، اور ان کو بھی تو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے۔

جہاں تک اسلامی زندگی میں رائے مشورے کا تعلق ہے، عوام سے مشورہ کرنا ضروری ہے، ان کی رائے معلوم کرنی چاہیے، تاکہ رائے عامہ کا اندازہ ہو جائے، اور رہبر کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے، جس کے ساتھ عوام نہ چل سکیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عوامی خواہش اس کی رہنمائی کرے، بل کہ عزم وارادہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونی چاہئے، اور اسی کی مرضی کے موافق کام کرنا چاہیے، بھروسہ ہمیشہ خدا پر ہو، اوپر کی آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر مسلمان رہنماؤں کو یہی تعلیم دی جا رہی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴/مارچ ۱۹۵۲ء)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ

پس اللہ کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو وہ لوگ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

نرم دل ہونا اللہ کی بہت بڑی مہربانی ہے، جو شخص نرم دل ہوتا ہے، اس پر رحمتِ خداوندی ہوتی ہے اور وہ عام طور سے بہت ہی اچھی زندگی بسر کرتا ہے، نہ وہ کسی سے سختی سے پیش آتا ہے، نہ کوئی شخص اس سے سختی سے پیش آتا ہے، بخلاف اس کے جو لوگ سخت دل ہوتے ہیں، ان کی بات میں روکھا پن ہوتا ہے اور ان کی ہر حرکت سے صلابت، سختی، درشتی اور قساوت ٹپکتی ہے، وہ عوام میں مقبول نہیں ہوتے، نہ عوامی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور نہ وہ خود ہی عوام کی خیر خواہی اور ہمدردی رکھتے ہیں۔

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو یہی بات بتائی جا رہی ہے کہ رحم دلی بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ کی خاص رحمت ہے، اگر یہ بات آدمی کے اندر نہ ہو تو وہ کوئی اجتماعی کام نہیں رکھتا اور لوگ اس کی باتوں کو نہیں مان سکتے، بل کہ اس کے پاس بھی نہیں جا سکتے۔

اگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے لیے اپنی خلقت اور اپنے خلق دونوں کے اعتبار سے رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو عرب کے اکھڑ جاہل اور قسی القلب لوگ ہرگز آپ کے پاس نہ آتے اور آپ کی باتیں نہ سنتے، بل کہ آپ سے دور دور رہتے، اور ابتدا میں انہوں نے نادانی سے آپ سے جدائی اور دشمنی اختیار کرنے کے بعد میں شمع نبوت کے جاں نثار پروانے ہو کر اپنی جاں نثاری دکھائی۔

پس اے لوگو! تم نرم دل، رحم دل اور خوش دل بن کر دوسروں کے دلوں کو موہ لو، اور ہنسی خوشی سے دلوں کی دنیا کو جیت لو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تیز اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے آس پاس سے الگ ہو جاتے، پس آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے حق میں مغفرت کیجیے اور معاملہ میں ان سے مشورہ کیا کیجیے اور جب پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر توکل کریں اور اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

انسان کے اندر اچھے اَخلاق کا ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اور جس کے اَخلاق اچھے ہوتے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہوتا ہے، حُسنِ اَخلاق کا تقاضا ہے کہ آدمی اپنے گرد وپیش کے لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے، ان سے محبت وشفقت کے ساتھ بات چیت کرے، اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو درگزر کرے، ان سے اجتماعی اُمور ومعاملات میں مشورہ لیا کرے، ان کے لیے خیر خواہی کا جذبہ رکھے، غرض کہ ان کو ہر اعتبار سے پُر امید، مطمئن اور خوش رکھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات تھے، وہاں حُسنِ خلق کا انعام بہت زیادہ تھا، آپ صحابۂ کرام کے حق میں نہایت نرم تھے، کبھی شدت اور سختی کا اظہار نہیں فرمایا، اسی نرم خوئی کی وجہ سے لوگ آپ کے گرویدہ ہوئے، جو ایک مرتبہ آپ سے ملتا، زندگی بھر کے لیے آپ کا ہو جاتا، کیوں کہ آپ کے اَخلاقِ حسنہ کی کشش پھر اسے کسی طرف جانے نہیں دیتی تھی۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو عرب کے اکھڑ الھڑ، جاہل اور اجڈ قسم کے لوگ آپ کے گرد پروانوں کی طرح جمع نہ ہوتے، اور آپ کی تعلیمات کا مجسمہ بن کر دنیا میں اس طرح کا تعارف نہ کراتے، پس جہاں تک ہو سکے، نرم خوئی اختیار کرنی چاہیے، اور انسانوں کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنا چاہیے، تاکہ لوگ خوش ہوں اور نیک نامی بڑھ بڑھ کر قدم چومے، حُسنِ اَخلاق میں انسانیت کے ارتقا کا اہم ترین رَمز ہے، اس رمز کو جو لوگ جانتے ہیں، ان کو اور ان کے کاموں کو بے پناہ مقبولیت ملتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰ر نومبر ۱۹۶۲ء)

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کیجیے، پس جب پورا ارادہ کر لیجیے تو اللہ پر توکل کیجیے، بے شک اللہ پسند کرتا ہے توکل کرنے والوں کو۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی رحمت سے آپ کے اندر نرمی اور رحم کا مادہ ہے، جس کی وجہ سے لوگ آپ کے گرداگرد ہر وقت رہا کرتے ہیں، اگر آپ میں شدت اور سختی ہوتی تو یہ صالح معاشرہ نہ بنتا اور اللہ کے نیک بندوں کی ٹولی تیار نہ ہوتی، اس لیے آپ اللہ کی اس نعمت سے زیادہ سے زیادہ کام لیجیے اور جو لوگ آپ کی دعوت پر لبیک کہہ کر آپ کے پاس جمع ہیں، ان کی قدر کیجیے، ان کو اسلامی معاشرہ کا معزز و محترم رکن

شمار کر کے ان سے عام معاملات میں مشورہ کیا کیجئے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ ہر ہر آدمی کے مشورہ پر عمل کریں، اور جو آدمی جو بات کہہ دے، وہ حرفِ آخر ہو جائے، بل کہ مشورہ سب سے کیجئے اور سب سے مشورہ لیجئے، مگر جب پورا ارادہ اقدام کا ہو جائے اور عزیمت کا وقت آجائے تو دل کو مضبوط کر کے صرف اللہ پر بھروسہ کیجئے، یہ لوگوں سے رائے مشورہ اللہ پر توکل کے خلاف نہیں ہے، اور نہ توکل مشورہ کرنے کے خلاف ہے، بل کہ مشورہ کر کے آخر میں صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے، انسانی رائے حرفِ آخر نہیں ہے،، بل کہ اول و آخر سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی کو مبر اذہنی قرار دے کر ہر کام کرنا چاہیے اور اسی کے حکم سے معاملات کے اندر آپس میں رائے مشورہ کرنا چاہئے اور حتی الامکان صواب دید کی راہ پر چل کر اللہ پر آخری توکل کرنا چاہئے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تمہاری نصرت و مدد کرے، تو کوئی بھی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور وہ تمہیں رسوا کر دے، تو پھر کون ہے، جو اس کے بعد تمہاری نصرت کر سکتا ہے، اور مومن تو صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۰)

جس کی طرف اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے، کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور جس سے وہ پھر جاتا ہے، کوئی قوت اس کی بات نہیں بنا سکتی، اگر اللہ کسی قوم کو فتح و نصرت دے تو کوئی قوم اسے زیر نہیں کر سکتی اور اگر وہ کسی جماعت کو شکست دے دے تو پھر اس کے لیے فتح و نصرت کا کوئی موقع نہیں ہے، اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے سامنے پیش فرما رہے ہیں کہ یہ جو تم لوگ کفار و مشرکین اور منافقین کے مقابلہ میں اللہ کے دین کی سربلندی کی جد وجہد میں کام یاب ہو رہے ہو، تو صرف اسی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، وہ اپنا فضل نہ کرے تو

تمہاری تمام جدو جہد دھری کی دھری رہ جائے۔

اس لیے تم مومن و مسلم بن کر صرف اللہ کی ذات پر اعتماد و توکل کرو اور ظاہری اَسباب وعمل کو صرف اَسباب وعِلَل کے درجہ میں رکھ کر استعمال کرو، ان پر کبھی تکیہ اور بھروسہ نہ کرنا، کیوں کہ اہلِ ایمان صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں اور اَسباب وعِلَل کا استعمال بھی اسی کی ہدایت کے مطابق کرتے ہیں، ہم مسلمانوں کی ساری پونجی اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہے، یہی ہمارا اِثاثہ ہے اور اسی پر ہماری زندگی بسر ہونی چاہیے، اگر ایسا نہیں ہوگا کہ ہم ہر طرف سے ذلیل ورسوا ہوں اور نصرتِ الٰہی کے لیے کوئی موقع نہیں ہوگا کہ وہ ہماری بے کسی پر ترس کھائے اور ہمیں اچھے دن دکھائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو تم لوگوں کی اللہ مدد کرے، تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں ہے، اور اگر اللہ تمہاری مدد نہ کرے، تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا، اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل رکھیں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران:۱۶۰)

مومن ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ انسان تمام ظاہری اَسباب ووُجوہ سے بے نیاز ہو کر ایک خدا کی ذات کو اپنے لیے مقصدِ یقین وعمل بنالیتا ہے، یہ ظاہری اَسباب معدوم نہیں ہیں، بل کہ موجود ہیں، اور ان کے اثرات بھی ہم روزانہ دیکھتے ہیں، مگر ایک مومن کی نظر ان سطحی اَسباب کی تہہ میں حقیقت دیکھتی ہے اور اسی پر پورا اعتماد وتوکل دیکھتی ہے، پھر چوں کہ اِمداد واعانت کے معاملے میں انسان بہت ہی جلد باز اور زود طلب ہوتا ہے۔

اسی لیے قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ نصرت ویاری کے بارے میں تم خوب سمجھ لو کہ خدائی مدد کے مقابلہ میں کافر ومشرک کی طاقت، مال ودولت کی قوت، بھوت پریت، سایہ،

جن، پری کی فوج کوئی کام نہیں کرسکتی، اور اگر خدا کی نگاہِ رحمت ونصرت پھر جائے، تو نہ پیر فقیر کام آسکتے ہی، نہ اپنے بے گانے بچا سکتے ہیں اور نہ دنیا کی کوئی طاقت پناہ دے سکتی ہے۔

بس ہر معاملہ میں خدا کی ذات پر اعتماد کرو، اسی کی رحمت پر توکل کرو، اسی کی مدد ونصرت کے سہارے کی تلاش کرو، مسلمان دنیا میں عزت وسربلندی کا سزاوار اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ عقیدۂ توحید کے اس بلند مقام پر آجاتا ہے اور اپنی زندگی کے ہر نشیب وفراز کو خدا کے حوالے کردیتا ہے، مسلمان خوب یاد رکھیں، اگر وہ آج خدا کی نصرت کو بھولے ہوئے ہیں تو انہیں ذلیل وخوار ہونے سے کوئی ترکیب نہیں بچاسکتی، ان کی نجات کی ضمانت کوئی طاقت نہیں لے سکتی، اور ان کو عزت وشرافت کے تخت پر بٹھانے کی ذمہ داری کوئی قوت نہیں سنبھال سکتی، پس مومنوں کو چاہیے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں خدا ہی پر بھروسہ کریں۔ (رزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا، تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر اللہ تمہاری مدد نہ کرے تو کون ہے، جو اس کے بعد تمہیں مدد دے سکتا ہے، اور چاہئے کہ مومن لوگ اللہ ہی پر توکل کریں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۰)

دنیا میں فتح وظفر اسی قوم اور فرد کا حصہ ہے، جسے ارادہ وعزیمت کی بے پناہ طاقت حاصل ہو، جس کے دل میں اِقدام واِقبال کا دریا موج زن ہو، اور جس کے قلب ونظر میں شادمانی وکامرانی کی تصویریں رقص کرتی ہوں۔

اقبال وظفرمندی کا یہ بلند ترین مقام اسی عقیدہ وتصور سے پیدا ہوسکتا ہے، جس کی اِساس خداپرستی اور خداترسی پر ہو، جس میں خدا کی فعالیت وحاکمیت کے علاوہ کوئی دوسرا خیال جگہ نہ پاسکے، اور جس کے پیرووں کے اندر یہ عقیدہ راسخ ہوچکا ہو کہ نصرت واِمداد کا

خزانہ صرف خدائے حی و قیوم کے دستِ قدرت میں ہے، وہی جسے چاہتا ہے، فتح مندی کی عزت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، شکست کی ذلت سے روسیاہ فرماتا ہے۔

ایک موحد و مومن کا عقیدہ یہی ہے کہ نصرت و یاری کی ساری پونجی خدا کے پاس ہے، وہی ہماری امداد فرما سکتا ہے، اور اسی کے بل بوتے پر ہم دنیا میں عزت و شادمانی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، یہ ظاہری اَسباب، یہ ساز و سامان اور یہ عزّت و عُدت بھی اسی کے بھروسے پر ہیں، ورنہ فی نفسہٖ یہ سب بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

افسوس کہ اسلامی توحید جو کہ اسلامی نظام کے ریڑھ کی ہڈی ہے، مسلمان اس کے صحیح مفہوم سے کوسوں دور ہوتے جا رہے ہیں، اور ان کی ظاہری حرکات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی دوسری عام قوموں کی طرح یہ بھی ایک رسمی اور راجی قوم ہیں، حالاں کہ اسلام کی اساس اس عقیدۂ توحید کے اس عملی و نظری کردار تصور پر ہے، جو مسلمان کو دوسری تمام قوموں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۴/اپریل ۱۹۵۲ء)

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا، تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے، تو پس کون ہے، جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکتا ہے، اور مومن تو اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۰)

یہ دنیا اَسباب و وَسائل کے سہارے پر چل رہی ہے، یہاں کا ہر کام کسی نہ کسی ذریعہ سے ہوتا ہے، اور یہ اَسباب و وَسائل کا سلسلہ ہر زمانہ میں ہر جگہ پایا جاتا ہے، پس جب یہ دنیا اسباب و عِلل کے بل بوتے پر چل رہی ہے، تو کیوں نہ ایسا وسیلہ اور سبب تلاش کر لیا جائے، جو تمام اَسباب کا پیدا کرنے والا ہے، جسے ہم مُسبِّبُ الاسباب کہتے ہیں، یہ اللہ

تعالیٰ کی ذات ہے، جو لوگ اس کے بنائے ہوئے اسباب و ذرائع کو استعمال کرتے وقت اس بنیادی مقصد کو یاد رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ وسیلہ بھی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اگر وہ اس میں ظفر و کام یابی کی قوت نہ رکھے تو اس سبب کا ظاہری وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اور اگر وہ چاہے تو بلا کسی ظاہری سبب کے کام کر دے۔

پس ہر موحد و توحید پرست کے لیے لازم ہے کہ وہ خدا کے بارے میں یہی عقیدہ رکھے کہ اگر خدا ہماری مدد کرے تو کوئی طاقت ہمارا نقصان نہیں کر سکتی اور اگر وہ ہمیں چھوڑ دے تو کوئی طاقت ہمیں فائدہ نہیں پہونچا سکتی، جس قوم میں یہ بنیادی عقیدہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ اس دنیائے اسباب و وسائل میں کبھی ناکام نہیں ہوتی، اگر کبھی ظاہری ناکامی نظر آنے لگتی ہے تو اس میں ہراس و خوف کا اندھیرا نہیں پیدا ہوتا، بل کہ امید و یقین کی روشنی باقی رہتی ہے۔ (رزنامہ انقلاب بمبئی یکم/اپریل ۱۹۵۴ء)

اِنۡ یَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر وہ تمہاری امداد کرے گا، تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے، تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ اور مومن تو صرف اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۰)

ایک سچا مسلمان چاہے اَمن و سکون کے گہوارے میں میٹھی نیند سو رہا ہو، چاہے فتنہ و فساد کی تلخ زندگی میں موت کا پیالہ پی رہا ہو، اس کا عقیدہ صرف یہی ہوتا ہے کہ ہر قسم کی نصرت و یاری اور امداد صرف خدا کی جانب سے ہو سکتی ہے، اگر میرا خدا میرے ساتھ ہے تو کارخانۂ ہستی کی تمام ہمدردیاں میرے ساتھ ہیں، اور خدا میرے ساتھ نہیں ہے تو خود میری روح میرا ساتھ نہیں دے سکتی، اسی عقیدہ کی ٹھوس حقیقت کے بل بوتے پر مسلمان دنیا میں ہر

موقع پر ہنستا کھیلتا ہے اور اپنے کو خوش و خرم رکھتا ہے۔

البتہ جو لوگ یہ عقیدہ نہیں رکھتے، ان کی زندگی امن کا زمانہ ہو یا فساد کا، ہر وقت بے قرار، خوف زدہ اور پریشان رہا کرتی ہے، نہ ان کو راتوں کو چین ملتا ہے، نہ دن کو سکون نصیب ہوتا ہے، وہ کبھی کھل کر ہنس نہیں سکتے، ہنس کر بول نہیں سکتے، بول کر اثر پیدا نہیں کر سکتے۔

خوب یاد رکھو کہ اگر تم اس عقیدہ پر نعوذ باللہ نہیں ہو تو خدا کے علاوہ تمہارا کوئی ہم درد و مددگار نہیں ہوگا، کیوں کہ جس کا مددگار اللہ نہیں، اس کی مدد کرنے والا کون ہو سکتا ہے، اگر تم نے خدا کی مدد سے محرومی حاصل کر لی ہے، تو خوب سمجھ لو کہ نہ ہندو پاکستان تم کو مدد دے سکتے ہیں اور نہ ہندو اور سکھ سے وفاداری تمہارے کام آ سکتی ہے، اور نہ انفرادی اور اجتماعی کوشش کارگر ہو سکتی ہے۔

اسی لیے قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ واقعی اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں، وہ پہلے صرف خدا پر توکل رکھتے ہیں، اس کے بعد پھر دنیا میں ہر ملک، ہر قوم، ہر جماعت، ہر فرد سے راہ رسم رکھتے ہیں، مگر ان کا بنیادی نظریہ یہی ہوتا ہے کہ مدد صرف خدا کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تم لوگوں کی مدد کرے، تو پھر تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں ہے، اور اگر تم کو رسوا کر دے، تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل رکھیں۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۰)

اہلِ ایمان اور اَربابِ تقویٰ کی زندگی توکل علی اللہ پر بسر ہوتی ہے، وہ عالمِ اَسباب سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں، مگر کبھی اسباب کو اصل نہیں سمجھتے، بل کہ اصل اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دے کر اسباب و وسائل کو استعمال کرتے ہیں، اور فتح و شکست کا عالم ہو یا رنج و خوشی کا،

ہر حال میں اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ مومنوں کی ان صفات کو بیان کرنے سے پہلے اور اپنے اوپر بھروسہ کی دعوت دینے سے قبل اظہارِ واقعہ کے طور پر فرماتا کہ خوب یاد رکھو! اللہ کی مدد کے بعد ظفر ہے، فتح ہے، اور شکست و ہزیمت کا کوئی سوال نہیں ہے، اللہ جس کی نصرت پر ہو، اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، بل کہ وہی سب پر غالب رہے گا، اور اللہ تعالیٰ جس کی طرف سے اپنی رحمت و نصرت کو پھیر لے، اس کے لیے دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں ہے، اور نہ وہ کسی حال میں کام یاب ہوسکتا ہے۔

پس کام یابی و کام رانی اور فتح و ظفر صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام کرنے میں ہے، اور ناکامی و شکست اس سے ہٹ کر صرف اسباب و ذرائع کو اصل قرار دینے میں ہے، اس لیے مومنوں اور دین داروں کے لیے صرف اللہ کی ذات کافی ہے اور بس، اور وہ اسی پر توکل واعتماد کرتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے ذاتی، اجتماعی، ملی، دینی اور دوسرے ہر طرح کے معاملات میں صرف اللہ پر توکل کریں اور اس کے بعد اَسباب کا استعمال بھی ضرور کریں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

اور نبی کا کام نہیں کہ چھپا رکھے اور جو چھپائے گا تو اسے قیامت کے دن لائے گا۔

(پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۱)

جن کی طبیعتوں میں کھوٹ ہوتی ہے، وہ دوسروں کو بھی اپنی ہی جیسا کمینہ اور بے ایمان سمجھتے ہیں، اندھا دنیا کو اندھا ہی سمجھتا ہے، گری ہوئی ذہنیت رکھنے والے عجیب وغریب لغو اور بے بنیاد باتیں کرتے ہیں، ایسے ہی لوگوں نے ایک مرتبہ ذاتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گمان کیا کہ آپ نے مالِ غنیمت میں سے اچھی چیزیں اپنے لیے رکھ لی ہیں، اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کے کسی نبی کے بارے میں یہ سوچنا انتہائی

گراوٹ کی بات ہے کہ وہ اپنے عوام کی لاعلمی میں کوئی عوامی چیز اپنے قبضے میں کرے گا۔

انبیاء تو دنیا کو یہ پیغام سناتے ہیں کہ جو لوگ قومی مال میں خُرد بُرد کریں گے، ان کو قیامت کے دن میدانِ محشر میں مال کے ساتھ حاضر ہونا پڑے گا اور تمام اہلِ محشر میں ان کی رسوائی ہوگی، پھر حضرات انبیاء علیہم السلام خود ایسا کوئی کام کیسے کر سکتے ہیں، دراصل کمینے لوگ اپنے کمینہ پن کی وجہ سے بڑوں کے مقام سے ناواقف ہوتے ہیں اور ان کو بھی اپنے ہی رنگ کا ایک آدمی سمجھتے ہیں، ان کی عقل اس قابل نہیں ہوتی کہ اس پر اعتبار کیا جائے اور ان کی اس قسم کی کوئی بات سنی جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲رد سمبر ۱۹۵۷ء)

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور نبی کا کام نہیں ہے کہ چھپالے اور جو چھپائے گا، وہ اسے قیامت کے دن لائے گا، پھر ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

(پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۱)

انبیاء علیہم السلام دنیا میں ہادی ورہبر بن کر آئے ہیں، تحصیل دار بن کر نہیں آئے، وہ اگر جنگ کرتے ہیں، تو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں، مالِ غنیمت ان کا مطمحِ نظر نہیں ہوتا، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی استغناء اور بے نیازی کی مثال بن کر گزری ہے، مہینوں گھر میں چولھے نہیں جلے ہیں، زندگی بھر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اور جسم اور ستر پر کبھی اچھے قسم کے نمائشی کپڑے نہیں رکھے، یہ اس لیے نہیں کہ زندگی عسرت وتنگ دستی میں بسر ہوتی تھی اور حالات کی سازگاری کے لیے مواقع فراہم نہیں تھے، بل کہ دنیا کی دولت مسجدِ نبوی میں آتی تھی اور مساکین وفقراء اس سے اپنا حصہ پاتے تھے۔

مگر منافقوں نے بعض مواقع پر یہ غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی کہ نعوذ باللہ پیغمبرِ

اسلام نے مالِ غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے اپنی پسندیدہ چیز لے لی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تکذیب فرما رہا ہے اور بتاتا ہے کہ کسی نبی کا یہ کام نہیں ہوسکتا ہے، نبی کی حیثیت اس قسم کی باتوں سے بالاتر ہوتی ہے۔

پیغمبرِ اسلام تو وہ ہیں، جنہوں نے اپنی اولاد پر قیامت تک کے لیے زکوٰۃ کا مال تک حرام قرار دے کر یہ ثابت کردیا ہے کہ خاندانِ نبوت کا ایک فرد بھی قیامت تک اسلام کے نام پر ایک کوڑی مسلمانوں سے نہیں لے سکتا، اس باتوں سے اس نبی کو تعلق نہیں ہے، جس رسول نے اپنی نسل کے ایک ایک فرد کو اس قدر بے نیاز اور مستغنی بنادیا ہے، وہ رسول خود مالیات کی فراہمی کے لیے یہ کام کیسے کرسکتا ہے؟ یہ باتیں دنیا کے دوسرے مذاہب میں چلتی ہیں کہ مذہب کے نام پر لوگ دولت کماتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸/اکتوبر ۱۹۷۹ء)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾

سو ایسا شخص جس نے رضائے الٰہی کا اتباع کیا، اس شخص کے مثل ہوگا، جو اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوا، اور وہ جانے کی بدترین جگہ ہے۔

(پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۲)

اگر سیاہی و سفیدی ایک نہیں اور رات، دن میں فرق ہے، تو پھر نیک و بد بھی ایک نہیں اور ان میں بھی فرق ہے، دونوں کی زندگی جداگانہ ہے، دونوں کے اعمال و خیال جداگانہ ہیں اور دونوں کا انجام جداگانہ ہے اور یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ دونوں زندگی کی راہوں اور منزلوں میں ایک ہوں اور ان میں قانونِ مجازات کی رو سے مساوات اور برابری ہو۔

جو مسلمان ہوکر رضائے الٰہی پر چلے گا اور اپنی زندگی اللہ کے لیے بنادے گا، وہ اور جو اللہ سے دور بھاگ کر کفر و شرک کی زندگی بسر کرے گا، دونوں ایک طرح کے ہوں اور

دونوں ہی قانونِ الٰہی کے نزدیک برابر ہوں، یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، یہ اندھیر جب تمہارے درمیان نہیں چلتی اور تم اپنے اچھوں اور بُروں میں فرق کرتے ہو اور دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ کرتے ہو، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس نے اطاعتِ الٰہی کی وہ اور جس نے عصیان وکفران کیا، وہ ایک ہی درجہ میں ہوں اور دونوں کو قانونِ قدرت ایک قرار دے، جو لوگ اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں کہ کفر وایمان کی راہیں ایک ہیں اور سب کو خدا کے یہاں جا کر ایک ہی جیسا ہونا ہے، وہ لوگ خطا کار اور چال باز ہیں، ایسے مطلب پرستوں سے دور رہ کر اچھی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۵؍جولائی ۱۹۶۰ء)

وَ مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ

اور جو کچھ پہونچا تم کو جس دن بھڑیں دو فوجیں، سو اللہ کے حکم سے اور اس لیے کہ معلوم کرے اللہ ایمان والوں کو، اور تا کہ معلوم کرے منافقوں کو۔

(پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۶، ۱۶۷)

یہ واقعہ ہے کہ حق سر بلند ہوتا ہے اور باطل کا سر نیچا ہوتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ صداقت پرستوں کو فتح حاصل ہوتی ہے اور باطل پرستوں کو شکست ہوتی ہے، اور یہ مسلّم ہے کہ ہمیشہ اربابِ صدق وصفا ناگوار راہوں سے گزر کر خوش گوار منزل پر پہونچ جاتے ہیں اور اہلِ ہوا وہوس آخر کار بدبختی اور حرماں نصیبی کو پہونچتے ہیں، اس کے باوجود کبھی کبھی ظاہری حالات کی بنا پر ایسا ہوتا ہے کہ غلط کاروں کو وقتی طور پر غلبہ ہوجاتا ہے، اور اس کو ہنگامی طور پر خوشی حاصل ہوتی ہے، لیکن ان کا یہ وقتی غلبہ درحقیقت ان کی موت کا سنبھالا ہوتا ہے اور اہلِ حق کو سنبھلنے کے لیے تازیانہ بن جاتا ہے، دنیا میں حق وباطل کی آویزش میں جب کبھی وقتی طور سے باطل پرستوں کو غلبہ ہوتا ہے تو ان کی موت کے دن قریب آجاتے ہیں اور اہلِ حق اس تازیانۂ عبرت سے چونک

کر اپنے کو سنبھال لیتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ہرگز بددل نہیں ہونا چاہیے۔

غزوات میں ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف فرمائی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری کے باوجود کفارِ عرب کسی وقت بظاہر فتح یاب ہوتے نظر آئے ہیں، اور مسلمانوں کو بظاہر تکلیف پہونچی ہے، مگر درحقیقت یہ قدرت کی آزمائش ہوتی ہے، جس میں مومن اور منافق اس طرح ایک دوسرے سے الگ ہوجاتے ہیں، جس طرح سیاہی اور سفیدی میں جدائی ہوجاتی ہے، مسلمان کے لیے کسی بھی موقع پر بددلی، نا اُمیدی اور یاس وقنوط جائز نہیں ہے، بل کہ ہر موقع پر اسے ہشاش وبشاش اور خوش وخرم رہنا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۱ر اگست ۱۹۸۱ء)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

جن لوگوں نے بیٹھ کر اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر یہ لوگ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے، آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم لوگ اگر اپنے اس قول میں سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو دفع کردو۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۸)

عہدِ رسالت میں کچھ بات بنانے والے لوگ تھے، جو نہایت ہی بزدل اور ڈرپوک تھے، مگر جہاں تک باتیں بنانے کا تعلق ہے، وہ لوگ بہت پیش پیش تھے، اور اپنے کو افلاطون سمجھتے تھے، چکنی چپڑی باتیں خوب بناتے تھے اور اپنے ذہن کی اپچ دکھایا کرتے تھے اور جب کوئی ایسا موقع آجاتا، جس میں آزمائش ہونے والی ہوتی، تو دُم دبا کر اس طرح گم ہوجاتے گویا وہ اس زمین کے باشندے ہی نہیں ہیں، مسلمانوں کے ساتھ رہ کر باتیں خوب بناتے، مگر اسلامی معاشرہ پر کوئی وقت پڑتا اور مسلمان اجتماعی طور سے صورتِ حال کے مقابلہ کے لیے باہر نکل آتے تو یہ منافق لوگ گھروں میں گھس جاتے، اور اس طرح دم سادھ

لیتے کہ گویا ان میں جان ہی باقی نہیں ہے۔

پھر جب مسلمان نزاکت و پریشانی کے دور سے گزر جاتے تو یہ لوگ پھر نکلتے اور اپنی باتیں شروع کر دیتے، بعض غزوات کے موقع پر جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ظاہری شکست ہوئی اور خدا کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کا سخت معرکہ پڑا تو یہ گھر میں گھسنے والے بزدل لوگ مسلمانوں کے بڑے غم خوار بننے لگے اور کہنے لگے کہ ہم لوگوں کی بات اگر یہ لوگ مان لیتے تو اس طرح جانی نقصان نہ اٹھاتے۔

گویا یہ منافق لوگ غزوہ میں نہ جانے پر پردہ ڈالنے کے لیے مسلمانوں پر الٹے اور الزام رکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں نے ہماری بات نہ مانی، اس لیے نقصان اٹھایا، عہدِ رسالت کے یہ چال باز اگرچہ آج نہیں ہیں، مگر ان کی ذریات آج بھی زندہ ہیں اور اپنا کام کر رہی ہیں۔

آپ ایسے لوگوں کو ضرور دیکھتے ہیں، جو اچھے حالات میں مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں، مگر جب کوئی موقع آتا ہے تو مسلمانوں کو چھوڑ کر بل میں گھس جاتے ہیں، اور جب ذرا موسم بدلتا ہے تو پھر یہ اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے ہیں، یہ دورخے لوگ پرانے دورخوں کی ذریات ہیں اور امتِ مسلمہ ان کی چالوں سے مصیبت میں رہتی ہے، ان سے تم لوگ دور بھاگو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۴ر جنوری ۱۹۵۴ء)

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

جن لوگوں نے خود جہاد سے بیٹھ کر اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر وہ سب ہمارا حکم مانتے تو قتل نہ کیے جاتے، آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم لوگ موت کو اپنے سے دفع کرو، اگر اپنے خیال و قول میں سچے ہو۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۸)

دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے، جو خود بد عمل اور بد عقیدہ رہ کر دوسروں کو اس کی

دعوت دیتے ہیں اور کبھی اہلِ حق ودیانت کو عزیمت واستقامت کی راہ میں صبر وتحمل کے مواقع سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تو پھر بدعقیدہ وبدعمل لوگ خوب بغلیں بجاتے ہیں اور اچاپت مچاتے ہیں کہ دیکھا! یہ ہے نتیجہ ہماری باتوں کے نہ ماننے کا، اگر یہ لوگ ہمارے کہنے پر عمل کرتے اور ہماری باتوں کو مانتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا، یہ مصیبت کی گھڑی نہ آتی، اور یہ بیٹھے بٹھائے جان کھپانے کی باری نہ آتی۔

قرآن حکیم عہدِ رسالت کے ان بدعقیدہ اور بےعمل منافقوں کا قصہ نقل فرماتا ہے، جو زبان سے تو مومنوں سے زیادہ ایمان واسلام کا دعویٰ کرتے تھے، مگر جہاں کہیں ایمان کے دعویٰ کے لیے دلیل فراہم کرنے کا موقع آتا اور مومن ومنافق کی کسوٹی پر کسے جانے کی باری آتی تو دم دبا کر بھاگ جاتے، جان نکلنے لگتی، اور ایسا معلوم ہوتا کہ اب ان کی موت یقینی ہے، ایسے مریضانِ روح وقلب بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں، انسانی جسم کے لیے اس کی ہستی کوڑھ کی سی ہوتی ہے اور وہ بھی ایسا کوڑھ، جو اپنی لپیٹ میں سارے جسم کو لپیٹتا جاتا ہے، بل کہ دل ودماغ تک کو شل کر کے انسانی زندگی کو گھناؤنی لاش بنا دیتا ہے۔

ایسے مریضانِ روح وقلب کچھ عہدِ اولیٰ کی پیداوار نہیں تھے، بل کہ آج بھی بہت سے ایسے بیمار لوگ ہیں، جو بدعقیدگی، بدعملی، بدنگاہی، بدفہمی سے سوسائٹی اور ماحول ومعاشرہ میں بدی پھیلاتے ہیں، کتنے موٹے اور مسٹنڈے ایسے ہیں، جو خود روزہ نہ رکھ کر دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور اسے ایک پرانی رسم کہتے ہیں، کتنے بخیل وبزدل ایسے ہیں، جو نہ خود نیکی کرتے ہیں، نہ دوسروں کو نیکیاں کرنے دیتے ہیں، زکوٰۃ نہ خود دیتے ہیں، نہ دوسروں کو زکوٰۃ دینے کا مشورہ دیتے ہیں، بل کہ اپنے دوستوں اور ہم پیشہ لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ دولت پر سانپ بن کر بیٹھے رہیں اور مرغی بن کر دھرنا دیں، اسی طرح بہت سی اچھائیاں ہیں، جن کو آج کے بدلوگ نہ خود کرتے ہیں، نہ دوسروں کو کرتے دیکھ سکتے ہیں، ایسے لوگ

منافقوں کے بھائی، بل کہ منافق ہیں، اور جس درجہ کی یہ چیز ان میں ہوگی، اسی درجہ کے وہ منافق ہوں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۷ مئی ۱۹۵۳ء)

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ۔

جن لوگوں نے اپنے گھروں میں بیٹھ کر اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر وہ لوگ ہماری اطاعت کرتے تو قتل نہ کیے جاتے، ان سے کہہ دو کہ اچھا اگر تم سچے ہو تو اپنے سے موت کو دفع کرو۔ (پ ۴ ع ۸ سورۃ آل عمران: ۱۶۸)

اسلامی نظریۂ حیات میں امید و رجا کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسلام کسی بھی موقع پر مافات پر حسرت و افسوس کرنے کو جائز نہیں قرار دیتا، بل کہ وہ کٹھن سے کٹھن حالات میں نا اُمیدی و قنوط سے مسلمان کو دور رکھ کر اس کے اندر شادمانی و تازگی کو برقرار رکھتا ہے، اور کسی موقع پر نا اُمیدی سے ہمت ہارنے کو پسند نہیں کرتا، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو اس اسلامی فلسفۂ حیات کے علی الرغم مسلمانوں میں حسرت و افسوس اور نا اُمیدی و یاس کی فضا پیدا کرکے ان کے اندر مُردنی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چناں چہ منافقوں کا یہی رویہ نقل فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو ایک غزوہ میں ظاہری طور پر کچھ ہزیمت ہوگئی تھی اور چند مسلمانوں کا جانی نقصان ہوگیا تو ان بزدلوں نے جو اپنے گھروں میں گھسے ہوئے تھے، اور باہر نکلتے ہوئے ان کا دم گھٹتا تھا، کہنا شروع کیا کہ اگر مسلمان ہماری بات مانتے تو ان کا جانی نقصان نہ ہوتا، یہ بزدل مسلمانوں کو دودھاری تلوار سے ذبح کرنا چاہتے تھے، ایک طرف تو مسلمانوں میں خوف و ہراس اور حسرت و افسوس سے بددلی اور مردنی پیدا کرنا چاہتے تھے، دوسری طرف کفار و مشرکین کے مقابلہ میں ان کو شکست خوردہ قرار دے کر کفار و مشرکین کی ہمت افزائی کرنا چاہتے تھے۔

ایسے بے وقوفوں اور کم عقلوں سے کہا گیا کہ اے احمقو! اگر یہ بات ہے تو تم ذرا اپنے گھر میں چھپ کر اپنی آنے والی موت کو ٹال دو، پھر ہم جانیں گے کہ تم بہت ہی عقل مند اور کام یاب ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۰/اپریل ۱۹۵۴ء)

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ

اور اللہ ان مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، جنھوں نے اللہ ورسول کی آواز پر لبیک کہا، ان کے زخم پہونچنے کے بعد ان میں سے جنھوں نے اچھے کام کیے اور تقویٰ اختیار کیا، ان کے لیے اجرِ عظیم ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۲)

دین داری وایمان داری کے لیے بعض اوقات کڑی کڑی منزلیں آجاتی ہیں اور مومنین الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بل کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صدق وصداقت اور دین ودیانت کی راہ میں مارنے مرنے کی باری آجاتی ہے، اور جان ومال کی قربانی دینی پڑتی ہے، یہ وقت آزمائش کا ہوتا ہے اور اس وقت استقامت اور ثابت قدمی بڑے دل گردہ کی بات ہوتی ہے، جو لوگ کفار ومشرکین کی مار کھا کر اپنے جسم پر زخم سہہ کر اور جانی ومالی قربانی کر کے اللہ ورسول کے راستہ پر چلتے ہیں، ان کے لیے انعاماتِ خداوندی کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ان کو اجر وجزا کی بہترین دولت ملتی ہے، جب بھی مسلمانوں پر اس طرح کا وقت پڑا اور انھوں نے اس عالم میں اللہ ورسول کو سینے سے لگائے رکھا، تو اس کا نتیجہ فضلِ خداوندی کی شکل میں ظاہر ہوا، عہدِ رسالت سے لے کر آج تک یہ صورتِ حال برابر قائم ہے، ہندوستان کے مسلمان فرقہ پرستوں اور مُفسدوں کے نرغہ میں رہ کر اللہ ورسول سے اور زیادہ تعلق پیدا کریں اور اچھی زندگی کے مستحق بنیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ

اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ۚ

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا، ان میں سے جن لوگوں نے اچھا کام کیا، اور تقویٰ کی زندگی اختیار کی، ان کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۲)

مسلمان اسی وقت ایمان کی بھٹی سے تپ کر نکلتا ہے، جب ہر طرف سے اس کی زندگی زخمی کی جاتی ہے، مصائب کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، اور رنج والم کی آندھی چلائی جاتی ہے۔

حقیقی ایمان یہی ہے کہ زخموں پہ زخم کھاتے جانا اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر اپنے آپ کو ہمہ وقت تیار رکھنا، اگر تم نے اَمن واَمان کے زمانے میں خدا کی یاد کر لی، رسول کا نام لے لیا اور اپنی اسلامیت کو ظاہر کیا تو یہ تمہارا فرض تھا، جسے تم نے انجام دے دیا، مزا تو جب ہے کہ حالات کی ناگواری، واقعات کی ناسازگاری اور ظروف واَحوال کی بے زاری کے ساتھ تم اپنے ایمان و دین سے اس طرح لپٹے رہو کہ کوئی طاقت چھڑا نہ سکے، خدا کے لیے بتاؤ آج جن حالات میں تم اپنے کو گرفتار محسوس کر رہے ہو، کیا صحابہ کرام ان سے سخت حالات میں گرفتار نہ تھے؟ کیا ان کی زندگی اسی طرح آزاد تھی، جس طرح تم آج چل پھر رہے ہو، پھر کھا پی رہے ہو، ہنس کھیل رہے ہو، پھر بتاؤ کہ صحابہ کرام اس دورِ فتن میں خدا ورسول کی اطاعت گزاری اور اسلام نوازی میں کس قدر بڑھے ہوئے تھے، خوب یاد رکھو! آج کی یہ خودساختہ مصیبتیں اس زمانہ کی مصیبتوں کے سامنے بالکل ہیچ ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر تم اسے اپنے لیے سب سے بڑا زخم تصور کرتے ہو تو اللہ و رسول کے معاملہ میں تمہارا رویّہ کیا ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو بحیثیت مسلمان کے کس رنگ میں پیش کرنا چاہیے۔

قرآنِ حکیم فرما رہا ہے:

اجرِ عظیم ان کے دامنوں کا حصہ ہے، جو زخم خوردہ زندگی کو بھی اللہ و رسول کی آواز پر

وقف کیے ہوئے احسان اور تقویٰ کی جگہ پر قائم رکھتے ہیں، اور اپنی زندگی کی تمام کائنات کو سمیٹ کر اللہ و رسول کے دربار میں لا کر رکھ دیتے ہیں کہ یہ ہے اللہ و رسول کا سرمایہ، جسے وقت کی خطرناکیاں خطرہ میں ڈال رہی ہیں، اب ہم اسے اسی در پر لاتے ہیں، جہاں سے ہمیں یہ دولت ملی تھی، اس کی حفاظت کی واحد صورت یہی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾

جن لوگوں کو زخم لگا اور اس کے بعد انہوں نے اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا، ان میں سے جنہوں نے اچھا کام کیا، اور تقویٰ کی زندگی اختیار کی، ان کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۲)

مسلمان چلاتے ہیں کہ ان کا وجود ختم ہو رہا ہے، ان کی زندگی نیست و نابود ہو رہی ہے، ان کی ہستی زخمی کی جا رہی ہے، اور ان کی روح پر ضرب کاری لگائی جا رہی ہے، پھر رات دن ان کی زبان پر یہی باتیں ہیں کہ ہم ہر طرف سے ناکام بنائے جا رہے ہیں، مخالفین کی قوت ہمیں دبا رہی ہے اور اب ایسی کوئی امید باقی نہیں رہی، جس کے سہارے ہم عزت و آبرو سے زندہ رہ سکیں، مگر مسلمانوں نے ان حالات میں کبھی غور بھی کیا کہ انہوں نے زندگی کے اس نازک دور میں مسلمان ہونے کا کیا ثبوت دیا ہے، زخم کھانے پر اللہ و رسول کی دعوت پر کہاں تک لبیک کہا ہے؟ اور اللہ و رسول کی آواز کو سن کر عمل صالح اور تقویٰ کی زندگی کو کس حد تک اپنایا ہے؟

خوب یاد رکھو! اگر تم دنیا میں مسلمان بن کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو تمہیں زخم لگے گا اور زخم لگنے پر بھی اللہ اور اس کے رسول کی دعوت قبول کرنی پڑے گی، اگر ایسا کر سکے تو مسلمان بن کر زندہ رہو گے، ورنہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ دنیا کے انسانوں میں تم بھی ایک انسان کی حیثیت سے زندہ رہو، مگر مسلمان بن کر زندہ نہیں رہ سکتے ہو، مسلمان بننا اور بن کر زندگی بسر کرنا بڑی ذمہ داری

کی چیز ہے، دشمنوں کی مار کھانی پڑے گی، اور مار کھا کر خدا اور رسول کا دامن اور مضبوط پکڑنا پڑے گا، اور پھر دنیا میں اعمال وخیال کی پاکیزگی میں عملِ صالح اور تقویٰ کی فضا پیدا کرنی ہوگی، تب جا کر کہیں اجرِ عظیم کا استحقاق ہوگا، اور خدا کی رحمت وبرکت کی سزاواری ہوگی۔

پس آج اگر مسلمان اپنے کو زخمی محسوس کر رہے ہیں تو ان کی ہر کراہ سے اللہ ورسول کی اطاعت گزاری کی آواز آنی چاہیے اور عمل واعتقاد میں صلاحیت وتقویٰ کی روشنی پیدا ہونی چاہیے، یہ دنیا اور اس کی ساری رنگینی مردِ مومن کے لیے ہے، مومن کی شرطیں پوری کرو، پھر تم دنیا کے امام ہوجاؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾

جنھوں نے اللہ اور رسول کی صدا پر لبیک کہا، اس کے بعد کہ ان کو زخم پہونچے، ان میں جن لوگوں نے اچھے کام کیے اور تقویٰ اختیار کیا، ان کے لیے اجرِ عظیم ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۲)

اسلام وایمان کی زندگی خدا پرستی اور انسانیت کی زندگی ہے، اور جو لوگ اس زندگی کو اپناتے ہیں، وہ دنیا اور آخرت میں اجرِ عظیم کے حق دار ہیں، اس کی کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر جو لوگ اس پاک وصاف زندگی کی وجہ سے گندے معاشرہ کی وجہ سے مطعون بنائے جاتے ہیں، ایمان واسلام کی وجہ سے ان پر کفر وشرک والوں کی طرف سے یلغار ہوتی ہے، مگر وہ ہر طرح ثابت قدم رہ کر اللہ ورسول کے بتائے ہوئے اصول پر ڈٹے رہتے ہیں اور صبر وثبات کا مظاہرہ یہاں تک کرتے ہیں کہ کفار ومشرکین کی ہر یلغار کے مقابلہ میں جم کر زخم کھاتے ہیں، سوٹے مارے جاتے ہیں اور طرح طرح کی جسمانی، روحانی اور مادی

تکالیف برداشت کر کے اللہ ورسول کو نہیں چھوڑتے، بل کہ دین وایمان کی دولت کو اس نازک عالم میں بھی سینے سے لگائے رہتے ہیں، ایسے تمام سچے پکے مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم ہے، اوران کی مظلوم زندگی انعاماتِ خداوندی کی ہر طرح مستحق ہے۔

یہ بشارت عہدِ رسالت کے ان مظلوموں اور مجبوروں کے حق میں ہے، جو اسلام لانے کی وجہ سے کفار ومشرکین کے ظلم وستم کے تختۂ مشق رہا کرتے تھے، مگراس میں وہ تمام مسلمان آجاتے ہیں، جو کسی بھی زمانہ میں دین واسلام کی وجہ سے کفار ومشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہتے ہیں۔

اس خدائی وعدہ پر ہم مسلمانوں کا اعتقادوایمان ہے، اوراسی اعتقادوایمان کے سہارے ہم یہاں پرسب کچھ سہنے کے باوجود تروتازہ موجود ہیں اور رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾

ان میں سے جن لوگوں نے نیک کام کیے اور تقویٰ کو اختیار کیا، ان کے لیے اجرِ عظیم ہے، لوگوں نے ان سے کہا کہ لوگوں نے (کفار نے) تمہارے مقابلہ کے لیے سامانِ جنگ وغیرہ جمع کررکھا ہے، لہٰذا تم ان سے ڈرو، تو اس بات نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کردیا، اورانہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۲، ۱۷۳)

مسلمانوں کو ڈرانے، دھمکانے اوران کو مرعوب کرنے کی چال ہمیشہ چلی گئی ہے، اور بزدلوں نے طرح طرح کے مکروفریب کے ذریعہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنا چاہا ہے، یہ چال بہت پرانی ہے، بل کہ عہدِ رسالت کے منافق لوگ مسلمانوں کے ہمدرد بن کر کفار کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کو ڈراتے، دھمکاتے تھے، اور کہتے تھے کہ لوگ اسلام کے دشمنوں

سے خوف کرو، ان سے مقابلہ کا ارادہ مت کرو، ان لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی تیاری کر رکھی ہے، اور جنگی سامان اور جنگی آدمیوں کو جمع کر رکھا ہے، تم مسلمان لوگ کمزور ہو، تعداد میں کم ہو اور تمہارے کھانے پینے تک کا ٹھکانہ نہیں ہے، تم لوگ ان سے دب کر صلح کی پیش کش کرو، تاکہ تمہاری زندگی محفوظ رہ سکے۔

مگر مسلمانوں کا عقیدۂ خدا پرستی ان باتوں سے مرعوب نہیں ہوتا تھا، بل کہ اس قسم کی بزدلانہ باتوں کے علی الرغم ان کے ایمان میں اور زور پیدا ہوتا تھا، اور ان کی ایمانی قوت ابھر جاتی تھی، ان مسلمانوں کا جواب اس قسم کی باتوں کے لیے صرف یہ ہوتا تھا کہ ہمیں تو صرف اللہ کا سہارا ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے، اس کی مدد کے بعد ہمیں کسی خوف کی ضرورت نہیں ہے، اگر ہمیں ڈرنا ہے تو اپنے اسی خدا سے ڈریں گے، جو سب کا پروردگار ہے، اور جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔

آج بھی مسلمانوں کو ان کے اندر کے لوگ اور باہر کے لوگ طرح طرح کا خوف دلاتے ہیں، اور ان میں احساسِ کم تری پیدا کرتے ہیں، تاکہ مسلمان اپنے دین و ایمان کے امتیازات کو ختم کر کے اپنا اصلی جوہر کھو دیں، مگر جو لوگ اہلِ دین و دیانت ہیں، وہ اپنے ان محسنوں کی چالوں کو خوب سمجھتے ہیں، اور ان کے ایمان میں ان کی چالوں سے اور زیادتی ہوتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲/ اپریل ۱۹۵۴ء)

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾

ان سے کچھ لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لیے سامان جمع کر رکھا ہے، اس لیے تم ان سے ڈرو، تو اس قول نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا، اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

منافقین کفار کی طرف سے بھی تھے، اور مسلمانوں کی طرف بھی، البتہ مسلمانوں کے ساتھ صرف ظاہری میل جول اس لیے رکھتے تھے کہ ان سے اپنا مطلب حاصل کریں اور ان کا راز معلوم کر کے کفار تک پہونچائیں اور مسلمانوں کو ایسی ایسی باتیں سنائیں، جن سے وہ مرعوب رہیں، کفار سے بھی خطرہ کھائیں اور ہمارا بھی احسان مانیں کہ ہم نے ان کو خفیہ حالات سے آگاہ کیا ہے۔

چنان چہ زمانۂ رسالت میں جب کہ مسلمانوں اور کافروں میں جنگ رہا کرتی تھی، منافقوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر بہت ہی معصومانہ انداز میں آتے اور بڑی تشویش ناک صورت بنا کر مسلمانوں سے کہتے کہ تمہارے دشمنوں نے مقابلہ کے لیے بڑا سامان جمع کر رکھا ہے، اور بڑی بڑی جنگی تیاریاں کی ہیں، تم لوگ ڈرتے ہی رہنا اور خبردار بے سوچے سمجھے اپنے رسول کے کہنے پر گھر سے مت نکل پڑنا، ورنہ جان و مال کا خطرہ ہے۔

جب مسلمان ان منافقوں کی یہ بزدلی کی باتیں سنتے تو بڑی دلیری اور بے خوفی سے کہہ دیتے کہ آپ لوگ ہمارے غم میں نہ گھلیں، ہم مُوحّد ہیں، ہمارا سارا ناز اللہ تعالیٰ کی ذاتِ واحد پر ہے، وہی ہمارا کارساز ہے، اور اس کے قبضہ میں نفع و نقصان کی کنجی ہے، کافروں کی تیاری سے کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ جو چاہے گا، وہی ہوگا، مومن و موحّد کو اس قسم کے بے کار اندیشے پریشان نہیں کر سکتے اور وہ ان باتوں میں آ کر اللہ و رسول کی راہ نہیں چھوڑ سکتے، اس اندیشہ اور اس جواب میں ہم مسلمانوں کے لیے بڑی عبرت کی بات ہے، اور آج کے غلط اندیشوں میں ہم اس سے بہت سے دینی کام لے سکتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

جن سے کچھ لوگوں نے کہا کہ تمہارے مخالف لوگوں نے تمہارے لیے تیاری

کر رکھی ہے، لٰہذا تم ان سے ڈرو، تو وہ لوگ ایمان میں اور بڑھ گئے، اور انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

مسلمان کی زندگی توحید پرستی کی زندگی ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مسلمان موحد بن کر اس عقیدہ و یقین سے بھر جاتا ہے کہ نفع و نقصان کی ساری طاقت صرف خدائے واحد وقہار کے دست قدرت میں ہے، اگر وہ چاہے تو نفع و نقصان کا معاملہ ہوسکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو پھر نہیں ہوسکتا، کافر و مومن میں یہی بنیادی امتیاز ہے کہ ایک مومن و موحّد خدا پر ایمان لاکر اور تمام دوسری طاقتوں کے ساتھ کفر کر کے صرف ایک خدا سے ڈرتا ہے اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا، اور ایک مشرک و کافر خدا کے ساتھ کفر کر کے اور دوسری طاقتوں پر ایمان لاکر صرف ایک خدا سے نہیں ڈرتا، اور دنیا کی ہر طاقت سے ڈرتا ہے، پس کافر بزدل ہے، مومن نڈر ہے۔

مومن ہر موقع اور ہر وقت پر اسی عقیدہ سے معمور رہتا ہے کہ خدا چاہے گا تو یہ بات ہوگی، ورنہ نہیں ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ایمان و خوف ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، توحید پرستی اور بزدلی میں میل نہیں ہے، اوپر کی آیتوں میں اسی بات کو ایک عملی مثال کے ذریعہ واضح فرمایا جارہا ہے۔

صورت یہ ہے کہ جس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اور کفار و مشرکین ہر طرف سے مسلمان کے پیچھے پڑے رہتے تھے، منافقین مسلمانوں اور کافروں کے درمیان منافقانہ چال چلا کرتے تھے، اور خصوصیت سے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی غیر شعوری ترکیب نکالتے تھے، مسلمانوں سے آکر کان میں کہتے کہ ہماری بات مانو، ہم تمہاری بھلائی کے لیے بتارہے ہیں کہ کفار و مشرکین نے تمہارے مقابلہ میں بڑے بھاری فوج جمع کر رکھی ہے، اور نہایت ہی عظیم الشان تیاری کی ہے۔

لٰہذا تم لوگ اپنی بے کسی و بے بسی پر نظر ڈالتے ہوئے ان کافروں سے ڈرو اور ان کی باتوں کو ترک کردو، جن سے وہ بھڑکتے ہیں، اور تمہیں کچا چبا جانا چاہتے ہیں۔

منافقین کی اس قسم کی بزدلانہ باتیں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین سن کر ڈر نہیں کھاتے تھے اور بزدلی سے رونے نہیں لگتے تھے، بل کہ نہایت بہادری اور ثابت قدمی سے ہنس کر جواب دیا کرتے تھے کہ ہمیں کفار ومشرکین کی گیدڑ بھبکیوں کی پروا نہیں ہے، یہ کفار جس قدر ہمیں ستاتے ہیں، ہمارا ایمان اور بڑھتا ہے، اور ہماری ایمانی قدریں مضبوط ہوتی جاتی ہیں، اور بجائے اس کے کہ ایمان میں تزلزل پیدا ہو اور زیادہ مضبوطی آجاتی ہے، کیوں کہ ہمارا یقین وعقیدہ ہے کہ ایک خدا ہمارے لیے بس ہے اور وہی ہمارے لیے بہترین کارساز ہے، اس کی ذات پر ایمان لانے کے نتیجہ میں ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے۔

آج بھی حق پرستوں اور مصلحوں کے خلاف جگہ جگہ سورش برپا کی جاتی ہے، ہنگامہ برپا ہوتا ہے، لوگ تہدیدوں اور دھمکیوں سے ڈراتے ہیں، اور آج بھی ایمان وتوحید والے اپنے کام میں مزید انہماک پاتے ہیں، اور ذرہ برابر ہراساں نہیں ہوتے، اگر اللہ تعالیٰ حق پرستوں کے دل میں بزدلی بھر دیتا تو پھر دنیا میں کبھی حق کا سر اونچا نہ ہوتا، اور باطل کی سورش ہمیشہ حق کی آواز کو دبائے رکھتی، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے مقام عزیمت پر ثابت قدم رکھے۔ آمین (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲؍جون ۱۹۵۳ء)

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

لوگوں نے کہا کہ تمہارے مخالف جمع ہو رہے ہیں، تم ان سے ڈرو، مگر یہ سن کر ایمان کی روشنی اور بڑھ گئی، اور اور اہلِ ایمان نے کہا خدا ہی ہمیں کافی ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے، پس دشمن ناکام واپس ہوئے اور اہلِ ایمان کو کوئی تکلیف نہ پہونچی۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴)

اہلِ ایمان کے لیے کسی عالَم میں ناکامی نہیں ہے، اگر فضلِ خداوندی ہوتا ہے تو وہ اور زیادہ ایمان کا مظاہرہ کرتے اور اگر کسی موقع پر ان کو ناسازگار حالات کی دھمکی دی جاتی ہے تو ان کے ایمان کا گلستاں رنگ و بو کی اور فراوانی کے ساتھ کھلنے لگتا ہے، مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو کسی حال میں غم اور مایوسی نہیں ہوتی، بل کہ وہ ہر حال میں ایمان و عمل کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور اسی ہشاش وبشاش دینی زندگی کی بدولت ہر مقام پر، ہر حال میں اور ہر جگہ سدا بہار رہتے ہیں۔

اے مسلمانو! سوچو کہ آج تم معمولی معمولی باتوں پر کس طرح سہم کر ایمان و عمل سے دور ہونے لگتے ہو اور خدا کی رسی کو مضبوط پکڑنے کے بجائے اس سے دور ہوتے ہو۔

اہلِ ایمان کا یہ شیوہ نہیں ہے، بل کہ وہ تو ان حالات میں اور انابت الی اللہ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خدا پرستی کر کے حالات کو اپنے لیے بہتر سے بہتر بناتے ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡہُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

جن سے کچھ لوگوں نے کہا کہ لوگو! (کفار) نے تمہارے لیے قوت جمع کر رکھی ہے، تم لوگ ان سے دور رہو، اس پر ان کا ایمان اور بڑھ گیا، اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے، ایسے لوگ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کو لے کر لوٹے، ان کو کوئی خرابی نہ پہونچی، اور انہوں نے اللہ کی مرضی کا اتباع کیا، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴)

جب تم سنتے ہو کہ فلاں جگہ مسلمانوں کے خلاف قوت جمع ہو رہی ہے، فلاں جگہ

مسلمان ستائے جارہے ہیں، فلاں جگہ مسلمانوں پر ظلم وستم کی تیاری ہورہی ہے، اور ہمارے مٹانے کے لیے طرح طرح کے انتظامات ہورہے ہیں، تو سچ بتاؤ کہ ان خبروں سے تم سہمتے ہو، یا تمہارا دل اپنے اللہ ورسول کی محبت سے اور معمور ہوجاتا ہے، تم اپنے دل ودماغ بھی چھوڑ کر بھاگنے کی فکر کرتے ہو، یا دین وایمان کی قوت سے کام لے کر جم جاتے ہو، اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہو۔

قرآنِ حکیم مسلمانوں کی صفت بیان کررہا ہے کہ جب منافقین اور بزدل لوگ مسلمانوں سے آکر آہستہ آہستہ سناتے ہیں کہ کفار ومشرکین تمہارے خلاف قوت جمع کررہے ہیں، اور ساتھ ہی یہ تلقین بھی کرتے ہیں کہ تم لوگ ان سے ڈرتے رہو، تو وہ مسلمان بجائے ڈرنے اور سہمنے کے اور قوتِ ایمانی پیدا کرلیتے ہیں، اور ان کے دل ودماغ پر اسلام کی طاقت چھاجاتی ہے، پھر وہ اس قوتِ ایمانی پر بھروسہ کرکے مقابلہ میں آتے ہیں، اور مظفر ومنصور واپس آتے ہیں۔ ان پر خدا کی نعمت یعنی ثواب کی بارش بھی ہوتی ہے اور خدا کے فضل یعنی اقتصادی حالت کی بھی نوازش ہوتی ہے، پس اگر آج کے حالات اسی قسم کے ہیں اور رات دن تمہارے پاس یہی خبریں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم ہے، تو بتاؤ رات دن میں تمہارا ایمان کس قدر پختہ ہوتا ہے، اور اعتقاد وعمل کی کس قدر قوت فراہم ہوتی ہے، یاد رکھو! بزدلی کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے، اس کی سزا یہی ہے کہ بزدل قوم اپنی موت آپ مرجائے، خوب یاد رکھو! دنیا میں فتنہ وفساد پھیلانا مسلمانوں کا کام نہیں ہے، مگر فتنہ وفساد کے اسلحہ خانے میں آگ لگادینا اس کا فریضہ ہے، وہ دنیا میں اس بات کا ذمہ دار ہے کہ خود بھی امن سے رہے اور دنیا کو بھی امن سے رکھے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ

یَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

جن مسلمانوں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ دشمنوں نے تمہارے لیے بہت کچھ جمع کرر کھا ہے، تم لوگ ان سے ڈرو، تو ان مسلمانوں کا ایمان اور زیادہ ہو گیا، اور انہوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، اس کے نتیجہ میں وہ خدا کی نعمت اور فضل کو لے کر لوٹے، اور ان کو ذرا بھی تکلیف نہیں پہونچی، اور انہوں نے اللہ کی رضا جوئی کی، اور اللہ تو بڑے فضل کا مالک ہے۔ (پ ۴ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴)

کفر واسلام کی آویزش کا نظارہ چشمِ فلک نے ہمیشہ دیکھا ہے، حق وباطل کی پنجہ کشی کا تماشا شمس وقمر دیکھتے چلے آرہے ہیں، اور ان دونوں کے مقابلے کی سرگرمی رات اور دن کی حدود سے آزاد ہو کر برپا رہا کی ہے۔

ان حالات کے نتیجہ میں نہ کلی طور سے اہلِ حق کا دائمی غلبہ رہا ہے، اور نہ اہلِ باطل کی ہمیشہ حکمرانی رہی ہے، بل کہ کبھی ناؤ گاڑی پر، کبھی گاڑی ناؤ پر کا معاملہ رہا ہے، کیوں کہ حق، باطل دونوں کو دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ چلنا ہے، اور اس خاک دان میں سرگرمیٔ حیات کا یہ منظر دیکھنے والوں اور شرکت کرنے والوں کے لیے قائم رہے گا، مگر اس مقابلہ ومبارزہ میں اہلِ حق پر قنوت ومایوسی کی یلغار نہیں ہوتی، ایک طرف مخالفین پوری طاقت جمع کرر ہے ہیں، اور مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں، دوسری طرف منافقین مسلمانوں کو ذہنی طور پر مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں ہم گھر کے لوگ ہیں، یقین کرو کہ مخالفین کا حملہ بہت سخت ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

پس وہ لوگ اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کو لے کر لوٹے، ان کو کسی ناگواری نے

چھوا بھی نہیں، اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی راہ اختیار کی، اور وہ بڑے فضل والا ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۴)

اوپر سے ان سچے پکے مسلمانوں کا ذکر چل رہا ہے، جن کو منافقوں نے طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا اور کفار ومشرکین کی طاقت وشوکت کا سکہ بیٹھانا چاہا، مگر وہ نہ ڈرے، نہ گھبرائے، بل کہ نہایت دل جمعی اور سکون کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کر کے کہہ دیا کہ ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے، ہم نے اللہ کو اپنا سب کچھ مان لیا ہے، اس لیے اب کسی تشویش کی ضرورت نہیں ہے، ان سچے پکے لوگوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ جب کفار کے مقابلہ کے لیے نکلے تو فضلِ خداوندی لے کر واپس ہوئے، اور میدانِ حرب وضرب میں ان کی نکسیر تک نہیں پھوٹی، بل کہ وہ ہر طرح سے شادکام وشادمان رہے اور کفار کو شکست نصیب ہوئی۔

اس کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے ہر حال میں اللہ سے وابستگی قائم رکھی اور تنگی وآسانی دونوں میں اس سے وابستہ رہے، اللہ تعالیٰ نے بڑے فضل وکرم والا ہے، جو لوگ اس کے ہوجاتے ہیں، وہ ان کا ہوجاتا ہے۔

آج اگر ہم مسلمان بھی اسی طرح غیروں کا ڈر وخوف دل سے نکال کر سچے پکے مسلمان بن جائیں تو بتیس دانت کے اندر جس طرح زبان محفوظ ہوتی ہے، ہم بھی ہر حال میں محفوظ رہ سکتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾

پس وہ لوگ اللہ کی طرف نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس ہوئے، ان کو کوئی برائی نہ لگ سکی، اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۴)

اوپر ان حضرات کا ذکر ہوا ہے، جن کو کفار و مشرکین کی جارحانہ شان و شوکت اور جنگی ساز و سامان سے منافق ڈرایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے مسلمانو! تمہارے دشمنوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی تیاری کی ہے، تم ان سے ڈرو، تو یہ مسلمان کہتے تھے کہ ہمیں کفار و مشرکین کی تیاریوں کا خوف نہیں ہے، ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، تمہاری ان بزدلانہ باتوں سے ہمارا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔

چنانچہ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ ان مسلمان مجاہدوں نے منافقوں کی زبانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے دین و ایمان کی پونجی کو لے کر کفار کے مقابلہ میں اپنے کو پیش کر دیا، اور نتیجہ کے طور پر کفر و شرک کی تمام رگوں کو پارہ پارہ کر کے اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ ساتھ خوشی خوشی واپس ہوئے، غنیمت کا مال ملا، سکون و اطمینان کی دولت ملی، اور وہ تمام خطرات بکھر گئے، جن سے منافق ڈرایا کرتے تھے، اور صرف کام یاب ہی نہیں ہوئے، بل کہ میدانِ جنگ میں بھی مسلمانوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلتے ہیں، وہ دنیا کی ہر طاقت کو اپنی روحانی ایمانی طاقت سے پاش پاش کر دیتے ہیں، اور دنیا ان کو حیرت سے دیکھتی ہے کہ یہ مٹھی بھر آدمی کیا سے کیا ہو گئے، اور اگر ایک خدا پرستی نہیں ہوتی تو بڑی سے بڑی بھیڑ، چھوٹی سے چھوٹی طاقت سے مار کھا جاتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۶/اپریل ۱۹۵۴ء)

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

اس لیے وہ اللہ کی نعمت اور فضل سے لوٹے، کسی ضرر نے ان کو چھوا تک نہیں، انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۴)

جب منافقین مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے ان کے خیر خواہ بن کر کافروں کی

جنگی تیاری سے باخبر کرتے اور ساتھ ہی ساتھ کہتے کہ اب کے مقابلہ بہت سخت ہے، ڈرتے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگوں کی شکست تمہارے جان و مال کے نقصان کا باعث بن جائے، تو مسلمان ان کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی قسم کا کوئی اندیشہ اور ڈر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ پر ہمارا بھروسہ ہے، وہی سب کچھ ہے اور اسی کے قبضہ میں فتح وشکست ہے، ہم موحد ہیں، ہم خدا کے بندے ہیں اور اس کے دین کو لے کر اٹھے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کے اس اعتقاد واعتماد اور ایمان ودین کی بدولت کفار کے مقابلہ میں کھلی فتح دیتا تھا، اور مسلمان کافروں کے مقابلہ میں معرکہ کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو، فاتح ومظفر ہو کر لوٹتے تھے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی، کیوں کہ انہوں نے منافقوں کے بھرّے میں پڑکر بزدلی نہیں دکھائی، بل کہ وہی کام کیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، اور اس کی رضا جوئی کے سامنے نہ فوج ولشکر کو دیکھا، نہ تیغ وشمشیر کو دیکھا اور نہ ساز وسامان کو دیکھا۔

جب کسی قوم میں توحید پرستی آجاتی ہے اور وہ توحید کو لے کر اٹھ پڑتی ہے تو فتح وکامرانی اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، اور اسے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔

آج کے مسلمان رضائے الٰہی پر کاربند ہو کر ہر طرف سے آنکھ بند کر کے اپنے کام میں لگے رہیں، تو ان کو ہر طرف سے کامیابی ہوگی اور کسی طرف سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَه۪ٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

یہ شیطان ہے، جو اپنے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے، پس اے مسلمانو! تم لوگ اس سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اگر تم واقعی مجھ پر ایمان رکھتے ہو۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۵)

جن کے دلوں میں خدا کی معرفت کا نور ہے، وہ سیاہ راتوں کو رات نہیں سمجھتے، جن

کی آنکھوں میں اَنوارِ خداوندی کا پَرتَو ہے، وہ ظلمات میں تجلیات دیکھتے ہیں، اور جن کے سینے توحید ورسالت کے عزم ویقین سے بھرپور ہیں، وہ کفر وشرک کے بے روح شور وغوغا سے نہ خوف کھاتے ہیں، نہ مرعوب ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کے اندیشے میں مبتلا ہوتے ہیں، دنیا میں جواں مردی وتوانائی مردِ مومن کا حُسن ہے، بہادری وبسالت اس کا زیور ہے، شوکت وشہامت اس کا نشان ہے، اور بے نیازانہ آن بان اس کی زینت ہے۔

مردِ مومن اپنے ایک خدا سے لرزہ براندام ہے، مگر غیر کے سامنے پہاڑ سے زیادہ سخت ہے، وہ اپنے ایک رب کی جناب میں ذرہ وحباب سے بھی کم تر ہے، لیکن اَغیار کے سامنے صحرا وسمندر سے زیادہ سربلند ووسیع ہے اور وہ اپنے ایک خالق پر ایمان لانے والا یعنی تمام باطل طاقتوں کا سر توڑ دینے والا ہے، سہمنا، لرزنا، خوف کھانا اور ڈرنا شیطان کی ذریات کا کام ہے، یہ مومنوں کی شان نہیں ہے۔

مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ اولادِ شیطان کے شور وغوغا سے ڈرنے لگے، ان کے پھس پھسے انتظام کو اپنے لیے موت کا پیش خیمہ سمجھنے لگے، بل کہ مسلمان کی زندگی یہ ہے کہ ان تمام باطل توہمات سے دامن جھاڑ کر صرف ایک خدا سے ڈرتا ہوا زندہ رہے، نہ یہ کہ اپنے آگے پیچھے شور پکار سن کر اس کا دل دھڑکنے لگے، اور خود وہ چلانے لگے کہ اب ہم مٹ گئے، اب ہماری خیر نہیں ہے، جب تک یہ مقام مردِ مومن کو حاصل نہ ہوگا، اسے وہ خصوصیات نہیں ملیں گی، جو مومن کے لیے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾

یہ شیطان ہے، جو اپنے ساتھیوں کو خوف دِلاتا رہتا ہے، پس تم لوگ ان سے خوف مت کرو، اور مجھ سے خوف کرو، اگر تم لوگ مومن ہو۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۵)

عہدِ رسالت کے مسلمانوں کو منافق وقتاً فوقتاً بڑی دور اندیشی سے ڈرایا کرتے تھے اور خیر خواہی کے پردے میں مسلمانوں میں احساسِ کم تری کی وبا پھیلانے کی کوشش کیا کرتے تھے، مجمعوں میں، تنہائی میں، جہاں کہیں موقع پاتے مسلمانوں سے کہتے کہ تم کافروں سے ہوشیار، وہ بہت زیادہ تیاری کر رہے ہیں، کبھی کہتے کہ دیکھو اگر ہماری بات مانی جاتی تو مسلمانوں کا یہ جانی اور مالی نقصان نہ ہوتا، ہماری بات تو مانی نہیں جاتی، ہمیں تو کسی قطار و شمار میں نہیں لیا جاتا، ہم نہ تین میں، نہ تیرہ میں، اس کے باوجود ہم رات دن مسلمانوں کی خیر خواہی میں لگے رہتے ہیں، یہ ہماری کشادہ دلی ہے، ورنہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ تمہارے دشمنوں کی خبر تم لوگوں تک پہونچائیں۔

غرض کہ اسی قسم کی باتیں کر کے منافق مسلمانوں کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کرتے رہتے تھے، اور ان میں خوف و ہراس کا بیج بوتے رہتے تھے، مگر مسلمان بھی ان کی ان روباہیوں سے خوب واقف تھے، وحی الٰہی کے ذریعہ منافقوں کی ایک ایک حرکت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو معلوم ہوتی رہتی تھی۔

یہاں پر مسلمانوں کو مزید تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ دیکھو، ان شیطانی پھندوں میں نہ آنا، یہ شیطان لوگ ہیں، یہ ان ہی کو ڈرا دھمکا سکتے ہیں، جو ان کے پیچھے چلتے ہیں، ان کا جادو ان کے ماننے والوں پر ہی چل سکتا ہے، تم لوگ خدا پرستی پر جمے رہو، تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکے گا، تم کو کسی طاقت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو، یہی ڈر تمہارے لیے کافی ہے۔

آج بھی مسلمانوں کو بہت سے ایسے لوگ جو ان کے گروہ کے ہوتے ہیں، دشمنوں سے ڈراتے رہتے ہیں، ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، صرف اللہ کا خوف ان کے لیے کافی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۷؍اپریل ۱۹۵۴ء)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اور آپ ان لوگوں کی وجہ سے غم گین نہ ہوں، جو کفر میں دوڑ کر گھستے ہیں، وہ لوگ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۶)

ظلمت ایک حقیقت ہے اور نور ایک حقیقت ہے، دونوں جدا جدا حقیقتیں ہیں، جن میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے، اور دونوں اپنے امتیازات وخصائص کی وجہ سے ایک دوسرے سے ذرہ برابر میل نہیں کھاتیں۔

اس صاف صاف تباین وتضاد اور کھلے کھلے اختلاف کے باوجود اگر کسی شخص کو روشنی کی طرف دعوت دی جائے اور وہ بھاگ کر ظلمت ہی کی طرف جائے، تو ایسی حالت میں نور کے داعیوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اور وہ ایسے شخص پر حسرت وافسوس کرنے کے مجاز نہیں ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ داعیوں کی غایتِ شفقت اور انتہائی محبت ایسی حالت میں حسرت وافسوس کرے، اور صورتِ حال کی وجہ سے ان کو دکھ ہو، ایسے ہی بے راہ رَو لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ان کی محرومی پر افسوس نہ کیجیے اور ان کی حالت پر رنج وغم کا مظاہرہ نہ کیجیے، ان سے دین کا نقصان نہیں ہوگا، بل کہ یہ خود نقصان میں پڑ رہے ہیں، آپ اپنے دعوتی نشاط اور تبلیغی جذبہ کو کیوں افسردہ فرما رہے ہیں، یہ لوگ اس قابل نہیں رہے کہ دین کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرسکیں، آپ اپنا کام کیے جائیے اور ان کی کج روی سے بے نیاز ہوکر دین کی تبلیغ کیجیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۵ رستمبر ۱۹۵۷ء)

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

آپ ان لوگوں سے غم گین نہ ہوں، جو دوڑ کر کفر کرنے لگتے ہیں، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۶)

دین ودیانت کے معاملہ میں بہت زیادہ توجہ دینی چاہیے اور اپنی طرح دوسروں کو

بھی نیکی کی راہ پر چلنے کی آرزو کے ساتھ حتی المقدور اس کے لیے کوشش کرنی چاہیے، مگر اپنے انشراح اور نشاط کو ہر حال میں قائم رکھنا چاہیے، اور کسی قیمت پر اپنے اندر نا اُمیدی، مایوسی اور بے دلی نہیں آنے دینی چاہیے، بل کہ دین و دیانت پر خود عمل کر کے دوسروں کو اس کی راہ دِکھانا اپنا کام سمجھنا چاہیے، ماننا نہ ماننا دوسروں کا کام ہے، اور نیکی کی راہ پر چلنا ان کے حق میں مفید اور اس سے بھاگنا ان کے حق میں مضر ہوگا، جو لوگ مفاد پرست ہوتے ہیں، وہ ذرا ذرا سی بات پر دین و دیانت سے بھاگ کر کفر و شرک کے ہم نوا بن جاتے ہیں اور جب تک مسلمانوں سے امید ہوتی ہے، اس وقت تک ان کے ساتھ رہتے ہیں، اور جب کافروں میں تری نظر آتی ہے، تو ان کی طرف ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے اسلام کے شیدائیوں اور سچے مسلمانوں کو کسی قسم کا خوف، ہراس نہیں ہونا چاہیے، اور ان کی کج رفتاری سے غم گین نہیں ہونا چاہیے، ورنہ پھر کافرانہ چالیں بغلیں بجائیں گی کہ ہماری کام یابی ہوگئی اور مسلمان مایوسی اور نا امیدی کا شکار ہوگئے، مسلمانوں کے نشاط میں فتور ڈالنے اور ان کو بددل کرنے کی یہ چال بہت ہی مخفی ہوتی ہے، مسلمانوں کو اس سے اچھی طرح واقف رہنا چاہیے اور ان کافرانہ چالوں میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹ر مارچ ۱۹۸۴ء)

وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور نہ غم زدہ کریں تم کو وہ لوگ جو کفر میں گھستے چلے جاتے ہیں، بے شک وہ لوگ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ مقرر کرے اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہو۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۶)

اگر کوئی جماعت رات دن کفر و شرک کی ظلمتوں میں غوّطا کھا رہی ہے، تمہارے

معتقدات واعمال کے خلاف کفریہ مظاہرے کرتی رہتی ہے اور مسلمانوں کے درپئے آزار بن کر اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے پھیر میں رہا کرتی ہے، تو تمہیں بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس سے رنج وغم اور خطرہ کیوں محسوس ہو رہا ہے، اگر وہ لوگ کفر وشرک میں گھستے چلے جاتے ہیں، رات دن تخریبی کارروائیوں میں مصروف رہتے ہیں اور اپنی جمعیت مضبوط کرنے کی فکر کرتے ہیں، تو کرنے دو، تم اپنے آپ کو دیکھو کہ اسلام کے لیے کیا کر رہے ہو، تمہارے عقائد کی چٹانیں کس قدر مضبوط ہو رہی ہیں، اور اعمال وکردار کی استواری میں تم کس قدر دل چسپی لیتے ہو، یہ کوئی بات نہیں ہے کہ اَغیار کی غیر اسلامی حرکتوں کو دیکھ کر سو کھتے جاؤ اور خود ہاتھ پیر ہلا کر بھی اسلام کی آبیاری کی زحمت گوارہ نہ کرو۔

ایسی حرکت بزدلی کی حرکت ہے، خود کچھ نہ کرنے کی سزا ہے اور اِدبار ونخوت کی مار ہے، خوب یاد رکھو، اگر تم اللہ والے ہو تو وہ دشمن اپنی ان نازیبا حرکتوں سے اللہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اور نہ تمہارا بال بیکا کر سکتے ہیں، غیر اسلامی زندگی گزارنے والے اَفراد اور طبقات ہمیشہ ایسا ہی کریں گے، کس کس کا کب تک رنج وغم کرتے رہو گے، ان کی غیر ذمہ دارانہ زندگی اس دنیا میں شترِ بے مہار کے مانند ہے، اس کو یوں ہی چلنے دو، اور اس کی پروا کرنے کے بجائے تم اپنی پروا کرو، ان کی ساری اکڑفوں دنیا تک ہے، ان کے لیے اس حرام زندگی کے نتیجہ میں دنیا کے اندر ان باتوں کی آزادی ہے، تم مسلمان ہو، دنیا اور آخرت میں ذمہ داری رکھتے ہو، تمہارا مقام دنیا کی قوموں سے الگ ہے، تم ان کے پھیر میں مت پڑو، بل کہ اپنی فکر کرو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

یقیناً جن لوگوں نے ایمان کی جگہ کفر کو اختیار کر رکھا ہے، یہ لوگ اللہ کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہونچا سکیں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۷)

کوئی کفر اختیار کرے یا ایمان اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کو نہ نقصان پہونچا سکتا ہے، نہ فائدہ دے سکتا ہے، بل کہ جو ایمان لائے گا، اپنے لیے، جو کفر کرے گا، اپنے لیے، کفار ومشرکین اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، بل کہ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں، ان کی دنیاوی زندگی چاہے کیسی ہی گزرے، ان کا انجام بہت بُرا ہے، اور چوں کہ انجام سامنے نہیں ہے، اس لیے وہ اس سے بے فکر ہیں، یہ بے فکری اور اطمینان کی زندگی بڑی بے چینی اور بے اطمینانی کا باعث ہوگی۔

اور جو لوگ اسلام کے مقابلہ میں کفر کو اختیار کرتے ہیں، وہ بڑے نقصان کو اختیار کرتے ہیں، اللہ انسانوں کی عبادت اور ان کے ماننے سے بے نیاز ہے، وہ انسانوں کی بھلائی کے لیے رُشد وہدایت کی راہ کھولتا ہے اور ان کے لیے ہادی ومُرشِد مبعوث فرماتا ہے۔

یہ بات ایسی نہیں ہے، جسے ذرا بھی عقل رکھنے والا نہ سمجھتا ہو اور اس سے یہ معاملہ پوشیدہ ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡـًٔا ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۷﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا ہے، وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتے اور ان کے حق میں دردناک عذاب ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۷)

جو لوگ نسلی کافر ہیں اور ان کو اپنے آباء واَجداد کے ورثہ میں کفر کی زندگی ملی ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے کام لے کر دین وایمان کی راہ اختیار کرنی چاہیے، کیوں کہ ایمان ہر فردِ بشر کا حصہ ہے، جس کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے سامان مہیا فرمائے ہیں، مگر جو لوگ دین وایمان کی زندگی پا جانے کے بعد پھر کفر وشرک میں لوٹ جاتے ہیں اور یقین واعتقاد کی روشنی حاصل کر لینے کے بعد ظلم وجہالت کے اندھیرے میں جانا پسند کرتے ہیں، وہ انتہا درجہ محروم اور ناکام ہیں، اور اس حرکت سے وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یا اس کے دین کا کچھ نہیں بگڑتا اور وہ نہ کچھ بگاڑ ہی سکتے ہیں، جو لوگ اپنا بگاڑتے ہیں، ان کو دوسروں

کے بگاڑنے کی مہلت نہیں ملتی، پھر اللہ کا اور اس کے دین کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔

ان مسلمانوں کو قرآنِ حکیم کی اس آیت سے خاص طور سے سبق لینا چاہیے، جو اللہ و رسول کا کلمہ پڑھ کر اور توحید و رسالت کا اقرار کر کے غیر اسلامی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی اس رَوِش کا وبال خود ان ہی پر آئے گا، وہ اللہ و رسول کا کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا ہے، وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان ہرگز نہیں پہونچا سکتے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۷)

نیکی اور بدی دو الگ الگ حقائق ہیں، جن میں کسی قسم کا التباس نہیں ہے، بل کہ ہر ایک دوسرے سے الگ ہے، دونوں کے نتائج الگ الگ ہیں، اور ان کے فوائد یا نقصانات ظاہر ہوتے ہیں، جس کا جو جی چاہے، وہ راہ اختیار کرے، اللہ کو نہ کوئی نقصان ہوگا اور نہ فائدہ ہوگا، جو نیکی کرے گا، اپنے لیے کرے گا اور جو بُرائی کرے گا، اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

جو لوگ سچائی اور دین کی روشنی پا جانے کے بعد جھوٹ اور باطل کی اندھیری کو پسند کرتے ہیں، وہ خود نقصان میں پڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، اسلام و ایمان کی زندگی بہت ہی پاکیزہ اور کام یاب زندگی ہوتی ہے، جن کو اس زندگی سے واسطہ پڑ چکا ہے اور جو اسے آزما چکے ہیں، وہ اگر جہالت کر کے پھر کفر و شرک اور ظلم و جہالت کی زندگی اختیار کریں گے تو اس سے نہ اسلام و ایمان کو نقصان ہوگا، نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت میں کوئی فرق آئے گا، بل کہ وہ خود نقصان میں رہیں گے، اسی طرح جو لوگ کسی دینی بات کو چھوڑ کر غیر دینی بات پر چلیں گے، ان کو اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں ناکامی و حرماں نصیبی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا، وہ اللہ کو ہرگز ہرگز کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۷)

ایک تو وہ کافر ہیں، جو نسلاً بعد نسلٍ کفر وشرک کی دَل دَل میں پھنسے ہوئے چلے آتے ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین وایمان کی روشنی دی اور ان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی، مگر انہوں نے اس روشنی کو دے کر کفر وشرک کی ظلمت مول لی اور مشرکانہ مال کے خریدنے کے لیے نقد ایمان کو خرچ کیا۔

ان دونوں قسموں کے کافروں میں ان کا جرم زیادہ سنگین ہے، جنہوں نے ہدایت یاب ہونے کے بعد گمراہی اختیار کی، اور روشنی پانے کے بعد اندھیرے کو پسند کیا، ایسے لوگ خاندانی کافروں اور آبائی مشرکوں کے مقابلہ میں زیادہ قابلِ ملامت ہیں، چوں کہ انہوں نے اپنے طور پر جان بوجھ کر یہ شرارت کی کہ روشنی پہ ظلمت کو غلبہ دے دیا، اور خیر کو پاکر شر کی گود پسند کی، اس فہرست میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں، جو مسلمانوں کے اعمال وعقائد کا زبانی اقرار کرنے کے بعد کافرانہ زندگی اور مشرکانہ رسم ورواج کے پابند بن رہے ہیں، بل کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی وہ کافرانہ راہ پر لے جاتے ہیں۔

آج کل یہ حرکت جہالت کی وجہ سے یا پھر سیاست کے نام پر زیادہ ہورہی ہے، اور جاہلوں اور سیاسی لوگوں کی وجہ سے ایمان واسلام کی دولت رکھنے والے کافرانہ حرکات میں پھنسے جارہے ہیں۔

مسلمانوں کو اس صورتِ حال سے چوکنا رہنا چاہیے اور اپنے کو بچانا چاہیے، ورنہ آج کی سیاست وجہالت مسلمانوں کو لے ڈوبے گی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۴ رفروری ۱۹۵۸ء)

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا ہے، وہ اللہ کو ہرگز کچھ بھی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۷)

دنیا میں بہت سی قومیں نسلاً بعد نسلٍ گمراہی میں گزر بسر کرتی چلی آتی ہیں اور بہت سی قومیں رشد و ہدایت کی روشنی پا جانے کے بعد گمراہی کی طرف آجاتی ہیں، دونوں ہی مجرم ہیں اور دونوں کا قصور ان کے حق میں نہایت سخت ہے، مگر دوسری قوم کا معاملہ پہلی سے زیادہ سنگین ہے کہ اس نے ہدایت کی روشنی پانے کے بعد اسے ضائع کر دیا اور گمراہی مول لی، ایسے لوگ محرومی اور ناکامی کے اعتبار سے بہت ہی بُرے ہیں، ان پر خدا کی حجت تمام ہو چکی ہوتی ہے، ان کی گمراہی سے خدا کا کچھ نہیں بگڑتا ہے، بل کہ سراسر ان ہی کا نقصان ہوتا ہے اور ان کا سارا وبال ان کے سر پر آتا ہے۔

ہدایت یابی کے بعد گمراہی کا نتیجہ دنیا اور آخرت دونوں میں بہت ہی خطرناک اور دور رَس نکلتا ہے اور دونوں جہان میں ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، پس جو لوگ آج دین و دیانت کے حقائق سے واقف ہونے کے باوجود لادینیت اور بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نظام میں کوئی خرابی نہیں پیدا کر سکتے اور نہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان پہونچا سکتے ہیں، بل کہ اپنی ناکردنی کا وبال خود بھگتیں گے اور بھگت رہے ہیں، تم دیکھو کہ یہ ہم مسلمان کا جو حال ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ہم نے کتاب و سنت اور دین و ایمان کی ہدایت کھو کر گمراہی مول نہیں لی ہے؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷/ اگست ۱۹۸۱ء)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡـًٔا ۚ

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو خریدا، وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۷)

قرآنِ حکیم بار بار اس حقیقت کو واضح الفاظ میں اور کھلے طریقہ سے بتا رہا ہے کہ

کفار و مشرکین اللہ اور اللہ کے حکم پر چلنے والوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، ان کے بس میں اتنا بھی نہیں ہے کہ خود کوئی اقدام کرسکیں، وہ تو ان کا ذہنی انتشار، قلبی خلجان اور دماغی خلفشار بھوت بن کر ان پر سوار رہتا ہے، جس سے مجبور ہو کر وہ کس کس طرح کی حرکتیں کرتے رہتے ہیں، اور وہ کوئی کام اس لیے نہیں کرتے ہیں کہ ان میں قوتِ اقدام پیدا ہو چکی ہے، بل کہ ان کی ہر حرکت اس ڈر سے ہوتی ہے کہ ہمارا وجود خطرے میں ہے، ہمارا طریقہ مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اور اسلام اور مسلمان ہماری راہ بند کر رہے ہیں، اگر یہ ڈر ان پر سوار نہ ہو تو وہ دنیا میں کھانے پینے میں مگن رہیں گے، اور ان کے دل و دماغ میں کوئی الجھن پیدا نہ ہوگی۔

اب اس کا کیا علاج ہے کہ مسلمان اس صورتِ حال سے خوف زدہ ہو کر گر گر پڑتے ہیں، ان کے دل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول اور ان کے دیئے ہوئے ایمان و یقین کی کوئی قوت ہی موجود نہیں ہے، مسلمان اچھی طرح سمجھ لیں کہ کافرانہ حرکتیں نہ اللہ کو کوئی ضرر پہونچا سکتی ہیں، نہ اسلام اور مسلمان کو ان سے نقصان ہو سکتا ہے، جو کچھ ہوتا ہے، نہایت صبر و سکون و اطمینان سے مستقبل کی فکر کرنی چاہیے۔

پس قرآنِ حکیم کی ان تصریحات کو سامنے رکھو اور اپنے دل کی دنیا میں نظر دوڑائے جاؤ، اور دیکھو کہ خوف، ڈر، ہراس، پریشانی، بے چینی، انتشار، خلفشار، بے اطمینانی کے دیو اس میں چل پھر رہے ہیں، یا امن و سکون کی شادابی و سرسبزی سے ان کی کھیتیاں لہلہا رہی ہیں، مسلمانو! خوب یاد رکھو، یہ ڈر تمہیں لے ڈوبے گا، اس کی موجوں سے دور بھاگو، اور انقلاب و تغیر کے سمندر میں کھڑے ہو کر حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرو اور امن و سکون کی دنیا بساؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

اور کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لیے بہتر ہے، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل

دیتے ہیں کہ وہ معصیت اور گناہ میں آگے بڑھ جائیں اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

(پ ۴ع ۹ سورۃ آل عمران:۱۷۸)

دنیا میں ظلم وستم اور کفروشرک کی زندگی گزارنے کے باوجود بے خوفی اور بے اطمینانی بڑے ہی دور ہیں اور خطرناک نتائج کی بات ہے، فسق وفجور میں پڑے رہنا اور ٹھاٹھ سے کھاتے پیتے رہنا کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہے، دنیا میں جس فرد یا قوم کو دیکھو کہ وہ حرام کاری اور شرک وکفر میں آگے آگے ہے، لیکن اس کے باوجود ظاہری ساز وسامان میں کوئی کمی نہیں ہے تو خوب سمجھ لو کہ مستقبل کی خیر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جو کفار ومشرکین ہماری ڈھیل سے فائدہ اٹھا کر خوب چین کی زندگی گزار رہے ہیں، تو وہ یہ نہ کہیں کہ انہیں چین ہی چین ہے، آرام ہی آرام ہے اور بے فکری ہی بے فکری ہے، ہمارا یہ انتظام کہ بُرائی پر اور بلندی ہو، بہت ہی خطرناک ہے۔

ہم ایسی صورت اس لیے پیدا کر دیتے ہیں کہ سرکشی وطغیانی میں جو کمی رہ گئی ہے، وہ بھی پوری ہو جائے، تاکہ اس خمیر کے انسان اچھی طرح اپنے کیفرِ کردار کو پہونچ جائیں اور ان کو دنیا میں حرام کاری کرنے اور کھانے کا مزا مل جائے۔

پس آج تم جن بدکاروں، بدمعاشوں، کمینوں اور لچّوں کو تمام برائیوں کے باوجود خوش حال، تن ومند، عیش پرست دیکھو تو سمجھ لو کہ ان کا انجام بخیر نہیں ہے، اور ان کی آخرت بہت ہی عبرت ناک گزرنے والی ہے، مسلمان دنیا میں اَمن وصلح، نیکوکاری ونیکی اور عمل واعتقاد کی استقامت کو عام کرنے کے لیے آیا ہے، اس کے نزدیک یہ زندگی کوئی معیاری زندگی نہیں ہے، بل کہ معیاری زندگی کے حصول کے لیے ایک ذریعہ اور سبب ہے، اسے اسباب ہی کے درجہ میں رکھنا چاہیے اور اصل قرار دے کر انسانیت کی ساری پونجی دنیا ہی میں نہیں طلب کرنی چاہیے۔

پس تم اخلاص وایمان کی زندگی بسر کرو اور ایسا نہ کرو کہ برائیاں کرتے کرتے خدا

کے قانونِ مجازات سے بے فکر ہو کر مطمئن ہو جاؤ، ورنہ یہ اطمینان بہت ہی گراں ثابت ہوگا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ مومنوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے، جس پر تم لوگ اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے ممتاز کر دے۔ (پ ۴ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۹)

مسلمان قوم دنیا میں ایک ذمہ دار قوم ہے، اسے آزمائشوں اور امتحان کے ذریعہ جانچا جائے گا کہ اپنی ذمہ داری میں وہ کہاں تک کام یاب ہے اور کہاں تک ناکام ہے، جو لوگ کام یاب ہوں گے، قرآن ان کو "طیّب" کا لقب دے گا، اور جو لوگ ناکام ہوں گے، ان کے لیے "خبیث" کا لفظ استعمال کرے گا، یہ کون سی ذمہ داری ہے؟ جس کی آزمائش پر یہ امتیازی نشان ملنے والا ہے، اور اس کے بعد مسلمانوں کی دو ٹولیاں بن جانے والی ہیں، یہ سمجھ لو کہ یہ ذمہ داری اسلامی زندگی میں اعتقاد و عمل کی استواری ہے، اسلامی اَفکار و خیالات اور اسلامی اَعمال و وظائف کا برتاؤ ہے اور غیر اسلامی نظامِ زندگی کی تمام ذہنی اور عملی سرگرمیوں سے یکسو ہو کر صرف اسلام پر عمل کرنا ہے۔

آج کے مسلمان خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ آج زندگی کے جس موڑ پر کھڑے ہو کر بداعتقادی و بدعملی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں، اس موڑ سے انہیں گزرنا ہوگا، اور سامنے کی دوراہوں میں ایک اختیار کرنی ہوگی، یا سعادت و نیک عملی کی راہ یا شقاوت و بدعملی کی راہ، اللہ تعالیٰ موجودہ حالت میں اس قوم کو نہیں چھوڑ سکتا، بل کہ اسے ابتلاء و آزمائش کے ذریعہ پرکھے گا کہ اس میں کتنے افراد کفر و ضلالت اور خواہش و تمنا کے مقابلہ میں اللہ و رسول کا دامن تھامے ہیں اور کتنے افراد اللہ و رسول کے مقابلہ میں دوسری حرام کاریوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

پس آج صورتِ حال برقرار نہیں ہے، بل کہ یہ صورت امتحان و آزمائش سے دوچار

ہے، مسلمان فکر کریں کہ وہ اس آزمائشی دور میں خدا کی بہترین مخلوق ثابت ہوں، اور اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں اپنی نیابت اور اوامر ونواہی کے چلانے کے لیے چُن لے اور پاک زندگی میں پاک روح بھر دے، ہر دَور کے مسلمان آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اور ان کا مقام بعد میں متعین کیا جاتا ہے، اس دور کے مسلمان بھی اس آزمائش سے گزریں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

اللہ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا، جس پر تم لوگ ہو، یہاں تک کہ خبیث کو الخ۔ (پ ۴ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۹)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنوں اور غیروں میں فرق رکھتا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ دوست اور دشمن سب ایک ہی طرح سے ہوں، بل کہ خبیث ونجس اور طیب و پاک میں امتیاز ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یہ فرق کرتا ہے اور مومنوں کو نوازتا ہے، اور غیروں کو ان کے کردار کی سزا دیتا ہے، مسلمان دنیا میں اس نعمتِ خداوندی کے مستحق اسی وقت قرار پائیں گے، جب ان کو آزمائے اور تمیز وخرقان کی سند دے دے۔

جب ہر معاملہ میں اچھے بُرے کی تمیز ضروری ہے، تو انسانوں میں بھی دونوں طبقے کی بات ہوگی اور اچھے لوگ اچھی زندگی کے وارث ہوں گے، پس ہمیں اچھا بننے کی ضرورت ہے، ورنہ ہمیں وہ سکون واطمینان نہیں ملتا اور نہ زندگی میں خوبی وخوب صورتی آتی ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ

اللہ ایسا نہیں کہ مومنوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دے، یہاں تک کہ برے کو اچھے سے ممتاز کردے۔ (پ ۴ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۷۹)

مقامِ مومن بہت بلند ہے، مومن جس ملک، جس بستی اور جس خاندان میں رہیں

گے، نمایاں شان سے رہیں گے، انسانوں میں خبیث اور طیب یعنی اچھے اور بُرے سب ہی ہوتے ہیں، لیکن مومنوں کو امتیازی شان دینے کے لیے قدرت انتظام کرتی ہے۔

اب اس کا انتظام جس نوعیت کا ہو، عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ ان کی آزمائش کی جاتی ہے، ان پر ابتلاء کا دور گزرتا ہے، اور وہ صبر و رضا کے مقام پر کھڑے ہوئے اپنا امتیازی عَلم ہاتھ سے گرنے نہیں دیتے، بل کہ بڑی مضبوطی سے تھامے رہتے ہیں۔

ہاں جو مومن بننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر آزمائش کے موقع پر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور اَمن و راحت کے گوشے کو ابتلاء و آزمائش کے میدان پر ترجیح دیتے ہیں، ان کو یہ شان نہیں دی جاتی، وہ حیاتِ دنیا اور عالمِ آخرت میں ذلیل زندگی کے وارث ٹھہرتے ہیں، یہ صورت آج بھی برپا ہے، اسی ہندوستان میں برپا ہے، اسی پاکستان میں برپا ہے اور اسی دنیا میں برپا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

جن پر خدا نے فضل کیا ہے، پھر وہ اس میں بخل سے کام لیتے ہیں، تو وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، بل کہ یہ حرکت ان کے لیے بُری ہے، عنقریب قیامت کے دن اس مال کا طوق ان کو پہنایا جائے گا، جسے انہوں نے بخل کر کے جمع کیا تھا۔

(پ ۴ ع ۹، سورۃ آل عمران: ۱۸۰)

ثروت اور مال داری اسلام کے نزدیک حرام نہیں، ناجائز نہیں، بل کہ مباح، حلال اور جائز ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک انسان ایک جائز بات کی آڑ لے کر حرام کام کا ارتکاب کرنے لگے، اور جمع کی ہوئی دولت کو تنگ دلی، تنگ ظرفی، کم ہمتی، بزدلی، پست ذہنی اور ہر قسم کی کمینہ حرکات کا ذریعہ بنائے، بل کہ دولت و ثروت کمانے کا مطلب یہ ہے کہ

خود کھائے، آل واولاد کو کھلائے اور اپنے معاشرہ کی زندگی کے بہار پہلوؤں کا علاج کرے، تعاون، ہم دردی، غم خواری کے لیے مالی خدمات پیش کرے۔

اسی لیے خدا نے تقسیم مال کے مختلف درجے قائم فرما کر ان کے مختلف نام رکھ دیئے ہیں، زکوٰۃ، صدقات، کفارات، نذر، عفو، خیرات، غرض کہ مختلف نام سے مختلف مواقع پر دولت کی تقسیم کا حکم دیا ہے، اور انسان کو بتایا ہے کہ تمہارا اقتصادی نقطۂ نظر اسی روش پر ہونا چاہیے، اسی سے دارین میں تمہیں نجاح وفلاح ملنے والی ہے۔

قرآنِ حکیم اعلان فرمارہا ہے کہ جو لوگ خدا کی بخشی ہوئی دولت پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں، اور غریبوں، محتاجوں، حاجت مندوں، بوقتِ ضرورت دوستوں کو نہیں دیتے، اور ان کی کوئی مدد نہیں کرتے، وہ لوگ یاد رکھیں کہ وہ آج جس مال پر خود سانپ بن کر بیٹھے ہیں، کل میدانِ قیامت میں وہی مال ان کی گردن میں سانپ بن کر لپٹا ہوا ہوگا، اور اہلِ محشر بخل جیسے کمینہ پن کا مکروہ نظارہ کریں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸ / جون ۱۹۵۱ء)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں، اس مال میں جسے اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا، وہ ان کے حق میں بہتر ہے، بل کہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے، عنقریب قیامت کے دن ان کو بخل کیے ہوئے مال کا طوق پہنایا جائے گا، اور اللہ ہی کے لیے زمین وآسمان کی وراثت ہے، اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے خبردار ہے۔ (پ ۴ ع ۹ سورۃ آل عمران: ۱۸۰)

دنیا میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کشادگی دے اور مال ودولت کی فراوانی ہو تو اس میں سے غریبوں، مسکینوں کا حق ادا کرنا چاہیے اور بخل اور کنجوسی کر کے ان کو جمع نہیں

کرنا چاہیے، بخل کرنا کافرانہ ذہنیت کی بات ہے اور جو لوگ اس طرح بافراط روزی پاکر اللہ کے بندوں کا حق ادا نہیں کرتے، ان کو قیامت کے دن بڑی ندامت ہوگی، ان کے مال کو ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارا دنیاوی مال ہے، جسے اللہ نے تم کو اس لیے دیا کہ خود حلال وطیب طریقہ سے کھاؤ پیو، حاجت مندوں کو کھلاؤ پلاؤ، مگر تم نے کوڑی کوڑی حساب کر کے جمع کیا تھا، آج اس کا مزا چکھو، ایسے مال کو جہنم کی آگ میں پگھلا کر اس سے ایسے لوگوں کی پیشانیاں، پشتیں اور پہلو داغے جائیں گے۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مال اس لیے نہیں دیا تھا کہ وہ بخل کر کے جمع کریں گے، بل کہ حاجت مندوں کے کام کے لیے بھی دیا تھا، یہ سب کچھ اللہ کا مال تھا، بندے کو اس نے دیا تھا، تو اسی لیے کہ خود حلال طریقہ سے کھا کر دوسروں کی خبر گیری کرے، اس لیے نہیں کہ خزانہ بنا کر پھر زمین سے نکلے ہوئے سونے چاندی کو دفن کیے رہنے اور اسے رفاہِ عام کے کاموں میں نہ لائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۹؍جون ۱۹۷۳ء)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی، جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم اَغنیاء ہیں، ان کے قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو بھی، اور کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو۔ (پ۴ع۱۰سورۃ آل عمران:۱۸۱)

سرمایہ پرستی ایسی بُری بلا ہے کہ انسان کو خدا تک کے بارے میں سرمایہ پرستانہ فرضیت اجاگر کرنے پر تیار کر دیتی ہے، اور اس سے عقل اس قدر موٹی اور کند ہو جاتی ہے کہ اچھا خاصا آدمی احمق بن جاتا ہے، اس کی ایک مثال اوپر بیان ہو رہی ہے۔

صورت یہ ہے کہ عہدِ رسالت کے سرمایہ پرست یہودی اپنے سرمایہ اور اقتدار کی

وجہ سے سخت مغرور ہو گئے تھے اور ان کی جرأت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے فقیر و محتاج سمجھتے تھے اور اپنے کو اس کے مقابلہ میں مال دار، بے نیاز اور غنی بتاتے تھے، یہ تو عقل و فہم کے بھدّے پن کا حال تھا۔

کردار کی گراوٹ کا حال یہ تھا کہ بُری سے بُری حرکت سے باز نہیں آتے تھے، ان کا آبائی مزاج بہت ہی گندا تھا، ان کے اگلوں کا حال یہ تھا کہ وہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام تک کو حق بات کہنے پر قتل کر دیا کرتے تھے، اور اپنی دولت کے زعم میں اللہ کے رسول تک کی پروا نہیں کرتے تھے، اس طرح یہودیوں نے اللہ و رسول کی جناب میں سخت قسم کی گستاخی کر کے اپنے کو عقوبت و سزا کا سزاوار بنالیا، اور دنیا و آخرت میں ان کو طرح طرح کی سزا ملی، دنیا میں بے عزتی، بے غیرتی، بے حیائی اس قوم کا حصہ ہے اور آخرت میں جہنم کا عذاب ان کے لیے تیار ہے، یاد رکھو جو لوگ بھی ایسی حرکت کریں گے، ان کا انجام ایسا ہی ہو گا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

یہ جو کچھ ہے، تمہارے ہاتھوں کا کیا ہوا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

(پ ۴ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۸۲)

خدا نے انسان کو پیدا کیا، اس کے لیے روزی کا سامان کیا، رہنے کو گھر اور پہننے کو کپڑا، آل اولاد دی، زمین و آسمان کی برکتوں کو دیا، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں اور صحراؤں پر اس کا قبضہ دیا، زمین کے سینے سے اس کے لیے رزق کا پودا ابھارا، آسمان سے چاند، سورج کا فیض جاری کیا، فضا کی صاف ستھری ملکیت کی بادشاہت عنایت کی، غور کرو کہ جو خدا انسانوں کو اس طرح نوازتا ہے، وہ ان پر ظلم و ستم کیوں کر روا رکھ سکتا ہے، اور اسے پریشانی میں مبتلا کرنے کے لیے خود بخود سامان کیسے فراہم کرسکتا ہے؟ پھر یہ زلزلے، یہ

بے روزگاری، یہ قتل وغارت، یہ قحط وگرانی، یہ بے اطمینانی وبدحواسی، یہ جنگ، یہ بیماری اور یہ ساری کی ساری ہلاک کن ہنگامہ آرائی کیوں ہے؟ کیا خدا انسان پر رحم وکرم کے لیے انہیں روک نہیں سکتا ہے؟ اور کیا وہ اپنے بندوں سے ان بلاؤں کو نہیں ٹال سکتا ہے؟

تو خوب سمجھ لو کہ چوں کہ یہ بلائیں انسان کی بے روی سے پیدا ہوئی ہیں، اس لیے یہ نہیں ختم ہوں گی، یہ تکوینی حالات کے ماتحت نہیں آئی ہیں، بل کہ جرم وسزا کے قانونِ قدرت نے اس کو بھیجا ہے، اس لیے یہ اپنا کام کریں گی، ہاں اگر انسان چاہے تو اپنے اندر تبدیلی پیدا کر کے ان کو ختم کرا دے، کیوں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، انسانی کرتوت ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

پس وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ سے پہلے دلائل اور تحریریں اور روشن کتاب لانے والے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ (پ ۴ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۸۴)

عوام کا کسی بات کو قبول کر لینا یا اسے رَد کر دینا، جب کہ عوام میں عقل وشعور کی روشنی نہ ہو، اس بات کے صحیح یا غلط ہونے کے لیے معیار نہیں ہے، کیوں کہ عوام اور عقل وشعور سے دور لوگوں کی روش حقیقت پسندی کے طور پر نہیں ہوتی اور وہ کسی بات کو سوچ سمجھ کر نہ رَد کرتے ہیں اور نہ ہی قبول کرتے ہیں، بل کہ وہ جدھر کا رخ دیکھتے ہیں، اُدھر ہی بہ جاتے ہیں، اس لیے اَربابِ کار اور مصلحینِ کرام نے ہمیشہ ایسے عوام سے دور رہ کر اپنا اصلاحی اور روحانی مشن چلایا ہے اور ایسے ذہنوں کو دعوت دی ہے، جو عقل وشعور کے مالک ہوتے ہیں اور جن کو قبول کرنے یا رَد کرنے سے مشن پر اثر پڑتا ہے۔

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان جاہل عوام کی روش کی پروانہ

کیجئے، انہوں نے کب کسی نبی اور رسول کی بات مانی ہے، انہوں نے تو آپ سے پہلے بہت سے ایسے انبیاء ورُسُل کو جھٹلایا ہے، جو اللہ کی طرف سے دلائل و براہین لے کر آئے اور ان کے پاس روشن کتاب تھی، مگر یہ اندھے، بہرے نہ دلائل کو سن سکے، نہ کتاب کی روشنی کو دیکھ سکے اور نہ ہی رسولوں کی باتوں کو سمجھ سکے۔

آج بھی یہی صورتِ حال برپا ہے کہ جاہل عوام کی بھیڑ عقل وشعور سے دور رہ کر باتوں کا اقرار یا انکار کرتی ہے، مصلحین کو ان کی اس روش سے برداشتہ خاطر نہیں ہونا چاہیے، اور اپنی دھن میں لگے رہنا چاہیے، اگر ان کے بے جا شور وغوغا پر توجہ دی گئی، تو کام میں خلل پیدا ہو جائے گا اور بات آگے نہ بڑھ سکے گی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳ر فروری ۱۹۸۷ء)

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۣ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

تم لوگوں کو ضرور ضرور آزمایا جائے گا، تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، ان سے اور مشرکوں سے تم بہت سی تکلیف دِہ باتیں یقیناً سنو گے، اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ امور کی عزیمت میں سے ہوگا۔

(پ ۴ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۸۶)

مسلمانوں کا عقیدہ وخیال اور عمل وکردار دنیا بھر کی قوموں سے جداگانہ ہے، وہ اس معاملہ میں اس بھری بزم میں وہ اپنے کو تنہا پا رہے ہیں، اس لیے دنیا بھر کی قومیں ان کے پیچھے پڑی رہتی ہیں اور مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہونچاتی ہیں، جن مواقع پر طعن وتشنیع، برا بھلا، دھمکی، حتیٰ کہ گالی گفتاری تک ان قوموں سے سہنا اور سننا پڑتا ہے۔

اہلِ کتاب یہودیوں یا نصاریٰ اور مشرکین وکفار سب کے سب اسلام اور مسلمانوں

کے دینی دشمن ہیں اور اس معاملہ میں ان کی متحدہ طاقت ہے، جو ہمیشہ سے برابر کام کر رہی ہے، جس زمانہ میں ان کو مسلمانوں کی جیسی مخالفت کام یاب معلوم ہوتی ہے، اسی کے مطابق وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چال چلتے ہیں، مگر مسلمانوں کو ایک نسخۂ شفا صبر اور تقویٰ ملا ہوا ہے، جو ان سب کا بہترین توڑ ہے، کفار و مشرکین کی ہر حرکت پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ پر نظر کر کے اسی کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا، ایسی ترکیب ہے کہ اس سے دشمن بھی ختم ہو جائیں گے اور عقیدہ و عمل میں تازگی بھی سدا بہار بن کر باقی رہے گی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

تم لوگ ضرور آزمائے جاؤ گے، اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں، اور تم لوگ یقیناً سنو گے ان لوگوں کی طرف سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں، اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا ہے اور بہت سی اذیتیں دیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ ہمت کے کام ہیں۔ (پ ۴ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۸۶)

مسلم قوم کو من حیث القوم ایک نہایت ہی اہم اور اصولی بات بتائی جا رہی ہے، جس کے سمجھ لینے کے بعد مسلمانوں کی قومی اور ملی زندگی کے بہت سے مسائل بڑی آسانی سے سلجھ سکتے ہیں، اور اغیار کی وجہ سے ان میں الجھن پیدا نہیں ہو سکتی، مسلمان خوب اچھی طرح اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ اسلام ایک حقیقت ہے اور اس کے مقابلہ میں کفر ایک حقیقت ہے، ان دونوں میں بنیادی طور سے کسی موقع پر کبھی بھی میل نہیں ہو سکتا۔

یہ دوسری بات ہے کہ ہنگامی حالات میں وقتی معاملات میں اور مقامی معاملات میں اور مقامی مسائل میں کبھی جزوی اور فوری طور سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں صلح و مصالحت

ہوجائے اور کسی چیز پر دونوں متحد و متفق ہوجائیں، مگر بنیادی طور سے چوں کہ دونوں کے اَفکار ونظریات، عقائد وخیالات، اَعمال و اَفعال اور کردار ومظاہر بالکل جدا جدا ہیں، بل کہ ایک دوسرے کے عین مخالف ہیں، اس لیے دونوں میں بنیادی طور سے میل جول نہیں ہوسکتا، اور دین وایمان کے معاملہ میں کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا، بل کہ ایک دوسرے کے خلاف ہوں گے۔

اسلام کے مقابلہ میں اہلِ کتاب اور مشرکین ایک محاذ پر جمع ہوتے رہیں گے، اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ کفار ومشرکین مل کر اسلام اور مسلمانوں کے قومی، دینی اور اجتماعی مفاد پر خوب ضرب لگاتے رہیں گے، مسلمانوں کو اپنے تینوں دشمنوں کی طرف سے زندگی کے میدان میں مالی اور جانی مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کی طرف سے بڑی ہی اذیت دہ خبریں اور باتیں سننے میں آئیں گی۔

مسلمان اس بات کے لیے ہمیشہ تیار رہیں اور زندگی کے میدان میں اسے بھی ایک کھیل سمجھیں، اور مقابلہ کے لیے پورا اہتمام کریں، مگر اس میں صبر اور تقویٰ کی قوت کو بنیاد بنائیں، یہ دونوں قوتیں اگر مسلمان میں ہیں، تو پھر ان کو کوئی طاقت اور کوئی بات نیچا نہیں دکھاسکتی اور ہر قسم کے اسلحہ جات بھی کام دیں گے۔

افسوس کہ آج مسلمانوں سے صبر اور تقویٰ کی روح مفقود ہوچکی ہے اور بالمقابل طاقتیں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی ہیں۔

ضرورت ہے کہ مسلمان صبر وتقویٰ کی روح اپنے اندر پیدا کریں اور ہمت دکھا کر کام یاب ہوں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اور جس وقت کہ اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب (تورات) دی گئی ہے، وعدہ

لیا ہے کہ تم لوگ اسے لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، پس انہوں نے اس وعدہ کو اپنے پیچھے پھینک دیا، اور اس کے عوض میں تھوڑی سی قیمت حاصل کی، پس بُرا ہے ان کے لیے یہ سودا۔ (پ ۴ ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۸۷)

دنیا میں مذہب فروشی، کتمانِ حق اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے دین کا استعمال کرنا کچھ اسی زمانہ کی بات نہیں ہے، بل کہ آج کے دین فروش، ایمان فروش اور حق فروش اپنا قدیمی رہ نمار کھتے ہیں، دنیا میں سب سے پہلے یہودیوں کے مولویوں نے تورات کے احکام کو چھپا کر دنیا حاصل کی، اللہ نے ان سے پہلے ہی وعدہ لے لیا تھا کہ دیکھو تم ہماری کتاب کے عالم بن کر اس میں خیانت نہ کرنا، اس کے احکام واوامر کو بلا جھجک لوگوں کے سامنے بیان کرنا، اور اس کے منہیات ونواہی کو بلا خوف وخطر لوگوں میں پیش کرنا، مگر انہوں نے عوام کی مرضی کو اپنا پیشوا بنا لیا، ان کی عزت و دولت پر تورات کو قربان کر دیا، اور کاسہ لیسی اور ٹکڑے کی گدائی میں دین کی شہنشاہیت کو بیچ ڈالا۔

پس آج یہ جو کچھ تمہارے سامنے ہو رہا ہے کہ کوئی نئی روش نہیں ہے، بل کہ پرانے وعدہ فراموشوں کی پیروی ہے، خوب یاد رکھو، قدرت کوتاہی، بے عملی اور تن آسانی کو کسی حد تک برداشت کرسکتی ہے، مگر قوانینِ قدرت میں کتر بیونت اور اس کے مسخ کو کسی حالت میں برداشت نہیں کرسکتی،، تمہارے سامنے یہودی قوم کی پوری تاریخ موجود ہے، دیکھ لو کہ اس قوم نے اس سزا میں کیسی ذلت وخواری پائی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ رفروری ۱۹۵۲ء)

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

اور مت گمان میں لاؤ ان کو، جو دیئے ہوئے (مال ودولت) سے خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کارناموں سے وہ سراہے جائیں، جن کو انہوں نے نہیں کیا ہے، تو ان

لوگوں کے لیے عذاب سے نجات کا گمان تک نہ کرو، اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(پ ۴ع ۱۰ سورۃ آل عمران: ۱۸۸)

اپنی تعریف وتوصیف دوسروں کی زبان سے سننا انسان کے لیے بہت ہی خوش کن مشغلہ ہے، خصوصاً اربابِ دنیا اور مال ودولت کے پجاری تو اس پر اپنا سب کچھ قربان کردیتے ہیں، بل کہ جہاں تک ان کی جھوٹی تعریف کرتے جایئے، وہ اور بھی تشنۂ تعریف ہوتے جاتے ہیں، چوں کہ اس دنیا میں عقل منداور بے وقوف سب ہی بستے ہیں، اس لیے ایسے لوگوں کی ہر بستی میں خاصی تعداد ہوتی ہے، جوروغن قاز ملتے ہی نرم ہوجاتے ہیں اور جھوٹی تعریف میں پھولے نہیں سماتے، یہ گروہ تقریباً ہر طبقہ میں ہوتا ہے، لیکن سرمایہ دار طبقہ میں اس کی بہتات ہوتی ہے۔

قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ انسانی جماعت کا وہ طبقہ جو اپنی ناخوش گوار زندگی پر نازاں ہے اور اس کی عین تمنا ہوتی ہے کہ اس کی تعریف وتوصیف کی جھڑی لگادی جائے اور جن کاموں کو ان کے باپ دادا نے نہیں کیا ہے، ان کی نسبت اس کی طرف کی جائے، اس طبقہ کو تم اپنے گمان تک میں نہ لاؤ، ان کو قابلِ خطاب نہ سمجھو، ورنہ یہ اور سر چڑھ جائیں گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳ر فروری ۱۹۵۱ء)

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بے شک زمین وآسمان کی خلقت میں اور رات دن کے اختلاف میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (پ ۴ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۰)

یہ زمین اور اس کی تمام رعنائیاں، یہ آسمان اور اس کی تمام دل فریبیاں کیا ہیں؟ رات دن کے چکر میں قدرت کا کھیل ہے، اگر زمین نہ ہوتی تو آسمان کی رنگینیوں کو نیچے سے کون دیکھ سکتا، اگر آسمان نہ ہوتا تو یہ زمین اپنی تمام صلاحیتوں کا علی الرغم بے کار محض ہوتی،

پھران دونوں کی موجودگی کے باوجود اگر رات اور دن کا انقلاب وتغیر نہ ہوتا، سیاہ سفید کی تمیز نہ ہوتی، حرارت وبرودت کا امتیاز نہ ہوتا، اور شور وخاموشی کا اختلاف نہ ہوتا، تو زمین اور اس کی ساری رنگینی، آسمان اور اس کی تمام دل فریبی دھری کی دھری رہ جاتی، اور فاطر السمٰوات والارض کی قدرت کا کرشمہ پردۂ خفا میں رہ جاتا۔

قرآنِ حکیم دنیا کے اَربابِ نظر وفکر اور اہلِ عقل ودانش کا ایک خاص وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ زمین وآسمان کے وجود اور لیل ونہار کے اختلاف میں ان کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں، اور بے شمار آیات ہیں، جن سے وہ اپنی دور نگاہی اور بصیرت کو جلا دیتے ہیں، اور غور وفکر کر کے سمند باد پا کو معرفت وحقیقت کے میدان میں سرپٹ دوڑاتے ہیں، وہ زمین کے ایک ایک ذرہ میں ہزاروں ایسی باتیں پاتے ہیں، جو ان کو بے شمار بصیرت عطا کرتی ہے، آسمان کے ایک ایک گوشے میں فکر ونگاہ کے لیے اتنی وسیع جولان گاہ پاتے ہیں، جو ان کو منزلِ مقصود تک پہونچا دیتی ہے، اور پھر رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں ایک ایک دقیقہ کیف وکم کا وہ پُر بہار منظر رکھتا ہے، جو عقل وشعور اور جذبات واحساسات کی سوئی ہوئی دنیا کو عظیم الشان بے داری بخشتا ہے۔

پس وہ لوگ جو عقل وخرد سے حصہ پانے والے ہیں، اور جن کے دامنِ حیات میں سوجھ بوجھ کی کچھ دولت ہے، وہ اپنے گرد وپیش میں جس طرف نظر اٹھاتے ہیں، قدرت کی بے شمار نشانیاں پاتے ہیں، اور ان سے کام لے کر اپنی فکر وعقل کی کام یابی سے ہم کنار ہوتے ہیں، قدرت کی صنعت وکاری گری پہ قربان ہو کر اپنے سرمایۂ عقل وہوش کو اس پر نثار کر دیتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں، اے پروردگار! تو نے اسے بے کار نہیں بنایا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۵ رمئی ۱۹۵۳ء)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بے شک زمین وآسمان کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں عقل مندوں

کے لیے نشانیاں ہیں۔ (پ ۴ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۰)

یہ زمین اور اس کے اوپر نیچے کی ساری مخلوق، یہ آسمان اور اندر باہر کی تمام اشیاء اور رات، دن اور ان کی لپیٹ میں صدہا انقلابات و تغیرات دیکھنے اور سمجھنے والوں کے لیے بے شمار مناظر رکھتے ہیں، مگر زمین کے اوپر، آسمان کے نیچے دنوں اور راتوں کی آمد و رفت کی زد میں جینے اور مرنے والے جاہلوں کے لیے ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہ تمام خلائق اپنی اپنی جگہوں پر ثابت ہیں، اگر اختلاف ہے تو ان میں پلنے والی مخلوق کے مزاج و طبائع میں اور اس کے دل و دماغ میں، دیکھ لو کتنے ہیں، جو اسی زمین کے اوپر اور اسی آسمان کے نیچے رہ کر ان میں رکھی ہوئی دولتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور علم و فن کے دریا بہاتے ہیں، اور کتنے ہیں، جو گونگے، بہرے، اندھے، کانے بن کر جیتے ہیں، کھاتے ہیں، سوتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔

پس خدا سے دیکھنے والی آنکھیں مانگو، سننے والے کان چاہو اور فہم و فراست والے دل و دماغ طلب کرو، تاکہ ان کے پا جانے سے تم دنیاوی زندگی کی تمام قدروں کو بھی پا جاؤ اور ایسا نہ ہو کہ حقیقت اور زندگی کے ہنگامہ میں رہ کر حقیقت اور زندگی کی قدروں سے محروم ہو جاؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

یقیناً آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں بہت سی نشانیاں ہیں خردمندوں کے لیے۔ (پ ۴ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۰)

جو لوگ "اولوالالباب" میں سے ہیں اور جن کی نگاہ میں روشنی ہے، جن کے دل میں شعور ہے اور جن کے دماغ میں صحت مند احساس و طلب ہے، وہ اس کائنات کی ایک ایک

چیز میں رشد و ہدایت کے بے پناہ اسباب پا جاتے ہیں، ان کی آنکھیں دیکھ لیتی ہیں، ان کے دل سمجھ لیتے ہیں اور ان کے دماغ تسلیم کر لیتے ہیں کہ خالق السمٰوات والارض کی ذات برحق ہے، اس کی غلامی برحق ہے اور اس کے رسول کی ہر بات برحق ہے۔

ایسے صحت مند وحسّاس انسانوں کو زمین کے اوپر، زمین کے نیچے اور زمین کے درمیان خالقیت وربوبیت کی نشانیاں ملتی ہیں، اسی طرح آسمان ان کے لیے مشاہدۂ حق کا میدان ہے، اور وہ عجائبات وغرائبات کے صدہا تماشے دیکھے رہتے ہیں، پھر ان کو صبح کی رنگینیوں اور شام کی دل فریبیوں میں قدرت کے بے شمار جمالیاتی مظاہر ملتے ہیں، دن اور اس کی تمام کیفیت اور رات اور اس کی تمام حالت، اہلِ قلب ونظر کے لیے اپنے اندر ہزاروں جلوے رکھتی ہے، اور وہ ان حسین راہوں سے معرفتِ خداوندی کی منزل تک پہونچ جاتے ہیں، اور جو لوگ آنکھ تو رکھتے ہیں مگر شعور نہیں رکھتے، دل تو رکھتے ہیں مگر احساس نہیں رکھتے اور دماغ تو رکھتے ہیں مگر شعور نہیں رکھتے، وہ ارض وسما اور لیل ونہار میں خداشناسی کی کوئی نشانی نہیں پاتے۔

ان کو سردی، گرمی کا پتہ چلتا ہے، وہ طبقاتِ اَرضی کے ماہر بنتے ہیں، آسمانوں اور فضاؤں کے حالات پر بیان دیتے ہیں، مریخ ومشتری پر جانے کی تیاری کرتے ہیں، چاند کو آباد کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں، مگر ان کو گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا، اور معرفتِ خداوندی اور سلامت روی کی کوئی راہ نہیں ملتی، کیوں کہ وہ اہلِ علم وتحقیق تو ہیں مگر اہلِ یقین ومعرفت نہیں، جن کو قرآن "اولوا الالباب" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۰ء)

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے اسے باطل نہیں پیدا کیا ہے،

تیرے لیے پاکی ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۱)

یہ ان "اولوالالباب" کی دعائیں اور تمنائیں ہیں، جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا ہے اور جو کائنات کی ایک ایک چیز میں خدارسی کی بے شمار نشانیاں پاتے ہیں، اور اپنی باطنی دوراندیشی اور روحانی دوربینی کے باعث سطح کی رنگینیوں سے گزر کر اندر کے حقائق کی کھوج لگاتے ہیں۔

ان اَربابِ علم وہوش کا فکری نظام اللہ تعالیٰ کی معرفت کے محور پر گردش کرتا ہے، ان میں عدوان وطغیان اور بغاوت وشرارت کا شائبہ تک نہیں پیدا ہوتا، وہ مفکرین وعقلاء اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہر گھڑی خدا کی یاد اپنے دل ونظر میں رکھتے ہیں، اور کسی وقت اللہ کی یاد اس سے جدا نہیں ہوتی، اسی خدائی اعتقاد وتصور کے ساتھ وہ کائناتِ ارضی وسماوی کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اور ہر آن پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کائنات اور اس کی کوئی چیز باطل، عبث اور بے کار نہیں پیدا کی ہے، بل کہ یہاں کا ذرہ ذرہ نظامِ قدرت کی مشین میں پرزہ بن کر کام کر رہا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۵ رجنوری ۱۹۸۴ء)

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

وہ لوگ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر اور غور کرتے ہیں آسمان وزمین کی پیدائش میں، اے ہمارے پروردگار! تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس بچاؤ ہم کو آگ کے عذاب سے۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اپنی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ فرمایا ہے اور اسے اپنی صنعت کا نمونہ بنایا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی تمام صناعی اور ساری قدرتِ تخلیق انسان پر ختم ہوگئی اور اس کے سوا دوسری مخلوقات اس کی قدرت وصنعت کے مظاہر نہیں ہیں، بل کہ واقعہ یہ ہے کہ یہ آسمان، یہ زمین، یہ درمیانی عالم اور ان کے اندر

بے شمار عجائبات اس کی قدرت وصنعت کی گواہی رہی ہیں۔

یہ چاند، تارے شام وسحر، یہ ظلمت ونور، یہ سردی وگرمی، یہ رنگ وبو اور انواع واقسام کی یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت وصنعت کی مظاہر ہیں، جن میں خود انسان کے لیے بڑی جاذبیت اور دل کشی ہے اور ان میں غور کرنا انسان کی فطری صلاحیتوں کی دلیل ہے اور ساتھ ہی اس سے انسان کو نیک روی اور خداشناسی کی راہ ملتی ہے، جو لوگ عقل وشعور کی صحیح قدروں کے مالک ہیں، وہ ان مظاہرِ قدرت میں رات دن غور کرتے ہیں،، اور بے اختیار ہوکر اپنے خالق وصانع کی جناب میں عجز ونیاز کا سر جھکا دیتے ہیں، اور ان کی قدرتِ کاملہ کے سامنے اپنی بے بسی کا کھلا اقرار کر کے مزید لطف وکرم کی درخواست کرتے ہیں۔

یہ ان انسانوں کے حالات ہیں، جن میں فطری صلاحیتیں بیدار ہیں اور حالات وکوائف سے سبق حاصل کرتے ہیں، مگر جن لوگوں سے یہ جذبہ ختم ہو چکا ہے، وہ علم وتحقیق کے نام پر جس قدر ان قدرتی مظاہر میں غور وفکر کرتے ہیں، اسی قدر گمراہ ہوتے جاتے ہیں، اور ان کی بربادی مکمل ہوتی جاتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے اسے باطل نہیں کیا ہے، تیرے لیے پاکی ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۱)

یہ اُن "اولوالالباب" کی دعائیں اور تمنائیں ہیں، جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا ہے اور جو کائنات کی ایک ایک چیز میں خدارسی کی بے شمار نشانیاں پاتے ہیں، اور اپنی باطنی دوراندیشی اور روحانی دوربینی کے باعث سطح کی رنگینیوں سے گزر کر اندر کے حقائق کی کھوج لگاتے ہیں۔

ان اَرباب علم وہوش کا فکری نظام اللہ تعالیٰ کی معرفت کے محور پر گردش کرتا ہے، ان میں عدوان وطغیان اور بغاوت وشرارت کا شائبہ تک پیدا نہیں ہوتا، وہ مفکرین وعقلاء اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہر گھڑی خدا کی یاد اپنے دل ونظر میں رکھتے ہیں، اور کسی وقت اللہ کی یاد ان سے جدا نہیں ہوتی، اسی خدائی اعتقاد وتصور کے ساتھ وہ کائناتِ اَرضی وسماوی کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں اور ہر آن پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے آقا! تو نے یہ کائنات اور اس کی کوئی چیز باطل، عبث اور بے کار نہیں پیدا کیا ہے، بل کہ یہاں کا ذرہ ذرہ نظامِ قدرت کی مشین میں پرزہ بن کر کام کر رہا ہے۔

اولوالالباب کا آخری نعرہ یہ ہے کہ اے ہمارے رب! ہر طرح کی پاکی اور بے عیبی تیری ذات کے لیے ہے اور تیرے سوا ہر چیز کے اندر نقص اور کمی ہے، تو ہمیں گمراہی اور اس کے مہلک نتیجہ سے نجات دے اور گمراہی کے آخری انجام یعنی نارِ جہنم سے دور رکھ۔

یہ ان اَربابِ عقل وعلم کے احساسات وتصورات ہیں، جن کے علم وتحقیق نے انسانیت کو فیض پہونچایا اور آج تک انسانیت ان کے لیے ترس رہی ہے، بخلاف اس کے آج کے باغی اربابِ علم وتحقیق، خدا پرستی کے احساس سے سراسر خالی اور عدوان وطغیان سے معمور ہیں، اس لیے ان کی علمی اور تحقیقی جدوجہد دنیا کے لیے مہلک ہو رہی ہے اور دنیا ان کے وجود سے پناہ مانگتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰؍دسمبر ۱۹۸۰ء)

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

جو لوگ کہ حالتِ قیام وقعود میں اور اپنے پہلوؤں پر خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، تو کہہ اٹھتے کہ کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے اسے بے کار نہیں پیدا فرمایا، تیری ذات پاک ہے، تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

(پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۱)

انسان اور عام جانوروں میں کچھ ایسے امتیازات ہیں، جن کی وجہ سے دونوں طبقوں میں فرق ہوتا ہے، قرآنِ حکیم ہمیشہ ان انسانوں کو دعوتِ فکرونظر دیتا ہے، جو حیوانی زندگی کے مقابلہ میں انسانی زندگی کے مستحق ہیں اور عقل ونظر سے کام لیتے ہیں۔

پھران انسانوں میں بھی فرقِ مراتب ہوتا ہے، اوران میں بھی برتری کا معاملہ کام کرتا ہے، اس سلسلہ میں جوانسان انسانیت کی جس قدراونچی منزل پر ہوتا ہے، قرآنِ حکیم کا روئے خطاب اس سے اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔

اوپر کی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکرکیا جارہا ہے، جو انسانیت میں مکمل ہیں اور کائنات میں ان کی وجہ سے زندگی قائم ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے ہر وقت رب السمٰوات والارض کی ذات اور اس کی صفات میں غوروفکر کرتے ہیں، تو اپنی صلاحیت واستعداد کی وجہ سے معرفتِ خداوندی کے نور سے بھر جاتے ہیں اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ بارِ الٰہا! یہ کائنات اوراس کے تمام مظاہر کوتو نے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی بنائی ہے، اوران میں غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ تیری ذات پاک ہے، تو نے ساری مخلوق کوتنہا اپنی قدرت سے پیدا فرمایا ہےاور کائنات کا ذرہ ذرہ تیرے قبضۂ قدرت میں ہےاور جس طرح تو نے ان تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہےاسی طرح تو ان کا مالک بھی ہے، جس چیز کو جیسے حالات سے چاہے، دوچار کردے، وہ بالکل بے بس ہیں، اے اللہ! ہم بھی تیرے بے بس بندے ہیں، ہمیں تیری ہی رحمت کا آسرا ہے، تو ہمیں اچھے حالات دے اور ہرطرح کی لغزشوں سے بچاکرانجام کی ہلاکت سے محفوظ رکھ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اے ہمارے پروردگار! تو جسے آگ میں داخل کردے تو تیرے ہاتھوں اس کی بڑی رسوائی ہوئی، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۲)

یہ ان لوگوں کے اندیشے اور دعائیں ہیں، جن کو فاطر السمٰوات والارض نے صرف آدمی ہی نہیں بنایا ہے، بل کہ وہ انسانیت کی نعمت سے بھی بہرہ مند ہیں، جن کے سینے میں جیتا ہوا دل ہے، جن کی آنکھ میں چمکتی ہوئی روشنی ہے، اور جن کے سر میں زندہ دماغ ہے، ایسے بیدار مغز، بیدار دل اور بیدار دماغ لوگ زندگی کے انجام پر احتسابی نظر کرتے ہیں اور قانونِ مجازات کی ہول ناکیوں سے اس درجہ پریشان ہوتے ہیں کہ ان کے تصور ہی سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اٹھتے، بیٹھتے، سوتے، جاگتے، اپنے پروردگار کی جناب میں اس کی جباریت وقہاریت کو یاد کر کے اعترافِ حقیقت کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! انجام کی ہلاکت بہت ہی کٹھن ہے، قیامت میں جسے تیرے عذاب سے دوچار ہونا پڑا، اس کی بڑی ذلت ورسوائی ہے، اور اس کے لیے کہیں کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

خداوندا! ہمیں ظلم وجہل اور شرک وکفر سے اپنی توفیق سے دور ہی رکھ، کیوں کہ جو ان ہلاکتوں میں پھنسا، وہ گیا اور اس کے لیے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہوگا۔

اے مسلمانو! تم بھی اپنی حرکتوں کو اسی یقین واعتقاد کا پابند بناؤ اور دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کرو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو کہ ایمان کے لیے پکار رہا ہے کہ تم لوگ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے، اے ہمارے پروردگار! اس لیے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری لغزشوں کو چھپا دے، اور ہمیں نیکیوں کے ساتھ موت دے۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۳)

یہ ان لوگوں کے لیے تاثرات ہیں اور جن کی وجہ سے انسانوں کا سر اونچا ہے، قرآنِ

حکیم کی اصطلاح میں یہ حضرات "اولوالالباب" یعنی اربابِ عقل کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، سچائی کے طلب گاروں کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کہیں کوئی صدق وصفا نظر پڑ جائے، یہی کیا ہے ان کی تشنہ کامی اچھلنے کودنے لگتی ہے اور وہ سیرابی سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔

تشنگانِ حق وصداقت دلیل وحجت کے پیچھے نہیں پڑتے اور انکار کا رویہ نہیں اختیار کرتے، بل کہ جہاں کہیں حق وصداقت کا نشان ملا کہ جھک گئے اور اپنے مقصد میں کام یاب ہو گئے، نہیں بل کہ ان کی نظر بہت دور رس ہوتی ہے، وہ دنیا میں حقانیت کے پا جانے کو آخرت میں حق پانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اس لیے اللہ کے داعی کی دعوت پر اپنے قول وعمل سے لبیک کہنے کے باوجود اپنی آخرت کی بھلائی کی دعا کرتے ہیں، نیک موت کی آرزو کرتے ہیں اور نیکوں کے زمرے میں دوبارہ اٹھنے کی تمنا کرتے ہیں۔

اے مسلمانو! یہ ان حقیقی مسلمانوں کی آواز ہے، جن کے لیے اسلام ہے اور جو اسلام کے لیے ہیں، تم بھی یہی زندگی اور یہی نظریۂ حیات کا مول کرو اور دنیا وآخرت میں کام یاب بنو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اے ہمارے پروردگار! اور تو ہمیں وہ چیز دے جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعہ وعدہ فرمایا ہے، اور تو نہ رسوا فرما ہمیں قیامت کے دن، بے شک تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۴)

خدا کے برگزیدہ بندے دین وایمان کی دولت سے مالا مال ہو جانے پر اپنے یقین وعمل کی سفارشوں کے ذریعہ رب السموات والارض کے دربار میں معروضات پیش کرتے ہیں، وہ اپنی زندگی کے لیے عزت وفتح مندی اور بشاشت وتازگی طلب کرتے ہیں، اور انجام کاری حرماں نصیبی

اور فضیحتی سے پناہ مانگتے ہیں، وہ اپنے پروردگار سے یقین وعمل کے زور پر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اپنے رسولوں اور نبیوں کی زبانی اپنے خاص بندوں کے لیے جن چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے، ان کو پورا فرما، اور ہمیں اس کا مستحق ٹھہرا، اگر ہمارے استحقاق میں کوئی کمی ہے، تو اپنے فضل وکرم سے ہمارے اعمال ایسے کردے، جو ہمیں تیری نعمتوں کا سزاوار بنا سکیں، خداوندا! تو نے ایمان واسلام کی زندگی گزارنے پر جو وعدہ فرمایا ہے، وہ برحق ہے، تو برحق، تیرا وعدہ برحق اور اس کا وفا ہونا برحق، تو وعدہ خلافی نہیں فرماتا، اس لیے ہمیں بھی اپنے تمام وعدوں سے نواز، اور اگر ہمارے اندر اس کے استحقاق کی کمی ہے تو اپنے فضل سے اسے پورا فرما۔

اگر آج کے مسلمان ہی خدا کے دین کے بخشے ہوئے یقین واعتقاد اور عمل وکردار کا وزن رکھتے ہیں اور ان میں ہونے والے نقصان کی تلافی کی کوشش کرتے ہیں، تو انہیں اللہ کے سامنے منہ کھولنے اور اس کی نعمتوں کے سوال کرنے کا حق حاصل ہے، اوپر کی آیتوں میں کسی خاص گروہ کا ذکر نہیں ہے، بل کہ یہ ان لوگوں کی باتیں ہیں، جو دین ودیانت کے مقام سے واقف ہیں اور ان میں انسانیت کی روح ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا، وہ مرد ہو یا عورت۔ (پ ۴ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

اللہ تعالیٰ مجیب الدعوات ہے اور کسی دعا کرنے والے کی دعا کو رد نہیں فرماتا، بشرطے کہ دعا کرنے کے جو حقوق وآداب ہیں، وہ ان پر عمل کرے اور ان تمام شرطوں کو پورا کرے، جن پر دعا کی قبولیت منحصر ہے، یہ دوسری بات ہے کہ دعا کی قبولیت ایسے طریقہ پر نہ ہو، جسے بعض مرتبہ دعا کرنے والا چاہتا ہے، مثلاً ایک شخص نے دعا کی کہ اس کا فلاں کام ہوجائے اور اس کی یہ دعا قبول ہوئی، مگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کا فلاں کام پورا نہیں ہوا، اور اسے

یہ خبر نہیں، کوئی ایسا کام ہوگیا ہے، جس میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، پس اس لاعلمی اور بے خبری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس کی عین منشا کے مطابق قبولیت نہیں ہوئی، بل کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مشیت نے اس بندہ کے لیے قبولیت کا کوئی دوسرا ہی پہلو اختیار فرمایا، جس میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

اسلام نے دعا کو بندہ اور اللہ کے درمیان براہِ راست وسیلہ بنایا ہے اور ہر مرد، ہر عورت اپنے طور پر اپنے پروردگار سے دعا کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے، دوسرے مذاہب نے اللہ اور بندوں کے درمیان تعلق کو چند مذہبی راہبوں، تارک الدنیا فقیروں اور عابدوں اور زاہدوں کے حق میں مخصوص کر دیا اور عوام کو اللہ سے مانگنے کے لیے ان لوگوں کا محتاج بنایا، اسلام اس طرح سے کسی گروپ یا کسی شخص کو اپنانے کو پسند نہیں کرتا، کیوں کہ یہی لوگ بسا اوقات خدا کی راہ میں حائل بن کر عوام کو خدارسی سے روک دیتے ہیں، خود مَظہرِ خدا بن جاتے ہیں، یا لوگ ان کو خدائی صفات کا مَظہر سمجھ لیتے ہیں، اور اس طرح شخصیت پرستی خدا پرستی کی راہ میں بہت مضر ثابت ہوتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی یکم اپریل ۱۹۸۳ء)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

پس ان کے پروردگار نے ان کو جواب دیا کہ میں تم سے کسی بھی مرد و عورت میں سے کام کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

جو لوگ اللہ کے نیک بندے ہیں اور اپنی زندگی جنہوں نے اس کی مرضیات کے لیے وقف کر دی ہے اور وہ اسی سے وابستہ ہو کر اپنی تمام تر خواہشوں کو اسی کے تابع کر چکے ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے، ان کے سر آنکھوں پر، اور جو اس کی طرف سے نہ ملے، اس پر ہزار ہزار شکر و صبر ادا کرتے ہیں، ایسے پاک طینت، پاک باطن اور پاک ضمیر

لوگوں کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے یہاں سراسر مقبول ہوتی ہیں، اوران کی اس پاکیزہ آرزو کو اللہ تعالیٰ پورا فرماتا ہے، ان برگزیدہ لوگوں کی مقبولیت مردوں اورعورتوں کی تفریق سے بالاتر ہے۔

ان کے مرد جس طرح مقامِ عبدیت و بندگی میں اپنا جواب آپ ہیں، اسی طرح ان کی عورتیں بارگاہِ خداوندی میں شرف یاب ہیں، اس مقدس گروہ میں ہر مرد اور عورت مستجاب الدعوۃ ہے، اور جو بات اس کے منہ سے نکلتی ہے، وہ قبولیت کا پروانہ لے کر ہی نکلتی ہے۔

اسلام میں مرد اور عورت میں کوئی تفریق نہیں ہے، اور اس کے نزدیک انسانیت کی دونوں ہی قسمیں اپنی قابلیت وصلاحیت کے اعتبار سے ایک ہیں، اور دونوں ہی نیکی پر پورے ثواب کے مستحق اور گناہ پر پوری سزا کے قابل ہیں، اسلام کے علاوہ دوسرے اَدیان ومِلل اور اجتماع ومعاشرہ میں عورت کو مرد سے ہر معاملہ میں بدرجہا کمتر مانا گیا ہے، اور اللہ کی اس مخلوق کو طرح طرح کی گراوٹوں سے تباہ وبرباد کیا گیا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی یکم اپریل ۱۹۸۳ء)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

پھر ان کے رب نے ان کی دعائیں قبول کیں کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے مرد یا عورت کو ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہو۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

جو لوگ پاک نفس ہیں اور ساتھ ہی عمل و کردار کی پاکیزگی سے بھی بہرہ مند ہیں اور پھر اپنے پروردگار سے پوری عزیمت واستقامت کے ساتھ اپنے دل کی مرادیں مانگتے ہیں اور اس کے کیے ہوئے وعدوں کی وفا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرمالیتا ہے اور ان کی نیازمندانہ التجاؤں اور آرزوؤں کو نوازتا ہے، خدا کی نوازش ومرحمت میں صرف انسانیت کا اعتبار ہے، جس میں بھی انسانیت کی قدریں بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں، وہ خدائی انعام واکرام کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔

اس لیے استحقاق وسزاوار یہی ہیں، مرد یا عورت کے امتیاز کا کوئی سوال ہی نہیں ہے، آدم کی بیٹی دین ودیانت کے معاملے میں آدم کے بیٹے سے کسی طرح کم نہیں ہے، اس میں استعداد واستحقاق کی وہی قدریں موجود ہیں، جو مرد میں ہیں، اس لیے خدا کے فضل واحسان کی نظر میں مرد وعورت کا فرق کوئی حقیقت نہیں رکھتا، کیوں کہ یہاں "انسانیت کبریٰ" کی برتری کا سوال ہے، جو انسانوں میں نمودار ہوتی ہے، وہ انسان عورت کی صورت میں ہو یا مرد کی صورت میں، مرد وعورت کی تفریق کوئی حقیقی تفریق نہیں ہے، بل کہ ایک حقیقی امتیاز ہے۔

پس اس فرق کا اثر خدا کے فضل وکرم پر نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں عورت بھی مرد کے شانہ بشانہ چلتی رہتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی یکم اپریل ۱۹۸۳ء)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

پس ان کی دعا قبول کی ان کے رب نے، بے شک میں مرد اور عورت میں سے کسی بھی کام کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا ہوں، تمہارے بعض بعض سے ہیں۔

(پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

یہاں ان مومنوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، جو اسلام اور ایمان کی دولت سے بھرپور ہیں، جن کی زندگیاں دین کے صحیح قالب میں ڈھل چکی ہیں، اور جو رات دن اپنے پروردگار سے نیک زندگی کی دعا کرتے رہتے ہیں، فرمایا جا رہا ہے کہ ان نیک کاروں کی دعائیں مقبولِ بارگاہِ خداوندی ہوئیں، ان کی ایک ایک آرزو کو ان کے رب نے دیکھا اور سنا، اور پھر ہر طرح سے ان کی دل جوئی کی، اور پھر فرمایا جا رہا ہے کہ دعا کی مقبولیت صرف ان ہی مخصوص مقدس انسانوں کا حصہ نہیں ہے۔

بل کہ ہمارے قانونِ رحم وکرم کا ہر وہ انسان اس کا پورا پورا استحقاق رکھتا ہے، جو اپنی

زندگی ہمارے اصولِ حیات اور ضابطۂ زندگی کے سانچے میں ڈھال لے، اور مومن و مسلم کی شان پیدا کر لے، پھر اس استحقاق میں تمہاری سوسائٹی اور تمہارے ماحول کی پیدا کی ہوئی تفریق ہمارے یہاں کوئی چیز نہیں ہے، ہم نے ہر انسان میں استعداد و صلاحیت کا پورا پورا خزانہ رکھا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ جو مرد ہیں، وہ تو ہماری دی ہوئی قابلیت و صلاحیت سے نفع حاصل کریں اور جو عورت ہیں، وہ محروم رہیں، ہمارا قانونِ مجازات انسان کے لیے ہے، وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

پس مردوں کا جو طبقہ صرف مردوں ہی کو عمل و کردار کا ہیرو سمجھتا ہے، وہ انسانیت کی شناخت سے محروم ہے، حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی استعداد و صلاحیت کے مالک ہیں، اور اسلام دونوں ہی سے اپنے اعمال و ارکان کا مطالبہ برابر کرتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ر فروری ۱۹۵۲ء)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

پس ان کے پروردگار نے ان کو جواب دیا کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے مرد اور کسی عورت کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، تم میں سے بعض بعض سے ہیں۔

(پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

پروردگار کی جناب کائنات کی آخری پناہ گاہ ہے، جس میں کائنات کی ہر وہ چیز پناہ لے سکتی ہے، جو کسی بھی وقت اس بات کے لیے مجبور ہو جائے، اس دَر پر جو بھی عمل و کردار کی پونجی لے کر آتا ہے، پوری قیمت لے کر واپس ہوتا ہے، کسی کے عمل و یقین کی جزا میں یہاں ذرہ برابر کمی نہیں ہے، بل کہ سراسر عدل و انصاف ہے، اگر پورا پورا بدلہ ملتا ہے تو عدل ہے، اور اگر کام سے زیادہ نیکی ملتی ہے تو قدرت کا رحم و کرم ہے۔

جنابِ باری میں صرف انسانیت دیکھی جاتی ہے، کسی کا چھوٹا بڑا ہونا، امیر و غریب ہونا، مرد اور عورت ہونا وجہِ امتیاز ہرگز نہیں ہے، بل کہ یہاں پر ایک غریب کے عمل کی وہی قدر و منزلت

ہے جو ایک امیر کبیر کی ہے اور ایک عورت کو وہی مقام حاصل ہے، جو ایک مرد کو ہے۔

انسان خارجی اسباب اور جنسی امتیاز کے باعث امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، چاہے جو بھی ہو، مگر قدرت کی نگاہ میں سب کا مقام ایک ہے، سب آدم وحوّا کی نسل سے ہیں، سب زمین کے اوپر رہتے ہیں اور اس سے روزی حاصل کرتے ہیں، سب کے سروں پر آسمان اپنے چاند تاروں سمیت سایہ کیے ہوئے ہے، سب کی جسمانی ساخت ایک ہے، سب میں استعداد و صلاحیت کا جوہر یکساں موجود ہے، پس کوئی وجہ نہیں کہ قدرت کے قانونِ مجازات اور اصولِ جزا و سزا میں مرد اور عورت کا فرق کیا جائے اور ایک جنس کو دو نظر سے دیکھا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے جو جو اقدامات کیے ہیں، وہ کسی دوسرے مذاہب میں نہیں پائے جاتے، اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ ان پر عمل کر کے عملی طور سے ان کا ثبوت دیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی یکم اپریل ۱۹۸۳ء)

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

پس جن لوگوں نے ہجرت کی، جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے، میں ان کی لغزشوں سے ضرور بالضرور درگزر کر کے ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، یہ معاملہ خدا کی بارگاہ سے اجر و ثواب کے طور پر ہوگا، اور خدا کے یہاں تو حُسنِ ثواب ہے۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

اس دنیا کی سب سے بہترین زندگی وہی زندگی ہے، جو یہاں بھی عزت وآبرو سے گزرے اور وہاں بھی کام یاب ہو، اور اس کے لیے سب سے کام یاب وہ زندگی ہے، جو خدا کی راہ میں گزرے، سچائی اور نیکی کے لیے وقف ہو، اور حالات و واقعات کی ہزاروں ناگواریوں

کے باوجود ہنستی کھیلتی رہے، اربابِ صدق وصفا اور اہلِ حق وصداقت دنیا میں اسی زندگی کو کام یاب سمجھتے ہیں، جس میں خدا کی راہ کی تمام دشواریاں موجود ہوں اور ان دشواریوں سے گزرنے میں لذت ملتی ہو، اپنوں کی مار کھانا، غیروں سے دردمند ہونا، سماج کی نگاہ میں بُرا ہونا، گھر سے بے گھر ہونا، مال ومتاع سے محروم ہونا، آل اولاد تک کو خیر باد کہنا اور پھر ان تمام باتوں کے باوجود خدا کی راہِ مستقیم پر ڈٹے رہنا، صبر ورضا کی زندگی کی سب سے بڑی کام یابی ہے۔

یہاں ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے، جو اسلام وایمان کی راہ میں کام آئے، گھر سے بے گھر ہوئے، بستی سے نکالے گئے، تکلیف دی گئی، مگر جس قدر ان کو ان حالات سے دوچار کیا گیا، ان کی مستی بڑھتی گئی اور سچائی کا پارہ اونچا ہوتا گیا، چنان چہ ان ہی بے سہاروں نے خدا کی ذات کے سہارے مخالف گروہوں اور ناگوار حالات کا جان توڑ مقابلہ کیا، اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہوئے اور جہاد کے لیے آگے بڑھے، پھر کتنے تھے، جو غازی ومجاہد بن کر کام یابی کے ساتھ واپس ہوئے اور کتنے تھے، جو شہادت کے اعلیٰ مقام پر فائز المرام ہوئے، ان قدوسیوں کے لیے انجام کی تمام بھلائیاں مہیا ہیں، ان کو نہ دنیا میں کوئی فکر ہے، نہ آخرت میں کوئی کھٹکا۔

مسلمانو! اگر تم بھی دنیا وآخرت میں بے نیاز زندگی کے خواہاں ہو تو تمھیں بھی وقت آنے پر یہ کرنا پڑے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

پس جن لوگوں نے ہجرت کی، اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو اذیت دی گئی اور انہوں نے قتال کیا اور قتل کیے گئے، تو میں ضرور ضرور ان کی لغزشوں کو معاف کروں گا اور یقیناً ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں

جاری ہیں۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۵)

اسلام میں مَردوں اور عورتوں کے درمیان نہ عمل کی جزا کے اعتبار سے کوئی تفریق ہے اور نہ دوسرے استحقاق میں عورت مرد سے کسی درجے میں کم ہے، اسی بنا پر مسلمان مرد ہوں یا عورتیں، ان میں سے جو بھی اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار سے الگ ہوئے اور اپنے دین وایمان کی دولت لے کر انھوں نے اپنی راہ لی، اس راہ میں طرح طرح کی اذیتوں کو برداشت کیا، مالی مشکلات میں پھنسے، دماغی الجھنوں میں پڑے، معاشرتی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے اور معاشی تنگیوں نے ان کو دبایا، پھر اسی پر بس نہیں، بل کہ وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی دین وایمان کی حرارت سے اس درجہ معمور رہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جانِ عزیز جیسی متاعِ گراں مایہ تک کو پیش کر کے جہاد کیا، وہ اللہ کے دشمنوں سے نبرد آزما ہوئے اور ان کا صفایا کیا، اور خود بھی اسی راہ میں شہید ہوئے۔

ایسے پاک بازوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے کہ وہ انجام ونتیجہ کے اعتبار سے ہر طرح کام یاب ہیں، ان کے بلند کردار کی وجہ سے ان کی معمولی معمولی لغزشیں معاف کردی جائیں گی، اور ان کی ابدی زندگی کے لیے عالی شان قیام گاہ ہوگی، جو ان کی بلند وبرتر اور لافانی زندگی کی طرح بلند وبرتر اور پائیدار ہوگی، ان کے لیے جنّات اور انہار کی بہاریں ہوں گی، حور وقصور کے دن ہوں گے اور نعائم ولذات کا سماں ہوگا اور وہ اس عالَم میں رہ کر اپنی تمام پچھلی تلخیوں کو حقیقی مسرت اور دائمی لذت محسوس کریں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

تم کو دھوکے میں نہ ڈالے کافروں کا شہروں میں آنا جانا، یہ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین جگہ ہے۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۶، ۱۹۷)

مسلمان کے لیے کسی طرح سطحیت مناسب نہیں ہے اور اس کے لیے سوچ سمجھ اور فکر ونظر کی گہرائی زیب دیتی ہے، وہ مآل اندیش ہوتا ہے، اس کی نظر نتائج پر ہوتی ہے، جلد بازی اس کی فطرت کے منافی اور ہنگامی حالات ہی کو سب کچھ سمجھ لینا اس کی فہم وفراست سے بہت بعید ہے، کیوں کہ اس کے دل ودماغ میں اللہ ورسول کی تعلیم کی روشنی ہوتی ہے، اس کی فکر ونظر میں اسلامی ذوق کی متاعِ گراں ہوتی ہے، جو اسے سطحیت پسندی اور عجلت پسندی سے دور کر کے عاقبت اندیشی اور آخر بینی کا وزن دیتی ہے۔

پس مسلمان کے لیے یہ کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ وہ کفار ومشرکین کے وقتی غلبہ اور ان کی ہنگامی کام یابی سے اثر قبول کرے اور سوچنے لگے کہ کام یابی وکام رانی تو گمراہوں کے ساتھ ہے، یہ سطحیت ہے اور اس کی تہ میں جو کچھ ہے، اس سے غفلت ہے، یہ جو کفار ومشرکین دنیا پر غلبہ حاصل کیے ہوئے ہیں، یہ وقتی اور ہنگامی ہے، اس کا انجام نہایت ہی بُرا ہے، جہنم کی آگ اس صورتِ حال کا استقبال کرنے والی ہے اور خداوندی غضب اس کی خبر گیری کرنے والا ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو کفار ومشرکین کی اس وقتی کام یابی سے آزردہ خاطر ہو کر تنگ دل اور نا اُمید نہیں ہونا چاہیے، بل کہ زندگی کے میدان میں اسلامی اصول کو لے کر دوڑنا چاہیے، اور جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور کفار ومشرکین کے حالات سے تھک کر بیٹھنا نہیں چاہیے، کیوں کہ ہمارے سامنے ایک عظیم الشان مقصد ہے اور ایک اہم دنیا ہے، جو اس دنیا سے بہت زیادہ اہم ہے، ہمیں تو اس دنیا میں رہ کر اس آخرت کی دنیا کو بنانا اور سنوارنا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

تمھیں کافروں کا ملکوں اور شہروں میں آنا جانا دھوکہ میں نہ ڈالے، قلیل سامان ہے،

پھر اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین جگہ ہے۔ (پ ۴ع ۱۱سورۃ آل عمران: ۱۹۶، ۱۹۷)

اللہ تعالیٰ سے زیادہ بُردبار، صابر اور حلیم کوئی نہیں ہے، وہ اپنے بندوں کا کفر و شرک دیکھتا رہتا ہے اور ان کو روزی دیتا رہتا ہے، نہ ان کی دنیاوی زندگی میں کسی قسم کی کمی کرتا ہے، نہ ظاہری تنگی میں مبتلا کرتا ہے اور نہ ہی اہلِ ایمان کے مقابلہ میں اہلِ کفر کی زندگی میں کوئی بے لطفی پیدا کرتا ہے، بل کہ اس کے برخلاف اپنے ایمان دار بندوں کو آزمائش میں ڈال کر ان کو کبھی کبھی آزماتا ہے، جب کہ کافروں کو اس دنیا میں ہر طرح کی چھوٹ دیتا ہے، وہ جہاں چاہیں آئیں جائیں، چلیں پھریں، اڑیں، دریاؤں اور سمندروں کو پار کریں، فضاؤں اور خلاؤں میں گھسیں، صحراؤں اور میدانوں کو آباد کریں، بظاہر ان کی حکومت ہر مخلوق پر معلوم ہونے لگے، تو اس صورتِ حال سے کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیے اور ان کافروں کی اس ترقی کو دیکھ کر آزردہ خاطر نہیں ہونا چاہیے کہ فضائیں، خلائیں ان کے لیے ہیں، ملک، سلطنت پر وہ قابض و دخیل ہیں، وہ دنیا کے مالک و مختار ہیں، یہ بات ہرگز نہیں ہے۔

وہ نہ زمین کے مالک ہیں، نہ فضا پر ان کا قبضہ ہے اور نہ ہی ان کو کسی قسم کا اقتدار حاصل ہے، یہ تو بظاہر ایک معمولی سا کھیل ہے، جسے اللہ تعالیٰ ان کو دکھا رہا ہے، پھر ان کا انجام نہایت بُرا ہے، ان کا حال یہ ہے کہ ایک سانس بھی ان کے قبضہ میں نہیں ہے، مُردوں کو زندہ کرنے کے دعوے دار ایک منٹ کے لیے خود مزید زندہ نہیں رہ سکتے، قلب کو حرکت دے کر دوبارہ زندگی دینے کے دعوے دار قدرت کی ایک مار میں یوں گرتے ہیں کہ ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا، پھر ظاہری ترقی سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

نہ دھوکہ میں ڈال دے تم کو کفار کا شہروں میں گھومنا پھرنا، (دنیا کی) پونجی تھوڑی ہے، پھران کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین جگہ ہے، لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے، ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، خدا کی طرف سے ان کا قیام ہمیشہ وہاں ہوگا اور جو چیز خدا کے پاس ہے وہ نیکوں کے لیے بہتر ہے۔

(پ ۴ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸)

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، کیا مطلب؟ یعنی وہ اس میں اسلام کی قیود وحدود میں رہتا ہے، وہ شتر بے مہار کی طرح زندگی نہیں گزار سکتا، اس کی زندگی کی ایک ایک حرکت اسلامی قوانین کے ماتحت ہوتی ہے، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، جاگنا، سونا، جینا، مرنا، غرض ہر کام کے لیے شرعی ضابطہ اور دینی اصول کے ماتحت ہوتا ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو اسلام سے آزاد ہیں، ان کی زندگی کے لیے کوئی قید نہیں، نہ ان پر خدا کی طرف سے کوئی ذمہ داری ہے، نہ رسول کے احکام کا ان کو پاس ہے۔

پس ایسے آزاد منش لوگ دنیا میں جہاں چاہیں، جیسے چاہیں اور جب چاہیں گھومیں پھیریں اور چلیں، آزادانہ تجارت کریں، آزادانہ کھیل کھیلیں، اور آزادانہ دل ودماغ کے لیے سامانِ عیش وطرب فراہم کریں، ان کو کس کا ڈر؟ ان کے لیے کون سی قید؟ اور ان کے لیے کون باز پرس کرنے والا؟ یہ لوگ تو دنیا میں آزاد رہ کر آخرت کے قیدی بن رہے ہیں، یہاں مزے اڑا کر وہاں بے لطف زندگی کا سامان فراہم کر رہے ہیں، اور اس عالم کی رنگینی کو دوسرے عالم کی خوبیوں پر ترجیح دے رہے ہیں۔

پس ان کی حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر مسلمان آزردہ خاطر نہ ہوں، بے اصول لوگوں کی زندگی با اصول انسانوں کے لیے کبھی معیار نہیں بن سکتی، مسلمان تقویٰ ودیانت کا اصول لے کر چل رہے ہیں، وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ دارِ آخرت میں دائمی جنات وانہار کا

وارث ٹھہرا کر دنیا کی ساری کلفتوں کو کافور کردے، بل کہ چند روزہ تکلیف کے بدلے اَبد الآباد کی راحت بخش دے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اے ایمان والو! تم خود صبر کرو اور آپس میں صبر کو عام کرو، اور باہمی ربط و تعلق پیدا کرو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح یاب ہو۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۰۰)

دنیا کے عام انسانوں کے لیے قومی اور جماعتی اعتبار سے فلاح ونجاح اور کام رانی وکام یابی کسی وجہ سے ہوسکتی ہے، مگر مسلمان قوم کی کام یابی چند مخصوص اعتقادات اور کردار پر موقوف ہے، جب تک یہ حقائق ان کے اندر پیدا نہیں ہوں گے، ان کو کام یابی نصیب نہیں ہوسکتی۔

اول یہ کہ مسلمانوں کا ہر فرد صبر واستقامت کو شیوہ بنائے اور اپنی انفرادی زندگی کو اسی مرکز سے وابستہ رکھے۔

دوم یہ کہ قومی اور جماعتی طور سے صبر واستقامت کو اختیار کیا جائے اور کسی قومی اور جماعتی معاملہ یا الجھن میں بے صبری، گھبراہٹ، بے دلی، بددلی اور بزدلی نہ دکھائی جائے، بل کہ حالات کے مقابلہ میں عزیمت واستقامت سے کام لیا جائے۔

سوم ربطِ باہمی اور اسلامی رشتۂ اخوت کو آفاقی بنایا جائے، اور ملتِ اسلام کا ہر فرد دوسرے سے وابستہ ہو، اور سب کے سب ایک شیرازہ کے دانے ہوں، اجتماعی زندگی کے لیے اجتماعی قوت ضروری ہے، اور اس کے لیے ربطِ باہمی بنیادی پتھر ہے۔

چہارم سب سے اہم اور ضروری بات مسلمان کے لیے تعلق مع اللہ اور تقویٰ وخشیتِ الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے مسلمان کی زندگی کا ہر تصور اور ہر عمل جب تک وابستہ نہیں ہوگا، کوئی تدبیر کام نہیں دے گی، اس قوم کی طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بے نیاز ہے، جب تک اس سے وابستگی نہیں ہوگی، تمام تدابیر بے کار محض ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

اے ایمان والو! انفرادی طور پر صبر کرو اور جماعتی طور پر صبر کرو، اور مقابلہ میں مضبوطی کرو، اور اللہ سے ڈرو، تا کہ تم کام یاب ہو۔ (پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۰۰)

یہاں پر مسلمانوں کو چند ایسی بنیادی باتیں بتائی جارہی ہیں، جو ان کی دینی زندگی کے لیے اصل اصول ہیں اور خوف و بے خوفی کے ہر زمانہ میں یہ باتیں مومن کے لیے مفید ہوسکتی ہیں۔

(۱) صبر کرنا اور ثابت قدم رہنا مرد مسلمان کے لیے پہلی چیز ہے، اگر اس میں صبر کا مادہ نہیں ہے تو وہ خدا پرستی کی راہ میں کیسے ثابت قدم رہ سکتا ہے، اور بُرے حالات کے مقابلہ میں کیسے کام یاب ہوسکتا ہے، لہٰذا پہلے تو ہر مومن کو اپنے طور پر صابر و ثابت قدم رہنا چاہیے۔

(۲) آپس میں صبر و استقامت کی فضا قائم رکھنی چاہیے اور جماعتی طور پر کبھی خوف، بُزدلی اور بے صبری نہیں ہونی چاہیے۔

(۳) اور اس انفرادی اور اجتماعی قوت صبر و ثبات کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اسلام دشمن طاقتوں اور ایمان دشمن حالتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو سینہ سپر ہونا چاہیے اور رباط قائم کر کے راتوں اور دنوں میں کسی وقت دشمن کی چالوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور ان کی تمام سرگرمیوں کا محور اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہونا چاہیے۔

ایسی صورت میں فلاح و نجاح کی امید ہوسکتی ہے، اور اگر تقویٰ کی روح مسلمانوں میں نہیں ہے تو ان میں نہ صبر و ثبات کی قوت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ مقابلہ کی تاب آسکتی ہے اور فلاح و نجاح کی کوئی قوت ان حالات میں پیدا نہیں ہوا کرتی۔

مسلمان ان باتوں کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں، یہ باتیں ان ہی سے کہی جارہی ہیں، قرآن ان کی کتاب ہے اور اس کے احکام و فرامین کے مخاطب وہی ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

اے ایمان والو! خود صبر سے کام لو، دوسروں میں صبر کا جذبہ پیدا کرو، اور متحد ہو کر محافظت قائم کرو اور اللہ سے تقویٰ کی زندگی اختیار کرو، شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔

(پ ۴ ع ۱۱ سورۃ آل عمران: ۲۰۰)

(۱) خود صبر کرو۔

(۲) دوسروں میں صبر کی روح پھونکو۔

(۳) متحدہ قوت جمع کر کے اپنی محافظت کرو۔

(۴) اور ان تمام حالات میں تقویٰ کی زندگی بسر کرتے رہو۔

یہ ہے دنیا میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا معیار، اس معیار میں نہ امن و صلح کی کوئی قید ہے، نہ فتنہ و فساد کی کوئی پابندی ہے اور نہ کسی دوسرے زمانی اور مکانی حالات کا لحاظ ہے، بل کہ ہر حال میں، ہر ملک میں، ہر زمانہ میں مسلم قوم دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنے ملّی وجود کی بحالی کے لیے ان چاروں ہدایتوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔

آج مسلمان خود کہاں تک صبر و ضبط اور حلم و تحمل سے کام لیتا ہے، اپنے دوسرے بھائیوں میں کس حد تک صبر و رضا کی روح پھونکتا ہے، حفظ ماتقدم کے طور پر دینی حدود میں رہ کر کس قسم کی قوت کو جمع کرتا ہے اور کراتا ہے، اور اپنے ظاہر و باطن میں اپنے اللہ و رسول سے کس قدر ڈرتا ہے اور اپنی زندگی کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کو دین و ایمان کے حوالے کرتا ہے، اس کا اندازہ آج کی صورتِ حال میں کچھ مشکل نہیں ہے، پھر فیصلہ کر لو کہ آج مسلمانوں کی کام یابی و فلاح قرآنی نقطۂ نظر سے کیوں کر ہو سکتی ہے اور قرآنِ حکیم اپنی تصریحات کے مطابق کہاں تک مسلم قوم کو دنیا میں ایک خود دار، باعزت اور زندہ قوم کا مقام دے سکتا ہے۔

مسلمان خوب یاد رکھیں، جب تک ان کی زندگی میں یہ چار صفات پیدا نہ ہوں گی،

نہ وہ امن کے زمانہ میں امن پا سکتے ہیں اور نہ فساد کے زمانے میں چین سے رہ سکتے ہیں، اللہ نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے کہ جو انسانی گروہ اسلام کا نام زبان سے لیتا رہے اور اعتقاد و عمل میں اسلام کی حقیقت تک سے نا آشنا ہو، اسے اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ عزت و عظمت اور شان و شوکت کے تخت پر بٹھائے گا، کیوں کہ عزت و کامرانی تو اللہ کے لیے ہے، اللہ کے رسول کے لیے ہے اور مومنوں کے لیے ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ

اور یتیموں کو تم آزماتے اور سدھاتے رہو، یہاں تک کہ جب تک وہ نکاح کی عمر کو پہونچ جائیں اور اگر تم ان میں عقل مندی اور ہوش یاری پاؤ تو ان کے مال کو ان کے حوالے کر دو۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء:۶)

دھن و دولت اللہ کی بڑی نعمت ہے، دنیا میں اسی کے لیے آدمی سب کچھ کرتا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، دَر دَر کی ٹھوکر کھاتا ہے، بال بچوں سے جدا ہوتا ہے اور زمین کے ذرہ ذرہ سے اپنی قسمت کی دولت تلاش کرتا ہے، پھر اسی کی وجہ سے اپنے غیر ہو جاتے ہیں، اور غیر اپنے ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا اس کی بڑی قدر و منزلت کرنی چاہیے اور ہر طرح اس کی حفاظت کرنی چاہیے، تاکہ اس دنیا میں جب تک زندگی باقی رہے، نیک نامی، خود اعتمادی، عزت و آبرو سے گزرے اور کسی کے سامنے دست دراز نہ کرنا پڑے، کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے اور کسی کا کھانا کھانے کی باری نہ آئے اور نہ ہی کسی دوسرے انسان کی دھن و دولت کی طرف لالچ کی نظر سے دیکھنا پڑے، نہ کسی کے روپیے پیسے سے ہم میں حسد کا مادہ پیدا ہوا اور نہ ہی ہم کسی انسان کی طرف بُری نظر سے دیکھیں، جب اپنے مال کے بارے میں ہمیں ایسا خیال کرنا چاہیے اور

اس کی اس طرح حفاظت کرنی چاہیے، تو ہماری ذمہ داری ان یتیموں کے مال میں کیا ہوگی، جن کے والدین دنیا سے اٹھ چکے ہیں، اور جن کی آئندہ کی زندگی ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم اگر ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں تو وہ یتیم بچے اچھے انسان بن سکتے ہیں، اور ہماری ذرا سی غفلت سے ان کی زندگی تباہ ہوسکتی ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان کے مال و دولت کو ہم نہایت حفاظت سے رکھیں اور اس امانت کو ضائع نہ ہونے دیں، اور ان یتیموں کی پرورش کرتے کرتے جب دیکھیں کہ وہ بالغ ہوگئے اور ان میں کاروبار کا شعور پیدا ہوگیا، تو پھر ان کی دولت کو ان کے حوالے کردیں اور کہہ دیں کہ یہ اپنی دولت لو اور ذمہ داری کے ساتھ اس سے کاروبار کرو، جو لوگ یتیموں کے مال کو خود خرچ کرڈالتے ہیں، ان پر کتنا بڑا بار آتا ہے، جب کہ فرمایا جارہا ہے کہ یتیموں کو ان کا مال بغیر آزمائے اور اطمینان کیے مت دو، ورنہ تمہاری ذمہ داری میں فرق آجائے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝

مَردوں کے لیے حصہ ہے، اس چیز میں سے جسے ماں باپ اور اقرباء نے چھوڑا ہے، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جسے ماں باپ اور اقرباء نے چھوڑا ہے، وہ کم ہو یا زیادہ، یہ فرض کیا ہوا حصہ ہے۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء: ۷)

اسلام اپنی برکات اور اپنے فیوض سے ہر انسان کو یکساں بہرہ ور کرتا ہے، اور آدم کی تمام اولاد کے لیے اپنے اندر وسعت رکھتا ہے، اسلام کے اصول اور قانون کی نظر میں عورتوں کو وہی حیثیت حاصل ہے، جو مردوں کو حاصل ہے، اسلام کے تمام احکام عورتوں کے لیے بھی اسی طرح ہیں، جس طرح مردوں کے لیے ہیں، اسی طرح اس کی تمام نواہی بھی دونوں کے لیے ہیں۔

اسلام نے میراث کے معاملہ بھی اپنے تمام دوسرے معاملات کی طرح عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے حقوق کی نگرانی کی ہے اور وراثت سے ان کے حصہ کو محفوظ رکھا ہے، اور دنیا کے دوسرے تمام مذاہب کی اس کوتاہی کو اجاگر فرمایا ہے، جو خاص طور سے عورت کے بارے میں تھی۔

اسلام میں عورت کو آدم کی اولاد ہونے کی حیثیت سے کسی بنیادی حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے، البتہ شخصی امتیازات اور ذاتی حیثیات کے پیشِ نظر بعض بعض معاملات میں عورت کے لیے آسانی کا خیال کر کے ذمہ داری کم دی گئی ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کے بعض طبقوں میں آج تک عورت کو حقوق اور مواریث سے عملاً محروم کیا جاتا ہے، اور اللہ و رسول کی طرف سے فرض کیے ہوئے حقوق کو ادا نہیں کیا جاتا ہے، یہ حرکت اسلامی زندگی کے سراسر خلاف ہے، اور اس میں کسی طرح فلاح و نجاح نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾

یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے شکموں میں آگ کھاتے ہیں اور عنقریب وہ آگ میں جلیں گے۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء: ۱۰)

یتیم معاشرہ کی ایک مقدس امانت ہے، جسے مرجانے والی قوم کو سونپ جاتے ہیں، اس امانت میں خیانت کرنا بہت ہی عظیم جرم ہے اور ایسے مجرموں کے لیے سخت وعید آئی ہے، اس امانت کی خیانت یہ ہے کہ قوم کے لوگ یتیموں کی تعلیم و تربیت پر توجہ نہ دیں، ان کی دیکھ بھال سے لاپروائی برتیں اور ان کے حقوق میں کمی کریں، پھر سب سے بڑے گنہ گار وہ لوگ ہیں، جو ان معصوموں کا مال کھاتے ہیں اور ان کی رہی سہی پونجی کو ہضم کرنے میں ذرا بھی شرم

وحجاب محسوس نہیں کرتے۔

ایسے لوگ جو یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں، وہ کھانا نہیں بل کہ اپنے شکم میں آگ کھار ہے ہیں اور شکم کی جہنم کو یتیم کے مال کی دہکتی ہوئی آگ سے پُر کر رہے ہیں، اپنے پڑوس کے یتیموں کی دولت میں خرد برد کرتے ہیں اور ان کی عادت ان غریبوں کے مال تک سے باز نہیں رہتی، ایسی شریر عادت انسان کو جہنم ہی میں لے جا کر چین لیتی ہے۔

خوب یاد رکھو، ویسے تو کسی دوسرے کا مال بغیر حق کے کھانا بدترین جرم ہے، مگر یتیم کے مال کو کھانے والے بڑے ہی پاپی ہوتے ہیں اور ان کو بڑی عبرت ناک سزا ملے گی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں، وہ اپنے شکموں میں آگ کھار ہے ہیں اور وہ بہت جلد آگ میں جلیں گے۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء: ۱۰)

جن بچوں کے باپ یا ماں باپ مرجاتے ہیں، وہ یتیم ہیں، اور وہ قوم وانسانیت کے ہاتھ میں انسانوں کی مقدس امانت ہیں، ان کے ساتھ احسان وسلوک کرنا، ان کی تعلیم وتربیت اور پرورش کا انتظام کرنا اور ان کی ہر طرح کی دیکھ بھال کرنا انسانیت کے فرائض میں داخل ہے، اگر دنیا میں یتیم کی عزت وحرمت کو ختم کر دیا جائے تو پھر انسانیت پر بہت برا وقت آجائے گا، اور لوگوں کے اندر سے انسانیت کا جنازہ نکل جائے گا، اسی طرح یتیموں کے گھر بار، مال ودولت اور جائداد وسامان کی نگرانی اور حفاظت بھی نہایت اہم فریضہ ہے، اور جو لوگ اس میں کسی قسم کی کوتاہی کریں گے، وہ عبرت ناک سزا پائیں گے۔

خاص طور سے یتیم کا مال کھانا اور اس کی وراثت پر ڈاکہ ڈالنا ایسا خطرناک اقدام

ہے کہ اس کی سزا سوائے نارِ جہنم کے کچھ نہیں ہے، حقوق العباد میں یتیموں کا حق بہت ہی اہم ہے اور اس کی پامالی کی سزا بھی بہت ہی خطرناک ہے، پھر یہ پرلے درجہ کی برائی ہے کہ آدمی یتیم بچوں کے مال پر ہاتھ ڈالے، یتیم کا مال کھانے والے گویا دنیا ہی میں اپنے شکم میں جہنم کی آگ ڈال رہے ہیں اور یہیں سے اپنے عذاب کا سامان کر رہے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ ۱۰

جو لوگ یتیموں کے اَموال ناحق طریقہ پر کھاتے ہیں، تو وہ اپنے شکموں میں آگ کھاتے ہیں اور عن قریب وہ جہنم میں جلیں گے۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء:۱۰)

کسی بھی انسان کی دولت کو ظلم و ستم اور بے جا طور پر حاصل کر لینا اور اسے اپنے کام میں لانا، ایک کو زندگی کے حق سے محروم کر کے خود رہنے کے برابر ہے، خود زندہ رہنے کی کوشش کرنا اور اس کے اَسباب و وَسائل کا فراہم کرنا ہر انسان کا فطری حق ہے، مگر کسی دوسرے کے اسبابِ حیات پر ڈاکہ ڈال کر زندہ رہنا بہادری نہیں ہے، بل کہ انتہا درجہ کی بُزدلی اور سراسر ناانصافی ہے، اور ایسا کرنے والے انسانی سوسائٹی میں کسی طرح رہنے کے قابل نہیں ہیں، جب عام انسانوں کے حقِ زندگی پر ہاتھ صاف کرنے والے ہر طرح قابلِ ملامت ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو ان چھوٹے چھوٹے بچوں کا مال ظلم و ستم سے چٹ کر جاتے ہیں، جن کا دنیا میں ظاہری سہارا کوئی نہیں ہے اور خاندان یا بستی کے لوگ ہی ان کے ماں باپ ہیں، یتیموں کی زندگی بڑی قابلِ رحم زندگی ہوتی ہے، بستی کے ہر ہر فرد کے ذمہ اس کی نگرانی فرض ہے۔

پس ان حالات میں جو لوگ یتیموں کے اَموال کو ناحق کھائیں گے یا ان میں کسی قسم کی خرابی پیدا کریں گے، ان کے لیے بڑی وعید ہے، ان کے لیے یتیم کا مال جہنم کی آگ سے کسی طرح کم نہیں ہے، سوچو، جو لوگ اس دنیا ہی میں جہنم کی آگ اپنے شکم میں بھر رہے

ہیں، کل قیامت میں ان کا حال کیا ہوگا؟ اور وہ عذاب وعقاب کی منزل میں ہوں گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ﴿۱۰﴾

جولوگ یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں، وہ یقیناً اپنے شکم میں آگ لے جاتے ہیں، اور وہ آگ میں جلیں گے۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء:۱۰)

کسی شخص کا مال اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر ہضم کر لینا انتہائی درجہ کی شرارت اور انسانیت کے ساتھ بے انصافی ہے، پھر کسی مجبور و بے کس کا مال کھانا، کسی معصوم و بے گناہ کی جائیداد ہڑپ کرنا اور کسی غریب و کم بضاعت آدمی کی پونجی چھیننا بڑی بزدلی اور نامردانگی ہے، یہاں پر خاص طور سے ان معصوموں کے مال کے بارے میں فرمایا ہے، جن کے والدین کا سایہ اٹھ چکا ہے اور اب ان کی قسمت معاشرہ پر موقوف ہے، معاشرہ اور سوسائٹی چاہے تو ان کی نگرانی کر کے پرورش کے ساتھ تعلیم و تربیت نہایت اچھے طریقہ پر کرے اور چاہے تو اس کو لوٹ کھسوٹ کر کے ختم کر کے ان کو چور، ڈاکو، بدمعاش اور لچّا، لفنگا بنادے اور ان کی خبر گیری نہ کر کے ان کو بد سے بدترین انسان بنادے۔

خوب یاد رکھو، یتیموں کے بارے میں سوسائٹی پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اور ذرا سی چوک پر ان کا بڑا نقصان ہوتا ہے اور سوسائٹی سے سخت باز پرس ہوتی ہے، پھر جو لوگ ظلم وقساوت قلبی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان بے کسوں، مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کی پونجی کھا جاتے ہیں، وہ درحقیقت اپنے شکم میں آگ کھا رہے ہیں، دنیا میں آگ کھانے والے آخرت میں آگ کے حق دار ہوں گے، اس لیے یتیموں کی دولت کے بارے میں شدت سے احتیاط کرنی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾

بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال کو ظلم سے کھاتے ہیں، وہ اپنے شکم میں آگ کھا رہے ہیں، اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔ (پ ۴ ع ۱۲ سورۃ النساء: ۱۰)

اسلام مسلمانوں کے ان بچوں کو جن کی نابالغی کی حالت میں والدین یا والد قضا کر چکے ہیں، اسلامی معاشرہ میں بہت اہمیت دیتا ہے، قوم کے بچے جن سے کفالت کرنے والوں کا سایہ اٹھ چکا ہے، ان کی پرورش، ان کی تعلیم و تربیت، ان کی نگرانی، ان کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی تمام ضروریاتِ زندگی کی فراہمی مسلمانوں کے ذمے فرض ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ مسلم قوم کے بچے والدین کے مرنے سے بلا مربی کے ہو جائیں اور سوسائٹی میں ان کی قدر و منزلت نہ ہو، بل کہ اگر اللہ نے قانون و قضا کے ماتحت ان کے مربیوں کو اٹھا لیا ہے تو ان یتیموں کی زندگی تباہ و برباد نہ ہونی چاہیے، ان کی جسمانی و ذہنی تعلیم و تربیت قوم کے ذمہ فرض ہے، تاکہ وہ آئندہ وہی زندگی گزار سکیں، جو ایک ماں و باپ کا بچہ گزارتا ہے۔

یتیموں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ان کی وراثت جسے ان کے باپوں نے چھوڑا ہے، ان کی بڑی شدت سے نگرانی کی جائے، وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین و جائیداد کی شکل میں ہو، اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، عموماً لوگ سمجھتے ہیں کہ چلو اب ان کا کوئی وارث نہیں رہا۔

لہٰذا خوب لوٹ پاٹ مچاتے ہیں، اور یتیموں کے پالنے اور ان پر خرچ کرنے کے نام پر ان کا سارا تر کہ ہضم کر جاتے ہیں، لہٰذا ایسے تمام لوگوں کو چاہیے کہ وہ یتیم کے رشتہ دار ہوں یا اغیار ہوں، قرآن حکیم کی یقین دہانی ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال بے جا طریقہ سے کھاتے ہیں، وہ کھانا نہیں، بل کہ اپنے شکم میں جہنم کی آگ کھا رہے ہیں اور اس کا وبال اس

کے سر بری طرح آنے والا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

اللہ کے ذمہ توبہ کا قبول کرنا ان ہی لوگوں کے حق میں ہے، جو جہالت وحماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسے لوگوں پر اللہ توجہ کرتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۷)

انسان ضعیف البنیان مخلوق ہے، اس کے اندر خاک ساری بھی ہے اور شرارت بھی، بلندی بھی ہے اور پستی بھی، یہ آگ اور ہوا سے بھی بنا ہے، جو اپنے خواص کے اعتبار سے عدوان وطغیان کا مزاج رکھتے ہیں، اور ان میں شرارت و بلندی ہے، اور آب وخاک سے بھی بنا ہے، جن کا مقام وخیر پستی کی طرف ہے، اور جن سے طبیعت میں خاک ساری وٹھنڈک پیدا ہوسکتی ہے، اس طرح انسان مجموعۂ اضداد کا دوسرا نام ہے، یہ بندگی پر آئے تو فرشتوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دے اور بدی وبے ہودگی پر اترے تو شیاطین وجنات کو مات کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعتدالی حالت پر برقرار رکھ کر اس کی عبدیت وبندگی کو زیادہ سے زیادہ کام یاب بنانے کے لیے بدی سے بچنے کو کہا ہے اور نیکی کی تعلیم دی ہے اور انسان کو اپنی فلاح ونجاح کے لیے ایسا ہی کرنا چاہیے، لیکن اگر غلطی اور بے وقوفی سے کوئی گناہ ہو جائے اور اس کا منبع ومخرج شرارت وعدوان نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے اور جب بندہ اس غلطی کے اعتراف واقرار کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں لے جا کر آئندہ بچنے کا وعدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مغفرت کا معاملہ فرما دیتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو کام یاب زندگی بسر کرنے کی ترکیب نکال کر ہر خاطی وخطا کار کو پھر صحیح راہ دکھائی ہے اور بگڑے ہوئے لوگوں کو بننے کا موقع دیا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۹ / جولائی ۱۹۶۰ء)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، جو جہالت سے برائی کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، پس یہ لوگ ہیں جن کی توبہ کو اللہ قبول کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

(پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۷)

دنیا کے قوانین میں جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد معافی کا امکان بہت کم ہوتا ہے اور جرم کی مقرر کی ہوئی سزا بھگتنی ضرور ہوتی ہے، ہاں جب تک معاملہ اور مقدمہ عدالت تک نہ جائے، اس وقت تک غیر قانونی طور سے اس کے چھپانے کا موقع باقی رہتا ہے، مگر یہ کام بھی حکومت کی نگاہ میں جرم بن جاتا ہے۔

دنیاوی قوانین میں ایسا اس لیے ہے کہ جرائم کا انسداد ہو اور انسانی آبادی مُفسدوں اور مجرموں کی آماج گاہ نہ بن جائے، مگر اللہ تعالیٰ کے قانونِ جرم و سزا اور اصولِ مجازات کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس میں ہر جرم کی سزا ضروری ہے، اور ناممکن ہے کہ کوئی مجرم بحالتِ جرم اس سے نجات پا سکے، البتہ اس میں اتنا موقع ہوتا ہے کہ مجرم اقبالِ جرم کے ساتھ اگر آئندہ کے لیے قانونِ مجازات کو یقین دلائے کہ وہ پھر مجرمانہ حرکت نہیں کرے گا تو اس کی گلوخلاصی ہو سکتی ہے، یہ اس لیے کہ قدرت کا معاملہ دنیا کے معاملہ سے جداگانہ ہے، اور انسانی جرائم و مفاسد کا اثر نظامِ قدرت میں خلل انداز نہیں ہوتا، بخلاف دنیاوی زندگی کے کہ اس میں جرائم و مفاسد کا اثر پڑتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی عدالت میں عدل و انصاف کے ساتھ توبہ و استغفار کی بھی گنجائش ہے اور جو مجرم اپنے جرم کے اِقبال کے ساتھ پورے خلوص سے توبہ کر لے تو معافی ہے، مگر یہ معافی ان جرائم پر نہیں ہوتی، جن کو مجرم لوگ جان بوجھ کر کرتے ہیں، اور نہایت دلیری سے گنہ گار زندگی گزارتے ہیں، بل کہ یہ صورتِ حال ان لوگوں کے حق میں مفید ہوتی ہے، جو لاعلمی اور نادانی

سے کوئی جرم کر بیٹھتے ہیں، پھر جب اس کا علم ہو جاتا ہے تو بلا تاخیر فوراً اس سے توبہ کرتے ہیں، اور یہ نہیں سوچتے کہ چلو برائی کرتے ہیں، جب بڑھاپا آئے گا تو توبہ کرلیں گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹؍مارچ ۱۹۵۴ء)

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

توبہ ان لوگوں کے لیے ہے، جو لاعلمی سے بُرائی کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں کی توبہ کو اللہ قبول کرتا ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۷)

جہاں تک لغزش ہو جانے کا تعلق ہے، بشریت کا اس سے محفوظ رہنا بہت ہی مشکل ہے، کیوں کہ انسانی فطرت کی بے پناہ لچک اس کی بہت کم قدرت رکھتی ہے، اور انبیاء و مرسلین ہی عصمت و عفت کے سزاوار ہوتے ہیں، تو کیا اس بشری کمزوری کے نتیجہ میں تمام انسان خدا کے دربار میں ماخوذ و مسئول ٹھہرائے جائیں گے، اور سب کے سب قانون کے شکنجے میں کس دیئے جائیں گے؟

اس سوال کا جواب قرآنِ حکیم دے رہا ہے، اور بتا رہا ہے کہ نہیں، معاملہ ایسا نہیں ہے کہ انسان اپنی ہر کمزوری پر گرفت میں آجاتا ہے، بل کہ بہت سی لغزشیں عفو و درگزر کے دریا میں بہادی جاتی ہیں، ان کے اوپر توبہ و استغفار کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے، اور خدائے رحمٰن و رحیم کی رحمت ان کی طرف سے چشم پوشی کر لیتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام اور قرآن دنیا میں برائی کی تعلیم دیتے ہیں، اور ہر قسم کے جرم کو معاف کرنے کا اعلان کرتے ہیں، بل کہ عفو و درگزر کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، جو اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے کسی ناجائز امر کا ارتکاب کر لیتے ہیں، اور پھر معلوم ہو جانے کے بعد فوراً ہی توبہ و استغفار اور رجوع و انابت کی راہ اختیار کرتے ہیں، گناہ سے اظہارِ بیزاری کرتے ہیں،

آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا خدا سے وعدہ کرتے ہیں، اس کے دربارِ رحمت میں شرم وندامت کے آنسو گراتے ہیں، اور اپنی مجبوری کے لیے اس کی رحمت کو پکارتے ہیں۔

ایسے توابین کے لیے اللہ کے یہاں قبولیت کا دروازہ کھلا ہے، وہ ایسے مجبوروں کی دست گیری فرماتا ہے، مگر ایسا نہیں ہوسکتا کہ زندگی بھر جان بوجھ کر حرام کاری کرتے رہو اور مرتے وقت کہہ دو کہ میں سب برائیوں سے توبہ کرتا ہوں، بس اس کہنے سے نجات مل جائے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ ط

اللہ پر ان لوگوں کی توبہ قبول کرنی ضروری ہے، جو جہالت کی وجہ سے برائی کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، پس ایسے لوگوں کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے۔

(پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۷)

صحیح توبہ یقیناً انسان کا وہ کردار ہے، جو اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بنا دیتا ہے، صدق نیت اور سچے دل سے توبہ کرنے کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ گنہ گار کی معافی ہو جاتی ہے اور اسے سزا نہیں ملتی، جو کہ اس گناہ کے لیے مقرر ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ توبہ کو دنیا میں معاصی اور گناہوں کا ذریعہ بنایا جائے، اور انسان دل کھول کر گناہ کرے اور یہ خیال کرے کہ بعد میں توبہ کر کے سب کچھ گناہوں کو دھوڈالیں گے، ایسے لوگوں کے لیے توبہ سے کوئی نفع نہ ہوگا اور ایسے لوگوں کی سزا میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی، کیوں کہ توبہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اپنی غلطی سے باز آکر اور نادم وشرمندہ ہو کر اقرار واعتراف کرے کہ آئندہ وہ گناہ نہیں کرے گا اور نیک زندگی بسر کرے گا۔

اور جو لوگ توبہ کے نام پر گناہیں کرتے ہیں کہ وہ معصیت کی وبا پھیلاتے ہیں اور

اپنی زندگی کو گناہوں اور معصیت کے دریا میں غوطہ دیتے ہیں، ایسے سرکشوں، مجرموں اور نڈر لوگوں کے لیے توبہ سے کیا فائدہ ہوگا، توبہ تو ان لوگوں کے لیے مفید ہے، جو لاعلمی کی وجہ سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جب انہیں علم ہوجاتا ہے تو فوراً ہی توبہ وانابت کر کے آئندہ کے لیے بچنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

ایسے لوگ یقیناً اپنے اشکِ ندامت سے معصیت کے داغ دھو لیتے ہیں، اور رحمتِ خداوندی ان کے لیے سہارا بنتی ہے اور ایسے لوگ قابلِ رشک ہوتے ہیں، اور اس کے برخلاف وہ لوگ جو کہ جان بوجھ کر توبہ کے سہارے گناہ کرتے ہیں، انتہائی قابلِ مذمت ہیں اور یہ ان کی کھلی ہوئی بغاوت اور سرکشی ہے اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸ر ستمبر ۱۹۸۵ء)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ ط

اللہ کو ان کی توبہ قبول کرنی ضروری ہے، جو جہالت سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں، تو ان کو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۷)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم وکریم ہے، اس کا رحم وکرم بڑی سے بڑی لغزش کو ایک دم میں ختم کر کے خطاکار کو جنت کا وارث بنا دیتا ہے، اور دنیا کی نظر کا گناہ گار رحمت کی نظر میں نیکوکار قرار پاجاتا ہے، مگر یہ صورتِ حال ان ہی لوگوں کے لیے ہے، جس سے گناہ کرنے کے وقت بھی معصومیت نہیں جاتی اور گناہ میں ملوث ہوجانے کے بعد بھی ملوث ہونے نہیں پاتے، بل کہ ان کا زندہ ضمیر خدا کی جناب میں اپنی پوری متاعِ عجز کو لے کر حاضر ہوجاتا ہے اور توبہ واستغفار کر کے رحمتِ خداوندی سے اپنی بخشش کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے۔

پس توبہ ان ہی لوگوں کے لیے مفید ہے، جو خطاکار ہوتے ہیں اور غلطی سے کوئی غلط

کام کر جاتے ہیں، اور توبہ ان لوگوں کے لیے مفید نہیں ہے، جو خطا کار نہیں، بل کہ جفا کار ہوتے ہیں اور اپنی جفا کاری پر فخر کرتے ہیں، ان کو اپنی گنہ گاری پر ناز ہوتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں ہمارے زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خوب خوب عیاشی کریں اور ہر گناہ میں لگے رہیں، ایسے مجرموں کے لیے توبہ وانابت کی کوئی رعایت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کوئی لحاظ پاس نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۹ رنومبر ۱۹۷۶ء)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

توبہ کا قبول کرنا اللہ پر ان لوگوں کے لیے ہے، جو جہالت سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلدی سے توبہ کر لیتے ہیں، تو ان لوگوں کی توبہ کو اللہ قبول کرتا ہے، اور اللہ علیم حکیم ہے۔

(پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء:۱۷)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس میں خیر وشر کا مادہ بھی پیدا فرمایا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں خیر وشر کی آویزش جاری رہتی ہے اور کہیں بُرائی غالب نظر آتی ہے تو کہیں نیکی کا پلہ بھاری ہوتا ہے اور انسان ان دونوں کے مابین زندگی بسر کرتا ہے۔

اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خیر خواہی کی یہ صورت پیدا فرما دی کہ ان میں عقل دانش دے کر خیر وشر میں فرق بتایا، انبیاء ورُسل کو مبعوث فرما کر ان کے ذریعہ رَہ نمائی کی، اور بُرائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی تلقین کی کرائی، اور گناہ پر عذاب اور نیکی پر ثواب کا وعدہ فرمایا۔

بظاہر اب ساری ذمہ داری انسان پر آ گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے مزید فضل وکرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے انسانوں کو بشارت دی ہے کہ جو آدمی جہالت ونادانی سے گناہ کر بیٹھے گا اور علم ہوتے ہی اس سے معافی طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا، اور اس کی

ندامت اور اعترافِ عجز وقصور کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کی پیش کش کو اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اس کی انجانی لغزش معاف فرما دے گا، اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے، اسے انسانی زندگی کے تمام رجحانات معلوم ہیں اور وہ اپنے علم وحکمت سے کام لے کر نادان قصوروار کو معاف کر دیتا ہے اور جری مجرم کو سزا دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

اللہ تو ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے، جو بُرائی کو جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، پس اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور اللہ علیم حکیم ہے۔

(پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء:۱۷)

انسان کی کمزوری کو توبہ کا بڑا سہارا ہے، اگر توبہ نہ ہوتی تو یہ انسان کہیں کا نہ ہوتا اور اپنی نادانی اور کمزوری کی وجہ سے تباہ وبرباد ہو کر رہ جاتا، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت ومہربانی سے توبہ واستغفار، ندامت اور اعترافِ عجز واظہارِ معذرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جس سے نادان وگناہ گار بندہ بے گناہی کے دفتر میں اپنا نام ثبت کرا لیتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ توبہ انسان کے گناہ گار اور جری بننے کا سبب ہے کہ جس کا جب جی چاہا بڑے سے بڑا گناہ کر کے توبہ کر لیا، اگر ایسا ہوتا تو نعوذ باللہ توبہ گناہ کرنے کا سب سے بڑا سبب ہوتا، بل کہ توبہ واستغفار کی راہ ان لوگوں کے لیے ہے، جو نادانی اور جہالت کی وجہ سے کسی وقت گناہ میں مبتلا ہو گئے اور پھر ان کو اس کا شدید احساس پیدا ہو گیا تو فوراً توبہ واستغفار اور معذرت وندامت کا اظہار کر کے گزشتہ پر افسوس وشرم کرنے کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے پھر ایسا نہ کرنے کا اقرار کر لیا۔

ایسے حساس ونادم گناہ گاروں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان کو آئندہ گناہ نہ

کرنے کی توفیق دیتا ہے، مگر جو لوگ جان بوجھ کر رات دن گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور کسی کسی وقت زبان سے توبہ توبہ کرلیا کرتے ہیں، ان کے لیے توبہ سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور ایسے لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے، جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آجائے تو کہے اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسے لوگوں کے لیے توبہ ہے، جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں، ان کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء:۱۸)

مثل مشہور ہے کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کردیتی ہے، اسی طرح ایک بدکردار و بدعقیدہ آدمی پورے خاندان کو بدکار و بدعقیدہ بنادیتا ہے، بل کہ وہ اگر اثر و اقتدار کا مالک ہے تو پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، اور ایک فاسق و فاجر کی زندگی پورے معاشرے کو غارت کردیتی ہے، پھر اگر کسی بستی میں دوچار فاسق و فاجر ہوں تو اس میں فسق و فجور کی اودھم مچ جاتی ہے اور اِس سرے سے لے کر اُس سرے تک بدی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔

جہاں یہ صورت رونما ہوکر چند بدمعاشوں کی وجہ سے پوری بستی مجرمانہ زندگی گزارنے لگے، وہاں کچھ تو "اکابر مجرمین" ہوتے ہیں اور زیادہ لوگ "اصاغر مجرمین" ہوتے ہیں، "اکابر مجرمین" وہی گھاگھ ہوتے ہیں، جو رات دن بدی میں ملوث رہتے ہیں اور ان کے اثر و اقتدار کی وجہ سے دوسرے لوگ ان کے ہم نوا بن کر بُرے ہوجاتے ہیں یا دیکھا دیکھی بُرائی کے لیے ان کی ہمت بھی کھل جاتی ہے، جس بستی میں ایسے چند گھاگھ ہوتے ہیں، وہاں

کی ساری ذمہ داری ان کے سر ہوتی ہے، عوام تو فسق و فجور کرنے کے جرم میں مجرم قرار پاتے ہیں اور ''اکابر مجرمین'' فسق و فجور کرنے کے ساتھ فسق و فجور کرانے کے جرم میں گرفتار ہوتے ہیں، اس طرح وہ بستی کو اپنے مکر و فریب میں مبتلا کر کے درحقیقت خود ہی اپنے مکر و فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۴ء)

وَ لَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَ ھُمۡ کُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۸﴾

اور ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے، جو برائیوں کو کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے، تو کہتا ہے: میں نے اب توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کے لیے توبہ ہے، جو کافر مرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۸)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان اور بہت ہی شفیق ہے، مگر انسان کی بے راہ روی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نیازی بسا اوقات اسے الطافِ خداوندی سے نہ صرف محروم کر دیتی ہے، بل کہ اسے ہر طرح ناکام و نامُراد بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے بڑے بڑے گناہ کو معاف فرما دینے کی بشارت دی ہے، مگر کچھ ایسے گنہ گار بھی ہیں، جن کے حق میں یہ بشارت بے سود ہے، یہ وہ مجرم ہیں، جو جرائم پیشہ بن کر اپنی پوری زندگی گناہ میں ضائع کر دیتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ اس زندگی کا انجام کیا ہوگا اور ہم کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا، ان کے گناہ میں انہماک کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب بالکل آخری وقت آجاتا ہے اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ اب موت کا پنجہ نہیں چھوڑ سکتا، اور اب اس دنیا سے جانا ہی پڑے گا، تو توبہ کے الفاظ زبان پر لاتے ہیں، اور اکثر

ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کی تلقین سے ان کو یہ بات بھی نصیب ہوتی ہے۔

پس جو لوگ حرام لذتوں اور گناہوں میں اس طرح منہمک رہتے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انعام پانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور اسی طرح جو لوگ دنیا سے جاتے جاتے بھی کفر و شرک کی زندگی سے باز نہیں آتے، ان کے لیے بھی توبہ بے کار ہے اور اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے، جو گناہ کرتے رہے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ گئی تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جن کی موت کفر کی حالت میں آئی، ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۸)

بے شک اللہ تعالیٰ تواب و رحیم ہے، وہ ستار و غفار ہے اور اس کی بندہ نوازی اس کی بہترین شان ہے، مگر اس شان کا ظہور ان مجرموں اور گنہ گاروں کے لیے ہے، جو مجرم اور گنہ گار ہیں، باغی اور شریر نہیں ہیں، اور جن لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے مقابلہ میں عدوان و طغیان کام کرتا ہے، ان کے لیے توبہ و انابت کا کوئی موقع نہیں ہے، جس طرح عادی مجرموں کے لیے قانون میں کوئی لچک نہیں ہوتی، اور مشک کا فائدہ ان کو نہیں ملتا، اسی طرح عادی مجرموں اور دائمی شریروں اور سرکشوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی سے کوئی حصہ نہیں ملتا اور ایسے مجرم اور کافر انجام کے اعتبار سے ایک قسم کے ہیں اور دونوں میں محرومی قدرِ مشترک بن کر نمودار ہوتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ مسلمان عادی مجرم اور کافر میں فرق ہے، ایک اپنا مجرم ہے اور دوسرا سراسر غیر ہے، مگر انجام کی محرومی میں دونوں ہی ایک طرح کے ہیں، بعد میں جو ہوگا ہوگا، مگر قانونِ مجازات، اجراء کے وقت دونوں ہی ایک طرح کے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے محروم نہ فرمائے اور ایسی سزا نہ دے، جو کفار و مشرکین کی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰؍جولائی ۱۹۶۰ء)

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور ایسے لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے، جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آجائے تو کہے اب میں توبہ کرتا ہوں، اور نہ ایسے لوگوں کے لیے توبہ ہے، جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں، ان کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۸)

اللہ تعالیٰ غافل و نادان لوگوں کی لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کی معذرت واعترافِ عجز وقصور کی قدر فرماتا ہے، مگر وہ لوگ جو جرائم پیشہ بن کر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، اور پوری زندگی جاننے کے باوجود گناہ کرتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ گناہ کرنا کوئی جرم نہیں ہے، یہاں تک کہ جب ان کا آخری وقت آتا ہے اور جینے کی تمام امیدیں منقطع ہوجاتی ہیں، تو توبہ کرتے ہیں، اور رسمی طور سے زبان سے کہتے ہیں کہ میں اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ گناہیں نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہوں، ان کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا، اسی طرح جو لوگ پوری زندگی کفر وشرک میں بسر کرنے کے بعد موت کے دروازے پر آجاتے ہیں اور کافرانہ زندگی سے توبہ کیے بغیر مرجاتے ہیں، ان کے لیے اللہ کے یہاں معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس لیے اولاً تو گناہ ہونی نہیں چاہیے اور اگر کبھی نادانی سے ہوجائے تو فوراً توبہ کرنی چاہیے، اور آئندہ نہ کرنے کا عہد و پیمان صدق دل سے کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا درِ رحمت بندوں کے لیے کھلا رہتا ہے، مگر بندے جب شرارت کرنے لگیں تو پھر ان کے لیے اللہ کی طرف سے فضل و کرم کی کیا سبیل ہے؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۰ء)

وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور ان لوگوں کے لیے توبہ نہیں ہے، جو بُرائیاں کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب کسی کی موت آجاتی ہے، تو کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کے لیے توبہ ہے، جو کافر مرتے ہیں، ان کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء:۱۸)

توبہ و استغفار اور گناہوں پر شرم و ندامت کا اظہار خدا کی رحمت کے لیے بندے کی طرف سے مرغوب مشغلہ ہے، جب کوئی گناہ گار توبہ کرتا ہے، تو رحمت کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور شانِ کریمی تمام ناگوار واقعات پر پردہ ڈال دیتی ہے، لیکن رحمتِ خداوندی اور فیضانِ باری کا سہارا لے کر گناہوں میں غرق زندگی اور معصیت آلود حیات کے پھولنے پھلنے کی اجازت ہرگز نہیں ہوسکتی، تمام زندگی کھل کر بُرائی کرنا، اور یہ غلط خیال رکھنا کہ آخری وقت پاک مسلمان ہوجائیں گے، گناہ گار زندگی کا کھلا ہوا فریب ہے، اس میں مبتلا ہونے والے کبھی کام یاب نہیں ہوں گے، توبہ نام ہے گزشتہ معصیت کے ترک کا وعدہ کرکے آئندہ کے لیے اس سے پرہیز کا، خدا سے ندامت کے ساتھ عہد کرنے کا، اور اس کی سچائی اس وقت معلوم ہوسکتی ہے، جب انسان اپنے عمل سے توبہ کی برقراری کو ثابت کرے، اور موت کی آخری ہچکی

میں نہ عہد و معاہدہ کی فرصت ہوتی ہے، نہ حقیقتِ حال کی خبر ہوتی ہے اور نہ ہی یہ وہم و گمان باقی رہتا ہے کہ ہم آئندہ اپنے عمل و کردار سے ثابت کریں گے، بل کہ موت کی الجھن میں ایک بات منہ سے نکلوائی جاتی ہے جس کا علم ــــــــــ اس یقین کے ساتھ کہ اب مجھے حرام کاری کرنی ہی نہیں ہے، چلو توبہ ہی کرلوں، مطلب یہ ہے آخر تک اصرار علی المعصیۃ خدا کے یہاں قابلِ معافی نہیں ہے اور نہ ہی کفر کے سلسلے میں کوئی معذرت قابلِ عفو و درگزر رہے۔

غور فرمایئے، اس جگہ قرآنِ حکیم نے اصرار علی المعصیۃ یعنی آخر دم تک گناہ پر اڑے رہنے اور کفر کی توبہ نہ قبول ہونے کے بارے میں ایک قرار دیا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ

اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کو وراثت میں لو، اور ان کو اس لے علیٰحدہ نہ کرو کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے، اس میں سے بعض چیزیں تم لے لو، اِلّا یہ کہ وہ کھلی برائی کر بیٹھیں۔ (پ ۴ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۹)

مرد، عورت کے مقابلہ میں طاقت ور ہے، اس کے مردانہ حقوق کا وزن ہے، اور اسے عورت پر فوقیت دی گئی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو ایک ظالم طاقت کے حوالے کر دیا گیا ہے اور وہ طاقت عورت کو جیسے چاہے ستائے، بل کہ مرد کی بالادستی اس لیے ہے کہ انسانی گروہ میں عورت اپنی فطری نیکی اور جبلی فرشتگی کی وجہ سے ایک اشرف ترین مخلوق ہے، اس کی زندگی کا ایک ایک پہلو شیشہ سے زیادہ نازک ہے، اس میں انسانیت کے سکون کے لیے بے شمار گہوارے ہیں، اس کی کوکھ، اس کی گود، اس کی چھاتی اور اس کی تمام تر توجہ انسانیت کی آغوش ہے، جہاں سے انسان زندگی اور سکون کے بے شمار خزانے پاتا ہے، پس جب اس لطیف و نازک ہستی میں انسانی زندگی کے خزانے پنہاں ہیں تو اس کی محافظت کا بار

ان لوگوں کو اٹھانا پڑے گا، جن کے بازوؤں میں قوت ہے، جن کے سینوں میں حرارت ہے اور جن کے حوصلوں میں اِقدام واِقبال کی روح ہے، پس یہ سارے حقوق جو عورت کے مقابلے میں مرد کو دیئے گئے ہیں، ان کا منشا اس کی صنفِ نازک کی نگہداشت و دل جوئی ہے۔

اس لیے کسی مرد کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ عورت پر کسی قسم کی زبردستی کرے اور اسے مجبور سمجھ کر ستائے، عورتیں مورثِ اعلیٰ کی وراثت نہیں ہیں کہ باپ دادا کا مال سمجھ کر مرد ان کو جیسے چاہے استعمال کرے، وہ راضی ہوں یا راضی نہ ہوں، جیسا کہ عرب کے جہلاء عورتوں کے بارے میں یہی غیر انسانی رویہ روا رکھتے تھے، پھر یہ سمجھ کر کہ عورت مجبور ہے، مرد جب چاہے رکھ لے، ایسا نہیں کیا جاسکتا کہ کسی عورت کو ستانے کے لیے اسے علیٰحدہ کر دیا جائے اور اسے جو کچھ کپڑا، زیور اور نقد دیا گیا ہے، چھین لیا جائے، ان کے حقوقِ نسوانی پر ڈاکہ مارا جائے اور اسے بے یار ومدد گار سمجھ کر نکال باہر کیا جائے، اس قسم کے خام خیالات کی بنا پر مردانہ حقوق کا استعمال کرنا جفا وظلم کے ہم معنی ہے، البتہ اگر کوئی عورت اپنی مقررہ حدود سے تجاوز کر کے انسانیت کی پیشانی پر داغ لگائے یا ایسی ایسی حرکتیں کرنے لگے، جن سے مرد کا دم ناک میں آجائے اور جنسی زندگی کی خوش گوار گھڑیاں تلخ گزرنے لگیں تو پھر طلاق کا حق مرد استعمال کر سکتا ہے، اور بغیر کسی چال کے عورت کو علیٰحدہ کر سکتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

اور اے ایمان والو! عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرو، حسن وخوبی کے طریقہ سے، پس اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کرو، اور اللہ اسی میں (تمہارے لیے) بہت زیادہ خیر بنادے۔ (پ ۴ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۹)

آج جنسی زندگی جس عذاب میں مبتلا ہے، اس سے نہ مشرق بچا ہے، نہ مغرب کو

چین ہے، ساری دنیا روٹی، کپڑے کے مسئلے کی طرح اس جنسی مسئلہ کے حل کرنے سے عاجز ہورہی ہے، بل کہ مغربی ممالک، مشرقی ممالک سے زیادہ اس معاملہ میں پریشان ہیں۔

اسلام نے زن وشوئی کی زندگی کو انسانی حیات کے لیے جنت بنانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش فرمائی ہے، اوراس نے انسانوں کواس خاص معاملہ میں خاص خاص تعلیم دی ہے، میاں بیوی کی زندگی درحقیقت دواجنبی زندگیوں کوایک کرکے ایک تیسری زندگی بنائی جاتی ہے، زوجین کے مزاجوں کا اختلاف، طبع ورجحان کا اختلاف، کام کاج کا اختلاف اور رہنے سہنے کا اختلاف، عالَمِ انسانیت کی بوقلمونیوں اور دنیائے رنگ وبو کی بوالعجبیوں میں داخل ہے۔

پس جب تک دوکروڑ انسانوں کی صورتیں ایک قسم کی ہونے کے باوجودان میں ہر ایک دوسرے سے جدا ہے، اس وقت تک مزاجوں اور رجحانوں کا اختلاف بھی ضروری ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ سوفیصدی خیالات میں ہم رنگی ہوجائے، اور اختلافِ آراء کا شائبہ تک باقی نہ رہے، تو پھراس حقیقت کے بعد میاں بیوی کی یک رنگی کس طرح قائم رکھی جائے، دودلوں کو ملاکرایک دل کیسے بنایا جائے اور جنسی زندگی کی خوش گواریوں کوکن اصولوں سے قائم رکھا جائے؟

اسلام ان ہی اصولوں کو بتا کر دنیا کو ایک بڑی نعمت عطا فرما رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ مزاجوں کا اختلاف فطری ہے، مَردوں کو چاہیے کہ اپنی رفیقۂ حیات کی نزاکتِ طبع اور نقصِ خلقت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے درگزر کی رَوِش اختیار کریں، عورتوں کے معاملہ میں حُسنِ معاشرت، حُسنِ معاملات اور حسنِ تدبیر سے کام لیں، معمولی باتوں پر برگشتہ ہوجانا، شکررنجی پیدا کرلینا اور جنسی تعلقات کی نازک ولطیف کڑی کوتوڑ دینا کسی طرح دانش مندی کے موافق نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ایک مرد وقتی حالات کی بنا پر عورت سے روٹھ جائے اور اسے اس میں خرابیاں ہی خرابیاں نظر آئیں، مگر قدرت ومشیت کے علم میں آئندہ چل کر اس عورت کے اندر ہی اس مرد کے لیے بہت زیادہ خوبی کا پہلو ہو، اور ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی عورت سے رشتۂ

مناکحت جوڑے تو وہ پہلی سے زیادہ تکلیف دہ اور بارِ خاطر ثابت ہو۔

پس اے مسلمان مردو! معمولی معمولی شکایتوں کو وجہِ فساد نہ بناؤ۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

اللہ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ان لوگوں کے طریقے بیان کر دے اور تمہاری ہدایت کر دے، جو تم سے پہلے تھے، اور اللہ تمہاری توبہ کو قبول کرے۔ (پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء:۲۶)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لیے نہیں پیدا فرمایا ہے کہ اسے اپنی جباریت وقہاریت کے لیے تختۂ مشق بنائے، اور طرح طرح کی آزمائشوں میں اسے ڈال کر تپائے، بل کہ انسان اللہ کی ایک پیاری مخلوق ہے، اور خدا اس پر زیادہ سے زیادہ رحم وکرم کرنا چاہتا ہے، اس نے انسان کے لیے کچھ اُصول وقوانین دے دیئے، زندگی کے کچھ خاص طریقے بتا دیئے، افکار وخیالات کے لیے کچھ خاص راہیں کھول دیں اور کہہ دیا کہ ان ہی فطری اصولوں اور جبلی راہوں پر چل کر خدا کی نظر میں اچھے بنے رہو، سچائیوں کو اپنا کر سچوں میں شامل رہو، باطل نوازی سے بھاگ کر بطلان وجہالت کے خلاف رہو۔

اس سلسلے میں جو لوگ تمہاری مدد کریں، ان کے ساتھ رہو، ان کی سچائیوں کی تصدیق کرو، بس یہی راہ فلاح ونجاح اور کام یابی وکام رانی کی راہ ہے، پھر خدا نے ان اُصولوں کی تشریح وتوضیح کے لیے اَنبیاء ورُسل مبعوث فرمائے، اور ان کے ذریعہ گزشتہ قوموں کے اعمال اور ان کے اعمال کے نتائج سے آگاہ کیا کہ فلاں قوم نے فلاں کام کر کے دنیا وآخرت کی سرخ روئی حاصل کی اور فلاں قوم نے فلاں کام کر کے دونوں جہان کی ذلت ورسوائی حاصل کی۔

گزشتہ ایام کے یہ افسانے صرف تاریخ وافسانہ کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں، بل کہ تمہارے لیے ان میں موعظت وذکریٰ اور عبرت واثر پذیری کی راہ ہے، اے لوگو! اللہ کے

فضل واحسان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی راہ پر چلو، اور دونوں جہان میں سرخ رو ہو جاؤ، اگر اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کو نہ مانو گے تو عظیم الشان خسارے میں رہو گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۲؍اپریل ۱۹۵۴ء)

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷

اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے، اور خواہشوں کی پیروی کرنے والے چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو برے طریقہ پر پھیر دیں۔ (پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۲۷)

انسان ایک ایسے مقام پر ہے، جس کے دائیں بائیں دو متضاد حالات اور مخالف کیفیات کی رنگینیاں اسے اپنی اپنی طرف کھینچ رہی ہیں، دائیں طرف حدود اللہ کی نیرنگیاں برپا ہیں، قانونِ مجازات کے نتائج موجود ہیں، نیکیوں پر ابدی مسرتیں ہیں، برائیوں پر غم واندوہ کے مناظر ہیں، خدا پرستی کا حسین انجام اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے، اور بائیں طرف شہوتوں کی ہلاکتیں ہیں، خواہشوں کی ناعاقبت اندیشیاں ہیں، کچھ ایسے دل فریب وجاذبِ نظر مناظر و نظارے ہیں، جن پر دنیا پرستی کی نگاہ پڑتے ہی محو ہو جاتی ہے۔

قدرت نے ان دونوں حقائق کے بیچ میں عقل وخرد اور رُشد وہدایت کی روشنی دے کر انسان کو کھڑا کر دیا، اور بتا دیا کہ ان دونوں کے فوائد ونقصانات کی ذمہ داری تمہاری آئندہ روش پر موقوف ہے، پس جو لوگ عقل وخرد اور رشد وہدایت کی برکتوں سے دائیں راستہ پر لگ گئے، وہ ابدی راحتوں اور دائمی مسرتوں کے مستحق ٹھہرے اور جو لوگ اپنی بدنگاہی وغلط روی کی وجہ سے بائیں راستہ پر لگ گئے، ان کے لیے نفسانی خواہشوں اور حرام شہوتوں کی خوب فراوانی ہے، اور وہ ان ہی میں پھنس کر اپنے انسانی جوہر سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یہ بائیں طرف والے چوں کہ ہوش وخرد کی بے مائیگی کے ساتھ ساتھ ظاہری

لذتوں اور شہوانی کیفیتوں کی فراوانی رکھتے ہیں، اس لیے وہ اربابِ تسلیم و رضا کو طرح طرح سے بہلاتے پھسلاتے ہیں، اپنی طرح ان کو بھی غلط رَو بنانے کی فکر کرتے ہیں۔

یہاں پر قرآن حکیم ایسے مارآستینوں سے مسلمانوں کو آگاہ فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ اے مسلمانو! تم ان کے بہکانے میں نہ آنا، اللہ تمہاری لغزشوں کو معاف کردے گا، تم دنیا کے ان کتوں کی آواز پر کان مت دھرو، ورنہ ناقابلِ مغفرت غلطی کر بیٹھو گے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳؍اپریل ۱۹۵۴ء)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝۲۸

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان کمزور بنایا گیا ہے۔

(پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۲۸)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ذمہ کچھ احکام و اوامر ضروری قرار دیئے ہیں اور ان کے بجالانے کی تاکید ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ خوش بخت و خوش انجام ہو، اور اس کے سر سے وہ ذمہ داریاں ٹلیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد ہیں، یہی وجہ ہے کہ شریعت کے احکام و قوانین جو انسانوں پر لاگو ہوتے ہیں، ان میں ظاہری طور سے بھی انسانوں کی بھلائی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، اس اعتبار سے تم تمام شرعی احکام کو دیکھ جاؤ تو معلوم ہو کہ سب میں افادیت کا ایک ظاہری پہلو ہے، جو فی الحال انسانوں کے لیے مفید ہے، ساتھ ہی آخرت میں ان سے جو نیک نتائج ظاہر ہوں گے، وہ اپنی جگہ اٹل ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے دنیا پر عمل کرنے کی ذمہ داری ہمارے سر اس لیے ڈالی ہے کہ ہم بندگی کے حقوق کو پورا کریں اور ہماری گردن سے ذمہ داری کا بوجھ ہٹے، تو پھر ہر حکمِ خداوندی میں ہمارے لیے آسانی ہی آسانی ہے اور رحمت ہی رحمت ہے، ایسی حالت میں اسے اپنے لیے سخت اور دشوار سمجھنا اور اس سے دور بھاگنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے، اسلام نے خاص طور سے انسانوں کو

تشریعی احکام وقوانین کے سلسلے میں یہ رمز بتایا ہے اور اسی نظریہ پر عمل کی دعوت دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں دینی احکام میں وہ شدت نہیں ہے، جو انسانی فطرت کا لحاظ نہ کرے اور حالات کی حدود سے بالاتر ہوکر انسانوں کی گردن پر سوار رہے، بل کہ قرآن کہتا ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ تم پر ہر طرح کی آسانی کرنا چاہتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ انسان اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے کس درجہ کا ہے، اس لیے دینی احکام ہوا نہیں ہیں بل کہ رحمت ہیں، ان پر عمل کرو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ چاہتا ہے تم سے بار ہلکا کرے اور انسان تو ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

(پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۲۸)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو رنج و مصیبت میں مبتلا کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا ہے، بل کہ اس نے اسے اپنی قدرت کے نور کا بہترین مظہر بنایا ہے، اور اس کی فطرت وجبلت میں اس نے جو طاقتیں رکھی ہیں، ان ہی کو اجاگر ہونے کے لیے مواقع فراہم فرمائے ہیں۔

قدرت انسان سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتی، جس کی ادائیگی کے لیے اس نے اس میں استعداد وصلاحیت نہیں رکھی ہے، بل کہ ان ہی تقاضوں کے پورا کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، جن کے پورا کرنے کا مادہ اس نے انسان کے اندر رکھا ہے، اب یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنی فطری صلاحیتوں اور جبلی قوتوں کو خراب کر کے قدرت کے تقاضوں کو گراں کہنے لگے، اور ان کے پورا کرنے کی سکت اپنے اندر نہ محسوس کرے، اللہ نے اس بیماری کا بھی علاج فرمایا، اور کمالِ رحمت وشفقت سے اس نے انسانی قوتوں کی بیداری کے لیے انبیاء ورُسل مبعوث فرمائے، جنھوں نے بیمار انسانیت کو ہر طرح شفا دینے کی کوشش کی۔

اس صورتِ حال کے نتیجہ میں جو لوگ شفایاب ہو گئے، وہ اللہ کے ہر حکم کو بسر وچشم

منظور کرتے ہیں، اور اپنے اندر کسی قسم کی کوئی ناطاقتی نہیں پاتے، بخلاف اس کے جو لوگ اپنی ناکردنی کی وجہ سے شفایاب نہ ہو سکے، وہ ہر معمولی سے معمولی کام کو اپنے لیے بار سمجھتے ہیں، اور ہر موقع پر اپنی نااہلیت کا ثبوت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کسی انسان کو اپنے احکام سے زیر بار نہیں کرتا، بل کہ وہ اسے زیادہ سے زیادہ سہولت اور آسانی دینا چاہتا ہے، کیوں کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ انسان اپنے عزم وارادہ کے اعتبار سے بہت کمزور واقع ہوا ہے، اس میں فرشتوں کی سی عزیمت نہیں ہے، بل کہ انسانیت کی کمزوری ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾

اے ایمان لانے والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقین مانو کہ اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔ (پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۲۹)

وہ تمام طریقے جو خلافِ حق اور شرعاً واخلاقاً ناجائز ہوں، باطل طریقے ہیں، جس طرح تجارت اور صنعت وحرفت میں ایک شخص دوسرے شخص کی ضروریات فراہم کرنے کے لیے محنت کرتا ہے، اور وہ اس کا معاوضہ دیتا ہے، اس قسم کے مفاد ومنافع کا تبادلہ لین دین ہے، اسی طرح لین دین میں ناجائز دباؤ اور فریب ودھوکہ، رشوت اور صرف فائدے سے مطلب، اور نقصان کی ذمہ داری سے گریز ایسے اُمور ہیں، جو آپس کی رضامندی میں نہیں آتے، اس طرح دوسروں کا مال کھانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، دنیا میں اس سے تمدنی حالت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے نتائج نہایت خطرناک ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ تم کو ایسے کام سے منع کر رہا ہے، جن میں تمہاری اپنی بربادی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸ ر فروری ۱۹۷۸ء)

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ نُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾

اگر تم لوگ ان بڑے بڑے گناہوں سے بچو، جن سے تم روکے گئے ہو، تو ہم تمہاری معمولی معمولی لغزشوں سے درگزر کریں گے، اور تم کو بہترین جگہ میں داخل کریں گے۔

(پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۳۱)

فرشتے جن میں سوائے خیر کے شر کا مادہ ہی نہیں، جب ان سے غلطی ہو سکتی ہے تو انسان ضعیف البنیان کی کیا حقیقت ہے، جس کے خمیر میں "شر اور خیر" دونوں چیزیں ملی ہوئی ہیں، اسلام اس بات پر نہیں اڑتا کہ وہ انسان کو بغیر فرشتہ بنائے جنت وسرور کا تمغہ نہیں دے سکتا، اس کے قانون اور نظام میں کبھی انسان کو سراسر معصوم تصور نہیں کیا گیا، بل کہ اسلام نے انسان کو ایک ایسی مخلوق قرار دیا ہے، جس سے نیکی بھی ہو سکتی ہے اور بُرائی بھی ہو سکتی ہے، پھر اس کے بعد وہ انسان سے نیکی طلب کرتا ہے، اور مطالبہ کرتا ہے کہ برائیوں سے بچتے رہو، اور نیکیاں کرتے رہو۔

پس اگر انسان اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے کبھی کوئی برائی کر بیٹھے، بھول چوک سے کوئی گناہ کر دے، اور کسی خاص وقت میں کسی اثر کی وجہ سے کوئی خامی صادر ہو جائے تو اسلام اسے معاف کر دیتا ہے، اور اسے بنیاد قرار دے کر جزا وسزا کا مدار نہیں ٹھہراتا، البتہ جہاں تک اُصول اور قانون کا تعلق ہے، وہ اپنی جگہ پر ہے کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے، اور نیکی کا بدلہ نیکی۔

قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ اگر تم بڑے بڑے مناہی ومعاصی سے باز رہتے ہو اور تم میں اور ان کے ارتکاب میں خدا کا خوف حائل ہوتا ہے تو کبھی کبھار کی معمولی معمولی لغزشیں معاف کر دی جائیں گی، کیوں کہ یہ معمولی برائی اگرچہ برائی ہے، لیکن کبائر گناہ سے بچنے کی وجہ سے اسلام کے اصول وقوانین کی روح زخمی نہیں ہوئی۔

خوب یاد رکھو! اگر تم بڑے بڑے مناہی ومعاصی سے بچتے ہو تو معمولی معمولی

لغزشیں معاف ہوسکتی ہیں، اگر تمہاری لاپروائی نے کبائر وصغائر کی تمیز اٹھادی ہے، اور آنکھ بند کرکے تم ہر قسم کے گناہ کرتے ہو تو معمولی معمولی لغزش بھی بڑے سے بڑے خطرناک نتیجہ کی ذمہ دار ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو، جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، مرد کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے، اور تم لوگ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کیا کرو، اللہ ہر چیز کا علیم ہے۔

(پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۳۲)

جب یہ کارخانۂ عالم، عالمِ اَسباب ہے اور یہاں کی ہر چیز کسی نہ کسی حیثیت سے کسی چیز سے متاثر ہوکر وجود میں آتی ہے، تو یہاں کمی بیشی کا فرق اور آگے پیچھے کا سوال ضرور قائم رہے گا، باپ بہرحال بیٹے سے پہلے ہوگا اور اس کی سرداری ماننی پڑے گی، کام کرانے والا کام کرنے والے کے لیے قابلِ احترام رہے گا، راستہ دکھلانے والا راستہ چلنے والے کی نظر میں معزز دکھلائی دے گا۔

پس یہ بیٹے پر باپ کی برتری، راہ رو پر راہ نما کی فضیلت، چھوٹے پر بڑے کا اثر، کمزور پر شفیق زوردار کی فوقیت، مظلوم کے مددگار انسان کا مرتبہ، ایسا بنیادی امتیاز ہے، جس میں تمام انسان برابر کے شریک نہیں ہیں، خدا نے بعض چیزیں ایسی بنائی ہیں، جن کی وجہ سے بعضوں کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ تم بعینہ ان چیزوں کے پیچھے نہ پڑو، کسی کی بلندی دیکھ کر وہی

بلندی مت چاہو، کسی کی سرداری میں حصہ لگانے مت جاؤ، کسی کے مال و دولت پر ڈاکہ مت ڈالو، کسی کی امامت و سیادت اور درجہ و مرتبہ پر حسد نہ کرو، کیوں کہ خدا نے اپنے علم و قدرت کے مطابق ہر مرد اور ہر عورت کو اس کی استعداد و صلاحیت کو دیکھ کر کچھ درجات و مراتب دیئے ہیں۔

البتہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے لیے اللہ سے سوال کرو کہ وہ تمہیں بھی ان ہی خوبیوں کا وارث بنا دے، اس کے لیے دعائیں بھی کرو اور عمل سے اپنی اہلیت کا ثبوت بھی دو، اللہ تعالیٰ انسانوں کی استعداد و صلاحیت سے خوب واقف ہے، وہ کسی کو یوں ہی کوئی مرتبہ نہیں دے دیتا ہے، پس تم دوسروں کے مراتب و مناصب کے چاہنے کے بجائے اپنے لیے خود مرتبہ حاصل کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے قول و عمل سے پہلے اپنی اہلیت کا ثبوت دو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

تم لوگ تمنا مت کرو، اس چیز کی، جس سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضل دیا ہے، مردوں کے لیے حصہ ہے ان کی کمائی سے، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے ان کی کمائی سے، اور تم لوگ اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۳۲)

”فضل“ کا لفظ فضیلت اور بزرگی کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن قرآن کا عمومی استعمال روزی کے لیے ہے، اکثر جگہ روزی کو فضل کہا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا ہے، یہ انسانوں کی بستی ہے، تکوینی اَسباب کا تقاضا ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ہر شخص کو اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق حصہ ملتا ہے، اس حصہ کو دوسرا شخص حاصل کرنے کی تمنا کرے گا تو

ناکام ہوگا، کیوں کہ قدرت امید و تمنا کو نہیں دیکھتی، بل کہ استعداد اور قابلیت یعنی عمل و حرکت کے مطابق اپنا کام کرتی ہے۔

اس سلسلے میں عزت وآبرو، اولاد، عہدہ، مال، دولت، روزی سب برابر ہیں، ان میں سے کوئی چیز صرف تمنا کرنے یا جلنے بھننے سے ہرگز نہیں مل سکتی، بل کہ ان کے حصول کے لیے قابلیت کا جوہر پیش کرنا پڑے گا، ہوسکتا ہے کہ ان چیزوں میں میاں بیوی کے درمیان بھی نمایاں فرق ہو، مرد مال دار ہو، عورت غریب، یا عورت مال دار ہو، مرد غریب، ایک کے درجات دین میں یا دنیا میں بلند ہوں اور دوسرے کے حصے میں صرف یہ آرزوئیں ہوں، جب میاں بیوی کے درمیان ایسا ہونا ممکن ہے تو خاندانوں، قوموں، بستیوں اور ملکوں میں بھی یہ ممکن ہے۔

جو تجارت کی استعداد پیدا کرے گا، اس کے قدرتی نتیجے کے طور پر دولت کمائے گا، جو مزدوری کرے گا، چند پیسے شام کو گھر لائے گا، جو دن بھر اپنی بیوی بچوں کا منھ دیکھتا رہے گا، رات کو خود بھوکا سوئے گا، اور بال بچوں کو سلائے گا، اب صبح یہ شخص اٹھ کر مال داروں کو گالیاں دے، مال داری کی تمنا کرے، اور اپنے جیسوں کی انجمن بنالے تو یہ سب کیا کریں، ایسا کرنے سے گھر میں دولت نہیں برسے گی۔

البتہ اس کی نالائقی اور بے کاری فساد کا رنگ اختیار کرلے گی، نئے نئے سوالات اٹھنے لگیں گے، نئی نئی تحریکات چلیں گی، تباہی آئے گی، طبقاتی جنگ ہوگی اور کچھ نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ استعداد و قابلیت کے بغیر حصۂ قدری نہیں ملتا، جس نے جیسی صلاحیت پیدا کی، اسے ویسا ہی حصہ ملا، اس لیے آپس میں لڑنے کے بجائے اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، استعداد و حرکت کی تمنا کرو، عمل کی آرزو کرو، تاکہ تم بھی ویسے ہو جاؤ، اس کے حصہ کی چیز طلب نہ کرو، البتہ وہ استعداد پیدا کرو کہ تمہیں بھی وہی چیز مل جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے، اس کی تمنا نہ کرو، اور جو کچھ مردوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا حصہ ہے، اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا حصہ، ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (پ ۵ ع ۲ سورۃ النساء: ۳۲)

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا ہے، بل کہ ان کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں، اسی فرق و امتیاز پر انسانی تمدن کی ساری گونا گونی قائم ہے، اور یہ عین حکمت کے مطابق ہے، جہاں اس فرق کو اس کے فطری حدود سے بڑھا کر انسان اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے، وہاں ایک نوعیت کا فساد رونما ہوتا ہے۔

آدمی کی یہ ذہنیت ہے کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابلہ میں بڑھا ہوا دیکھتا ہے، بے چین ہو جاتا ہے، یہی اجتماعی زندگی میں رشک، حسد، رقابت، عداوت کی جڑ ہے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ جو فضل اسے جائز طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا، اسے وہ پھر ناجائز تدبیروں سے حاصل کرنے پر اتر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ذہنیت سے بچنے کی ہدایت کی ہے، اور بتایا ہے کہ جو فضل اس نے دوسروں کو دیا ہے، اس کی تمنا نہ کرو، بل کہ اللہ سے اس فضل کی دعا کرو، وہ جس فضل کو اپنے علم و حکمت سے تمہارے لیے مناسب سمجھے گا، عطا کرے گا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۹ر فروری ۱۹۷۸ء)

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور اگر تم لوگ میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کا خطرہ محسوس کرو تو ایک حکم مرد کی طرف سے اور ایک حکم عورت کی طرف سے بھیجو، اگر یہ دونوں فیصلہ کرنے والے اصلاح کا

ارادہ کریں گے تو اللہ دونوں کے مابین موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔

(پ ۵ ع ۳ سورۃ النساء: ۳۵)

مزاجوں کا اختلاف مسلّم ہے، دلوں کے رجحان کی تبدیلی ایک حقیقت ہے اور خیال وفکر کی رنگینی ایک واقعہ ہے اور یہ ناممکن کہ دونوں مزاجوں میں کبھی کسی قسم کا اختلاف پیدا ہی نہ ہو، میاں بیوی کی زندگی ہم آہنگی، ہم رنگی اور ہم جنسی میں اپنی مثال آپ ہے، اور دونوں کی زندگیاں باہم مل کر وہ راز بن جاتی ہیں، جن کا تجسس قدرت کا ہی کام ہوتا ہے اور انسانی فکر وخیال کی بلند سے بلند تر پرواز اس حریم راز پر، پر بھی نہیں مار سکتی ہے اور اتحاد واتفاق، یگانگت وہم رنگی کی ساری حقیقتیں اس زن وشوئی کی یکجہتی پر قربان ہیں، لیکن اس کے باوجود عین ممکن ہے کہ زن وشوئی کے لطیف تعلقات میں کبھی بال پڑ جائے، میاں بیوی کے دل میں کسی واقعہ یا غلط فہمی کی وجہ سے میل پیدا ہو جائے اور دو آمنے سامنے کے گھڑوں میں ٹکر ہو جائے، تو پھر کیا کیا جائے، ایک ذرا سی بات پر زندگی کی تمام رنگینیوں کو خیر باد کر دیا جائے، بنے بنائے گھر کو ویران کر دیا جائے اور انسانی میل ملاپ کے اس نازک حریم کی پردہ دری کر دی جائے؟ نہیں۔

اسلام ان معمولی معمولی باتوں پر انسانی زندگی کے حسین وجمیل پہلوؤں کو زخمی ہونے نہیں دیتا، وہ اس کی نگہداشت کو اصلاحِ ذات البین کے بلند وبرتر نام سے یاد کرتا ہے، اور فرماتا ہے کہ جب کبھی یہ مکروہ صورت پیش آ جائے تو صلح ومفاہمت کے لیے زوجین کا ایک ایک آدمی جو واقعات وحالات کے سمجھنے کی صلاحیت رکھے، دونوں کو جمع کیا جائے، اگر یہ دونوں نیک نیت، نیک عمل اور نیک مزاج ہوں گے اور زوجین کے درمیان صلح ومفاہمت کی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ زن وشوئی کی دنیا کو پھر آباد کرے گا، اور اس میں کسی قسم کی ویرانی آنے نہیں دے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ

النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَ مَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

بے شک اللہ نہیں پسند کرتا ہے، اس شخص کو جو تکبر کرنے والا، فخر کرنے والا ہو، جو کہ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کی تلقین کرتے ہیں اور اللہ نے جو مال ان کو دیا ہے، اسے چھپاتے ہیں، اور ہم نے کفار کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے، اور جو کہ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں، اور وہ نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، نہ یومِ آخرت پر، اور جس کا ساتھی شیطان ہو تو یہ اس کا بدترین ساتھی ہے، اور ان کے لیے کیا حرج ہے، اگر وہ اللہ اور یومِ آخر پر ایمان لائیں، اور جو روزی خدا نے ان کو دی ہے، اس سے خرچ کریں، اور اللہ ان کے حالات سے واقف ہے۔ (پ ۵ ع ۳ سورۃ النساء: ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹)

تکبر و غرور خدا کو ناپسند ہے، خدا نے انسان کو فخر و تکبر کے لیے نہیں پیدا کیا، بل کہ اپنے جوہر کو پہچاننے اور اپنی ہستی سے واقفیت کے لیے پیدا کیا ہے، یہاں خدا نے متکبروں اور فخر کرنے والوں کی صفت بیان کی ہے، متکبر وہ لوگ ہیں، جو دنیا میں بخل کرتے ہیں، خدا کی دی ہوئی دولت سے، اور دوسروں کو بھی اپنے قول و عمل سے بخل کی تلقین کرتے رہتے ہیں، غور کرو تو معلوم ہو کہ غرور کا سارا نشہ دولت کی شراب سے پیدا ہوتا ہے۔

اگر سرمایہ کی شراب انسان کے دماغ کو خراب نہ کرے تو اس میں فخر و غرور کا کیڑا نہیں پیدا ہوسکتا، اسی دماغی خرابی کا نتیجہ ہے کہ متکبر لوگ اگر کبھی کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو اپنی عزت و آبرو کے لیے اس کا پروپیگنڈا کرتے ہیں، اخبارات میں تعریف کراتے ہیں، اپنا نام چھپا ہوا دیکھ کر پھولے نہیں سماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے متکبرین بخل اور کنجوسی کی وجہ سے نہ خدا کی ذات کو پہچانتے ہیں، نہ قیامت کے قانونِ مجازات پر نظر رکھتے ہیں، وہ خود ہی خدائی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

اور جب کبھی سخاوت کرتے بھی ہیں تو تازہ بہ تازہ اس کا اجر شہرت کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی طاغوتی ہو چکی ہے، وہ خدا اور اس کے احکام سے دور بھاگتے ہیں، حالاں کہ وہ مال دار اور اربابِ استطاعت ہو کر اگر سخاوت سے کام لیں تو ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے، خدا کا قانون ہے کہ جتنا نیک کام پر خرچ کیا جائے گا، اتنا ہی خدا اور دے گا، ایسا کرنے میں ان کا کوئی نقصان نہیں ہے، بل کہ سراسر فائدہ ہی ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّكُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ اپنے اَموال کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور نہ یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ساتھی شیطان ہو تو اس کا بُرا ساتھی ہے۔

(پ ۵ ع ۳، سورۃ النساء: ۳۸)

جو لوگ اللہ کی دی ہوئی بڑائی پر قانع نہیں ہوتے اور رات دن اپنے کو بڑا بنانے کے لیے بے تاب رہتے ہیں، وہ اس کے لیے بڑی بڑی چالاکیاں چلتے ہیں، اور عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں، اگر کسی موقع پر کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کا پروپیگنڈا اس شور شار سے کرتے ہیں جیسے انہوں نے حاتم کی قبر پر لات ماردی ہے، اور سخاوت اور دریا دلی کا پرانا تمام ریکارڈ توڑ کر رکھ دیا ہے، تاکہ لوگ ان کی بڑائی کا لوہا مان لیں اور ان سے خوف زدہ اور مرعوب ہو جائیں۔

یہ حرکتیں وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات پر بھروسہ نہیں ہوتا، اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک دن قیامت آنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ حساب و کتاب

لینے والا ہے، اور ہر شخص کو اس کی نیکی اور بدی کے مطابق بدلہ دینے والا ہے، اگر وہ یہ عقیدہ رکھتے تو اخلاص وایثار سے کام لیتے اور اللہ کے نام پر جو کچھ خرچ کرتے، اس کے اَجر وثواب کے لیے ذرہ برابر ریا کاری نہ کرتے، بات یہ ہے کہ جب کسی آدمی پر بڑائی کا بھوت چھا جاتا ہے تو وہ ہر قسم کی حرکت کرنے کو بڑائی سمجھتا ہے، یہی غلط فہمی اسے تباہ کر دیتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَ مَنۡ یَّكُنِ الشَّیۡطٰنُ لَهٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ اپنے اَموال کو لوگوں کو دِکھا دِکھا کر خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر، اور جس کا ساتھی شیطان ہو تو یہ اس کا بُرا ساتھی ہے۔

(پ ۵ ع ۳ سورۃ النساء: ۳۸)

اوپر سے کفار و مشرکین اور ان کے بُرے اَعمال واطوار کا ذکر ہو رہا ہے، اسی طرح اس سلسلے میں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین کا ایک طبقہ وہ بھی ہے، جو بڑا ہی کنجوس اور بخیل ہوتا ہے، اور اگر کسی موقع پر دو چار پیسے خرچ کرتا ہے تو اپنے حواری موالی میں اس کی نمائش کرتا کراتا ہے، اور ان سے شکر اور تعریف کا صلہ چاہتا ہے، بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان ویقین رکھتے ہیں اور اس کی جناب میں عبدیت وبندگی کی تمام قدروں کو پیش کرنے کے لیے بجائے بتوں، دریاؤں، پہاڑوں اور درختوں کی خدمت میں اپنی بندگی کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، ان کم ہمت، کم ذہن اور کم عقل لوگوں میں بلند نظری، بلند حوصلگی اور بلند کرداری پیدا نہیں ہوتی، بل کہ یہ بہت ہر سطحی اور اوچھے دل ودماغ کے لوگ ہوتے ہیں اور کمینہ پن کی ہر بات ان کے لیے زیب دیتی ہے۔

پھر چوں کہ وہ قانونِ مجازات سے اپنے کو آزاد خیال کرتے ہیں، اس لیے ان کو نہ قیامت کا خیال ہوتا ہے اور نہ عذاب وثواب کا تصور ہوتا ہے، اس لیے ان کی دنیاوی زندگی شیطانی

زندگی کے مانند ہوتی ہے، اور شیطان کا ان کے رات دن ساتھ رہتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

اور جن کا ساتھی شیطان ہوا تو بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔ (پ ۵ ع ۳، سورۃ النساء: ۳۸)

انسان فطرۃً بہت ہی اچھی مخلوق ہے، جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں بہت سی صلاحتیں ہوتی ہیں اور وہ اپنے وجود اور صفات کے اعتبار سے اللہ کی ساری مخلوق میں معظم ومحترم ہوتا ہے اور دنیا میں کسی بڑی سے بڑی مخلوق کو بھی اس پر فوقیت اور فضیلت نہیں ہوتی، مگر گردوپیش کے حالات اسے متاثر کر کے بعد میں بدل دیتے ہیں، اور وہ اپنی فطرتِ صالحہ سے دور ہوجاتا ہے، گردوپیش کے بڑے اثرات مختلف قسم کے ہوتے ہیں، ان میں کتنے ایسے ہیں، جن کو انسان دیکھتا اور سمجھتا ہے اور کتنے ایسے ہیں، جن کو آدمی دیکھتا جانتا نہیں، اور غیر شعوری طور سے ان سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔

یہ اثرات عام طور سے شیطانی ہوتے ہیں، اور ابلیس کی چالوں اور کارستانیوں کے جال ہوتے ہیں، ویسے تو انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں اور جنوں میں شیطان ہوتے ہیں، اور دونوں ہی انسان کی اچھی زندگی کو بری بنانے میں اپنا اپنا کردار پیش کرتے ہیں، مگر عزازیل ابلیس اور اس کی ذریات کی شیطنت اور شرارت سب سے اونچی ہوتی ہے، جب آدمی ان سے دوستی کرلیتا ہے تو پھر نجات مشکل ہوتی ہے، کیوں کہ ان کی دوستی میں شراب وکباب، زنا وریا، جوا، شرارت اور عدوان وسرکشی کی بات انسانوں کو شہوت پرست، لذت پسند اور عیش کوش بنادیتی ہے، اور انسان اپنے خالق ومالک، اپنے دین ومذہب اور اپنے حقوق وواجبات سب کچھ یکسر بھلا کر شیطانی دوستی کا دم بھرتا رہتا ہے، اسی لیے تو شیطان کی دوستی دنیا بھر کی دوستیوں میں سب سے بُری گردانی جاتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸/اگست ۱۹۷۸ء)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر نیکی ہوتی ہے تو اسے چند دو چند کرتا ہے، اور اپنی طرف سے اجرِ عظیم دیتا ہے۔ (پ ۵ ع ۳ سورۃ النساء: ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے یہاں عدل وانصاف ہے، اس نے قانونِ عدلیہ بیان فرمادیئے ہیں، اور انسان کو بتادیا ہے کہ ہمارے یہاں ان ہی پر عمل کیا جاتا ہے، اب تم کو اختیار ہے کہ جو طریقہ چاہو، پسند کرو، اس قانونِ مجازات کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر یہ خاص فضل ہے کہ اس نے اِنعام واِکرام کے طور پر انسانوں کو زیادہ سے زیادہ نوازنے کا طریقہ پسند فرمایا ہے۔

ایک گناہ پر تو صرف ایک ہی سزا دیتا ہے، مگر نیکی کے معاملہ میں قانونِ مجازات کا رنگ دوسرا ہے، یعنی ایک جزا تو قانونی ہے، مزید کے لیے بڑی گنجائش ہے، حتیٰ کہ ایک نیکی دس گنا اور اس سے زیادہ قرار دی جاتی ہے اور اللہ کا فیض ہر خاص وعام پر یکساں ہوتا ہے۔

پس اگر کسی کو مجرم قرار دیا گیا تو اس لیے کہ اس نے جرم کیا ہے، اور اگر کسی کو نوازا گیا ہے تو اس لیے کہ اس نے نیکی کی ہے، جو ایک ہونے کے باوجود بہت سی ہوسکتی ہے، اللہ کسی کو بعض اچھائی پر نوازتا ہے، تو یہ غیر قانونی بات نہیں ہے، بل کہ یہ بھی اس کے قانون میں داخل ہے، ہاں اگر کسی کو بعض گناہ پر زیادہ سزا دیتا ہے تو ظلم ہے، مگر اس کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۹/اپریل ۱۹۵۴ء)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر نیکی ہوگی تو اسے کئی گنا کردے گا، اور اپنی طرف سے اجرِ عظیم دے گا۔ (پ ۵ ع ۳، سورۃ النساء: ۴۰)

جب قانون کا لاگو ہونا نہ کسی ملک میں ظلم ہے، نہ کسی قوم میں اسے خلاف سمجھا

جاتا ہے،تو خدا کا قانونِ عدل کس طرح ظلم کہا جاسکتا ہے، خدا کے قانون عدل و جزا میں ایک ذرہ کے برابر نہ کمی ہے، نہ زیادتی، اس کے میزانِ عدل کی تول ایک رتی کے برابر کمی بیشی کی متحمل نہیں ہے، پھر کمی کا تو اِمکان ہی نہیں۔

البتہ فضلِ خداوندی کے باعث زیادتی ہوتی ہے، اور انسانوں کے حالات اور خدا کی مرضی کے مطابق لاانتہا زیادتی ہوجاتی ہے، چنان چہ برائی کا بدلہ صرف برائی تک محدود رہتا ہے، ایک ذرہ آگے نہیں بڑھتا، اور نیکی کا بدلہ حدودِ جزا سے نکل کر کئی گنا زیادہ ہوجاتا ہے، یہ اس کے قانون کی فراخ دلی ہے، اس میں کسی کا کوئی اجارہ نہیں ہے، پس قرآن حکیم کے قول کے مطابق خوب سمجھ لو کہ برائیوں کی سزا میں ذرہ برابر زیادتی نہیں ہے۔

البتہ نیکیوں کی جزا میں کئی گنا زیادتی ہوجاتی ہے، پھر یہی نہیں بل کہ فضلِ خداوندی اپنی نگاہِ خاص سے مزید برآں اجرِ عظیم دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰

بلاشبہ اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا، اور اگر ایک نیکی ہو تو اسے کئی گنا کرتا ہے، اور اپنے پاس سے بھی مزید اجرِ عظیم دیتا ہے۔ (پ ۵ ع ۳، سورۃ النساء: ۴۰)

خدا کا قانون اور ظلم، قدرت کا اصول اور بلا اصولی، ساری دنیا کا ازلی ابدی لائحۂ عمل، اور اندھیرے میں قرآن حکیم پکار پکار کر اعلان کرتا ہے کہ قدرت کے قانون میں کسی قسم کا ظلم و عدوان نہیں ہے۔

البتہ انسانی بے راہ روی مجبور کر دیتی ہے کہ قانون اپنا کام کرے، ورنہ جہاں تک رب العلمین کے عدل وانصاف کا تعلق ہے، اس میں ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہے، بل کہ معاملہ اس کے برعکس ہے، کہ اس کی جناب میں ایک نیکی کئی کئی نیکیوں کا قالب اختیار کر لیتی

ہے، اس کی نوازش و مہربانی کا فیض یہ ہے کہ انسان اچھا کام ایک مرتبہ کرتا ہے اور اسے جب دیکھتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ساری زندگی اسی نیک کام میں گزاری ہے۔

پھر جب اللہ کے فضل و انعام کی فراوانی کا یہ عالم ہے تو اس کے قانون میں ظلم و ستم کا تصور بھی کس طرح ممکن ہے؟

بل کہ ایک نیکی کا ثواب کئی گنا ہی تک موقوف نہیں ہوتا اور مزید برآں خدا کا فضل مدد کرتا ہے، مگر یقین نہ آئے تو دنیا میں صدق دلی اور اخلاصِ نیت سے کوئی کام کر کے دیکھ لو کہ اس کے اثرات کہاں تک پہونچتے ہیں، مگر عمل کے ساتھ صدقِ نیت، اخلاص اور للّٰہیت ضروری ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۴۴﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے کہ وہ گمراہی کو خرید رہے ہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ تم لوگ گمراہ ہو جاؤ۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۴)

یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے توارات اور انجیل دی، تاکہ وہ دنیا میں ہدایت یاب ہو کر ہدایت پھیلائیں اور خود اچھی راہ چل کر دوسروں کو اچھی راہ چلائیں، مگر انہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدی اور خود نقصان میں پڑ کر دوسروں کو نقصان میں ڈالنے کی کوشش کی، فی الحال ان کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ وہ مسلمان قوم کو جس طرح سے بھی ممکن ہو، گمراہ کریں، حکومت و اقتدار کے ذریعہ، سیاست کے ذریعہ اور انسانیت و اخلاق کے نام پر غرض کہ جس طرح بھی ہو سکے، مسلمان قوم کو گمراہ کر دیں، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں، مگر ان کی کوشش یہی ہے اور رہے گی۔

اب مسلمان کا کام ہے کہ وہ ان کے اس آبائی اور قدیم نصب العین کو سمجھیں اور سمجھ کر

ان کی باتوں میں نہ آئیں اور نہ ان کے جال میں پھنس کر ان کی عہدِ رسالت سے لے کر آج تک یہی حقیقت ہر دور میں نمایاں رہی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ہر طرح مسلمانوں کو اپنا حریف بنا کر ان کو شکست دینے کی کوشش کی ہے، کبھی صلیبی جنگوں کے میدان میں، کبھی ملک گیری کے رنگ میں، کبھی علم و تحقیق اور تاریخ و تصنیف کے پردے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جال بچھائے ہیں، مسلمان کو اس صورتِ حال سے آج بھی چوکنا رہنے کی سخت ضرورت ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَۃَ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿ؕ۴۴﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے کہ گمراہی کو خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی گمراہ ہو جاؤ۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۴)

اسلام اور مسلمانوں کے بدخواہ ابتدا میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب ہی تھے، مگر چوں کہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اپنے کو ان کا مقابل سمجھتے تھے، اس لیے ان کی مخالفت اور بدخواہی بہت زیادہ اور بہت نمایاں تھی، پھر ان میں یہودی چوں کہ اقتداری اعتبار سے بھی کافی مضبوط تھے اور حجاز کی ساہوکاری ان کے ہاتھ میں تھی، اسی لیے کریلا نیم چڑھا کی مثال سی پیدا ہو گئی تھی اور ان یہودیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرنا اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔

ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان کسی طرح آگے نہ بڑھنے پائیں اور ان کا نام ہمارے نظام پر فوقیت نہ لے جا سکے، اور ہماری راہ ان کی راہ کے مقابلہ زیادہ کامیاب مانی جائے، ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ ایک طرف تورات سامنے رکھ کر اپنے معتقدوں اور عام یہودیوں سے نذرانے وصول کرتے تھے، غلط مسائل بتاتے تھے، اپنی طرف سے اس میں وقتی طور سے اضافہ کیا کرتے تھے اور پھر اپنے کو سب سے زیادہ دیانت دار، سب سے بڑا خدا پرست

اور سب سے بڑھ کر ایمان دار سمجھتے تھے، خدا کی کتاب کے بدلے گمراہی خرید تے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ نہایت اچھی راہ پر چل رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان سے متنبہ فرماتا ہے کہ تم ان سے ہوشیار رہو، اور ان کی چالوں میں نہ آؤ، یہ لوگ تم کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں، اور جب موقع پائیں گے تمہاری بدخواہی کا مظاہرہ فرمائیں گے، آج بھی یہودیوں کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ یہی ہے، یہاں تو اس کا اندازہ نہیں ہوتا، مگر جہاں یہودی اور مسلمان آباد ہیں، وہاں ان کی یہ شرارت مسلمانوں کے مقابلہ میں رہا کرتی ہے اور وہ اپنی فطرت سے باز نہیں آتے ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ﴿۴۴﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی خرید رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم راستہ بھول جاؤ۔ (پ ۵ ع ۴، سورۃ النساء: ۴۴)

یوں تو ہر انسان کی گمراہی بُری چیز ہے اور اس کا وبال پڑنے والا ہے، مگر لکھے پڑھے لوگوں کی گمراہی نہایت ہی بُری چیز ہے، اور اس کا وبال بہت ہی سخت ہے، خاص طور سے دینی اور مذہبی لوگوں کا گمراہ ہونا، اور ان کی گمراہی کا وبال پڑنا تو حد سے زیادہ مضر ہے، ان کی گمراہی سے انسانیت میں گمراہی آتی ہے اور انسانیت پر وبال پڑتا ہے، چنان چہ تاریخ انسانی کے جس دور میں یہ طبقہ گمراہ ہوا ہے، وہ دور تمام اَدوار سے زیادہ سیاہ رہا ہے، اور اس میں انسانیت بری طرح نقصان میں رہی ہے، اور جس قوم وامت میں اس کے علماء اور اربابِ دین بے راہ ہوئے ہیں، وہ قوم وامت دنیا بھر میں بدقسمت اور بدنصیب ثابت ہوئی ہے۔

اس کی بدترین مثال یہودی قوم کے علمائے دین کی گمراہی ہے، جنہوں نے اپنی قوم

کواس طرح گمراہ کردیا ہے کہ آج تک اسے دنیا میں پناہ نہیں مل رہی ہے، اور یہ قوم دنیاوی دولت وثروت اور علوم وفنون میں مشہور ہونے کے باوجود روحانی اور اَخلاقی اعتبار سے دنیا کی بدترین قوم بنی ہوئی ہے، مسلمان قوم کواس صورتِ حال سے آگاہ کر کے اسے اپنے علماء کی گمراہی سے ڈرایا گیا ہے، اوراس کے علماء کو یہودی علماء کی گمراہی کی خطرناکی سے آگاہ کر کے گمراہ ہونے سے خبردار کیا گیا ہے۔

تم دیکھ سکتے ہو کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کے مذہبی ذمہ دار گمراہ ہیں، وہ طبقہ کس قدر دینی حقائق سے دور اور فضول چیزوں سے قریب ہے، پھر دوسری نادانیاں اور گمراہیاں تو آتی جاتی رہتی ہیں، مگر دین داروں کے گمراہ ہونے سے جو عام گمراہی آتی ہے، وہ اپنی جگہ بحال رہتی ہے، بل کہ روز بروز شدت ہی اختیار کرتی جاتی ہے، اسی لیے مسلمانوں کو ان گمراہ ملاؤں سے متنبہ کیا گیا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ر جنوری ۱۹۶۹ء)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، وہ خریدتے ہیں گمراہی کو، اور چاہتے ہیں کہ تم لوگ راستہ سے بھٹک ہو جاؤ۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۴)

یہودی علما ابتداء میں موسوی مذہب کے ترجمان تھے، مگر بعد میں ان کے ناخلف ایسے لوگ پیدا ہوئے، جو اپنی خواہشوں کے ترجمان تھے، وہ بھی مذہب کے نام پر، وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور عوام پر تورات کے علم کی دھونسی جما کر خوب خوب دنیا طلبی کرتے تھے، ان میں بعد میں آنے والے ناخلف علمائے یہود نے قبر پرستی کی رسم جاری کی اور بزرگوں کی قبروں پر دھرنا دے کر بیٹھنے کا طریقہ نکالا اور نذرونیاز اور فاتحہ کے نام پر چڑھاوا وصول کرنے اور اپنی جھولی بھرنے کی راہ پیدا کی، وہ خود بھی صحیح راہ سے دور ہوئے اور اپنے عوام کو

بھی دور کیا، اور جب اسلام کا تابناک دورِ علم آیا تو انہوں نے مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنے کی ترکیبیں کیں، اور طرح طرح کے علمی اور دینی فتنے پیدا کیے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ان ناخلف علمائے یہود کا تذکرہ فرما کر مسلمان علمائے دین اور مسلمان عوام کو متنبہ فرمایا ہے کہ وہ ایسی رَوِش اختیار نہ کریں، جو سراسر گمراہی ہے، ایسی گمراہی ہے کہ اس سے نکلنے کی صورت بہت کم پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کا تابع دار بنائے اور دین کے نام پر دنیا طلبی کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو، جن کو کتاب کا حصہ دیا گیا ہے، وہ گمراہی خرید رہے ہیں، اور چاہتے ہیں تم لوگ گمراہ ہو جاؤ۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۴)

اس آیت میں ان علمائے یہود سے ہوشیار کیا گیا ہے، جو تورات کا علم رکھتے تھے اور جماعتِ یہود میں مذہبی پیشوا مانے جاتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ دین کے نام پر دنیا حاصل کرتے تھے، جاہل عوام سے روپیہ پیسہ اینٹھتے تھے، الٹی سیدھی بات بیان کر کے اپنا کام چلاتے تھے، جیسا کہ موقع دیکھا، ویسا ہی مسئلہ بیان کر دیا، جیسے لوگ ملے، ویسی ہی بات کر دی۔

الغرض علم دین اور تورات سے صرف دنیا حاصل کرنا ان کا مقصد تھا، ایسے علمائے یہود گمراہ تھے اور لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور گمراہی پھیلاتے تھے، مسلمانوں کو ان سے دور رکھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے، کیوں کہ وہ اپنی ذہنیت مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام میں ایسے ہی غلط کار قسم کے اہلِ علم ہوں، جو اس کا حلیہ بگاڑ دیں، جاہلوں کو گمراہ کریں اور خود گمراہ رہیں، یہ تو علمائے یہود کے غلط کار لوگوں کی بات تھی، ہر

مذہب میں دینی علوم کے نام پر کچھ لوگ گمراہی پھیلانے والے ہوتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہیے، خود مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہیں، ان سے اسی طرح دور رہنا چاہیے، دین کی صحیح تعلیم اور صاف ستھری حقیقت کا جاننا بہت ضروری ہے، ورنہ ذرا سی غفلت میں انسان دین کے نام پر گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، وہ خریدتے ہیں گمراہی، اور چاہتے ہیں کہ تم لوگ بے راہ ہو جاؤ۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۴)

بہترین انسان وہ ہے، جو دوسروں سے عبرت حاصل کر کے اپنی زندگی کو سنوارے، اور دوسروں کی اچھائی اور برائی دیکھ کر اپنے اندر قوتِ تمیز پیدا کرے، اور اپنے کو اچھا بنائے، خاص طور سے دینی اور مذہبی معاملات میں اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، کیوں کہ نیکی کی اس راہ سے بہت سے گمراہ انسانوں کے سامنے آتے ہیں اور اپنی بدی پر نیکی کا پردہ ڈال کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

اگر ان سے واقفیت حاصل کر کے اپنے کو محفوظ نہ رکھا جائے تو دینی زندگی میں بڑی خرابی آجانے کا ڈر ہے، دین کے نام پر دنیا کمانے والے رنگ برنگ میں عوام کے پاس آتے ہیں، کبھی عالم و مبلغ اور مفتی و واعظ کی شکل میں اور کبھی پیر و فقیر اور بابا کی صورت میں اور کبھی لیڈر اور قائد کے رنگ میں۔

یہ لوگ اپنے معاملہ میں بڑے ہوش مند ہوتے ہیں، اور عوام کو خوب پڑھے ہوتے ہیں، اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا کون سا طبقہ کس طرح ہمارے جال میں آسکتا ہے، ایسے گمراہ شدہ اور گمراہ کن لوگوں سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور ان سے

بے احتیاطی کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ گاؤں گاؤں، شہر شہر پھیل کر جاہل عوام کو دین کے حقائق سے دور کر کے اپنے گندے خیالات کے پھندے میں پھنسائے ہوئے ہیں۔

اور عوام ان کے اس طرح معتقد و مرید ہو گئے ہیں کہ اگر کوئی اصلاحِ حال کی کوشش کرے تو اسے اپنے ان پیشواؤں کے ہم زبان ہو کر کوئی ایسا خطاب دیتے ہیں، جس کے بعد پھر کسی بات کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ وہ گمراہی کو خرید رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بے راہ ہو جاؤ، اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ کی دوستی اور اس کی مدد کافی ہے۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۴، ۴۵)

یہاں یہود و نصاریٰ کے نام نہاد علماء کی قلعی کھولی جا رہی ہے کہ یہ لوگ تورات و انجیل کو تھوڑا بہت پڑھ کر عالم بن گئے ہیں، نہ ان کو دین کی روح سے کوئی واسطہ ہے اور نہ علم و عمل سے کوئی تعلق، بس انہوں نے اِدھر اُدھر سے دو چار آیتیں یاد کر لی ہیں اور عوام میں عالم بنے پھرتے ہیں، اور ان کا حال یہ ہے کہ ضلالت و گمراہی کا سودا خوب دھوم سے کر رہے ہیں، خود گمراہ ہیں، دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں، اور اپنے پیرووں کے علاوہ ان کا حوصلہ یہاں تک ہے کہ تم مسلمانوں کو بھی گمراہ کر دیں، اسی لیے وہ چھپے ڈھکے مسلمانوں سے بھی کانا پھوسی کرتے رہتے ہیں، پھر قرآن حکیم مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ تم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہو، یہ لوگ لاکھ میٹھی میٹھی باتیں کریں، مگر ان کے پھندے میں نہ آؤ، یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں، اور ان کی دوستی اور مدد کی یقین دہانی سراسر بے معنی ہے، تمہاری مدد اور تمہاری دوستی کے لیے اللہ کی ذات کافی ہے۔

افسوس کہ آج بھی امتِ مسلمہ کے بعض بعض نام نہاد علماء اسی راہ پر چل رہے ہیں،

اور چند سورتیں اور چند حدیثیں مسلمانوں کو سنا سنا کر ان سے اپنا فائدہ حاصل کر رہے ہیں، جس فتنہ سے قرآن حکیم نے ابتدا میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا تھا، آج وہی فتنہ اندر گھس رہا ہے، یہ صورتِ حال امت کے لیے نہایت خطرناک ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۷ر فروری ۱۹۵۲ء)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ؕ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ﴿۴۵﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا، وہ لوگ گمراہی مول لے رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم لوگ گمراہ ہو جاؤ، اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ کی نصرت کافی ہے۔ (پ ۵ ع ۴، سورۃ النساء: ۴۴، ۴۵)

یہودی قوم دنیا کی مجرم ترین قوم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اپنے فضل و کرم سے ہر طرح نوازا، بڑی بڑی قومی غلطیاں معاف فرمائیں اور اس قوم نے آئندہ جرم نہ کرنے کا وعدہ کیا، مگر یہ قوم آج تک انسانیت کی روح سے فیض یاب نہ ہو سکی، اور بے ایمانی، بددیانتی اور بُرائی میں اپنا جواب آپ ہے۔

یہودی قوم کے مذہبی عالموں اور پیروؤں کا حال یہ تھا کہ وہ توریت پڑھ پڑھ کر گمراہی کی راہ پر چلنے کے لیے اسی سے استدلال کرتے تھے، اور جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا، اسی کتاب کے حاملین اس سے گمراہی اختیار کرتے تھے، اور چوں کہ یہ حرکت ان کی شرست میں داخل تھی، اس لیے دوسرے ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی وہ اپنے جیسا بنانے کی فکر میں رہا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اسی حرکت سے مسلمانوں کو آگاہ فرماتا ہے اور بتاتا ہے کہ اگر تم اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو گے تو یہودیوں کی یہ چال تم پر نہیں چل سکے گی اور ان کے مقابلہ میں اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور مسلمان ان کی گمراہی میں نہیں آئیں گے، یہ وعدۂ الٰہی

مسلمانوں کے لیے ہے، جو حقیقی معنوں میں اپنے عقیدہ وعمل میں سچے پکے مسلمان ہیں، ان پر کسی گمراہ اور بد دین و بدکردار قوم کا سایہ نہیں پڑے گا، اور جو لوگ اسلام کا نام لے کر غیر اسلامی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کے لیے یہ وعدۂ الٰہی نہیں ہے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ

کیا ان لوگوں کو دیکھتے ہو، جن کو کتاب سے حصہ دیا کہ وہ گمراہی خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم کو بھی گمراہ کر دیں اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔

(پ ۵ ع ۴، سورۃ النساء: ۴۴، ۴۵)

چوں کہ مسلمان کی راہ ہر مذہب والے سے جدا ہے اور اسے سب سے امتیاز حاصل ہے، اس لیے تمام دیگر مذاہب اس کے حریف بن کر اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، خاص طور سے وہ مذاہب جو اپنے پاس آسمانی کتاب ہونے کے دعوے دار ہیں، وہ رقیب کی طرح اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، اور ان کو جب بھی اثر واقتدار حاصل ہوتا ہے، دین وایمان اور مسلمانوں کے درپے رہا کرتے ہیں، وہ طرح طرح سے چال چلتے ہیں اور طرح طرح سے نقصان پہونچاتے ہیں، اور ان سب میں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے قرآن کے بارے میں دھوکہ دیا جائے اور ایمان ویقین کی خرابی پیدا کی جائے، اس کے لیے وہ کبھی سیاسی فوقیت سے کام لیتے ہیں، کبھی علم وتحقیق کے نام پر سامنے آتے ہیں اور کبھی افکار وخیالات اور سائنس وفلسفہ کی راہ سے اپنا کام کرتے ہیں۔

غرض کہ مسلمان کو گمراہ کرنے کے لیے ہر طرف سے حملہ آور ہوتے ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ان کی چالوں کو ناکام کرتا ہے، ورنہ وہ دشمنانِ دین وایمان معلوم نہیں کیا کر ڈالتے اور اسلام اور مسلمانوں کو کیا کیا نقصان پہونچاتے، مسلمانوں کو

چاہیے کہ ان کی چالوں سے ہوشیار رہا کریں اور اپنے دین وایمان، عقیدہ وعمل پر شدت سے جمے رہیں، چاہے غیروں کی طرف سے قدامت پسندی اور رجعت پسندی کے کتنے ہی طعنے دیئے جائیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ زیادہ علم رکھتا ہے تمہارے دشمنوں کا، اور اللہ تمہاری دوستی کے لیے کافی ہے، اللہ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۵)

تم چیختے چلاتے ہو کہ ہمیں دشمنوں نے گھیر لیا، ہم بے سہارا ہو گئے، ہماری نگہداشت کرنے کے لیے کوئی طاقت نہیں ہے، جدھر دیکھو ہماری خرابی ہی خرابی ہے، مذہبی معاملات خراب نہیں ہیں، تجارتی معاملات ردّی ہیں، اقتصادی معاملات بد سے بدتر ہیں، معاشی حالات ابتر سے ابتر ہیں۔

غرض کہ بدحالی نے ہر طرف ہمیں گھیر رکھا ہے، اور کسی طرف سکون کی صورت نظر نہیں آتی، سوال یہ ہے کہ یہ سب تمہارے پیدا کیے ہوئے قابوس ہیں، جو تمہارے ذہن ودل پر سوار رہا کرتے ہیں، یا واقعات وحقائق ہیں، جن سے تم دوچار ہو گئے ہو، بتاؤ تم دینی زندگی بسر کرنا چاہو تو کون طاقت ہے، جو تمہاری نماز روزہ کو بند کر دے گی، تمہارے آثار ورسوم کو ختم کر دے گی، اور تمہارے گھر پر دھاوا بول دے گی کہ نماز روزہ مت کرو، سچائی مت اختیار کرو، خوش اَخلاقی مت برتو، قرآن کی تلاوت اور اس پر عمل مت کرو، اور اگر تم بازار میں کوئی سودا لے کر جاؤ تو کون ہے، جو تمہیں اٹھا دے گا، تمہاری دکان اجاڑ دے گا، اور تمہارا بائیکاٹ کر دے گا، اگر خوش اَخلاق، خوش سیرت اور خوش مذاق زندگی گزارنا چاہو تو کون ہے، جو تم کو ان سے باز رکھنے کی ترکیب میں کامیاب ہو سکتا ہے؟

سوچو کہ یہ سب تم نے خود ہی بے عمل بن کر چھوڑ دیا ہے، یا دوسروں نے بند کروا دیا ہے،

خوب یاد رکھو! اگر تمہاری روح بیدار ہے، عملی قوتیں جاگ رہی ہیں، اعتقادی عزائم ہنس رہے ہیں اور تم ایک زندہ دل، زندہ ذہن اور زندہ قوم کی زندگی گزارنے کے متمنی ہو، اور تمنا صرف تمنا ہی تک نہیں رہ گئی، بل کہ زندگی کے آثار پھوٹ پھوٹ کر اجاگر ہو رہے ہیں تو کوئی طاقت تمہیں نیچا نہیں دکھا سکتی، خوش عقیدہ، خوش فعل اور خوش نظریہ قوم کا ساتھ اللہ تعالیٰ دیتا ہے، اگر تم مسلمان ہو تو اللہ تمہارے دشمنوں سے نمٹ لے گا، تمہاری مدد کے لیے وہ کافی ہے، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، مگر سوال یہ ہے کہ تم کہاں تک اس کے مستحق بن رہے ہو، یقین کر لو کہ آج اسّی فی صدی سے زیادہ پریشانیاں خود تمہارے ذہن کی الجھنیں ہیں، جن کو تم نے اپنے خیال کے سامنے دیوار بنا کر کھڑا کر دیا ہے، ذہنی دیوار کا کوئی علاج نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

بے شک اللہ نہیں بخشے گا، اپنے ساتھ شرک کرنے کو اور بخش دے گا، اس کے علاوہ جو چاہے گا، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس نے اللہ کی طرف بہت بڑے گناہ کی نسبت کی۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کرنا اور کسی مخلوق کو اس کے برابر کسی بھی معاملہ میں قرار دینا وہ جرمِ عظیم ہے، جس کی مغفرت وبخشش ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی، اور مشرک کبھی نہیں بخشے جائیں گے، شرک کے علاوہ ہر چھوٹا بڑا گناہ قابلِ عفو ہے اور اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرما دے، مگر شرک ہرگز معاف نہیں کرے گا، اور یہ اس کا عین انصاف ہے، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں بندوں کا رخنہ ڈالنے کی کوشش کرنا اور اپنی طرف سے گویا اس کا انکار کر کے دوسری مخلوقات کو بھی اسی طرح کا ماننا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں خروج وبغاوت کا کھلا ہوا مظاہرہ ہے، گناہ اور خطا تو بندوں کی کمزوری ہے، مگر شرک شہ زوری اور سینہ زوری ہے، اس

لیے انسانی کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ عفو ودرگزر کے دامن میں چھپالے گا، مگر انسان کی بغاوت وخروج کی سزا بہرحال مل کر ہی رہے گی اور اس کی بخشش کی صورت ہرگز نہیں نکل سکتی، جو لوگ استھانوں پر بتوں کی پوجا کرتے ہیں یا قبروں پر مُردوں کی پوجا کرتے ہیں، اسلامی عقیدہ توحید کی روسے ان کے لیے نجات نہیں ہے، ان کو چاہیے کہ وہ جلد از جلد شرک سے توبہ کر کے توحیدِ الٰہی اختیار کریں اور اپنی عاقبت کو درست کرلیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَ يَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰٓى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾

اللہ اپنے ساتھ شرک کرنے کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کردے، اور جس نے خدا کے ساتھ شریک کیا تو اس نے بہت بڑے گناہ کا افترا باندھا۔

(پ۵ ع۴ سورۃ النساء:۴۸)

اَعمال وحرکات کا سرچشمہ اعتقاد ویقین ہے، انسان جس قسم کے عقیدہ کا حامل ہوگا، اس کے اعمال وکردار میں اسی قسم کی آمیزش ہوگی، اسی لیے اسلام سب سے پہلے اعتقاد کی صفائی کے لیے توحید ورسالت کا بے غبار عقیدہ سنوارتا ہے، اگر اس میں ذرہ برابر بھی غبار ہوگا، تو پھر اسلام اور ایمان کے اس سوراخ سے عمل وکردار کا صاف شفاف پانی نہیں نکل سکتا، اسی لیے اسلام اعتقاد کو اصل قرار دے کر اَعمال کو اس کی فرع قرار دیتا ہے، اور عملی کمزوریوں سے درگزر کرنے کے باوجود اعتقادی کمزوری یعنی شرک کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔

قرآن حکیم اس کی جڑ یعنی عقیدۂ توحید کو جس پر سارے دین وایمان کی بنیاد ہے، ذرا بھی غبار آلود دیکھنا نہیں چاہتا، اس کے نزدیک خدا کی ذات کے ساتھ ذاتی شرک ہو، یا صفاتی شرک ہو، قابلِ عفو نہیں ہے، ذاتی شرک یہ ہے کہ کسی غیر کی ذات کو خدا کے مانند سمجھ لے، اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے، جو اپنے خدا کے ساتھ کرتا ہے، اور صفاتی شرک یہ ہے کہ خدا

کی صفات میں کسی کو شریک کرے یعنی جس طرح خدا ہر بات کو سننے والا، دیکھنے والا، ہر مراد کو دینے والا اور ہر جگہ حاضر رہنے والا ہے، اسی طرح اس کی کوئی مخلوق سننے والی، دیکھنے والی، دینے والی اور حاضر رہنے والی ہے، شرک کی یہ دونوں قسمیں ہرگز معاف نہ ہوں گی، ان کا ارتکاب کوئی بھی کرے، دنیا اسے مسلمان سے پکارے، یا کافر کے نام سے، خدا کی جناب میں وہ مشرک ہے، یعنی اس کی مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھ رہے ہو، جو اپنی جانوں کا خود تزکیہ کرتے ہیں اور اپنی صفائی کی ڈینگ مارتے ہیں، بل کہ اللہ جسے چاہتا ہے، پاک کرتا ہے، اور ان پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۹)

دین و دیانت اور اَخلاق و شرافت کی جانی پہچانی اور حقیقی راہوں سے بھاگنا اور پھر شیخی مارنا کہ ہم بہت ہی شریف اور خلیق لوگ ہیں، ہمیں اپنے اُصولوں کی روشنی میں زندگی کی تمام قدریں حاصل ہو جاتی ہیں، اخلاق اور روح کا تزکیہ وہ لوگ کریں، جو گرے پڑے ہیں، اور ان کی زندگیاں گھٹیا درجہ کی ہیں، ہم تو خود ہی اونچے دل و دماغ اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہیں، کیا ضرورت ہے کہ کسی اصول اور قانون کی بندش میں پڑیں، یہ باتیں ایسی ہیں جیسے بھاڑ میں سو کر مکّے کا خواب دیکھنا، اگلے زمانے کے بڑے لوگ انبیاء و رُسُل کے مقابلہ میں اپنی برتری کو اسی رنگ میں پیش کرتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ دین و ایمان کی باتیں ایسے لوگوں کو سنانی چاہئیں، جو معمولی درجہ کی زندگی گزارتے ہیں، ہم مہذب و متمدن لوگوں کے لیے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

آج بھی پہلے کے "بڑوں" کے جانشین ایسے "بڑے لوگ" موجود ہیں، جو اخلاق

وانسانیت، کردار وعمل، اعتقاد ویقین اور دیانت وروحانیت کے اصولوں کو اس لیے نہیں مانتے کہ وہ اپنے زعم میں کہ وہ بہت اونچے طبقہ کے لوگ ہیں، ان کی تعلیم اونچی ہے، ان کے پاس ڈگریاں اُونچی ہیں، ان کی سوسائٹی اونچی ہے، ان کے اَفکار وخیالات کی قدریں بہت اُونچی ہیں، ان کے اٹھنے بیٹھنے کے مقامات اونچے ہیں۔

قرآن ایسے تمام نئے اور پرانے "بڑوں" اور "اونچوں" سے کہتا ہے کہ خدا جسے اخلاق وانسانیت سے بلند کرتا ہے، وہ لوگ بلند ہوتے ہیں، انکار کرنے کے لیے خود کو بڑا سمجھنے سے بڑائی نہیں آتی، اَخلاق کی پاکی عمل وکردار کی صفائی، اَفکار وخیالات کی طہارت کی راہ خدائی نظامِ زندگی میں ملتی ہے، اور اسی سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، پس آج کے ناپاک ونجس لوگ اپنے آپ کو پاک وصاف کہنے سے پاک وصاف نہیں ہوسکتے، بل کہ ان کو اصلاح وتزکیہ کے دینی اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو، جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہیں اور بڑے پاکیزہ لوگ بنتے ہیں، بل کہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے، اور لوگ ذرا بھی ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ (پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۹)

بہت سے خود فریب لوگ ہر وقت تقویٰ وطہارت بگھارتے رہتے ہیں اور اپنی بزرگی اور تقدس کو ظاہر کرتے رہتے ہیں، بات بات پر اپنی دیانت داری کو اجاگر کرتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو بے عمل اور بُرا ثابت کرتے ہیں اور حقیر سمجھتے ہیں، خود فریبی کا یہ جال کوئی نیا جال نہیں ہے، بل کہ شیطان نے اولادِ آدم کے لیے اسے بہت پہلے سے پھیلا رکھا ہے اور دامانِ حکایت کی پاکی بڑھانے والے اپنے دامن اور بند قبا سے بہت مدت سے بے خبر رہے ہیں۔

یہاں ان یہودیوں کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے، جو نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے، خود کو بہت ہی پاک وصاف اور بزرگ گردانتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اس قسم کی دعوت کی ضرورت نہیں ہے، ہم خود ہی بزرگ ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے تمام فریب میں مبتلا لوگوں کو متنبہ فرمارہا ہے کہ اپنی پاکیزگی کی بڑھ مارنا کسی طرح جائز نہیں ہے، کسی کو دین ودیانت کی نعمت سے سرفراز فرمانا خدا کی بہت بڑی نعمت ہے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، اس نعمت سے نوازتا ہے۔

لہٰذا کسی اصلاحی دعوت کو قبول نہ کرنے کے لیے یہ کہنا کہ ہمیں اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ہم لوگ تو پہلے ہی سے پاک زندگی گزارتے ہیں، یہودیوں کی پیروی ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلام اور مسلمانوں کے نام پر جو بھی اصلاحی دعوت شروع کی جائے اس پر وہ لبیک کہیں اور دین کی مدد کرکے اپنا فرض ادا کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھ رہے ہو، جو اپنے نفسوں کی پاکی کا دعویٰ کرتے ہیں، بل کہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(پ ۵ ع ۴ سورۃ النساء: ۴۹)

دین ودیانت پر عمل نہ کرنا، اور خدا اور رسول کے اوامر ونواہی سے روگردانی کرنا اور پھر اپنی نیکی وپاک بازی کا لوگوں میں موقع بہ موقع چرچا کرنا اور بہت پارسا اور پاک باطن بننا ہے، بڑی خوف ناک ڈھٹائی ہے، اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات ہے۔

عہدِ رسالت میں منافقوں کا گروہ اس خود فریبی کے مرض میں مبتلا تھا، وہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں سے جی چراتا تھا، اور مسلمانوں کی عملی زندگی کا مذاق اڑاتا تھا، مگر

جہاں موقع ملتا فوراً اپنی پاک نفسی، پاک باطنی اور پاک طبعی کا پروپیگنڈہ کر دیتا تھا۔

یہی حال اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا بھی تھا، یہ لوگ بھی اسلام اور پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کی باتوں کی ہنسی اڑاتے تھے اور کسی بات کو تسلیم کرنا تو درکنار، ہر بات پر تنقید کرتے تھے، مگر اپنی مجلسوں میں بڑے اللہ والے، بڑے جنتی اور بڑے پاک وصاف بنتے تھے، آج ان لوگوں کے جانشین موجود ہیں، اور اپنی بے عملی، بل کہ بدعملی کے ساتھ اپنی پاک نفسی اور پاک دامنی کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔

یہ لوگ مذہبی لوگوں سے ملتے وقت ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں اور ایسے ایسے مسائل دریافت کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تمام رخصتیں اور لوگوں کے لیے ہیں اور جتنی عزیمتیں ہیں، ان سب پر یہ بیچارے عمل کرتے ہیں، حالاں کہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ سیدھے سے پانچ وقت کی نماز تک نہیں پڑھتے۔

جب مکاری اور ریاکاری جو نیک کام کرنے پر ہوتی ہے، بُری چیز ہے، تو نیکی نہ کرنے کے باوجود اپنے کو نیک ظاہر کرنا کتنا بُرا ہوگا، اس کا اندازہ قرآنِ حکیم کی اس تصریح سے لگاؤ۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۵؍اپریل ۱۹۵۴ء)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے، وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہو۔ (پ۵ ع۵ سورۃ النساء:۵۱)

دنیا میں ہٹ دھرمی اور اپنی پچ میں انسان کہاں سے کہاں نکل جاتا ہے اور اس طرح اندھا بن جاتا ہے کہ اسے اپنی ہستی اور حقیقت تک کی خبر نہیں ہوتی، جب عقل و ہوش کا اس طرح

دیوالیہ نکل جاتا ہے تو پھر انسان بلا سوچے سمجھے منہ سے جو کچھ چاہتا ہے، بکتا رہتا ہے، اسے اس بات کی مطلق پروا نہیں ہوتی کہ جو بات منہ سے نکل رہی ہے، وہ کہاں تک جاتی ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے، یہاں عہدِ رسالت کے ان یہودیوں کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے، جو تورات کو پڑھتے تھے اور اپنی سرداری کے ماتحت اس کے اَحکام و آیات میں خُرد بُرد کرتے تھے۔

ان کی ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ اسلام دشمنی میں پڑ کر کفار و مشرکین کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ صرف اچھا سمجھتے تھے، بل کہ مسلمانوں کو گمراہ اور کفار کو راہ یاب کہتے تھے، اس طرح عقل و خرد کی آنکھ میں دھول جھونک کر پارٹی بازی اور گروہ بندی کا حق ادا کر رہے تھے، آج بھی ان یہودیوں کی چال جاری ہے اور ان کی پیروی کرنے والے اپنی ہٹ دھرمی اور پیچ میں پڑ کر حقائق کا انکار کرتے ہیں اور اپنے مفاد کے لیے حق کے مقابلہ میں باطل کو شہ دیتے ہیں اور اس کی پشت پناہی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی تھی کہ تم ایسے لوگوں سے عبرت پکڑو اور حق کے مقابلہ میں باطل نوازی نہ کرو۔

افسوس کہ آج کے مسلمانوں نے عبرت و نصیحت نہیں حاصل کی اور وہ قرآن کی ڈرائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو حق اور باطل کو باطل دکھائے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹/ دسمبر ۱۹۵۲ء)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ﴿۵۶﴾

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم عنقریب ان کو آگ میں جلائیں گے، جب ان کے چمڑے پک، جل جائیں گے، تاکہ وہ عذاب کا مزا چکھیں۔

(پ ۵ ع ۵ سورۃ النساء: ۵۶)

جو لوگ اس دنیا میں گمراہی و بدکاری کی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کو اس کی سزا ملے

گی اور قیامت میں ان کو حرماں نصیبی و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا اور عذاب وعقاب کے شدائد ومصائب سے دوچار ہونا پڑے گا، اور یہ نارِ جہنم کا عذاب وقتی اور ہنگامی نہیں ہوگا، بل کہ مدت تک اس میں جلنا پڑے گا اور جب اوپر کا چمڑا جل بھن جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا چمڑا پیدا ہو جائے گا، تاکہ عذاب کی شدت کا مزا ملتا رہے اور دنیا میں اِباء وانکار اور تکذیب کا نتیجہ آخرت میں بھرپور ظاہر ہو، خدا کے منکروں اور اس کی کتاب کے نہ ماننے والوں کا یہی حشر ہوگا۔

جن کا حال یہ ہے کہ ایک آیت کا سننا بھی ان کو گوارا نہیں ہوتا اور وہ اپنے کافرانہ ذہن ومزاج کی وجہ سے فوراً انکار کر دیتے ہیں۔

ہمیں اپنی بے عملی اور بدعملی سے پناہ مانگنی چاہیے اور قرآن کی کسی بات کا انکار نہیں کرنا چاہیے کہ اس کا وبال بہت بُرے حال میں پڑتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۸ر جولائی ۱۹۷۳ء)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ

اللہ حکم دیتا ہے کہ تم، لوگوں کی امانتوں کو ان کے حق داروں تک پہونچاؤ، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (پ ۵ ع ۵ سورۃ النساء: ۵۸)

دنیا میں مسلمان اَمن واَمان کا ضامن ہے اور اس کے اوپر فرض ہے کہ انسانی زندگی کو ہر خطرہ کے وقت امن وامان کی پناہ میں لے لے، اور اپنے وجود سے امانت ودیانت، انصاف وعدالت، سکون وطمانیت اور بشریت وانسانیت کو تروتازہ رکھے، اور نہ صرف یہ کہ ہر طرف امن وراحت کو عام کرنے کی کوشش کرے، بل کہ ساتھ ہی خوف وہراس، وساوس وخطرات اور بے اطمینانی وپریشانی کو بھی ختم کرے۔

اس سلسلہ میں قرآن حکیم بنیادی باتوں کی طرف رہنمائی کر رہا ہے اور حکم دیتا ہے کہ

کھلی عدالت ہو یا خفیہ امانت، دونوں میں تم ایک رنگ اختیار کرو، اور تمہارے ظاہر و باطن میں دورنگی نہ ہو، جہاں تک امانت کا تعلق ہے، وہ ایک خفیہ معاملہ ہے، جو صرف ایمان داری و دین داری کے بل بوتے پر کیا جاتا ہے، اور اس کی ادائیگی کا تقاضا صرف ایمانی قوت اور دیانت کی عظمت پر موقوف ہے اور جہاں تک فیصلہ و محاکمہ کا تعلق ہے، وہ کھلی عدالت اور پنچایت کا معاملہ ہے اور اس بارے میں بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں، جہاں انسان باوجود تمام باتوں کے کھلی ہونے کے، بددیانتی پر اتر آتا ہے اور حق کے فیصلہ کو باطل کی نذر کر دیتا ہے۔

پس ان دونوں معاملات میں تم اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس کرو، اور اسلام کی بخشی ہوئی ایمانی روشنی سے کام لو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴/مارچ ۱۹۷۹ء)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے پاس پہونچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو، اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے۔

(پ ۵ ع ۵ سورۃ النساء:۵۸)

اللہ تعالیٰ انسانوں کو سکھ چین اور امن و امان سے رہنے کے لیے اچھی اچھی باتیں بتاتا ہے، تاکہ وہ ان پر عمل درآمد کر کے دنیا میں اچھی زندگی بسر کریں اور مرنے کے بعد اچھے انجام سے ہم کنار ہوں، ان باتوں میں دو باتیں بہت اہم ہیں، ایک تو یہ کہ امانتوں میں ذرہ برابر کی خیانت نہ کرو اور لوگوں نے تمہارے پاس اپنی قیمتی چیزوں کو حفاظت کے لیے رکھا ہے تو تم ان کی پوری پوری حفاظت کرو، امانت داری انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے اور اسی طرح اس میں خیانت کرنا انسانیت کے ساتھ بھاری غداری ہے۔

لہٰذا تم، لوگوں کی امانتوں کو من و عن واپس کرتے رہو، دوسری بات یہ ہے کہ جب تم

عوامی جھگڑوں میں حکم بنائے جاؤ اور لوگ تمہاری روشن ضمیری اور معاملہ فہمی پر اعتماد کر کے کسی بات میں تم سے فیصلہ کرائیں تو تم عدل وانصاف سے کام لو اور اس نازک موقع پر جانب داری، پاس داری، رشتہ داری، دوستی، دشمنی، یگانگی اور بے گانگی کو سامنے نہ آنے دو، عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی عوام کی بہت بڑی خدمت ہے اور اس میں بددیانتی اور ناانصافی کرنا، انسانیت کے ساتھ بھاری غلطی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہونچا دو اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تمہیں بہترین بات کی نصیحت کرتا ہے۔

(پ ۵ ع ۵، سورۃ النساء: ۵۸)

اسلام انسان کو اچھے اچھے اعمال وعقائد کا حکم دیتا ہے اور اسے دنیا وآخرت میں بہتر سے بہتر حالات ونتائج سے ہم کنار کرتا ہے اور فلاح ونجاح کی برکتوں سے مالا مال کر دیتا ہے، یہاں پر اسی قسم کا ایک حکم انسان کو سنایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم امانت کے بارے میں بھی بہت ہی ذمہ دار ہو، اور اس معاملہ میں ذرہ برابر غفلت نہ کرو، بل کہ جس جس کی امانت تمہارے پاس ہو، اسے ادا کیا کرو، اور اس میں ذرا بھی خیانت اور خرد برد مت کرو، کیوں کہ اگر تم اس طرح کی حرکت کرو گے تو انسانیت میں بے اعتباری آجائے گی، اور لوگ ایک دوسرے سے اپنے نجی اور خاص کام لینے سے محروم ہو جائیں گے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باہمی زندگی فتور کی نذر ہو جائے گی، اسی طرح جب تم آپس میں کسی معاملہ کا فیصلہ کرو اور تم کو حاکم وقاضی اور فیصل قرار دیا جائے تو عدل وانصاف کو پیشِ نظر رکھو، اور اس میں ذرا بھی بے انصافی کا رویہ نہ اختیار کرو کہ اس سے اجتماعی زندگی کی خوش

گواری ختم ہو جائے گی اور چھوٹے بڑے کے حقوق و آداب میں پاس و لحاظ باقی نہ رہے گا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو تم اہلِ امانت کے پاس (بعینہٖ) ادا کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ بہترین بات کی تمہیں ہدایت کرتا ہے، اور اللہ سمیع و بصیر ہے۔ (پ ۵ ع ۵ سورۃ النساء: ۵۸)

اسلام کسی کام میں خُرد بُرد اور خیانت کرنے کو انسانی زندگی کے لیے تباہی قرار دیتا ہے، اس کائنات کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ کسی چیز میں یا کسی اصول میں خیانت سے کام لیا جائے، اسی لیے قرآن کریم اپنے ماننے والوں سے کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز جو تمہارے پاس امانت رکھ دی گئی ہو، اس میں خیانت اور خُرد بُرد نہ کرو، وہ چیز کسی نے تمہارے پاس تمہیں سمجھ کر چاہے روپیہ پیسہ، مال و دولت اور ساز و سامان کی صورت میں رکھی ہو یا کسی خفیہ راز پوشیدہ بھید کہنے اور رائے مشورہ لینے کی صورت میں رکھی ہو۔

خوب سمجھ لو کہ ایک انسان نے ایک انسان کو اپنی چیز، اپنے راز اور اپنے مشورہ کے لیے پناہ سمجھ کر اس سے معاملہ کیا اور اعتماد و اطمینان کا منہ دیکھتے ہوئے اس نے بھروسہ کیا، اب اگر اس کے اس جذبہ کو کسی نے اپنی خباثتِ نفس سے زخمی کر دیا تو ایک طرف امانت رکھنے والے کی ساری دنیا برباد ہو گئی، دوسری طرف امین کی بدبختی و بدکاری کا ظہور ہوا۔

پھر غور کرو، اگر کسی معاشرہ میں اس قسم کے واقعات رونما ہوں تو اس میں باہمی اعتقاد، باہمی تعاون اور باہمی ہمدردی کے لیے کوئی راہ باقی رہ سکتی ہے؟

نیز قرآنِ حکیم حکم دیتا ہے کہ اگر تم عوامی معاملات میں حَکَم اور فیصل مانے گئے ہو تو

جانبین کے معاملات میں خیانت نہ کرو، ان کو سننے، سمجھنے اور پھر فیصلہ دینے میں خُرد بُرد سے کام نہ لو، بل کہ عدل وانصاف کی ترازو میں ان کو تولو اور جو جس کا حصہ ہو، وہ اسے دے دو، کیوں کہ جانبین کے معاملات تمہارے ضمیر کی عدالت میں بطور امانت کے کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں، اگر عدل وانصاف سے کام نہ لو گے تو ظالم وخائن بن کر انسانوں کی اجتماعی زندگی کا ستیاناس کردو گے، ان ہدایتوں کی بنیادی حقیقتوں کو سمجھو کہ ان پر عمل کرنے کے نتائج کتنے اہم اور مفید ہیں اور ان کے خلاف میں تباہی وبربادی کے کتنے پہلو ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ ہدایتیں انسانوں کے لیے بہترین چیز ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ.

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا، اور اپنے میں سے امر والوں کا، پس اگر تم جھگڑو کسی بات میں تو لوٹاؤ اس کو اللہ اور رسول کی طرف۔ (پ ۵ ع ۵ سورۃ النساء:۵۹)

مسلمان قوم دنیا میں ایک باضابطہ اور منظم جماعت ہے، اس کا جماعتی نظام اس قدر ٹھوس ہے، اور اس کے اصول اس قدر مضبوط ہیں کہ اسلامی معاشرے میں کسی قسم کے رخنے کا اندیشہ نہیں ہے، اسلام کا نظام ایک ڈکٹیٹر کے ہاتھ میں نہیں، جو من مانی کارروائی کرے اور اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ ہو، بل کہ اسلامی معاشرے کا ہر فرد اسلامی تسلیم ورضا کا پابند ہے، اسلامی اطاعت کے عناصر درحقیقت صرف دو ہیں، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پس اصول میں، ایمان میں، فرائض میں، بنیادی معاملات میں صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہوگی، ان دونوں کا حکم مانا جائے گا۔

البتہ ہنگامی حالات میں، وقتی مسائل میں اور جزئی معاملات میں (اولوالامر) علماء ملت، اشرافِ امت اور اسلامی جماعت کے سربرآوردہ حضرات کی باتیں بھی اسلامی

جماعت میں مقبول ہوں گی، ورنہ اسلامی اجتماع میں تفرقہ بازی کا اندیشہ ہے، مگر یاد رہے کہ ان کی اتباع صرف جزئی اور ہنگامی مسائل و معاملات میں ہوسکتی ہے، اور اگر کبھی کسی بنیادی باب میں باہمی اختلاف ہوجائے تو پھر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مراجعت ضروری ہے، عوام اور اولوالامر دونوں دین کے سرچشمہ پر حاضری دیں گے اور اختلاف کی پیاس کو اتحاد کے پانی سے بجھائیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی، جولائی ۱۹۵۰ء)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ ؕ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾

کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے ہیں، جو گمان رکھتے ہیں کہ وہ اس چیز پر ایمان لائے، جو آپ پر نازل ہوئی ہے، اور جو آپ سے پہلے نازل ہوئی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کو حَکَم بنا کر اس کی طرف فیصلہ کو لے جائیں اور حال یہ ہے کہ ان کو طاغوت کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا ہے، اور شیطان تو چاہتا ہے کہ ان کی بڑی دور رس گمراہی میں ڈال دے۔

(پ۵ ع۶ سورۃ النساء:۶۰)

کفر و کفران اور فسق و عصیان میں مبتلا رہتے ہوئے اپنے کو متقیوں کا متقی اور پارساؤں کا پارسا سمجھنے کا شوق ہمیشہ سے رہا ہے، اور ایسے خوش فہم و خودفریبی میں مبتلا رہنے والے ہمیشہ سے رہا کیے ہیں، وہ زبان سے تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، اگلی پچھلی کتابوں کے قائل ہیں اور ان کے ایک ایک حکم کو مانتے ہیں، مگر ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ زندگی سراسر کافرانہ اور منافقانہ بسر کرتے ہیں۔

وہ اقتدار کے نشہ میں اس قدر مدہوش ہوتے ہیں کہ ان کو زبانی دعویٰ اور عملی دلیل میں موافقت اور مخالفت کا ذرہ برابر خیال نہیں رہتا، اور پھر خود تو خود، عوام کو بھی اس فریب میں مبتلا

کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بہت دین دار، ایمان دار اور اللہ ورسول کے وفادار ہیں، حالاں کہ ان کی زندگی طاغوتی طاقتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں گزرتی ہے، وہ ایک سانس بھی کافرانہ طاقتوں کے شکنجے سے باہر نہیں لیتے، اور جو کچھ کرتے ہیں، فرعونیت کے چشم وابرو کے اشاروں پر کرتے ہیں، عمل ان کا یہ ہوتا ہے، حالاں کہ وہ جس حقیقت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی اور اس کی ہر حرکات وسکنات اسلامی نظام کے ماتحت ہونی چاہئیں، غیرِ خدا کی طاقتوں کو پائے حقارت سے ٹھوکر مارنی چاہیے، اور معبودانِ طاقت واقتدار کے طلسم کو توڑ کر اپنے اندر توحید ورسالت کی عزیمت وطاقت پیدا کرنی چاہیے۔

ایسے بدعمل، بدعقیدہ اور بدفہم درحقیقت شیطان کے ہاتھوں چڑھے ہوئے ہیں، اور وہ انہیں خوب نچاتا ہے، ان کے عمل، حرکت اور عقل وفہم کی لگام شیطانی طاقت کے ہاتھ میں ہے، اور وہ ان کو جدھر چاہتا ہے، لے جاتا ہے، یہ صرف عہدِ رسالت کے منافقوں کا رویہ نہیں تھا، بل کہ عہدِ حاضر میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو مسلمانوں کی جماعت سے ہیں، اور اللہ ورسول کا نام لیتے ہیں، اور توحید ورسالت کے شیدائی بن کر عوام میں آتے ہیں، مگر درحقیقت وہ اپنے مادی یا غیر مادی اقتدار کے لیے، نفس پرستی کے لیے اور طاغوتی طاقتوں کی نظر میں اچھا لگنے کے لیے، اللہ ورسول، اسلام اور مسلمان سے ظاہری علاقہ رکھتے ہیں، ان کا اصل تعلق طاغوت کی ذریات سے ہوتا ہے۔

یہ زندگی اسلام کے حق میں بہت ہی مضر ہے، کافر تو کھل کر اسلام کا مخالف ہوتا ہے اور اس زندگی کے حامل اسلام میں رہ کر اسلام کے مخالف ہوتے ہیں، ان سے بچو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۷؍اگست ۱۹۵۳ء)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور

رسول کی طرف آؤ، تو آپ منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ آپ سے پہلوتہی کرتے ہیں۔

(پ ۵ ع ٦ سورۃ النساء:٦١)

زبان سے بڑھ چڑھ کر اسلام وایمان کا دعویٰ کرنے والے جب عمل اور عقیدے کے معیار پر جانچے جاتے ہیں تو کھوٹے نکلتے ہیں، کیوں کہ ان کی ساری باتیں زبان تک محدود ہوتی ہیں اور زبانی جمع خرچ کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا، عام طور سے وہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں منہ چور بنے رہتے ہیں، بات تو بہت بناتے ہیں، مگر ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارا بھانڈا پھوٹ نہ جائے، اور تھکا فضیحتی نہ ہونے لگے۔

عہدِ رسالت کے منافق ایسے تمام لوگوں کے استاذ ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ زبانی اسلام میں بہت آگے تھے، اس طریقہ سے بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے تھے کہ اچھے سے اچھے مسلمان ان کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے، مگر جہاں خدا کی راہ میں اسلام کے لیے اور رسول کی منشا کے مطابق ایثار وقربانی اور فداکاری کا سوال آتا تھا، یہ لوگ دم دبا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے، اور جب کوئی مسلمان ان کو ان حرکتوں پر ٹوکتا اور اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف بلاتا تو نظر نیچی کر کے پیچھے ہٹ جاتے، اور مسلمانوں کے مجمعوں سے مل جاتے، تاکہ کہیں ہماری منافقانہ پالیسی پر حرف نہ آجائے اور یہ لوگ ان چالوں سے واقف نہ ہوجائیں، جن کو ہم استعمال کرتے رہتے ہیں۔

ایسے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک ہوتے ہیں، ان سے بچنا بھی مشکل ہوتا ہے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنا بھی مشکل ہوتا ہے، بظاہر موافق اور بباطن مخالف ہونے کا نام منافقت ہے، اور اس منافقت کا خمیر کئی بُری عادتوں سے اٹھتا ہے۔

ان عاداتِ قبیحہ میں سے اگر کوئی عادت کسی بھلے مانس کے اندر ہوگی تو اس میں منافقت کی ایک علامت ہوگی، خدا ہمیں منافقت کی ایک ایک حرکت سے محفوظ رکھے اور

دین پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی ۱۱/اگست ۱۹۵۳ء)

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے دور بھاگتے ہیں۔ (پ۵ ع۶ سورۃ النساء:۶۱)

منہ سے بڑھ چڑھ کر باتیں کرنا اور کام کے وقت جان چرا کر کسی کونے میں دبک جانا منافقوں کی علامت ہے، اور جو لوگ اس قسم کی حرکت کرتے ہیں، ان میں منافقت کی ایک خو پائی جاتی ہے، منافقوں کا حال یہ تھا کہ زبانی دعوؤں میں بڑے حاتم تھے، اور دل کی آواز کے خلاف زبانی باتیں کرنا اپنی چال کے لیے ضروری کہتے تھے، مگر جب جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اس قدر باتیں بنانے سے کیا فائدہ، آؤ ذرا عمل کا ثبوت بھی دو اور کچھ کر کے بھی دکھاؤ، تو اس وقت ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگتا تھا، دائیں بائیں دیکھنے لگتے تھے اور طرح طرح کی بہانہ بازیاں شروع کر دیتے تھے۔

آج کل بھی بہت سے باتونی لوگوں کی عادت ہے کہ منہ سے بات خوب کرتے ہیں اور سامنے والے کو اپنے حق میں ہموار کرنے اور اپنے کو نہایت اچھا ثابت کرنے کے لیے چرب زبانی سے کام لیتے ہیں، مگر جب کوئی معاملہ آپڑتا ہے تو بغلیں جھانکنے لگتے ہیں، اس وقت تمام لاف گراف خاک میں مل جاتی ہے، عوام میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں اور خواص میں بھی، خواص یہ لوگ بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں، دیکھ لو یہ لیڈر اور مولوی اور دوسرے ذمہ دار لوگ جو اس طرح کے ہوتے ہیں، قوم کو اور مسلمانوں کو اپنی باتوں میں پھنسا کر کس طرح اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیتے ہیں۔

(روز نامہ انقلاب بمبئی ۱۰/اپریل ۱۹۵۴ء)

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾

پس اس وقت کیا حال ہوگا، جب کہ ان کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے مصیبت لاحق ہوگی، پھر آپ کے پاس آئیں گے، خدا کی قسم کھائیں گے کہ ہم نے تو صرف بہتری اور موافقت کا ارادہ کیا تھا۔ (پ ۵ ع ۶ سورۃ النساء: ۶۲)

سازش کرنے والے اندر ہی اندر سازش کرتے رہتے ہیں، اور انجام سے بے پروا ہو کر خوب خوب کرتب دکھاتے ہیں، جب ان کا پول کھلتا ہے اور اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے تو پھر بغلیں جھانکنے لگتے ہیں، طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں، اپنی معصومیت اور بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے نہایت معصومانہ انداز میں قسمیں کھاتے ہیں، اور اللہ و رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ اور اسلامی زندگی کے ساتھ اپنا گہرا تعلق جتلاتے ہیں۔

قرآنِ حکیم ایسے ہی مجرموں کی نشان دہی فرمارہا ہے اور بتاتا ہے کہ منافقت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ چال چلنے والے جب وقت پڑتا ہے تو قسموں پر قسمیں کھاتے ہیں، اور اپنے فریب کو حقیقت ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس آیت میں ایک اور بات کی نشان دہی کی جارہی ہے اور بتایا جارہا ہے کہ جرائم کے ارتکاب کے نتیجے میں اس دنیا کے اندر مصیبتیں آتی ہیں، اور انجام کی تباہی و بربادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کا ظہور اس سختی کے ساتھ ہوتا ہے کہ مجرم تک چیخ اٹھتے ہیں، اپنے جرائم کو چھپانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، اور اس طرح نہیں تو دوسری طرح نیکی کا نام لینے لگتے ہیں۔

پس بہتری اسی میں ہے کہ اس تھکا فضیحتی سے پہلے ہی آدمی اپنی بری حرکتوں سے باز آجائے، تاکہ اسے نہ یہ دن دیکھنا پڑے اور نہ جرائم و معاصی کے انجام سے ابتلاء و آزمائش میں کوئی معاشرہ اور کوئی بستی آئے، انسان بڑا ہی ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے،

جب کوئی موقع آتا ہے تو ناک رگڑنے لگتا ہے، مگر ایسا نہیں کرتا کہ پہلے ہی سے اپنی زندگی کو محفوظ رکھ کر اپنے کام کو ٹھکانے سے کرے اور سیدھے سے اپنے فرائض کو انجام دے، اور شرارت چھوڑ کر اپنی انسانیت کا ثبوت دے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ راگست ۱۹۵۳ء)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اللہ اسے خوب جانتا ہے، پس آپ ان سے دور ہٹ جایئے اور ان کو نصیحت کیجیے، اور ان سے ان کے بارے میں دل نشیں بات کہیے۔ (پ ۵ ع ۶ سورۃ النساء: ۶۳)

دنیا کی تبلیغ اور سچائی کے پہونچانے میں بڑی تندہی اور ذمہ داری سے کام کیا جاتا ہے، اس میں ذرا بھی سستی جائز نہیں ہے، انبیائے کرام کو اس سلسلہ میں بڑی بڑی مصیبتیں درپیش ہوئیں، نہایت خطرناک حالات پیدا ہوئے اور بہت ہی کٹھن صورتِ حال سے مقابلہ کرنا پڑا، مگر کیا مجال کہ ایک منٹ بھی تبلیغِ حق میں سستی ہو جائے اور اللہ کے داعیوں کے دل میں ذرہ برابر بددلی آجائے، اس صورت کے ہوتے ہوئے انبیاء ورُسل اور اللہ کے داعیوں کی یہ ذمہ داری نہیں ہے، بل کہ یہ کام اللہ کا ہے کہ وہ جسے چاہے، ہدایت دے اور جسے چاہے، گمراہ کرے، ہر انسان کی استعداد وقابلیت کو وہی خوب جانتا ہے کہ اس میں قبولیتِ حق کی استعداد ہے یا نہیں، اور یہ راہِ راست پر آسکتا ہے یا نہیں؟

مبلغ وداعی اپنا فرض پورا کرے گا، اور بس اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، البتہ دعوت وابلاغ کا طریقہ بدلتا رہتا ہے، وہ آخری وقت تک اسی طریقہ پر عمل کرتا رہے گا، جب شرارت وعدوان کا پارہ بہت چڑھ جاتا ہے اور اللہ کے داعیوں کی باتیں بے سود ثابت ہوتی ہیں، تو پھر یہ ہوتا ہے کہ مبلغین ودُعاۃ سامنے سے ہٹ جاتے ہیں، اور ان کو چھیڑتے نہیں۔

البتہ اپنا فرض ادا کرنے کے لیے ان کو کسی نہ کسی طریقہ سے نصیحت کیا کرتے ہیں، اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بجائے ایسی باتیں کرتے ہیں، جن کا تعلق خود شریروں کی ذات سے ہوتا ہے، جن کے نفع ونقصان سے ان کو دل چسپی ہوتی ہے۔

بہر حال زبانی تبلیغ کی یہ آخری منزل بڑی ہوش مندی کی ہوتی ہے، اس کے لیے گفتگو کا ڈھب بڑا ہی دل نشیں اختیار کرنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۳۱ر اگست ۱۹۵۳ء)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

یہ وہ لوگ ہیں، جن کے متعلق خدا جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے، آپ ان سے برطرف ہوجایئے اور انہیں وعظ سنایا کیجیے، اور ان کے بارے میں ان سے اچھی بات فرمایا کیجیے۔ (پ ۵ ع ۶ سورۃ النساء: ۶۳)

یہ درست ہے کہ رشد وہدایت دینا خدا کا کام ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ خدا ہی جسے چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے، مگر خدا کے علم وقدرت کی وجہ سے ہادیوں کی ذمہ داریاں ختم نہیں ہوسکتی ہیں، اور رہنمائی کرنے والوں کو اپنا کام جاری رکھنا پڑے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ قدرت پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں اور اپنے فریضہ کو ادا نہ کریں، یہ دوسری بات ہے کہ گمراہوں کی مسلسل گمراہی کو دیکھتے ہوئے ارشاد وتبلیغ کا طریقہ بدل دینا پڑے گا، اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے دوسری راہ اختیار کرنی پڑے گی، اور عام دعوت سے ہٹ کر ہٹ دھرمی کرنے والے کفار ومشرکین اور منافقین کے مناسب حال دعوت کا پہلو اختیار کیا جائے گا۔

اوپر منافقوں کا ذکر فرمایا گیا، پھر ان کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ اے رسول! خدا ان کی رگ رگ سے واقف ہے، اور ان کے دلوں کی کھوٹ کو خوب جانتا ہے، یہ لوگ رشد وہدایت پانے کی تمام استعدادوں اور صلاحیتوں سے محروم ہوچکے ہیں اور ان کے لیے

محرومی وناکامی یابی ثبت ہوچکی ہے، مگرآپ اپنے منصبِ جلیل پر رہتے ہوئے ان سے اس طرح دور رہیے کہ ان کو اسلامی زندگی کا شریک نہ سمجھیے اور ان کی چالوں سے اسلامی معاشرہ کو محفوظ رکھیے، مگر ساتھ ہی اپنے کام کو کیے جایئے۔

جہاں تک رشد و ہدایت کے وعظ سنانے کا تعلق ہے، آپ اِتمامِ حجت کے لیے وعظ ونصیحت کی باتیں ان کو سنایا کیجیے، اور ان کے بارے میں ان سے ایسی باتیں کہیے، جو ان کے دلوں میں لگ جائے، اب یہ خدا کا کام ہے کہ وہ ان کو اس کے قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے یا نہیں، آپ اپنا کام کرتے رہیے، خدا اپنا کام کرے گا، آج بھی رشد و ہدایت کی یہی سبیل جاری ہے اور رہے گی، گمراہوں کی گمراہیوں اور بے راہ رؤں کی بے راہ رویوں سے کبیدہ خاطر ہوکر اربابِ رشد و ہدایت بیٹھ نہیں جائیں گے، بل کہ وہ اپنا فریضہ موقع اور حال کی مناسبت سے ادا کرتے رہیں گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے، جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بل کہ سر بسر تسلیم کرلیں۔ (پ ۵ ع ٦ سورۃ النساء: ٦۵)

جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں، اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت ورہنمائی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کیا ہے، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے، اور اس سند کے ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے، حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لا یؤمن احدکم حتّٰی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ. (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں

ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہوجائے، جسے میں لے کر آیا ہوں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۱ر فروری ۱۹۷۸ء)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

اور اگر ہم لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم لوگ خودکشی کیا کرو، یا اپنے وطن سے نکل جاؤ تو ان میں سے سوائے چند لوگوں کے اسے لوگ نہ کرتے، اور اگر یہ لوگ جو کچھ نصیحت کی جاری ہے، اس پر عمل کرتے تو ضرور ان کے لیے بہتر ہوتا، اور ان کے ایمان کو پختہ کرنے والا ہوتا، اور اس حالت میں ہم ان کو اپنے پاس سے اجرِ عظیم دیتے، اور ہم ان کو سیدھا راستہ بتاتے۔ (پ۵ ع۶ سورۃ النساء: ۶۶، ۶۷، ۶۸)

یہ انسان بھی عجیب مخلوق ہے، نرمی سے سمجھانے بجھانے پر بھی سیدھی راہ نہیں اختیار کرتا، سختی کرنے پر وہ رام نہیں ہوتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھی راہ پر چلنے میں اپنے کو۔۔۔ اور کسی قیمت پر حق کی حمایت پر تیار نہیں ہوتا، بظاہر آسان اور سہل احکام و اوامر پر عمل کرنے میں آدمی سستی کرتا ہے، اگر سخت احکام بیان کیے جائیں تو بھی ایسا نہیں ہوگا کہ سب ہی لوگ ڈر کر مومن و متقی بن جائیں گے، بل کہ اس وقت بھی معدودے چند وہ حضرات دین پر عمل کریں گے، جن میں ایمان و تقویٰ کی روح کام کرتی ہوگی، اور اکثر لوگ اس وقت بھی لاپروائی کے اسی گڑھے میں ہوتے، جس میں ہمیشہ سے رہا کرتے ہیں، حالاں کہ اگر انسان اپنے اندر صلاحیت پیدا کرلے اور اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوجائے، تو خدا کا وعدہ ہے کہ دنیا خدا کے اجرِ عظیم کی سعادتوں سے مالا مال ہوجاتی، ہر طرف استقامت اور ہمواریٔ فضا کا دار دورہ ہوتا، اور دنیا نجات کی سیدھی راہ پر نہایت اطمینان سے چلتی رہتی، آج کے نازک

حالات اور بُرے وقت کی ساری ذمہ داری انسان کے اسی جذبۂ انکار کی فراوانی کی بدولت رونما ہے، اگر دنیا کے بسنے والے تسلیم ورضا کے سانچے میں ڈھل جائیں تو خدا کے اجر وسزا کی عظمت انہیں نواز سکتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۵رجنوری ۱۹۵۱ء)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

اور جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء، اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔ (پ ۵ ع ۶ سورۃ النساء: ۶۹)

خدا کے انعام واکرام کی سزاواری کے لیے اس کے بندوں میں سے چند مخصوص قسم کے لوگ ہیں، جو ایک معیار پر پورے اترے ہوتے ہیں، اور اس معیار پر پورے اترنے والے خدا کی مخلوق میں بہترین قسم کے انسان مانے گئے ہیں، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، یہ چار گروہ امتِ محمدیہ میں منتخب وممتاز لوگ ہیں، امت کے بقیہ لوگ بھی اگر پورے طریقے پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ پر چلنے لگیں، تو ان ہی چار قسم کے حضرات کی معیت میں ان کی زندگی بھی خوش گواری سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

پہلا طبقہ یعنی انبیاء ورُسل کا تو گزر چکا، اب اس کے افراد دنیا میں مسلمانوں کے اندر نہیں پیدا ہو سکتے ہیں، باقی تین طبقے یعنی صدیقین، شہداء اور صلحاء اس امت میں ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں، اور یہ حضرات فضل ورحمت کے خاص منظورِ نظر ہوتے ہیں، پس امت کے عمومی طبقہ کے لیے ضروری ہے کہ دین ودنیا کی فلاح وصلاح کے لیے ان ہی چار طبقوں کی ہم راہی اختیار کرے، قرآن حکیم نے ان کو اچھا رفیق بتایا ہے اور ان کی دوستی کارگر ہونے کی خبر دی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۴رجنوری ۱۹۵۱ء)

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾

اور جولوگ اللہ اوراس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں، جن پر انعام کیا اللہ نے نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور نیکوں میں سے، اوران کا ساتھ بہت خوب ہے۔ (پ ۵ ع ۶ سورۃ النساء:۶۹)

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر چلنا ہی انسانی زندگی کی معراج ہے اور جب انسان میں یہ بات پیدا ہوجاتی ہے تو زندگی کا معیار بہت بلند ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام کی بارش انسان کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتی ہے، دنیا میں انسانوں میں جو لوگ بہتر سے بہتر زندگی پاتے ہیں اور فضلِ خداوندی ان کے لیے ہر قسم کی خوش بختی وسعادت مندی کو مہیا فرماتا ہے، ان کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، اوران کے مختلف درجات ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، پھر صدیقوں کا مرتبہ آتا ہے اوران کے بعد حضراتِ شہداء کی پاکیزہ زندگی انسانیت کا خلاصہ ہوتی ہے، اور پھر کام یاب وکامران طبقہ کے آخری حضرات، صلحاء، اَتقیاء اور نیک لوگ ہیں، جو اپنی زندگی کو نیکی کی راہ پر بسر کرتے ہیں، انسانی زندگی میں ان چار طبقوں کو بڑی فضیلت اور برتری حاصل ہے، اور جو لوگ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر چلتے ہیں، ان کو ان ہی حضرات کی رفاقت ملتی ہے، اور وہ ان ہی میں سے کسی ایک زمرے میں شامل ہوجاتے ہیں، بخلاف اس کے لوگ اسلامی اَحکام پر عمل نہیں کرتے، ان مقدسین انسانیت میں سے کسی جماعت میں جگہ نہیں پاتے اور ناکام ونامُراد ہوکر پوری زندگی خود بھی تباہ رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی تباہ کرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَخۡشَوۡنَ النَّاسَ کَخَشۡیَۃِ اللّٰہِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡیَۃً ۚ وَ قَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ کَتَبۡتَ عَلَیۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ

قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا ہوتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا، اور وہ لوگ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا، اگر ہم کو تھوڑی سی مہلت دے دی ہوتی، آپ کہہ دیں کہ دنیا سے نفع اندوزی کم ہے، اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے، جو تقویٰ اختیار کرے۔

(پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۷۷)

منافقوں کا حال یہ تھا کہ زبانی جمع خرچ میں سب سے آگے رہتے تھے، مگر جب عمل کا وقت آجاتا تو ان کو سانپ سونگھ جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے جسم میں خون نہیں ہے، چنان چہ جب کفار و مشرکین کے مقابلہ میں ان کے جواب کے لیے جنگ و جہاد ضروری قرار دیا گیا تو ان میں سے ایک جماعت کی جان نکلنے لگی اور وہ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے، جس میں سب سے اہم بہانہ یہ تھا کہ اگر کچھ دنوں اور مہلت مل جاتی تو ہم جہاد کی پوری تیاری کر لیتے اور خوب بہادری دکھاتے، حالاں کہ ان میں قیامت تک بہادری پیدا نہیں ہو سکتی تھی، اور جب بھی جہاد فرض کیا جاتا ہے، وہ یہی بات کہتے اور فرصت چاہتے۔

اصل بات یہ تھی کہ ان کو یہ دنیا اس قدر محبوب تھی کہ اس سے ایک دن کے لیے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے، ان میں یہ عقیدہ و یقین تھا ہی نہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور اس کے بعد آخرت کی دائمی زندگی اہلِ ایمان کے لیے بہترین متاع ہے، مسلمانوں کو اسی عقیدہ پر زندگی بسر کرنی چاہیے، تاکہ دنیا کی محبت ان کو دین و ایمان کے تقاضوں سے غافل نہ ہو سکے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۴ رجولائی ۱۹۷۳ء)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم کو موت پکڑے گی، اگر چہ تم مضبوط اور اونچے قلعوں کے

اندر ہو۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء:۷۸)

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے، موت کسی نہ کسی وقت آنی ہے، بغیر موت کے چارہ نہیں ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ اس کا وقت مقرر ہے، نہ اس سے پہلے آسکتی ہے اور نہ ہی اس کے بعد آسکتی ہے، بل کہ ٹھیک اپنے وقت پر آئے گی، مسلمان اسی عقیدہ ویقین پر زندہ رہتا ہے اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے کہ جو رات قبر میں آنے والی ہے، اسے کوئی طاقت باہر نہیں لاسکتی اور جو دن باہر گزرنے والا ہے، اسے کوئی قوت قبر میں نہیں لے جاسکتی، جب کسی قوم اور ملت کے افراد میں زندگی اس قدر آسان ہوجاتی ہے کہ وہ ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، تو ان کو زندگی کی پوری قدریں حاصل ہوجاتی ہیں، وہ دنیا میں بڑی خود دار، بڑی تاب ناک اور بڑی کام یاب زندگی بسر کرتے ہیں، اور کہیں سے اس پر آنچ آنے نہیں دیتے، بخلاف اس کے جس قوم وملت کے اَفراد میں موت کا ڈر زندگی کو کھائے جاتا ہے اور خوف کی وجہ سے ایک دن بھی پُرامن زندگی نہیں بسر ہوتی، وہ زندہ رہ کر بھی موت کے منہ میں ہوتے ہیں، اور زندگی موت کا دوسرا نام ہوتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اگر ان کو کوئی بھلائی پہونچتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر ان کو کوئی برائی پہونچتی ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے، پس کہہ دیجیے کہ بھلائی برائی سب خدا کی طرف سے ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء:۷۸)

فائدہ یا نقصان اللہ کے قبضہ میں ہے، اگر کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو خدا ہی کی طرف سے پہونچتی ہے اور وہی اس کا دفع کرنے والا ہے، اور اگر کوئی اچھائی ظاہر ہوتی ہے تو اسے بھی وہی ظاہر فرماتا ہے، اسلام ایک ایسے خدا کی ذات کا تصور پیش کرتا ہے، جس کی قوتِ

الٰہیہ ہر چیز پر یکساں قادر ہے، انسان کو حق نہیں ہے کہ برائی اور بھلائی کے لحاظ سے تقسیم عمل میں لائے، کسی انسان کی طرف سے نہ بھلائی ملتی ہے نہ برائی، بل کہ جو کچھ ملتا ہے، خدا کی طرف سے ملتا ہے، یہ ضرور ہے کہ خود انسانوں کے بُرے اعمال کو اللہ تعالیٰ رنج و بلا کی شکل میں ظاہر کر کے ان سے روکنا چاہتا ہے، نیک کام کے خوش گوار نتائج کو نمایاں کر کے اچھے اعمال کی فضا پیدا کرنا چاہتا ہے، پس یہ سمجھنا کہ فلاں کی وجہ سے یہ مصیبت آئی، خدا کے متعلق اسلامی تصور کے سراسر خلاف ہے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی جولائی ۱۹۵۰ء)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو پھر گیا تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ و نگراں بنا کر بھیجا ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۰)

اللہ تعالیٰ براہِ راست انسانوں کے پاس نہیں آتا اور نہ ان سے براہِ راست بات چیت کرتا ہے، بل کہ وحی کے ذریعہ اپنے رسول کو امر کرتا ہے اور وہ انسانوں تک اس کا حکم پہونچاتے ہیں، اہلِ کتاب کا یہی مسلک ہے، البتہ بعض ایسے مذاہب ہیں، جو نبوت و رسالت کے قائل نہیں ہیں، بل کہ ان کے نزدیک خدا خود مختلف روپ میں انسانوں کے پاس آجاتا ہے، مگر ہمیں اس سے سروکار نہیں۔

پس اللہ کی اطاعت و تابع داری کی صورت صرف یہی ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کی جائے اور آپ نے جن باتوں کا حکم دیا، ان کو کیا جائے اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، ان سے باز آجائے، اور آپ کو اللہ کی مرضیات تک پہونچنے کا وسیلہ و ذریعہ بنایا جائے، جو لوگ اللہ کے رسول کی اطاعت نہیں کرتے اور وہ اس سے پھر کر اپنی خواہشوں اور مصلحتوں میں پڑے رہتے ہیں، وہ اپنے حال پر خوش رہیں، اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے، نبوت و رسالت کا جو کام تھا، وہ پورا ہو چکا ہے اور اب کسی کو عذر و معذرت کی گنجائش باقی نہیں

رہی،اور رسول کا کام اس پر ختم ہو گیا کہ اس نے اللہ کا پیغام دنیا میں عام کر دیا اور سب کو اچھے برُے کی تمیز کرادی،اب اگر کچھ لوگ رسول کی بات نہیں مانتے تو رسول کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ان کو خواہ مخواہ مجبور کرے کہ وہ اسے مانیں،رسول سب کے اعمال کے محافظ نہیں ہوا کرتے،بل کہ مبلغ وداعی ہوتے ہیں۔(روزنامہ انقلاب بمبئی ۸رفروری ۱۹۷۲ء)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی،اس نے اللہ کی اطاعت کی،اور جس نے پشت پھیر لی،تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء:۸۰)

اللہ کے رسول لوگوں سے کچھ وصول کرنے کے لیے نہیں آتے،وہ کسی سے آدھی روٹی بھی نہیں مانگتے اور نہ کسی سے اپنی ضرورت کے بارے میں ایک لفظ کہتے ہیں،بل کہ ان کی زندگی سراسر استغناء وبے نیازی سے معمور ہوتی ہے اور خداوندی پیغام کا مشن ہوتی ہے، اس کی کام یابی کے لیے وہ ہر انسان کو دعوت دیتے ہیں،ان کی اس دعوت کو مان لینا ہی ان کی زندگانی کے لیے بہترین سرمایہ ہے،اسی کے لیے وہ آتے ہیں اور یہی کام کرتے ہیں،جو لوگ ان کی بات تسلیم کر لیتے ہیں،وہ در حقیقت اپنے خالق کو مانتے ہیں اور جو لوگ انبیاء ورسول کی باتوں کو نہیں مانتے،وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں،انبیاء ورُسل کا کام ایسے لوگوں کے دل ودماغ کی پہرہ داری اور نگرانی نہیں ہے،بل کہ ان کا کام تبلیغ کر دینا ہے اور بس۔

یہی باتیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ جو آپ کی دعوتِ حق کو تسلیم کرے گا،وہ اللہ کا فرماں بردار گردانا جائے گا اور جو منکر ہو،منکرین کی فہرست میں آئے گا،آپ کا کام دین کی تبلیغ ہے،لوگوں کو ماننے پر مجبور کرنا نہ آپ کا کام ہے اور نہ ہی آپ کے بس میں ہے،خود اللہ ان کی خبر لے گا،وہ ان کی ہر حرکت سے واقف ہے،اور وہ اس کی نگرانی سے ایک لمحہ کے لیے غائب نہیں ہو سکتے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۲رستمبر ۱۹۸۱ء)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے روگردانی کی، تو آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۰)

ہر انسان کو اپنے خالق و مالک کا حقِ عبدیت ادا کرنا چاہیے، اگر اس میں کوئی انسان اختلاف کرے تو وہ انسان نہیں جانور، بل کہ جانور سے بھی بدتر ہے، البتہ اس کی اطاعت اور حقِ عبدیت کی ادائیگی کی صورت کیا ہو؟ اس میں اہلِ دنیا مختلف ہیں، حالاں کہ یہ بھی اختلاف کی بات نہیں ہے۔

تمام مذاہب میں اسلام نے اپنی افادیت وضرورت کے اس قدر دلائل وبراہین جمع کر دیئے ہیں کہ کسی ذی ہوش کو اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے، ہاں اگر عقل وشعور کی راہ صحت وسلامتی کی نہیں ہے تو دوسری بات ہے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی انسان دوسرے اُمور ومعاملات میں بڑے سمجھ دار، نہایت عقل منداور بہت ہی زیرک ہوتے ہیں، مگر دین ومذہب کے معاملہ میں کورے اور جاہل قسم کے ہوتے ہیں، اسلام کی راہ سب سے زیادہ کام یاب راہ ہے، اور جسے اللہ کی راہ پر چلنا ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے اور جو آپ کی راہ پر نہ چلے تو وہ جانے، اس کا کام جانے، رسول کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے، وہ صرف رسول ہیں، سب کے محافظ ونگراں نہیں ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی یکم رمئی ۱۹۷۳ء)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جو روگردانی کرے، تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں کر کے نہیں بھیجا۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۰)

اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہر انسان کا مقصود ہے مگر اس مقصود کا ذریعہ اللہ کے

رسول ہوتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے لیے رسول اللہ تک پہونچنا ضروری ہے اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کریں گے، وہ اللہ تک نہیں پہونچ سکیں گے، رسول کا کام اس حقیقت کو انسانوں پر واضح کردیتا ہے اور بس، رسول کا کام یہ نہیں ہے، خواہ مخواہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے اور اپنی قیادت وسیادت کے لیے زور لگائے، بل کہ اس کا کام اللہ تک پہونچانا ہے اور اس سلسلہ میں اپنی اتباع کرانا اَسباب کے درجہ میں ہے۔

پس رسول کی رہ نمائی کے بعد جو لوگ اس راہ پر نہیں چلیں گے، وہ اپنی گمراہی کے ذمہ دار ہوں گے اور اس بارے میں ان سے سخت باز پرس کی جائے گی اور انجام کی برائی سے ان کو لاچار ہونا پڑے گا۔

یہ باتیں فلسفیانہ نہیں ہیں، جن کے سمجھنے سمجھانے کے لیے لمبی چوڑی تقریر یا تحریر کی ضرورت ہو، بل کہ بالکل واضح اور کھلی ہوئی حقیقت ہے، جس میں ہر کم عقل اور زیادہ عقل والے کی پہونچ ہوسکتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے، پھر جب آپ کے پاس سے باہر آجاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت رات میں مشورہ کرتی ہے، برخلاف اس کے جسے کہتی ہے، اور اللہ لکھتا ہے، جو کچھ وہ رات میں مشورہ کرتے ہیں، پس آپ ان سے یکسو ہوجائیں اور اللہ پر توکل کریں اور اللہ کارساز کافی ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء:۸۱)

اوپر منافقوں کا تذکرہ چل رہا ہے اور ان کی چالوں اور سازشوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرکے ان سے بچنے اور خبردار رہنے کی تاکید فرمائی جارہی ہے، منافقوں کی چرب زبانی اور فریب کاری کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہوتا تھا کہ وہ زبان فروشی میں بہت آگے تھے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری اور جاں نثاری میں اپنے آپ کو بہت ہی آگے بتاتے تھے، بات ایسی کرتے تھے کہ ان سے زیادہ مطیع واطاعت گزار کوئی نہیں ہے، مگر جب رات کو اپنی پارٹی سے ملتے اور آپس میں باتیں کرتے تو ان کی تمام باتوں کے خلاف سازش اور مشورہ کرتے تھے اور دل کی بیماری کھل کر ابھر جاتی تھی، وہ اس طرح رسول، اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی تدبیر وترکیب کیا کرتے تھے، مگر کوئی نقصان نہ پہونچا سکے، بعض اوقات ان کی چالوں سے مسلمانوں کو وقتی پریشانی ضرور ہوتی، مگر چوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی چالوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرمایا کرتا تھا، اس لیے کوئی خاص نقصان نہ پہونچا سکے، یہاں بتایا جارہا ہے کہ ایسے لوگوں سے دور ہی رہنا چاہیے، اوران کی طاعت وعصیان سے یکسو ہو کر اللہ کے بھروسے دین کا کام کرنا چاہیے، دنیا میں ایسے دورخ ہمیشہ رہا کرتے ہیں، مسلمانوں کو ان سے دور رہ کر اپنے معاملات حل کرنے چاہئیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ٘ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

منہ سے تو طاعت طاعت کہتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں تو ایک جماعت اس کے خلاف رات بسر کرتی ہے، جسے وہ کہتی ہے، اور اللہ ان کی رات گزاری کو لکھتا ہے، اے رسول! آپ ان سے برطرف ہوجایئے، اور اللہ پر توکل کیجیے، اللہ کارسازی کے لیے کافی ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء:۸۱)

عہدِ رسالت میں کچھ ایسے کم دل اور تنگ ظرف لوگ تھے، جو مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام مجلس میں تو اطاعت گزاری اور فرماں برداری کا منہ سے دم بھرتے اور دکھانے کے لیے بات بات پر طاعتِ رسول کی رٹ لگاتے، مگر جب وہاں سے اٹھ کر رات کو اپنی مجلس گرماتے تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تجویزیں سوچتے اور سازشیں

کرتے، یہ منافق لوگ تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی رگ رگ سے واقف تھے، بل کہ خاص خاص صحابہ کو بھی آپ ایسے کم بختوں سے باخبر رکھتے تھے، مگر خلق عظیم اور اسلامی رواداری کی وجہ سے ان کے ساتھ سختی کا معاملہ نہ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ اس گروہ کی مکاری کا پردہ چاک کر کے فرماتا ہے کہ اے رسول!۔۔۔۔۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ لوگ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۲)

کسی کام میں عیب نکالنے اور اس کا انکار کرنے کا جذبہ جب کسی فرد یا کسی جماعت میں ہوتا ہے تو پھر وہ اپنی عقل سے کوری ہو جاتی ہے، اور اس کا عقلی دیوالہ نکل جاتا ہے، غور وفکر کی تمام راہیں اس کے حق میں مسدود ہو جاتی ہیں، دیکھو کہ کفار ومشرکین نے قرآنِ حکیم کے کتاب اللہ ہونے سے انکار کیا اور اسے کسی طرح برحق تسلیم کرنے پر رضا ظاہر نہ کی، تو وہ بے وقوفی اور نادانی کی باتیں کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے اور ان کی ساری زندگی جہل ونادانی کے مظاہرہ میں ختم ہو گئی، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھانے کے لیے صرف یہ بات کہتا ہے کہ وہ سوچیں کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں کسی قدر اختلافات اور اس کے بیانات ومضامین میں بڑا تضاد وتباین ہوتا، کیا وہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کے پاس جو تورات وانجیل موجود ہے، اس میں کس قدر اختلاف ہے، عہد نامہ قدیم ہو یا عہد نامہ جدید سب میں جگہ جگہ اختلافات موجود ہیں، یوحنا کی انجیل میں جو بات جس انداز سے بیان کی گئی ہے، وہی بات لوقا اور مرقس کی انجیلوں میں کسی اور رنگ میں بیان ہوئی ہے، متی کی انجیل میں کچھ اور بات لکھی ہے، تو یوحنا وغیرہ کی انجیلیں کچھ اور بتا رہی ہیں کہ اگر قرآن خدا کی کتاب نہ ہوتا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بنایا ہوتا تو انجیلوں کی

باتیں جن کو حواریوں سے جمع کیا اور لکھا ہے قرآن میں بھی بہت سے اختلافات ہوتے۔

قرآن کی حقانیت کی یہ دلیل تورات وانجیل کے مقابلہ میں اس قدر واضح ہے کہ ذرا بھی دیر کرنے سے بات الم نشرح ہوجاتی ہے، مگر اربابِ علم وعقل کے لیے ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لیے نہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

اور جب آتی ہے ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات وہ اسے مشہور کرتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول اور اپنے اولی الامر لوگوں کی طرف لے جائیں تو ضرور جائیں گے، وہ لوگ جو اس کی تحقیق کرنے والے ہیں۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۳)

جو لوگ ناسمجھ، جاہل اور بے وقوف قسم کے ہوتے ہیں اور پھر اپنے کو بقراط وسقراط سے کم نہیں سمجھتے ہیں، وہ جماعتی اور معاشرتی زندگی کے لیے بڑی الجھن اور پریشانی کا باعث ہوتے ہیں، اور ان کی حرکتوں سے رہ رہ کر جماعتی نظام میں ابتری پیدا ہوتی رہتی ہے۔

یہاں پر منافقوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ ہر اڑی پڑی بات کو عام کرتے رہتے ہیں اور جہاں ان کو کچھ نیچی اونچی خبر لگی کہ وہ یہاں وہاں کانا پھوسی کرنے لگے اور عوام میں بے چینی اور ہراس پھیلانے لگے، حالاں کہ اگر یہ احمق اس قسم کی خبروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچادیں یا مسلمانوں کے سمجھ دار طبقہ اور ذمہ دار لوگوں کو اس سے باخبر کردیں تو ایسی بات کی پوری تحقیق ہوجائے اور اصل معاملہ کھل کر ہر خاص وعام کے سامنے آئے، اگر مسلمان صرف اسی ایک اصول پر عمل کرکے ہر قسم کی باتوں کو اپنی سمجھ دار طبقہ تک پہونچادیں اور صورتِ حال سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرلیں، تو ہر طرح کا اطمینان ہوسکتا ہے اور خبر کی نوعیت پر ذمہ دارانہ طور سے کارروائی ہوسکتی ہے۔

اگر خبروں کے بارے میں مسلمانوں نے تنظیم کرلیں اور ہر قسم کی باتوں کو ذمہ داروں سے تحقیق کے لیے کہہ دیں تو تمام دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی معاملات نہایت خوبی سے طے ہوسکتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے تو وہ اسے عام کردیتے ہیں، حالاں کہ وہ اگر اسے رسول اور ذمہ دار لوگوں کی طرف لوٹائیں تو وہ اسے جانیں گے، جو ان سے اس کو پرکھیں گے۔ (پ۵ ع۸ سورۃ النساء: ۸۳)

مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ ہمیشہ رہا کرتے ہیں، جو وقتی مصلحت اور ذاتی مفاد پر اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد و مصالح کے خلاف حرکت کرتے ہیں، یہ لوگ دل کے مریض ہوتے ہیں اور اسلام کی روح سے خالی ہوتے ہیں، ان میں اسلام کی تڑپ اور مسلمانوں کی خیرخواہی نہیں ہوتی۔

عہدِ رسالت میں یہ حالت منافقوں کی تھی اور وہی یہ پارٹ ادا کرتے تھے، ان کو جاسوسی کرنے اور معمولی معمولی خبروں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے میں بڑا مزا آتا تھا، وہ مسلمانوں کے مصالح کے خلاف ہر کام کیا کرتے تھے، اور معمولی معمولی خبروں پر مجلسوں اور محفلوں میں بیٹھ کر خوب خوب اپنے ذوق کے مطابق اور اپنی سیاست کے مناسب تبصرے کیا کرتے تھے، تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہونچے، سیدھے سادھے مسلمان پریشان ہوں اور کفار و مشرکین کو شہ ملے، قرآن حکیم نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اس قسم کی گری پڑی افواہوں پر توجہ دینے کے بجائے ان کو رسول کے پاس لایا کریں، یا مسلمانوں میں جو لوگ صاحبِ فہم و فراست ہیں اور ہنگامی حالات کے نشیب و فراز کو سمجھتے ہیں، ان کے سامنے پیش کردیں، وہ صحیح صورتِ حال کا پتہ چلا کر واقعات کی

تحقیق کریں گے اور اطمینان وسکون کی صورتِ حال نکال کر فضا کو ہموار کریں گے۔

یہ اصول بہت ہی اہم ہے، مسلمانوں کو ہر گری پڑی خبر پر توجہ دے کر پریشان کرنا اور پریشان ہونا نہیں چاہیے، بل کہ مسلمانوں کے سمجھ دار طبقے کو باخبر کر کے ان سے صورتِ حال کی تحقیق کا مطالبہ کرنا چاہیے، اگر غلط ہوئی تو کوئی بات نہیں اور اگر صحیح ہوئی تو پھر اس کی سبیل نکالنی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ

اور جو شخص سفارش کرے بری بات میں، اس پر بھی اس میں سے بوجھ ہوگا۔

(پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۵)

دنیا میں برائی کرنا اور کرانا انسان کے لیے یکساں مضر ہے، اور دونوں صورتوں میں انسانیت پر وبال آتا ہے، اس لیے برائی خود کرنا، یا دوسرے سے کرانا، دونوں چیزیں جرم ہیں، برائی کے لیے ابھارنا، اس پر شہ دینا، اس کے لیے اسباب ووسائل فراہم کرنا، اس کے لیے آسانی پیدا کرنا، اس کے لیے بات چیت کر کرا کے خود ایک ہونا اور کہنا کہ اس برائی میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے، میں نے اس میں حصہ نہیں لیا ہے، اور میں اس سے ہر طرح سے بری ہوں، اپنے کو فریب دینا ہے اور اپنے ضمیر سے غداری کرنا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسے بھی بدی کا ارتکاب گردانا جائے گا، اور ایسے پاک باز بننے والے گنہ گاروں کی گردن ناپی جائے گی، اور جس آدمی کا برائی کے نمودار ہونے میں جس قدر ہاتھ ہوگا، اس عذاب کا اسی قدر حصہ ملے گا۔

آج بہت سے ایسے لوگ ہیں، جو حرام کاری خود تو نہیں کرتے، مگر دوسرے سے کراتے ہیں، اور اس طرح اس کے بُرے نتائج سے دنیاوی فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور آخرت کے عذاب کے بارے میں اپنے کو بالکل بری الذمہ قرار دیتے ہیں، حالاں کہ شراب نہ پینا اور خود بنانا اور روپیہ دے کر اس کی تجارت کرانا اور دوسروں کو پلانا، جس طرح

اس کے دنیاوی فائدہ کا کا سبب ہے، اسی طرح اس سے اخروی عذاب سے حصہ ملے گا۔

پس ایسے لوگ اگر اپنے کو معصوم قرار دیں تو وہ معصوم نہیں ہو سکتے، بل کہ مجرم ہوں گے اور اپنے جرم کی سزا پائیں گے۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب تم لوگوں کو دعا دی جائے تو تم بھی اس سے بہتر دعا دو، یا اسی کو لوٹا دو، اللہ تمام چیزوں کا حساب لینے والا ہے۔ (پ۵ ع۸ سورۃ النساء:۸۶)

مسلمانوں کے معاشرہ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی اور سب کی بھلائی کو بہت ہی اہم مقام حاصل ہے اور انسانیت کی تمام قدریں پوری بے باکی اور تن ومندی کے ساتھ اس گلشن میں پھولتی پھلتی ہیں، اس معاشرہ میں بدامنی، بدچلنی، افواہ، حسد، کینہ، کپٹ، دشمنی اور چال کا کوئی تصور نہیں ہے، بل کہ ہر ایک کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو دور ہی سے امن وسلامتی کی دعا دے اور اس کی خیر خواہی کرے، یہ سلام جو سنت المسلمین ہے اور مسلمانوں کا بین العالمی شعار ہے، اس میں یہی روح کارفرما ہے، اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم کو دیکھ کر کوئی سلام کرے اور اچھی دعا دے تو تم کو چاہیے کہ اپنے اس خیر خواہ کے لیے اس سے اچھے انداز میں جواب دو اور جس طرح اس نے تمہاری سلامتی کی دعا دے کر اپنی وسعتِ قلبی اور ایمان داری کا ثبوت بہم پہونچایا ہے، تم بھی اسی طرح اس بات کے حریص بن جاؤ کہ اسی محبت کے جذبہ کے ساتھ اسے دعا دو، اگر اس کا موقع کسی وجہ سے نہ ہو تو کم از کم سلام کا جواب ضرور دیا کرو، اگر تم اتنا بھی نہ کر سکے تو تم سے بڑا بخیل کون ہوگا؟۔

(روز نامہ انقلاب بمبئی ۱۳ ستمبر ۱۹۸۲ء)

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ

شَیۡءٍ حَسِیۡبًا ﴿۸۶﴾

جب تم کو سلام و دعا کی جائے تو تم اس سے بہتر دعا دو، یا اسی کو لوٹا دو، اللہ ہر چیز پر محاسب ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء:۸۶)

اسلام نے انسانی برادری میں امن و سلامتی کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی تعلیم دی ہے، اور ایسے اصول وقوانین بتائے ہیں جن سے دنیا میں امن، سکون، چین اور صحت وسلامتی کی فضا پیدا ہوتی ہے، اور ہر طرف سے بدامنی، ظلم، فساد اور جنگ وغارت کی بندش ہوتی ہے، اسلام نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ جب وہ کسی مسلمان سے ملے تو دور سے اس کو سلام کرے، یعنی اس کی زندگی کے لیے امن وسلامتی اور صحت وتندرستی کی دعا کرے، اور وہ بھی اس کے جواب میں بڑی فراخ دلی، حوصلہ مندی اور کشادہ ظرفی سے اس سے بہتر انداز میں دعا دے، اور صحت وسلامی کی نوید سنائے، اگر سلام کرنے والے سے بہتر طور پر جواب نہیں دے سکتا تو اس کی طرح یہ بھی دعا دے کر اپنا فرض ادا کرے۔

دو ہم خیال اور ہم مذاق ملنے والے انسانوں کا یہ طرز ملاقات اختیار کرنا بتا رہا ہے کہ وہ کس قدر مقدس کام لے کر اٹھے ہیں اور دونوں میں کس قدر ہمدردی اور تعاون کا جذبہ موجود ہے، سلام مسلمانوں کا خاص دینی، قومی اور ملّی شعار ہے، اس لیے اسے اس انسان کے ساتھ برتا جائے گا، جو اسلامی اُصول وقوانین کا پابند ہو اور دنیا میں ان کو عام کرنے کے لیے زندہ ہو۔

جو لوگ ظلم وجہالت کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر سلام ورحمت کی فضا بند کرنے کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ اسلام کے مشن کے دشمن ہیں اور اس کی راہ میں سنگ گراں ہیں، ایسے لوگوں کی بات میں نہیں آنا چاہیے، بل کہ قرآن کا حکم ماننا چاہیے اور اسلام کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ

شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

جب تم لوگ زندگی کی دعا دیئے جاؤ (یعنی تم کو سلام کیا جائے) تو تم اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو، یا وہی تم بھی لوٹا دو، اللہ ہر چیز پر حساب کرنے والا ہے۔

(پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۶)

مسلمانوں کو ہنس مکھ، ہشاش بشاش، ہنستا بولتا ہونا چاہیے، مسلمانوں کی سوسائٹی، باہمی مبارک باد، دعا و سلام اور دل خوش کن باتوں سے معمور ہونی چاہیے اور ان کے معاشرے اور زندگی کی فضا کو ایسی پاک اور بے غبار رہنا چاہیے کہ اگر کوئی ان کی شرافت، انسانیت اور دیانت کو دیکھ کر ایک مرتبہ سلام کرے تو وہ اس سے نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ دس مرتبہ سلام کرنے کے لیے تیار رہیں، مسلمانوں کو آپس میں سلام، کلام کے بارے میں کوشش یہ کرنی چاہیے کہ اگر کسی بھائی نے سلام و دعا کے کلمات کہہ دیئے تو ہم اس سے بڑھ چڑھ کر جواب دیں، تا کہ اس کا دل ہماری محبت سے اور معمور و منور ہو اور ہمیں اور دعائیں دے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی مسلمان "السلام علیکم" کہے تو اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کے سلام سے اچھا جواب دے، اور یہ نہ کر سکے تو کم از کم اس جیسا تو جواب دے دے، اللہ جانتا ہے کہ کس کے دل میں اسلامی محبت اور دینی اخوت کا کتنا جذبہ موجود ہے اور اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر ایک کو آخرت میں بدلہ دے گا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹۵۰ء)

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر جواب دو، یا اسی کو لوٹا دو، اللہ ہر چیز پر حساب کرنے والا ہے۔ (پ ۵ ع ۸ سورۃ النساء: ۸۶)

اسلام انسانی معاشرہ کو امن وسلامتی اور صلح کا گہوارہ بنانا چاہتا ہے، وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ لوگ آپس میں ظلم وفساد کی گرم بازاری کو قائم رکھیں، بل کہ اس کا عین منشا ہے کہ ہر بستی امن وصلح کی گود میں ہنستی رہے، ہر طرف سکون واطمینان کا دار دورہ ہو، اور ہر جماعت بغض وحسد سے پاک وصاف ہو کر زندگی بسر کرے، اسلام نے اس کے عملی مظاہرے کے لیے اپنے پیروؤں کو ضروری قرار دیا ہے کہ آپس میں زندگی اور سلامتی کا پیغام دیا کریں، ہر ایک دوسرے کے لیے زندگی کی دعا کرے، اور ہر مسلمان ملاقات ہوتے ہی ہر قسم کی گفتگو سے پہلے اپنے بھائی کی زندگی کی دعا دے۔

غور کرو اس قومی سنت اور اسلامی روش میں امن وصلح کی روح کس طرح کارفرما ہے، اس روح کے ہوتے ہوئے باہمی جنگ وجدال، بغض وحسد اور عداوت ودشمنی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

نیز تعلیم دی جاتی ہے کہ جب کوئی بھائی تمہیں محبت دے اور زندگی کی دعا سے یاد کرے تو تم اس سے زیادہ بہتر طریقہ سے اس کے ساتھ پیش آؤ، ورنہ کم از کم اتنا ہی کرو کہ جس جذبہ اور عقیدت کے ساتھ اس نے سلام کیا ہے، تم بھی اسی زور کے ساتھ جواب دو، کتنے حرماں نصیب ہیں وہ لوگ جو باہمی اسلامی سنت یعنی سلام سے غافل ہیں، اور کتنے غافل ہیں وہ لوگ جو اپنے بھائی کے سلام کا جواب دبے الفاظ میں دیتے ہیں، یا سرے سے دیتے ہی نہیں، یہ لوگ اسلام کی قومی روح سے بے بہرہ ہیں، ان کو اس کا بہت زیادہ خیال کرنا چاہیے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۱/ستمبر ۱۹۵۱ء)

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ

جب تمہیں دعا وسلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر سلام ودعا بجالاؤ، یا اسی درجہ کا جواب لوٹا دو۔ (پ۵ ع۸ سورۃ النساء:۸۶)

دین زندگی کے مجموعی نظام کا نام ہے، دین کے لفظ میں ایمان ویقین اور عقیدہ بھی

شامل ہے، روحانیت اور اَخلاق کی روح بھی اس لفظ میں جلوہ گر ہے، سلام ودعا کوئی دنیاداری کی چیز نہیں، بل کہ دینی اَخلاق اور اسلامی سوسائٹی کا ایک بنیادی قانون ہے، ہمارا دین جہاں ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ انسان کا معاملہ اپنے اللہ سے کیسا ہونا چاہیے اور اپنی ذات اور نفس سے کیسا ہے؟ وہاں ہم کو یہ بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ انسان کو دوسرے انسانوں، دوستوں، ساتھیوں اور رشتہ داروں سے کیا معاملہ کرنا چاہیے، سلام وآداب کا معاملہ درحقیقت انسانیت کا قاعدہ ہے، جب ہم ایک دوسرے سے ملیں تو انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے دل ایک دوسرے سے صاف ہوں، ہمارے چہروں سے اچھے تعلقات کی تازہ بہار نمایاں ہو، اور ہم ہر بات سے پہلے ایک دوسرے کو سلام اور احترام پیش کریں، آداب وسلام محبت کی دلیل ہے۔

اب اَفراد کی محبت ہو یا خاندانوں کی، دوستوں کی محبت ہو یا جماعتوں کی، بہرحال نفرت اور دشمنی سے بہتر ہے، کیوں کہ محبت سے زندگی کی عمارت بلند ہوتی ہے اور نفرت بلند عمارتوں کو گرا کر زمین کے برابر کردیتی ہے، دنیا میں ہر منزل کا ایک نشانِ منزل ہوتا ہے، سلام ودعا اسلامی محبت اور اَخوت کا نشان ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ بات نہ بتادوں، جس کو اختیار کرکے تم آپس میں خوب محبت کرنے لگو، پھر فرمایا: وہ بات یہ ہے کہ خوب ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو، جیسے وہ کافر ہوئے، پھر سب برابر ہوجاؤ، اس لیے تم

ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ، یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر جائیں۔

(پ ۵ ع ۹، سورۃ النساء: ۸۹)

کفر و شرک کم نگاہی و تنگ نظری کا نتیجہ ہوتا ہے اور کفار و مشرکین سے وسعت نگاہی وکشادہ دلی سلب ہو جاتی ہے، اسی لیے جماعتی حیثیت سے ان میں حوصلہ مندی اور بلند نظری نہیں پیدا ہوگی، وہ کسی جماعت کو تن ومند اور ہشاش بشاش نہیں دیکھ سکتے، اور کسی قوم کا کوئی فرد بھی ان کی نظر میں باعزت اور خوش وخرم معلوم ہوتا ہے تو طرح طرح کی چالوں سے اسے اپنی سطح پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بخلاف اس کے جن کا عقیدہ توحید ورسالت پر ہوتا ہے، جن کے دلوں میں اسلامی وسعت ہوتی ہے، جن کی نگاہیں اللہ ورسول کی بلند تعلیمات سے کسب نور کرتی ہیں، وہ تمام انسانوں کو دنیاوی زندگی میں ایک نظر سے دیکھتے ہیں، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں اور سب کی خیر خواہی کرتے ہیں، اسی لیے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم دینی عقائد وتصورات، مذہبی اعمال ورسوم اور اسلامی معاملات میں کسی ایسے شخص سے دوستی مت کرو، جو کسی تنگ نظر، پست ہمت اور کم حوصلہ جماعت سے تعلق رکھتا ہو، اور جس کی آرزو ہو کہ دوستی کے بہانے تمہارے اسلامی اور دینی مقام کو ختم کر دے اور اپنی سطح پر تمہیں لے آئے، ہاں جب وہ ہر طرح سے تمہارا ہم نوا ہو جائے اور اپنے خیالات وتصورات سے پاک وصاف ہو کر تمہارے اندر گھل مل جائے تو پھر تم اسے اپنا لو، اور اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ ڈالو۔

جہاں تک دنیاوی معاملات میں زندگی گزارنے کا تعلق ہے، تم اغیار کے ساتھ اپنی حفاظت کرتے ہوئے ضرور تعاون کرو اور انسانیت کے رشتے سے ان کو اپنا بھائی سمجھو، مگر دنیا کے معاملہ میں تم ان میں نہ مل جاؤ، بل کہ وہ تم میں مل جائیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷ر جولائی ۱۹۵۳ء)

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى

يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

وہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش تم لوگ بھی کفر کرنے لگو، جیسا کہ وہ خود کفر کرتے ہیں، پس تم سب کے سب برابر سرابر ہو جاؤ، اس لیے تم لوگ ان میں سے کسی کو اس وقت اپنا دوست نہ بناؤ، جب تک کہ وہ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ (پ ۵ ع ۹ سورۃ النساء: ۸۹)

کفر و اسلام کی آویزش ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، کبھی تو اس کا ظہور جارحانہ اقدام سے ہوتا ہے اور کبھی ذہنی اور اعصابی جنگ کی صورت میں اس کا وقوع ہوتا ہے، کفار و مشرکین اپنے کو مسلمانوں کے کتنے ہی خیر خواہ اور ہمدرد ظاہر کریں، مگر ان کی تمنا یہی ہوگی کہ مسلمان ان کے طور وطریقہ پر ہو جائیں اور ان ہی کی طرح دنیا میں بے اصول زندگی گزار کر ان کا ساتھ دیں، اس سلسلہ میں وہ مختلف قسم کی چالیں چلیں گے اور مسلمانوں کو اپنی طرف لانے کی تدبیریں کریں گے۔

آج بھی دنیا میں یہی ہنگامہ برپا ہے، اور تہذیب وتمدن اور خیال وفکر کی نئی راہوں سے اسلام اور مسلمانوں کو مسخ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، کہیں مسلمانوں سے خیر خواہی کا اظہار کر کے اس کام کو کیا جاتا ہے اور کہیں کھل کر مسلمانوں کو دھمکی دی جاتی ہے، قرآن حکیم مسلمانوں کو اس صورتِ حال سے آگاہ کر رہا ہے، کہ خبردار شعوری اور غیر شعوری طریقہ سے تم کہیں ان کے جال میں نہ آجانا اور ان کی دھمکیوں سے ڈر کر یا ان کی چالوں میں آکر اپنے مقامِ عزیمت سے نہ بہکنا، اس بارے میں تمہیں بہت چوکنا رہنا چاہیے اور کفار و مشرکین کی دوستی میں اسلام کو بچانا چاہیے، جب تک کفار و مشرکین کھل کر صاف صاف طریقہ سے کوئی معاملہ نہ کریں، تم لوگ ان کا اعتبار نہ کرو، اگر وہ اسلام سے دلچسپی کا اظہار کریں، تب بھی جب تک پورے طور سے اسلام کو اپنا نہ لیں، تم ان سے خبردار ہی رہو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

اگر مخالف تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں اور صلح کی طرف مائل نہ ہوں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو پھر تم بھی ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ، قتل کرو، تم کو اس کی عام اجازت دی گئی ہے۔

(پ ۵ ع ۹، سورۃ النساء: ۸۹)

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ جو لوگ تم سے نہیں جھگڑتے اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھاتے ہیں، ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرو، کیوں کہ اسلام صلح و امن چاہتا ہے، یہاں فرمایا کہ اگر شریر لوگ تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں اور نہ صلح کی طرف مائل ہوں اور ہاتھا پائی پر تیار ہو جائیں تو پھر تمہیں بھی بزدل نہ بننا چاہیے اور اپنی مدافعت میں تمہیں بھی ہاتھ ہلانے چاہئیں، پس ایسے لوگوں پر ہرگز رحم نہ کرو، کیوں کہ وہ مفسد ہیں اور ان کی حرکتوں سے سوسائٹی کا نظام خراب ہوتا ہے، وہ جہاں بھی ملیں، ان کو پکڑو اور ان کی گردنیں مارو، کیوں کہ چند اَشرار کے ختم ہونے سے بہت سے لوگوں کو امن مل جائے گا اور آئندہ کے لیے جارحانہ اقدام کا سدِّ باب بھی ہو جائے گا، چوں کہ اسلام ایک صالح تمدن پیدا کرنا چاہتا ہے، اس لیے وہ اپنے اَحکام میں مصلحتوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

اے ایمان والو! جب تم خدا کی راہ میں زمین پر چل پڑو تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو شخص تم سے سلام کرے، اسے مت کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ (پ ۵ ع ۱۰ سورۃ النساء: ۹۴)

اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اے مجاہدینِ اسلام! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل پڑو تو ہر معاملہ کی پوری تحقیق کر لیا کرو، تم دنیا کی حکومتوں کی فوجوں کی طرح غیر ذمہ دار فوج نہیں ہو کہ آبادیوں اور بستیوں میں تباہی مچاتے

پھرواور ذرا ذرا سی بات کی وجہ سے جہاد کے نام پر غلط اقدام کرو، بل کہ تم رحمت ومحبت کے پیغام بر بنا کر بھیجے جارہے ہو، تا کہ دنیا کو اسلام وامن کا وعظ سناؤ، اور خدا کی زمین پر توحید ورسالت کا علَم لہراؤ، تم ایسا ہرگز نہ کرو کہ اگر کوئی قوم یا کوئی شخص تم سے سلام کرتا ہے اور اسلامی طریقۂ ملاقات کو برت کر اپنا اسلام ثابت کرنا چاہتا ہے، تو اسے یہ کہہ کر اور کافر سمجھ کر قتل کر ڈالو کہ اس نے جان بچانے کے لیے یہ کام کیا ہے۔

غور فرمایئے کہ جب قرآنِ حکیم مجاہدین کو اس شدت سے اس غلط کاری سے روک رہا ہے تو آج کے "مجاہدینِ اسلام" جو غزوات کے میدان کے نہیں، بل کہ جدل ومناظرہ کے میدان کے مجاہد ہیں، اپنے اس کام میں کہاں تک حق پر ہیں، جو مسلمانوں میں کفر کی مشین گن داغ رہے ہیں، آپ ہزار نمازیں پڑھیں، ہزار روزہ رکھیں، ہزار دین دارانہ زندگی گزاریں، لیکن آپ اگر گروہ بندی اور افتراق وانشقاق سے الگ رہتے ہیں اور صحیح راہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو آپ ان وقتی مجاہدوں کی تکفیر کی زد میں آجائیں گے اور آپ کا تمام اسلامی کارنامہ اور ساری اسلامی زندگی ان کے نزدیک اس لیے بے کار ہوگی کہ آپ ان کی پارٹی میں نہیں ہیں، بل کہ کتاب وسنت کے دامن میں رہنا چاہتے ہیں، بتایئے! نزولِ وحی کا زمانہ ہوتا تو ان ملّاؤں اور مولویوں کے بارے میں کیا آیت نازل ہوتی، جو آج صرف سلام کرنے والے مسلمانوں کو نہیں، بل کہ اچھے اچھے دین داروں کو کافر کہتے ہیں، لیبلك علی الاسلام من کان باکیا. (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو، تو تحقیق کرو، اور جو شخص تم سے السلام علیکم کہے، اسے مت کہو کہ تو مسلمان نہیں؟ (پ ۵ ع ۱۰ سورۃ النساء: ۹۴)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ صحابۂ کرام ایک جہاد میں تشریف لے گئے، راستہ میں ایک آدمی ملا، جو پہلے مخالف گروہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے ایک مسلمان سپاہی کو اپنے سامنے پاکر "السلام علیکم" کہا، جو اس کے مسلمان ہونے کی علامت تھی، مگر مجاہد صحابی نے یہ سمجھ کر کہ اس نے جان بچانے کے لیے سلام کو بہانہ بنایا ہے، اس آدمی کو قتل کر دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے اس صحابی کو ان کی اس غلطی پر ٹوکا اور نہایت سختی سے اس پر سرزنش فرمائی، آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس آدمی کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس میں ایمان نہیں ہے؟

قرآنِ حکیم نے اسی قسم کی باتوں کی روک تھام کے لیے ایک اصول بتادیا کہ اے مسلمانو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکلو، یا کہیں اور جاؤ، تو جلد بازی مت کیا کرو، اور کوئی معاملہ سامنے آجائے تو پوری تحقیق کرلیا کرو، اور جلد بازی میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ، جو اسلامی زندگی کے سراسر خلاف ہو، اور جس سے اسلامی زندگی پر دھبہ آئے، کوئی انسان جان پہچان کا ہو، یا جان پہچان کا نہ ہو، اگر تم کو راستہ میں ملے اور سلام کرے تو تم کو اسے مسلمان سمجھنا چاہیے، کیوں کہ سلام مسلمان قوم کی بین الاقوامی سنت اور عالمی دستور ہے، اور یہ نہ کہو کہ یہ کافر ہے، اور بہانہ کر کے سلام کرتا ہے، اگر تم ایسی حرکت کروگے تو اسلامی زندگی کے خلاف کام کروگے۔

ذرا اس قرآنی تصریح کو دیکھو، اور ذرا اپنے ملّاؤں کی حرکت کو دیکھو کہ جو ان کی رائے میں نہ ہو، وہ لاکھ سلام کرے، لاکھ نماز روزہ کرے اور لاکھ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، مگر یہ ملّا اسے کافر ہی کہتے ہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسے لوگوں کا حشر کیا ہوگا؟

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى

اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

اور جو شخص وطن چھوڑ دے اللہ کی راہ میں تو وہ زمین کے اندر بہت سی جگہیں اور کشادگی پائے گا اور جو شخص اپنے گھر کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل پڑے، پھر اسے اسی راہ میں موت آجائے تو اس کا ثواب اللہ پر ٹھہر چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(پ ۵ ع ۱۱، سورۃ النساء:۱۰۰)

یہ زندگی اس لیے ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ نیک اور کام یاب بنایا جائے، بل کہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں کو بھی نیک سے نیک اور بہتر سے بہتر بنایا جائے، اسلام اسی لیے کہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم خود سچائی پر زندہ رہو اور دوسروں کو سچائی پر زندہ رہنے اور مرنے کی دعوت دو، اسی دعوت کا نام اللہ کی راہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ ہے اور اس راہ کا جامع اور اصطلاحی نام "اسلام" ہے۔

خوب یقین رکھو کہ جو قوم اس دنیا میں اللہ کی بتائی ہوئی راہ کو اختیار کرے گی اور اس کے دین کی اشاعت وتبلیغ کے لیے گھر سے باہر ہوگی، وہ اس دنیا میں بہترین قوم ہوگی اور یہاں کی ہر بستی اسے خوش آمدید کہے گی، ہر جگہ اس کی آؤ بھگت ہوگی اور لوگ چاہیں گے کہ سچائی کے یہ نامہ بر ہمیں کی تلقین کریں، اسی طرح جو شخص اس کام کو کرے گا، وہ دنیا میں ہر جگہ اپنے جینے کے لیے نہایت کشادہ میدان پائے گا اور اسے اس مشن کو چلانے کے لیے بہترین حالات ملیں گے، اگر آج تم محسوس کرتے ہو کہ ہمارے لیے دنیا تنگ ہو رہی ہے، دم گھٹا جا رہا ہے اور ہر جگہ ہمارے لیے بے گانگی برستی ہے، تم اپنی انفرادی، قومی، جماعتی اور ملی زندگی کا جائزہ لو اور دیکھو کہ اس میں اللہ کا کس قدر کام ہو رہا ہے؟ جس زندگی کا حال یہ ہو کہ اس میں مرجانا اجر وثواب کا موجب ہو، وہ زندگی کس قدر کام یاب ہوتی ہے، اس کا جواب اسلاف رحمہم اللہ کی زندگی اور موت سے ملے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ر ستمبر ۱۹۸۱ء)

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

اور جب تم لوگ نماز پوری کرلو تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان ہو جائے تو پھر نماز کو قائم کرو، بے شک نماز مومنین پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔ (پ ۵ ع ۱۲ سورۃ النساء: ۱۰۳)

اوپر کی آیتوں میں بحالتِ جنگ نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اس کے بعد فرمایا جارہا ہے کہ جب عین خاک وخون کی ہنگامہ آرائی میں بھی کسی نہ کسی طرح نماز ادا کرلو، اور دشمنوں کے مقابلہ کے لیے نکل جاؤ تو یہ نہیں کہ فرض ادا کر چکے، اس لیے اب خدا کو یاد نہ کرو، نہیں، بل کہ عین جنگ کی حالت میں کھڑے، بیٹھے، لیٹے، لڑتے، مقابلہ کرتے، دوڑاتے، بھاگتے، بھگاتے۔

غرض کہ ہر حال میں خدا کو کثرت سے یاد کرو، میدانِ جنگ میں خدا فراموشی نہ کرو، ورنہ پانسا پلٹ جائے گا اور تمہاری خیر نہ ہوگی، پھر جب نماز کا وقت آجائے اور تمہیں ذرا بھی سکون واطمینان مل جائے تو فوراً پھر اسی طریقہ پر نماز کی صف لگادو اور خدا کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، کیوں کہ نماز کسی حال میں بھی کسی فردِ مسلم سے معاف نہیں ہو سکتی۔

نماز تعلق مع اللہ کا عملی مظاہرہ ہے، جس کا ظہور کفار کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے، تا کہ خدا کی نصرت ومدد متوجہ ہو اور کفر کی طاقت ٹوٹے۔

مسلمان یاد رکھیں، اگر کسی زمانہ میں انہیں کافرانہ طاقتوں سے سخت مقابلہ ہو جائے اور طاغوتی حرکات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو ہاتھ پیر مارنا پڑے تو اس صورت میں مسلمانوں کا سب سے اہم ہتھیار ذکرِ خدا اور تعلق مع اللہ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

پس جب تم لوگ نماز پوری کرلوتو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر یاد کیا کرو، اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قائم کرو، بے شک نماز مومنوں کے اوپر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ (پ ۵ ع ۱۲ سورۃ النساء: ۱۰۳)

اس سے پہلے جہاد کرتے ہوئے نماز باجماعت پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اب بتایا جارہا ہے کہ جب تم لوگ میدانِ جہاد کی جان کی بازی کی حالت میں اس طرح نماز باجماعت پڑھ لوتو پھر اپنے کام میں لگ جاؤ اور دین کے نام پر اپنی جانوں کو ابتلاء وآزمائش میں جھونک دو اور اس حالت میں بھی تم خدا کی یاد سے ذرا بھی غافل نہ ہو، بل کہ لڑتے ہوئے بھی جیسے تمہارے لیے ممکن ہو، اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہو، کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹ کر، سواری پر، پیدل، اعضاء وجوارح سے، دل اور اشارے سے غرض کہ کسی حالت میں خدا کی یاد سے غافل نہ ہو، پھر جب دَم لینا نصیب ہوتو باقاعدہ جماعت کے ساتھ وقت کی پابندی کرتے ہوئے سب مل کر نماز پڑھو۔

مسلمان غور فرمائیں کہ جنگ وجہاد کی ہولناکیوں میں بھی نماز سے فرصت نہیں ہے، بل کہ جیسے بھی ممکن ہو، اسے ادا کرنا ہی پڑے گا، بھلا اس نازک وقت سے زیادہ نازک اور مصروف وقت انسانی زندگی میں نہیں آسکتا ہے؟ اور آدمی معذرت کرسکتا ہے کہ موقع اور فرصت نہیں مل سکی کہ نماز ادا کرسکیں؟ تو پھر کون سا وقت ہوسکتا ہے، جس میں نماز کا حکم اٹھ سکتا ہے؟

خوب غور سے سن لو کہ کسی وقت اور حال میں بھی نماز معاف نہیں ہے، مسلمانوں کو تو یہ وظیفۂ حیات زندگی کے ہر مرحلہ پر ادا کرنا ہی پڑے گا، آج کل کے روشن خیال لوگوں کو زندگی کی گوناگوں مصروفیتوں سے اتنی فرصت نہیں ملتی ہے کہ وہ بقول خود پانچ وقت کی نماز ادا کرسکیں، یہ روشن خیالی نہیں، بل کہ اپنی ذمہ داری سے غفلت ہے اور بالا دست قوت سے بغاوت ہے، کیریکٹر تو یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنی ذمہ داری کو نباہتا رہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ وَلَا تَكُن لِّلۡخَآئِنِينَ خَصِيمٗا ﴿١٠٥﴾

ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ آپ انسانوں کے درمیان وہ فیصلہ کریں، جس کی رہنمائی آپ کو اللہ نے کی، اور آپ خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ ہوں۔

(پ ۵ ع ۱۳، سورۃ النساء: ۱۰۵)

انسانوں کے درمیان انصاف اور عدل نہایت ضروری امر ہے اور اس کے بغیر انسانی زندگی ایسی افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ جماعتی تباہی و بربادی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، انصاف انسانی زندگی کے لیے اجتماعی ہو یا انفرادی، ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے، اور اس کے بغیر انسانی زندگی کا ڈھانچہ قائم نہیں رہ سکتا، مگر یہ افسوس ناک بات ہے کہ انسانی معاشرہ میں انصاف ہمیشہ سے نایاب رہا ہے اور باطل پرستوں اور خود غرضوں نے انسانیت کی اس متاعِ عزیز کو ہمیشہ گم کرنے کی کوشش کی ہے، اسلام جو انسانی مساوات کا علَم بردار ہے اور جس کا نعرہ انسانی زندگی کی فلاح و نجاح ہے، اس نے عدل و انصاف کو تمام انسانوں کے لیے نہایت ارزاں اور نہایت آسان کر دیا ہے اور اپنے تمام پیروؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ انسانوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت اللہ کی میزان سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ نے جس حق پسندی، انصاف پسندی اور عدل پسندی کا حکم دیا ہے، اس سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے ہوئے آدم کی تمام اولاد کے درمیان فیصلہ کریں، تاکہ ہر امیر و غریب، ہر مزدور و سرمایہ کار، ہر چھوٹا، بڑا اور ہر طبقہ اور خطہ کا انسان حق و انصاف سے پوری طرح بہرہ ور ہو سکے، اور اس کے حقوق پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طرف متوجہ کر کے تمام مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنوں اور غیروں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے صرف اللہ کی کتاب کو روشن بنائیں اور دوسری کسی طاقت کا مطلق لحاظ نہ کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۰ رمئی ۱۹۷۶ء)

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱۰۵﴾

ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے، تاکہ تم خدا کی بخشی ہوئی بصیرت کے ساتھ لوگوں کا فیصلہ کرو، اور تم خائن لوگوں کی پاس داری نہ کرو۔

(پ ۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۰۵)

اسلام کا منشا دنیا میں ایسی صالح اور پاکیزہ زندگی برپا کرنا ہے، جو ہر طرح کی جانب داری، پاس داری اور طرف داری سے پاک ہو اور جو بات حق ہو، ہر جگہ میں، ہر محفل میں اور ہر شخص کے بارے میں برملا اجاگر کی جائے، یہ بے لگی لپٹی اور پاک وصاف زندگی اسی قانونِ حیات کے سرچشمہ سے مل سکتی ہے، جسے ”قرآن“ کہا جاتا ہے اور جو اسلام کی الہامی کتاب ہے۔

یہ قرآن اسی لیے آیا ہے کہ انسان اسے عملی زندگی میں برتیں اور اس پر عمل کریں، یہ صرف نظریات کی کتاب نہیں ہے، نہ کوئی صرف فکری دعوت ہے، بل کہ اس کی فطری دعوت بھی عمل ہی کے لیے ہے، پس تم اس سے فکر و عمل کے لیے بصیرت حاصل کرو، اور اپنی زندگی کو عدل وانصاف کے ایسے سانچے میں ڈھال دو، جس میں کجی کا نام ونشان تک نہ ہو، اور اپنوں کے لیے یا غیروں کے لیے جو بات بھی کہو دوٹوک کہو اور دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر کے رکھ دو، خبردار عدل وانصاف اور حق کے بارے میں کسی طرح کی طرف داری نہ کرنا، ورنہ دنیا اور آخرت میں بُرے نتائج کے سزاوار ٹھہرو گے اور خدا کی گرفت تمہیں بھی ظالموں اور حق ناشناسوں کے زمرہ میں داخل کر دے گی۔

مسلمان غور کریں کہ وہ قرآن کو اسی معیار پر استعمال کرتے ہیں، یا اسے ایک مظلوم حقیقت بنائے ہوئے اسے بالکل ہی ترک کر چکے یا پھر اسے استعمال بھی کرتے ہیں تو اپنی اپنی جماعتوں اور فکری گروہ بندیوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِیۡنَ یَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ خَوَّانًا اَثِیۡمًا ﴿۱۰۷﴾ۚۙ

اور ان لوگوں کی طرف آپ مت جھگڑا کیجیے جو خود اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کا معاملہ کرتے ہیں، بے شک اللہ اس آدمی کو پسند نہیں کرتا جو بہت زیادہ خائن اور گنہ گار ہو۔

(پ ۵ ع ۱۳، سورۃ النساء: ۱۰۷)

جو آدمی اپنی ذات کا بھلا نہ چاہے، اس کی خیر خواہی کے لیے طرح طرح کی تکلیف اٹھانا بے کار ہے، جو انسان اپنی ذات تک سے دھوکہ بازی کرتا ہے، وہ بھلا کب سیدھی راہ پر آسکتا ہے، ایسے لوگوں کی طرف داری کر کے ان کی ہدایت کرنا مشکل بات ہے۔

لہٰذا ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، دنیا میں ہر جان دار فطری طور سے اپنا فائدہ چاہتا ہے اور مضر چیزوں سے دور بھاگتا ہے، مگر جو لوگ اس فطری حقیقت سے بھی عاری ہو چکے ہیں، اور اپنی زندگی کے مفاد تک سے بے زار ہیں، ان کو سمجھانا بہت مشکل کام ہے۔

کتنے کم بخت ایسے ہیں، جن سے دین پر عمل کرنے کے لیے کہو تو کہتے ہیں کہ ہم جہنم ہی میں جائیں گے، جنت تو تم لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے، آخر جہنم کے لیے بھی آدمی کی ضرورت پڑے گی، ہمیں اپنی حالت پر چھوڑ دو اور اپنی فکر کرو، جو کم نصیب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، وہ اپنے لیے خائن ہیں، اپنی فطری استعداد پر ڈاکہ مارنے والے ہیں، ان کو سمجھانا بجھانا بالکل ہی عبث ہے۔

یہاں ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی فکر نہ فرمایئے، یہ لوگ جب اپنے نہیں ہیں، تو آپ کے کیسے ہوں گے، بس ان کو اللہ ہی سمجھے گا۔

اے مسلمانو! ضلالت و گمراہی کی اس حالت سے ڈرتے رہو، اور اپنے بارے

میں خائن نہ ٹھہرو، ورنہ یاد رکھو، اس حال پر پہونچنے کے بعد رشد و ہدایات کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں اور زندگی سنبھلنے نہیں پاتی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

وہ انسانوں سے چھپاتے ہیں، اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے، اور جس وقت وہ ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ سب کو احاطہ کرنے والا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۳ سورۃ النساء: ۱۰۸)

انسان خودفریبی میں مبتلا ہوکر ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ خدا کی پناہ، بڑے بڑے عقل مند جب خودفریبی پر اترتے ہیں تو بے وقوفی نادانی کی حد تک کردیتے ہیں اور ان کی مثال اس خرگوش کی ہوجاتی ہے، جو شکاری سے عاجز آکر ایک جگہ آنکھ بند کر کے بیٹھ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شکاری مجھے نہیں دیکھ رہا ہے، جب آدمی پر شرارت وعدوان کا نشہ طاری ہوتا ہے اور اس کے اندر عصیان وطغیان کی روح رقص کرنے لگتی ہے تو پھر وہ اپنی ان حرکتوں کو جنہیں وہ خود بھی اپنے اوپر اور معاشرے کے سامنے مجرمانہ سمجھتا ہے، عوام سے چھپاکر کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ چلو کسی نے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ہمیں نہیں دیکھا اور ہماری پاک بازی اور پاک دامنی بحال رہی، حالاں کہ بے وقوف خوب جانتا ہے کہ بُرائی کھل کر کی جائے یا چھپ کر، بہرحال برائی ہے اور اس کا نتیجہ مرتب ہوگا اور ظاہر وباطن کی قید سے نتائج کے ظہور کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

قدرت کا قانونِ مجازات کسی حال میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا، کیوں کہ قدرت کے علم واحاطہ سے کوئی چیز خارج نہیں ہے، پس اپنے ساتھ منافقت کرنا اور ظاہر وباطن کے خودساختہ فرق سے اپنے کو دھوکہ دینا، نہ اپنے لیے سودمند ہے اور نہ قانونِ قدرت سے پوشیدہ، بل کہ یہ حرکت اور بھی سنگین بن جاتی ہے، کیوں کہ اسی طریقہ سے مجرم جرائم کے باوجود مطمئن رہتا ہے کہ میں سوسائٹی کی

نظر میں مجرم نہیں، بل کہ پاک دامن و پاک ظاہر ہی ہوں۔(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵/اپریل ۱۹۵۴ء)

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو شخص برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا۔ (پ ۵ ع ۱۳ سورۃ النساء:۱۱۰)

انسان اللہ کی بہت ہی پیاری مخلوق ہے، خدا نے اس کے فائدے کے لیے یہ دنیا اور اس کی ساری رنگینیاں پیدا فرمائیں، چاند، سورج اور ستارے بنائے، سرد و گرم موسموں کو بنایا، سالوں، مہینوں اور دنوں کو پیدا فرمایا، پھر سب کچھ کرنے کے بعد انسان کو اس زمین پر اپنی نیابت دے دی اور ساتھ ہی اس کی ہدایت کے لیے اصول و قواعد مقرر کر دیئے، آسمانی احکام کا انتظام کیا۔

ان ہی انسانوں میں سے ان کی ہدایت کے لیے انبیاء و رُسُل مبعوث کیے اور ان کے لیے نیک راہوں کو اجاگر کیا، اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اگر انسان بے راہ روی اختیار کرتا ہے اور بے راہ ہو جاتا ہے تو اس سے درگزر کر دینے کی سنت جاری فرما دی، سوچ سکتے ہو کہ کیا اس سے بڑھ کر شفقت و محبت کا کوئی درجہ ہو سکتا ہے، اب یہ انسان کی استعداد و صلاحیت ہے کہ وہ قدرت کی ان بخششوں سے فائدہ حاصل کر لے اور صحیح راستہ پر چلے یا اس کی ناکامی و حرماں نصیبی ہے کہ ان باتوں کے باوجود اس دنیا سے ناکام و نامرام جائے۔

قدرت کو خوب معلوم ہے کہ انسان اپنی جبلت کے اعتبار سے بہت ہی رنگین واقع ہوا ہے اور اس میں بے راہ رو ہو جانے کا مادہ موجود ہے، اس لیے اس نے ان تمام انتظامات کے باوجود مزید فضل فرمایا کہ اس کی لغزشوں اور گناہوں سے درگزر کرنے کا اعلان فرما دیا، اب یہ انسان کا کام ہے کہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھائے، خدا نیند سے اٹھ کر اس کے گناہوں کو بخشنے کے لیے نہیں آئے گا اور اس کی گردن دبا کر توبہ و استغفار نہیں اُگلوائے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

وَ مَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُہٗ عَلٰی نَفۡسِہٖ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو شخص برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا، اور جو شخص گناہ کمائے گا تو وہ اسے اپنے حق میں کمائے گا اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

(پ ۵ ع ۱۳، سورۃ النساء: ۱۱۰، ۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کی راہیں جدا جدا بنادی ہیں اور پھر دونوں کو بتانے کے لیے عقل دی، انبیاء مبعوث کیے اور کتابیں نازل فرمائیں، اب ہر انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنا نفع ونقصان دیکھ کر جو راہ چاہے، وہ اختیار کرے، اللہ نے اتنا کچھ کر دیا اور اب یہ نہیں کرے گا کہ ہر ہر شخص کا ہاتھ پکڑ کر نیک راہ پر چلائے اور ثواب دے، بل کہ جسے اللہ تعالیٰ کے اجر وثواب کی خواہش ہے، وہ نیکی کی راہ پر چلے اور جسے اس کے غضب کو اپنانا ہے، وہ برائی کی راہ اختیار کرے، یہ تو قانونِ قدرت ہے، جو بالکل اٹل اور برحق ہے، اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم کو بطور خاص یوں عام فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کر کے توبہ واستغفار کرے گا اور اپنی غلطی کا اعتراف واقرار کر کے آئندہ سے بچنے کا عہد وپیمان کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی مغفرت وبخشش سے نوازے گا اور اس کی لغزشوں اور گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

اس فضلِ خداوندی اور رحمتِ باری کے بعد بھی اگر کوئی زندگی بھر گناہ کرتا رہے اور توبہ واستغفار نہ کرے تو یہ اس کی اپنی محرومی ونا کامی ہے اور قانونِ قدرت اسے اصول مجازات کے مطابق سزا دے گا، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا نہ ظلم ہوگا، نہ اس کی ناانصافی ہوگی، ہاں اس کا فضل وکرم یقیناً ہوگا، ان حقائق کے بعد بھی اگر انسان اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے فیض نہ اٹھائے اور جرم وگناہ پر توبہ واستغفار کر کے بہتر زندگی گزارنے کا عزم وعہد نہ کرے تو یہ اس کی بدبختی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۱۰﴾

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو شخص برائی کرے گا یا اپنے اوپر ظلم کرے گا، پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا، اور جو شخص گناہ کمائے گا تو وہ اسے اپنے اوپر کمائے گا اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

(پ ۵ ع ۱۴، سورۃ النساء: ۱۱۰، ۱۱۱)

اللہ کا قانونِ مجازات بہت سخت ہے اور اس کا عدل و انصاف بے لاگ فیصلہ کرنے والا ہے، اس میں کسی مجرم اور گناہ گار کو دم مارنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور کسی مطیع اور نیکو کار کو اُف کرنے کا موقع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے، نواز دے یا جسے چاہے، سزا دے، یہ اس کی مرضی کی بات ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ ایک بات ایسی ہے، جس پر ہم گناہ گار پُر امید ہیں اور ہمیں بھی اپنا مستقبل روشن نظر آتا ہے اور یہ بات اس کا کرم و فضل اور رحم و مغفرت ہے، فضلِ خداوندی اور رحمتِ الٰہی جس بڑے سے بڑے مجرم کو چاہے، صاف بخش دے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، اسے حق حاصل ہے، عفو و درگزر سے کام لے کر اپنے قانونِ عدل اور اصولِ مجازات کا معاملہ نہ کرے، بل کہ رحم و کرم کا معاملہ کرے، مگر اس کے لیے گناہ گاروں اور مجرموں کو توبہ اور استغفار کرنا پڑے گا، اور رحمتِ الٰہی کے سامنے عجز وانکساری اور اقرارِ جرم کر کے عفو و درگزر کی درخواست کرنی ہوگی، اور یہ کام کوئی بہت اہم نہیں ہے کہ جان و مال کی قربانی دینی پڑے گی، یا اپنے کو مصائب میں مبتلا کرنا ہوگا اور اپنے جسم و روح کو کوئی تعذیب و تکلیف دینی ہوگی، بل کہ اپنے جرائم کا اقرار کر کے ان پر اظہارِ ندامت کرنا اور صدق دل سے اپنی غلطی کا اقرار واعتراف کر کے آئندہ اس سے بچنے کا عہد و پیمان کرنا توبہ ہے۔

اس عفو و درگزر کی سہل اور آسان سبیل کے بعد بھی اگر کوئی شخص گناہ ہی کرتا رہے اور مرتے دم تک اسے توبہ و استغفار نصیب نہ ہو تو اس سے بڑھ کر بد بخت اور کون ہوگا؟

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۰ر اگست ۱۹۶۰ء)

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۱۰﴾

وَ مَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُہٗ عَلٰی نَفۡسِہٖ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو شخص برائی کرے گا یا اپنے اوپر ظلم کرے گا، پھر اللہ سے مغفرت چاہے گا تو وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا، اور جو شخص گناہ کمائے گا تو وہ اسے اپنے اوپر کمائے گا اور اللہ علیم حکیم ہے۔ (پ ۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۰، ۱۱۱)

اللہ کا قانونِ مجازات سخت اور اس کا عدل وانصاف بے لاگ فیصلہ کرنے والا ہے، اس میں کسی مجرم اور گناہ گار کو دم مارنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور کسی مطیع اور نیکوکار کو اُف کرنے کا موقع نہیں ہے، اللہ جسے چاہے، نوازے یا جسے چاہے، سزا دے، یہ اس کی مرضی کی بات ہے، مگر ساتھ ہی ایک بات ایسی ہے، جس پر ہم گناہ گار پُر امید ہیں اور ہمیں بھی اپنا مستقبل روشن نظر آتا ہے اور یہ بات اس کا کرم وفضل اور رحم ومغفرت ہے، فضلِ خداوندی اور رحمتِ الٰہی جس بڑے بڑے مجرم کو چاہے، صاف بخش دے، اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے، اسے حق حاصل ہے، عفو ودرگزر سے کام لے کر اپنے قانونِ عدل اور اصولِ تجارت کا معاملہ نہ کرے، بل کہ رحم وکرم کا معاملہ کرے، مگر اس کے لیے مجرموں اور گناہ گاروں کو توبہ استغفار کرنا پڑے گا، اور رحمتِ الٰہی کے سامنے عجز وانکساری اور اقرارِ جرم کر کے عفو ودرگزر کی درخواست کرنی ہوگی، اور یہ کام کوئی بہت اہم نہیں ہے کہ جان ومال کی قربانی دینی پڑے گی، یا اپنے کو مصائب میں مبتلا کرنا ہوگا اور اپنے جسم وروح کو کوئی تعذیب وتکلیف دینی ہوگی، بل کہ اپنے جرائم کا اقرار کر کے ان پر اظہارِ ندامت کرنا اور صدق دل سے اپنی غلطی کا اقرار واعتراف کر کے آئندہ اس سے بچنے کا عہد وپیمان کرنا توبہ ہے، اس عفو ودرگزر کی سہل وآسان سبیل کے بعد بھی اگر کوئی شخص گناہ ہی کرتا رہے اور مرتے دم تک اسے توبہ واستغفار نصیب نہ ہو تو اس سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوگا؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو شخص گناہ کمار ہا ہے تو وہ اپنے لیے اسے کمار ہا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

(پ ۵ ع ۱۴، سورۃ النساء: ۱۱۱)

اس دنیا میں قانونِ مجازات ہر موقع پر کام کر رہا ہے اور یہاں کا کوئی کام اس قانون کی حد سے باہر نہیں ہے، یہاں جو جیسا کرتا ہے، وہ ویسا ہی پاتا ہے، جَو بونے سے جَو ملتا ہے اور گندم سے گندم ملتا ہے، جو پیستا ہے، وہی اٹھاتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ گیہوں کی تمنا کرنے سے جَو کا کھیت گیہوں اگانے لگے گا، یا پھول کی آرزو پر کانٹے گل بوٹے اگلنے لگیں گے، بل کہ جو جیسا کرے گا وہ ویسا ہی پائے گا۔

قرآن حکیم اس کو بیان فرما رہا ہے کہ اگر کوئی انسان دنیا میں جرم کرتا ہے، معصیت کرتا ہے اور اپنی زندگی میں خطا کاری کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا وبال خود اس کے اوپر جائے گا اور سارا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا، بل کہ اگر کوئی گناہ خطرناک قسم کا ہے تو اس کی ذات سے گزر کر اس کے بال بچوں اور گھرانے تک میں لعنت و نحوست پھیل جاتی ہے اور نسلیں خراب ہونے لگتی ہیں، ایسے خطرناک جرائم عام طور پر وہی ہوتے ہیں، جن سے انسانیت کی جڑ کھوکھلی ہو جاتی ہے، جیسے شراب خواری، زنا کاری، سود خوری وغیرہ وغیرہ، یہی وجہ ہے کہ شراب خواروں، سود خواروں اور زنا کاروں کی اولاد اور ان کا کنبہ نسلاً بعد نسلٍ بے غیرتی اور بے حیائی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی یکم دسمبر ۱۹۷۵ء)

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور ارادہ کرتا ان میں سے ایک گروہ تاکہ آپ کو گمراہ کر دے، اور وہ نہیں گمراہ کرتے ہیں مگر اپنے آپ کو، اور آپ کو کچھ

بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ (۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۳)

ضلالت وگمراہی کے بھی حوصلے بہت بلند ہوتے ہیں اور رشد وہدایت کے مقابلہ کے لیے ان میں بڑی توانائی اور چستی معلوم ہوتی ہے، اربابِ ضلالت بڑے سخت جان قسم کے ہوتے ہیں، اور بڑی خطرناک چال چلتے ہیں، ان کے بارے میں یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول! ان کی ہمتیں یہاں تک بلند ہیں کہ وہ آپ کو بھی اپنے حلقہ میں لانے کی نیت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کی ہے اور اس کا آپ پر بڑا فضل وکرم ہے، ورنہ یہ تو آپ کو بھی اپنی راہ پر لانے کی کوشش میں ہیں، مگر چوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ونگراں ہے، اس لیے ان کی دال نہیں گلتی، بل کہ یہ جس قدر چال چلتے اسی قدر خود پھنستے جاتے ہیں، وہ نہ آپ کو گمراہ کر سکتے ہیں، نہ نقصان پہونچا سکتے اور نہ ہی مسلمانوں کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں، بل کہ سراسر اپنا نقصان کرتے ہیں، گمراہی میں رہ کر رشد وہدایت سے محروم ہیں اور زندگی کی مسرتوں سے سراسر بے بہرہ ہیں۔

مسلمانوں کو اَربابِ ضلالت کی چالوں اور ان کی کوششوں سے چوکنا رہنا چاہیے، ان کی چال بڑی خطرناک اور زہریلی ہوتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور اگر آپ پر فضلِ خداوندی نہ ہو، تو ان کی ایک جماعت ارادہ کرتی کہ آپ کو گمراہ کرے، حالاں کہ وہ لوگ صرف اپنے کو گمراہی میں ڈال رہے ہیں، اور آپ کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اور اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی اور حکمت اور جو آپ نہیں جانتے تھے، وہ بتایا اور آپ کے اوپر اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔ (۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۳)

عصمت خاصۂ نبوت ورسالت ہے، ہمارے نزدیک حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے، اور سب سے غلطی ہوسکتی ہے، وجہ یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کی

بشریت پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر ہوتی ہے اور اسی کی توفیق وحفاظت سے انبیاء کی زندگی پاک وصاف ہوتی ہے اور اس میں کہیں سے کوئی نقص یا کمی نظر نہیں آتی۔

کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ غرض کہ اسلام کا ہر مخالف گروہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں اس کی بڑی کوشش کرتا ہے اور ان کو عقیدہ وعمل کے اعتبار سے کمزور کرنے کی چال چلتا ہے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کو بے راہ کرنے کی ترکیب کی گئی اور آپ کی دعوت اسلام میں آنے اور اسے قبول کرنے کے بجائے آپ کو اپنی گمراہی میں لانے کے لیے چالیں چلی گئیں، مگر چوں کہ آپ پر فضلِ خداوندی تھا اور اوپر سے آپ کی حفاظت ہورہی تھی، اسی لیے ان کفار ومشرکین کا بس نہ چل سکا اور نہ وہ آپ کو کوئی ضرر ونقصان پہونچا سکے، اور نہ آپ کو اپنا ہم مسلک منوا سکے، البتہ ان کی چالوں سے دنیا کو فروغ ہوا اور اللہ کی کتاب اپنے علم وحکمت کی اشاعت میں کام یاب رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے نو یابات کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا تھا، دنیا کے سامنے پیش کیا اور ان سے کام لیا، اگر کفار ومشرکین کی چالوں کے سامنے مسلمان بھی اپنے علم وحکمت کے ساز وسامان کو لے کر آئیں اور اپنے خداداد ذہن وفکر کی صیقل کر کے ان کا علمی، فنی، عقلی، فکری اور تجرباتی مقابلہ کریں تو مسلمان کام یاب رہیں گے بشرطے کہ وہ کتابِ الٰہی کے علم وحکمت کو سیکھیں اور اس کے اسرار ورموز کو سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

(اے نبی!) اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت آپ پر نہ ہوتی تو (ان کفار) کا ایک گروہ ضرور ارادہ کر لیتا کہ آپ کو گمراہ کر دے، اور یہ لوگ اپنے ہی کو گمراہ کر رہے ہیں، اور آپ کو کسی قسم کا

نقصان نہیں پہونچا سکتے، اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے، جو چیزیں آپ نہ جانتے تھے، ان کو سکھایا ہے اور آپ پر تو اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔ (۵ ع ۱۴، سورۃ النساء: ۱۱۳)

امتِ مسلمہ پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے، یہ امت جیسی بھی ہے، بہر حال خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نام لیوا ہے، خدا اپنے نام لینے والوں کو کبھی دنیا میں ذلیل ورسوا نہیں ہونے دیتا، یہ دوسری بات ہے کہ ان کے بُرے اَعمال کی سزا انہیں بھگتنی پڑتی ہے اور وہ ہلاکتوں سے دوچار ہوتے ہیں، موجودہ دور مسلمان قوم کے لیے کس قدر صبر آزما دور ہے، اسلام اور مسلمان کے مقابلہ میں کیا کیا نہیں کیا جارہا ہے، کفار ومشرکین کی ٹولیاں مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان کو ان کی تہذیب وتمدن کو مٹانے کے لیے سب جتن کررہی ہیں، مگر چوں کہ مسلمانوں پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اس لیے ان کی دال نہیں گلتی، آج جو لوگ مسلمانوں کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں اور ان کی تہذیب، ان کے تمدن اور ان کی تاریخی روایات کو مٹانا چاہتے ہیں، وہ درحقیقت اپنا نقصان آپ کررہے ہیں، ان حرکتوں کا انجام ان کے حق میں بُرا ہے، لیکن مسلمانوں کو بھی ایک بات نہیں بھولنی چاہیے، خدا نے ان کو قانون کی ایک کتاب دی ہے، اور حکمت ودانش مندی کی دولت سے نوازا ہے، اگر وہ ان حالات میں ان سے کام نہ لیں گے تو پھر فضلِ خداوندی کی بارش ان پر نہ ہوگی۔

خدا نے ہر بات کی تنبیہ کردی ہے، ہر بات بتادی ہے، اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا مسلمانوں کا کام ہے، جب تک یہ اپنا کام کرتے رہیں گے، خدا کی برکات ان کے حق میں اپنا کام کرتی رہیں گی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے، مگر جو شخص صدقہ یا نیکی یا باہمی

اصلاح کا مشورہ کرے اور جو آدمی یہ کام خدا کی مرضی کی طلب کے لیے کرے گا تو عن قریب ہم اسے اجرِ عظیم دیں گے۔ (پ ۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۴)

اسلامی معاشرہ، شکر رنجی اور گرد وغبار سے پاک ہوتا ہے، مجمع میں ایک دوسرے میں کانا پھوسی، الگ گفتگو اور لوگوں سے چھپا کر کوئی بات کرنا اسلامی سوسائٹی کے ادب میں جرم ہے۔

ہاں اگر سرگوشی اور کانا پھوسی میں کوئی قومی اور ملی فائدہ ہو تو پھر نہ صرف اجازت ہے، بل کہ اس پر ثواب کا وعدہ ہے، جسے قرآن "اجرِ عظیم" فرماتا ہے، لیکن جہاں تک ذاتی نفع اور انفرادی فائدے کا تعلق ہے، اسے مجلس میں سرگوشی کر کے حاصل کرنا اسلامی مجلس میں جرم ہے۔

دیکھو صدقہ مسلمان قوم کی کمزوری دور کرتا ہے، اس سے غرباء پروری ہوتی ہے، معروف (نیکی) ہر وہ اچھائی ہے، جسے شریعت اور عقل اچھا سمجھے، وہ افراد سے زیادہ عوام سے متعلق ہوتی ہے، اصلاح بین الناس یعنی مسلمانوں کی بین الاقوامی برتری کی تدبیر تو گویا اسلام کا عالم گیر مطالبہ ہے، یہ تینوں مسائل مسلمانوں کے عوامی ہیں۔

اس لیے مجمع میں ان کے متعلق سرگوشی کی اجازت ہے، بل کہ اس پر اجرِ عظیم کا خدائی وعدہ ہے، بشرطے کہ یہ لوجہ اللہ ہو، اپنے اقتدار کے لیے یا دکھانے کے لیے اور اپنی ضرورت کے لیے نہ ہو۔

بہر حال چند آدمیوں میں بیٹھ کر دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا منع ہے، اس سے لوگوں کو شبہ ہوگا، باہمی شکر رنجی پیدا ہوگی، بدظنی پھیلے گی اور اگر سرگوشی کے ذریعہ ایسے کام کیے جائیں، جن سے مسلمانوں کا عمومی فائدہ ہو تو ضرور سرگوشی ہونی چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹۵۰ء)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بہتری نہیں ہے، مگر جو شخص صدقہ یا نیکی یا لوگوں

کے درمیان صلح و مصالحت کا حکم کرے، اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کرے گا تو عن قریب ہم اسے اجرِ عظیم دیں گے۔ (پ۵ ع۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۴)

اسلامی معاشرہ میں یہ بات بہت ہی ناگوار قرار دی گئی ہے کہ چند دوست، احباب جمع ہوں اور ان میں سے دو ایک آدمی سب سے الگ ہو کر آپس میں کانا پھوسی کریں، اس حرکت سے دوسروں کے دل میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ بہت سے ناسمجھ اور بے وقوف لوگ ہر وقت لگائی بجھائی میں لگے رہتے ہیں، ان کے کان میں بات پھونکی، ان سے جا کر آہستہ کچھ کہا، ادھر سرگوشی کی، ادھر چھپ چھپا کر معاملہ کیا۔

اس قسم کی نہ صرف آدابِ مجلس کے خلاف ہیں، بل کہ اسلامی برادری اور انسانی طبیعت کے خلاف ہیں، ان سے برائی کا خمیر اٹھتا ہے اور معاشرہ میں ان سے رخنہ پیدا ہوتا ہے، قرآنِ حکیم اس بات کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس قسم کے کمینہ پن میں کوئی فائدہ نہیں، بل کہ سراسر نقصان ہے، ہاں اگر مجلس میں اس لیے سرگوشی کی جائے کہ معاشرہ کی بھلائی مقصود ہے، عوام کی اقتصادی حالت درست کرنے کے لیے کوئی کھلا یا چھپا پروگرام مرتب کرنا ہے، یا کوئی دینی اور معاشرتی نیکی پھیلانی مقصود ہے، یا پھر اسلامی برادری میں کوئی وقتی اور مقامی بگاڑ پیدا ہو گیا ہے، اس کے بنانے کے لیے کانا پھوسی ہو رہی ہے تو اچھی بات ہے، اس کا نتیجہ اچھا ہوگا اور لوگوں میں بدظنی کے بجائے حسنِ ظن اور خوشی کا سماں پیدا ہوگا، اگر اصلاحی سرگوشی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس سے بہت راضی ہوتا ہے اور اس پر عظیم الشان اجر دیتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۱/اپریل ۱۹۵۴ء)

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بہتر نہیں ہے، مگر جو شخص صدقہ کا یا نیکی کا یا لوگوں میں اصلاح کا حکم دے، اور جو شخص اس کام کو اللہ کی رضا چاہنے کے لیے کرے گا، تو ہم اسے جلد ہی اجرِ عظیم دیں گے۔ (پ ۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۴)

مجمع میں اور عام معاملات ومباحث میں جو لوگ کانا پھوسی کرتے ہیں اور الگ سرگوشی کرتے ہیں، وہ دوسروں کے لیے بدظنی قائم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس سے دوسروں کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے اور ہمارے معاملہ میں کوئی گڑبڑی کی جانے والی ہے، اسلام آپس میں اس طرح کی بدگمانی پیدا کرانے کو سخت ناپسند کرتا ہے، اور ایسی حرکتوں کو لاخیری قرار دیتا ہے، جن میں کوئی اچھائی نہ ہو، بل کہ وہ عوام میں بدگمانی پھیلنے کا ذریعہ ثابت ہوں۔

ہاں اگر کچھ آہستہ بات کرنی ہے اور کسی بات کو پہلے چند لوگوں میں سمجھنا ہے تو پھر کام کی بات ہونی چاہیے اور اس سے سوسائٹی اور معاشرہ کو بدگمانی کے نقصان کے بجائے فائدہ ہونا چاہیے، صدقات، خیرات کی بات ہو یا کسی نیک کام کے بارے میں غور کرنا ہو، یا لوگوں میں صلح اور اصلاح کرنے کی نیت ہو، تو ایسی حالت میں سرگوشی بہت خوب بات ہے، اگر نیت بخیر ہوگی، تو اللہ تعالیٰ اس پر اجرِ عظیم دے گا، اور اس کی قدر فرمائے گا۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ چند لوگوں سے دو چار آدمیوں کا الگ ہو کر اس طرح آپس میں آہستہ بات کرنا کہ باقی لوگ اسے اپنے بارے میں نقصان دہ خیال کرنے لگیں، بہت بُرا ہے، مجمع میں اس طرح کانا پھوسی نہیں ہونا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۵ راگست ۱۹۶۰ء)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ط

ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خوبی نہیں ہے، مگر جو شخص صدقہ یا نیکی یا اصلاح

بین الناس کا حکم کرے۔ (پ ۵ ع ۱۴ سورۃ النساء: ۱۱۴)

ہر موقع بہ موقع آپس میں کانا پھوسی کرنا، راز داری کی باتیں کرنا اور مجمع سے الگ تھلگ گفتگو کرنا صرف آدابِ مجلس اور طریقۂ اخوت کے خلاف نہیں ہے، بل کہ اپنی حقارت اور اپنے کمینہ پن کا بہت بڑا ثبوت بھی ہے، جو لوگ اس قسم کی حرکت کرتے ہیں اور بات بات پر اپنے لوگوں کو لے کر کان میں باتیں کرتے ہیں، وہ گویا سب کو غلط اور چند مخصوص لوگوں کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہ حرکت کر کے عام لوگوں کے دل میں غبار پیدا کرتے ہیں، اس قسم کی سرگوشیوں میں بھلائی کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا، ہاں کچھ ایسے مواقع ضرور ہیں، جن میں سرگوشی بہتر ہے اور کانا پھوسی کر کے کام بنانا ثواب کا کام ہے، مثلاً کسی کو دین کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ابھارنا ہو، نشیب وفراز کا سمجھنا ہو یا ترغیب دلانا ہو، یا پھر کسی عام نیکی کا مشورہ دینا ہو اور نیکی میں سبقت کی رائے دینی ہو، یا مسلمانوں کے عام معاملات میں اصلاح مقصود ہو، دو پارٹیوں میں جھگڑا چکانا ہو، میاں بیوی کی شکر رنجی ہٹانی ہو، دوستوں کے دلوں کا غبار صاف کرنا ہو، ان سب صورتوں میں آہستہ بات کرنا اور کان میں گفتگو کر کے معاملہ کو سلجھانا نیکی کا کام ہے، ایسا کرنے میں ثواب ہوگا، اس طرح کی کتنی باتیں ہیں، جن کو تم گناہ اور نیکی کے خیال سے بالاتر ہو کر کرتے ہو، حالاں کہ ان کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اللہ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا ہے اور اس کے نیچے جسے چاہتا ہے بخشتا ہے، اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا، بڑی گمراہی میں پڑ گیا۔ (پ ۵ ع ۱۵ سورۃ النساء: ۱۱۶)

دنیا میں انسان بڑے بڑے گناہ کرتا ہے اور اپنے کو قانونِ الٰہی کی نظر میں مجرم بناتا ہے، اور اس کے حق میں سزا مقدر ہو جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کا دامن اس قدر

وسیع وعریض ہے کہ وہ اپنے فضلِ خاص سے بڑے بڑے مجرم کو بھی معاف کر دیتا ہے اور بندگی وعبدیت کی بگڑی ہوئی حالت کو اپنی رحمت سے سنوار دیتا ہے، البتہ ایک جرم ایسا عظیم اور اہم ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان فرما دیا ہے کہ اس کی بخشش کے لیے نہ قانونِ الٰہی میں لچک ہے اور نہ رحمتِ خداوندی میں گنجائش ہے، وہ بنیادی اور عظیم جرم شرک باللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا اس کی صفات میں اس کی کسی مخلوق کو شریک کرنا اور ہم پلّہ قرار دینا ہے، یہ ایسا ظلمِ عظیم ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے قانون اور فضل میں کوئی گنجائش نہیں ہے، چاہے اس کا نام اپنی اپنی بولی میں انسان کچھ ہی رکھ لیں اور اسے کسی بھی نام سے یاد کریں، اور اس کی شکل جو بھی ہو، شرک بہرحال شرک ہوگا اور اس کی معافی کا کوئی موقع نہیں ہوگا، پس بت پرستی ہو یا شخصیت پرستی، مظہر پرستی ہو یا اصلِ ذات پرستی، حلول ہو یا ایک خاص معنی میں وحدۃ الوجود ہو، یہ سب چیزیں شرک میں شامل ہیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ مغفرت نہیں ہے۔

اسلام نے توحیدِ خالص کا جو صاف ستھرا عقیدہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، اس کے خلاف کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کا ظہور چاہے مسلمان کہلانے والے کی طرف سے ہو، یا غیر مسلم کی طرف سے ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۲؍اکتوبر ۱۹۵۸ء)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عملِ صالح کیا، عن قریب داخل کریں گے ہم ایسی جنت میں کہ جاری ہیں نہریں اس کے نیچے، وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے؟ (پ ۵ ع ۱۵ سورۃ النساء: ۱۲۲)

ایمان اور عملِ صالح میں ایسا لگاؤ ہے جیسا کہ جسم اور روح میں، اگر ایمان ہے اور عملِ صالح نہیں ہے تو پھر نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کی زندگی ایسے شخص کے اندر ہے یا نہیں۔

پس قرآنِ حکیم جس اسلام پر زور دیتا ہے اور جس کے لیے اس نے تمام وعدے کیے ہیں، وہ وہی اسلام ہے، جس کے زیب تن عملِ صالح کا جامہ ہو، اور اسی پر جنت وانہار کی بشارت کا اتمام ہوگا، ایسے مومن جنھوں نے زندگی کو ایمان اور عمل کے امتزاج سے بنایا ہے، ان کے لیے حیاتِ ابدی میں سراسر راحت ہے، جنت ہے اور نہریں ہیں، اور وہ اس عالمِ جاودانی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کی ان نعمتوں کے لیے زوال نہیں ہے، نہ دنیا میں انھیں تکلیف ہوگی، نہ آخرت میں انھیں کسی قسم کی اذیت محسوس ہوگی، خدا ہم سب مسلمانوں کو ایسی مبارک زندگی عطا فرمائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اے مسلمانو! تمہاری آرزوئیں اور اہلِ کتاب کی آرزوئیں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں، جو شخص بھی برائی کرے گا، اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خدا کے علاوہ اپنے لیے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائے گا۔ (پ ۵ ع ۱۵ سورۃ النساء: ۱۲۳)

اس سے پہلے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ذکر ہو رہا تھا کہ یہ لوگ بدعقلی اور بدعقیدگی کا شکار ہو جانے کے باوجود طرح طرح کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور تمام برائی کرنے اور خدائی اوامر و نواہی سے غفلت برتنے کے باوجود اپنے کو جنت کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم لوگ تو اللہ کے چہیتے دوست اور اس کے روحانی فرزند ہیں، بھلا ہمیں جہنم کی آگ جلا سکتی ہے؟ اگر ہم جہنم میں گئے بھی تو چند گنے چنے دنوں تک ہمیں یہ عذاب ہوگا اور پھر ہم جنت میں جائیں گے۔

یہود و نصاریٰ کی ان خوش فہمیوں کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک قدرت کا قانون مجازات کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ چوں کہ ہم حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کی امت کہلاتے ہیں، اس لیے قدرت کا یہ قانون دوسروں پر لاگو

ہوگا، ہم پر لاگو نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان ہی خودفریبیوں کا پردہ چاک فرما رہا ہے اور اہلِ کتاب کے مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اس قسم کی ذہنی الجھنیں واقعات وحقائق کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔

اے مسلمانو! تم لوگ بھی اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو، وہ مسلمان غور کریں، جو اسلام کے تقاضوں سے دور رہا کرتے ہیں اور موقع بہ موقع ڈینگیں مارتے رہتے ہیں کہ ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں، یہ باتیں اس وقت اچھی ہوتی ہیں، جب کسی بنیاد پر کہی جاتی ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۶/مارچ ۱۹۵۴ء)

لَیۡسَ بِاَمَانِیِّکُمۡ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ ؕ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ ۙ وَ لَا یَجِدۡ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾

تمہاری آرزوئیں اور اہلِ کتاب کی آرزوئیں کوئی چیز نہیں ہیں، بل کہ جو بھی برائی کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور مرد وعورت میں سے جو بھی نیک کام کرے گا اور وہ مومن ہوگا، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور شمہ برابر ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔

(پ ۵ ع ۱۵، سورۃ النساء: ۱۲۳، ۱۲۴)

اگر آپ اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے اوہام وخیالات کی دنیا میں گھی، شکر اور میدہ کو جمع کریں، پھر اپنے ذہن کے چولہے اور برتن میں اس کا حلوہ بنائیں تو سچ بتایئے کیا آپ کی زبان میٹھی ہوجائے گی، کیا شکم سیر ہوکر آپ مرغوب غذا کھالیں گے؟ اور کیا لمبی لمبی ڈکاریں آپ کے دل وجان کو فرحت بخش پیغام پہونچائیں گی، اگر ایسا ہوسکتا ہے تو چھوڑیئے کاروبار اور چھوڑیئے کھانے کمانے کا جھنجھٹ اور اپنے لڑکوں بچوں کو لے کر گھر میں صبح وشام عمدہ سے عمدہ غذا کا تصور جمایئے اور زبان کا چٹخارا لیتے ہوئے باہر چلے آیئے، اور اگر ایسا نہیں کرتے

اور صرف تمنا و تصور سے آپ کا یہ کام نہیں چلتا تو پھر آپ کو کیا حق ہے کہ دین، مذہب، نیکی وفلاح، نجات و کام یابی اور جنت و دوزخ کے معاملہ میں آپ اپنی بدعملی کو سمیٹ کر یہ تصور کرتے رہیں کہ جنت ہماری وراثت ہے، کام یابی ہمارے گھر کی لونڈی ہے اور دنیا میں سرفرازی وسربلندی ہمارا پیدائشی حق ہے، یہ تمنا آپ اہلِ قرآن ہوکر کریں یا یہود اہلِ تورات اور نصاریٰ اہلِ انجیل ہوکر کریں، کسی جماعت کو واقعات کی دنیا کام یاب نہیں بنا سکتی، اپنے کو خوش فہمی میں مبتلا رکھ کر غلط فہمی کا شکار کرنا کسی طرح کی دانش مندی اور دور اندیشی نہیں ہے۔

قرآن حکیم اسی بنیادی بات کو بتارہاہے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے، یہاں موہوم تمناؤں، خیالی آرزوؤں اور تصوراتی امیدوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا، بل کہ قدرت کا فیصلہ ہے کہ جو بھی برائی کرے گا، برائی ہی دیکھے گا، قوموں اور ملتوں کی تو بڑی بات ہے، افراد تک کو اسی اصولِ مجازات کی پابندی کرنی پڑے گی، حتیٰ کہ مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو ذاتی کام کی بنا پر ذاتی کام یابی ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور جو بھی مرد یا عورت میں سے نیکی کے کام کرے گا اور وہ مومن ہوگا، تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے، اور تل بھر بھی ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (پ۵ ع۱۵ سورۃ النساء: ۱۲۴)

اسلام انسانیت کی خبر گیری کرنے آیا ہے اور اس کا مقصد اولادِ آدم میں صحیح شعور اور صالح عمل پیدا کرنا ہے، اسلام کے نزدیک مرد ہو یا عورت دونوں ہی اولادِ آدم ہونے میں بالکل برابر ہیں اور کسی میں کوئی فرق نہیں ہے، استعداد و قابلیت کے اعتبار سے دونوں صنفوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی ہوئی صلاحیت وقوت میں برابر کے شریک ہیں، اسلام جن حقائق کو پیش کرتا ہے، ان کو جو مرد یا عورت مان لے اور ان کے مطابق

عمل کرے تو اس کے لیے ہر طرح کی فلاح ونجاح ہے، اور ذرّہ برابر حق تلفی نہیں ہے۔

قرآن حکیم اپنے اس عالم گیر اعلان کے ذریعہ ان تمام اگلے اور پچھلے لغو خیالات اور باطل اَعمال کا رَد کرتا ہے، جو عورت کی حق تلفی کے سلسلے میں رونما ہوتے رہے ہیں، اور جنہوں نے اللہ کی اس مخلوق کو بڑی حد تک انسانی حقوق سے محروم کر کے سوسائٹی میں ذلیل وخوار کر دیا ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے اس بیان کے ذریعہ ان تمام سرگرمیوں کو ہیچ اور بے معنی قرار دیا ہے، جو بعض معاشروں اور تہذیبوں میں حقوقِ نسواں اور آزادیٔ نسواں کے نام سے چلائی جارہی ہیں اور جن کے ذریعہ عورت کو جدید رنگ میں بے وقوف اور ذلیل وخوار بنایا جارہا ہے اور اسے اپنے اس مرکز سے ہٹایا جارہا ہے، جسے قدرت نے اس کے لیے منتخب کیا ہے۔

اسلام کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے عورت کو بھی وہی مقام دیا ہے، جسے قرآن نے اس کے لیے بنایا ہے اور خدا کے یہاں بھی اس کا وہی مرتبہ ہے، جو خدا کے پاس بندوں کا ہوتا ہے۔

پس مسلمان عورت آج کی ان تمام بے ہودگیوں سے یکسر بے نیاز ہے، جو اس کی فطری لطافت، نزاکت اور شرافت کے مٹانے کے لیے جاری ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۵؍ستمبر ۱۹۸۰ء)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور جو بھی مرد اور عورت نیک کام کرے گا اور مومن ہوگا، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر تھوڑا سا بھی ظلم نہیں ہوگا۔ (پ ۵ ع ۱۵ سورۃ النساء: ۱۲۴)

اسلام میں تمام انسان اچھے اور نیک ہیں، وہ مرد ہوں یا عورت ہوں، بشرطے کہ ان کے اندر ایمان کا جوہر ہو اور وہ اس کی جوہریت کو کام میں لاتے ہوں، اور کوئی انسان مرد یا

عورت اسلام کی نظر میں اچھا نہیں ہے اگر اس کے اندر ایمان کی زندگی کارفرما نہیں ہے اور وہ دنیا میں غیر خدا پرستانہ زندگی بسر کر رہا ہے، اسلام کا یہ اعلان درحقیقت دنیا کے ان تمام قدیم وجدید نظریات و اعمال کا جواب ہے جن میں عورت کو انسانوں نے صرف ایک آلہ کی حیثیت دے کر اسے بے کار محض سمجھا ہے اور تمام تر فضیلت و برتری مردوں کے لیے مخصوص کی ہے، اسلام کے نزدیک دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مرد اور عورت دونوں صنفوں کے لیے عام ہے، اگر ان میں خداترسی و خدا پرستی موجود ہے، اور اگر ایمان نہیں ہے تو پھر نہ مرد کے لیے کوئی مقام و مرتبہ ہے اور نہ عورت کے لیے کوئی خوبی ہے، چاہے بظاہر وہ کتنے ہی متمدن بنتے ہوں اور انسانیت کا انتہا ہی دم بھرتے ہوں، اسلام ایسے کھیل سے بہت دور ہے، جس میں انسانیت و اخلاق اور روحانیت و کردار کا نام تو بہت سنا جاتا ہے مگر دین کا، ایمان کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾

جو مرد یا عورت نیک کام کرے گا اور ساتھ ہی مومن ہوگا، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ (پ ۵ ع ۱۵ سورۃ النساء: ۱۲۴)

قرآن کے نزدیک ایمان کے بعد عملِ صالح ضروری ہے، اس سے بحث نہیں کہ عمل کرنے والا کس صنف سے تعلق رکھتا ہے، مرد ہے یا عورت! اس کی بشارت ہر مرد و عورت کے لیے عام ہے، جب کہ ان میں ایمانی دولت کے بعد عملِ صالح کا جوہر موجود ہو، اور بشارت بھی کس چیز کی؟ جنت کی، حیاتِ ابدی کی، نعیمِ دائمی کی، ایسے لوگ ایک لمحہ بھی مظلومی کی زندگی نہیں گزار سکتے، بل کہ ان کے لیے سراسر راحت ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰ر جولائی ۱۹۵۰ء)

وَ مَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَ ہُوَ مُحۡسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ

اور اس شخص سے بہتر دین دار کون ہوسکتا ہے، جو اپنے کو اللہ کے حوالے کر دے

اور وہ نیکوکار رہے اور اس نے سیدھے ملتِ ابراہیم کی اتباع کیا۔ (پ ۵ ع ۱۵ سورۃ النساء: ۱۲۵)

آدمی کو اچھا اور کام یاب بننے کے لیے سر پھوڑنے اور دنیا چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ اسے آدمیت کا لباس اتار کر فرشتگی کی صفات کے کے لیے کوشش کرنے کی ضرورت ہے، بل کہ آدمی اسی ماحول میں رہ کر بہتر سے بہتر آدمی بن سکتا ہے اور اپنے کو پوری طرح کام یاب و بامُراد بنا سکتا ہے۔

بس ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اس دنیا میں رہتا ہوا اپنے کو پوری طرح اللہ کی مرضیات کے حوالے کر دے، اپنے حرکات و سکنات کو احکامِ خداوندی کا پابند بنا لے اور اپنے خیالات و احساسات اور عواطف و رجانات کی لگام اللہ کی طرف موڑ دے، آدمی اگر عقیدۂ توحید کی چٹان پر آ جائے اور اللہ کے ماسوا ہر مخلوق سے بے نیاز ہو کر نیکوکاری میں لگ جائے اور اپنی زندگی کے لیے حنیفی طرز کو اختیار کرے، جس میں انسانی زندگی بہترین اصولوں، زریں قانون اور اعلیٰ قدروں پر بسر ہوتی ہے، تو اس میں وہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے، جس پر فرشتوں کی فرشتگی قربان ہو، انسانی زندگی کے لیے ملتِ ابراہیمی کی شاہ راہ فلاح و نجاح کی منزل تک پہونچانے کے لیے کافی ہے اور جو اس شاہ راہ پر چلا، وہ ہر طرح کام یاب رہا۔

اس لیے قرآن حکیم نے انسانوں کو اسی شاہ راہ پر چلنے کا مشورہ دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ بہترین انسان وہ ہے، جو خدا پرستی، نیکوکاری اور اسوۂ ابراہیمی کی پیروی کو اپنا نظامِ حیات تسلیم کر کے اس پر عمل درآمد شروع کر دے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰ رفروری ۱۹۷۹ء)

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

اور اس شخص سے بہتر دین دار اور کون ہو سکتا ہے، جو اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے اور وہ اچھا کام کرنے والا ہو، اور ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرے اور اللہ نے ابراہیم

کو دوست بنایا ہے۔ (پ۵ ع۱۵ سورۃ النساء:۱۲۵)

اللہ کے بندوں میں وہ بندہ سب سے اچھا ہے، جو اس دنیا میں رہ کر اللہ کی بندگی کرے اور اللہ کے بندوں کے کام آئے، اپنے کو اچھا بنا کر دوسروں کو اچھا بنائے، خود نیکی کے کام کرے اور دوسروں کو نیکی کی تلقین کرے، عقیدہ وعمل میں وہ بالکل اللہ والا ہو اور ساری دنیا کو اسی عقیدہ وعمل کی طرف بلائے، جس پر اللہ نے چلنے کا حکم دیا ہے، اور جو ہر اعتبار سے مامل ومکمل اور مجرب وآزمودہ ہے، یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عقیدہ وعمل کا طریقہ جسے اسلام نے دنیا میں پیش کیا ہے، اور جس کی دعوت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی ہے، ابراہیم علیہ السلام کا راستہ اللہ کا پسندیدہ راستہ ہے اور اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کو پسند فرما کر اسی کا مطالبہ فرمایا ہے، ہم مسلمانوں کے عقیدہ میں انسان کے لیے بہترین راستہ وہی ہے، جو ابراہیم خلیل اللہ کا ہے اور جسے پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمایا ہے، اس کے سوا تمام راستے ناقص، نامکمل اور بے وقت ہیں، ان راستوں کے چلنے والے اپنے اپنے وقتوں میں برحق تھے، مگر اب ابراہیمی راستہ برحق ہے، جسے اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی راستہ سچا ہے اور اسی پر چلنے میں منزلِ مقصود مل سکتی ہے، تمام ادیانِ سابقہ میں سچائی مشترک تھی، مگر اب صرف اسلام میں سچائی ہے، یہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے، آج دنیا کی ہر سیاسی اور قومی پارٹی میں اسی اصول پر اپنے افراد اور ممبروں کو چلایا جاتا ہے کہ پارٹی سچے اصولوں کی حامل ہے اور دوسری تمام پارٹیاں غلط ہیں، اور ایک پارٹی کا ممبر دوسری پارٹی کو اپنی پارٹی کی طرح برحق مان کر اپنی پارٹی کا صحیح ممبر نہیں بن سکتا، یہی حال بل کہ اس سے زیادہ اہم حال اَدیان ومِلَل کا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے کھنچاؤ یا گریز سے ڈرے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ

دونوں آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۲۸)

اسلام نے زن وشوئی کی زندگی کو حسین تر اور کام یاب سے کام یاب تر بنانے کے لیے ایسے ایسے بہترین اصول بیان فرماتے ہیں کہ ان میاں بیوی کو شیر وشکر بن کر رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ باہمی محبت ورافت کی فضا میں انسانی کینہ پروان نہ چڑھے اور میاں بیوی کی طرح اِن کی اولاد اخلاق وشرافت کی قدروں سے آراستہ ہوں۔

مگر یہ دنیا جہاں اجنبی لوگوں میں محبت وتعلق کا گہرا ربط پیدا کرتی ہے، وہاں کبھی کبھی آپس میں اختلاف کی خلیج بھی پیدا کرتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس سلسلہ میں اگر کبھی میاں بیوی میں کسی بات پر کھینچاؤ ہو جائے تو مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ عورت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر کسی طرح کی زیادتی کرے، بل کہ عدل وانصاف کی راہ اختیار کر کے فوراً معاملہ رفع دفع کرنا چاہیے اور آپس میں صلح ومصالحت اور تعلق ومحبت کی فضا بحال کر لینی چاہیے، اس طرح آپس میں اختلاف ختم کر کے باہمی جدائی اور آپس کے افتراق کا باعث نہ بن جائے، کسی معاملہ میں فوراً صلح ومصالحت کا رویہ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے اور اس سے ناسور بند ہو جاتا ہے، جو لوگ زن وشوئی کی زندگی میں بات بات پر جھگڑے کا ذہن پیدا کرتے ہیں، وہ اچھے نہیں ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے سختی اور کھینچاؤ کا ڈر کرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح تو اچھی بات ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۲۸)

اسلام اور قرآن نے انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اصلاح وتنظیم کی نظر ڈالی ہے، جہاں جو خرابی معلوم ہوئی، اس کی اصلاح فرمائی ہے اور انسانی زندگی کے ہر انفرادی واجتماعی معاملہ

میں تزئین و تحسین کی کوشش فرمائی ہے اور زن وشوئی کی زندگی پر تو بڑی خصوصی توجہ کر کے اسے اس دنیا میں جنت بنایا ہے، اگر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور قرآنی اُصولوں پر زندگی بسر کی جائے تو کیا مجال کہ کسی بھی مقام و مرحلہ پر ہماری زندگی میں تلخی اور بے لطفی پیدا ہو جائے؟

یہاں پر زوجین کی زندگی کے بارے میں ایک نہایت ہی قیمتی، بنیادی اور ضروری بات بیان کی ہے، جس پر عمل کرنا، ازدواجی زندگی کے لیے امن وسکون اور آرام وراحت کا باعث ہے، اول تو میاں بیوی میں کسی طرح کے کھینچاؤ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، رشتۂ نکاح نے جب دونوں کو دو قالب اور ایک جان کر دیا ہے اور ایک دوسرے کے حق میں لباس بن گئے ہیں تو پھر آپس میں رنجش اور ناچاقی کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، مگر یہ واقعہ ہے کہ ازدواجی زندگی کی اس بلندی سے ناواقفیت کی بنا پر کبھی کبھی آپس میں ایک قسم کی شکر رنجی ہو جاتی ہے اور مَردوں کی طرف سے عورتوں کو تشویش ہونے لگتی ہے، اگر ایسی کوئی بات ہو جائے تو یہ دو دشمنوں کا مقابلہ نہیں ہے اور نہ دو قبیلوں کی لڑائی ہے، فوراً صلح ہو جانی چاہیے اور کسی جانب سے توہین وذلت کا تصور نہیں ہونا چاہیے، اگر میاں بیوی کی اس صلح میں جانبین کے بڑے بوڑھے اپنی خدمت پیش کر دیں تو بڑی اچھی بات ہے، بزرگوں کے کام ہی یہ ہونا چاہیے اور اگر وہ نہ ہوں تب بھی میاں بیوی آپس میں ہنس بول کو بات ختم کر لیں، اگر اسلام اور قرآن کے اس اصول پر مسلمان عمل کریں تو کیا مسلمان کے خاندان میدانِ جنگ بن سکتے ہیں؟ اور یہ جو آئے دن طلاق کے جھگڑے ہوتے ہیں، ان کا پتہ بھی چل سکتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے لڑنے سے یا کھینچاؤ سے ڈرے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ دونوں اپنے درمیان صلح کر لیں، اور صلح بہتر ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۲۸)

اسلام نے رشتۂ زوجگی کو بہتر سے بہتر بنانے اور شروع سے آخر تک اسے نہایت خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے ایسے زریں اور مفید اصول بیان فرمائے ہیں کہ اگر ازدواجی زندگی میں ان پر عمل کیا جائے تو مدت العمر اس نازک اور پاک رشتہ میں کسی طرح کی ناگواری پیدا نہیں ہوسکتی۔

قرآن حکیم کا فرمانا ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کو اپنے سے کھنچا کھنچا سا پارہی ہے، اس کی نگاہ کچھ بدلی ہوئی ہے، محبت کے دو ساغروں میں کوئی تنکا پڑ گیا ہے، تو عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر سے اس کی وجہ محبت کے انداز میں معلوم کرے اور اس کے ازالہ کی کوشش کرے، شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دل میں بات لے کر ہر وقت منہ گرائے نہ رہے اور بات بات پر غصہ نہ دکھائے، یہ مردانگی نہیں ہے، عورت کمزور مخلوق ہے، اس پر زیادتی کا مظاہرہ شانِ مردمی کے خلاف ہے۔

عورت جب اپنے شوہر کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو فوراً صلح کی تدبیر نکالے اور دو مقابل دشمنوں کی طرح کھینچا تانی کی روش نہ اختیار کرے، یہاں دشمنی نہیں ہے، صرف غلط فہمی ہے، لہٰذا اسے دور کرنے کی کوشش کرے، اگر یہ معاملہ میاں بیوی سے طے نہ ہو سکے تو پھر دونوں کی طرف سے ایک ایک آدمی آکر معاملہ کو سنیں اور ایمان داری سے فیصلہ کریں۔

خوب یاد رکھو! جو ساس اور جو خسرا اپنی بہوؤں کے خلاف رہتے ہیں اور اپنے لڑکوں کو اپنے قبضہ میں رکھنے کے لیے ان کو بیوی سے بدظن کرنے کی ترکیب کرتے رہتے ہیں، وہ اپنی اولاد کے دشمن ہیں، افساد ذات البین کے بہ موجب جو بدترین گناہ ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے سختی یا کھنچاؤ کا خطرہ محسوس کرے تو میاں

بیوی کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے کہ آپس میں صلح و مصالحت کریں اور صلح تو اچھی بات ہے۔

(پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۲۸)

اسلام نے انسانی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو نہایت خوش گوار، سکون بخش اور مسرت آمیز بتایا ہے اور اسلامی تعلیمات نے انسان کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں تمام دنیا کے اَفکار و نظریات اور تعلیمات کو ماند کر دیا ہے، خاص طور سے اسلام نے ازدواجی زندگی کو بلند مقام بخشا ہے اور اس کے لیے زریں اُصول و فروع بنائے ہیں، جن پر عمل کرنا اس بات کی ضمانت ہے کہ زن و شوئی کی زندگی اس دنیا میں جنت کی زندگی کا نمونہ ہے اور انسانیت کے جمالیاتی رخ کے اجاگر ہونے کا بہترین مَظہر ہے۔

یہاں پر فرمایا جا رہا ہے کہ میاں بیوی میں اگر کبھی ناچاقی ہو جائے، دونوں کے مابین کچھ نامناسب باتیں ہو جائیں اور ان کی محبت میں کسی داخلی یا خارجی گوشہ سے غبار پڑ جائے تو ایسا ہونا انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہے، غلط فہمی، بدظنی کے واقعات اور شکوک و شبہات انسان کے دل و دماغ پر طاری ہو سکتے ہیں اور تاثیر و تاثر کا ظہور ہو سکتا ہے، اگر کبھی اس کی نوبت آ جائے تو لڑائی جھگڑا، مار پیٹ، گالی گلوج اور بیہودگی پر نہیں اتر آنا چاہیے، بل کہ بڑی حوصلہ مندی اور عالی ظرفی کے ساتھ میاں بیوی کو اخلاص و اخلاق اور محبت و الفت کی فضا میں خود ہی صفائی کر لینی چاہیے یا پھر دو چار شریف الطبع لوگوں کو بلا کر اپنی اپنی بات بیان کر کے ان سے فیصلہ لے لینا چاہیے اور دل کی بات کہہ کر صلح و مصالحت کی فضا پیدا کر لینی چاہیے۔

جب صلح و مصالحت دنیا بھر کے انسانوں، جماعتوں، قوموں، ملکوں اور مذہبوں کے درمیان اچھی چیز ہے، تو پھر میاں بیوی کے مابین کیوں نہ اچھی اور ضروری چیز ہوگی۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۱ رنومبر ۱۹۷۵ء)

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ

يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے کھنچاؤ اور اعراض کا خوف کرے تو میاں بیوی پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ باہمی صلح و مصالحت کر لیں، اور صلح تو اچھی چیز ہے۔

(پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۲۸)

اسلام نے ازدواجی زندگی کو حسین تر بنانے کی تعلیم دی ہے اور عورت اور مرد کو ایسے ایسے اُصول بتائے ہیں، جن کی وجہ سے زندگی جنت بنی رہے، صاف اور شیریں زندگی میں کدورت و تلخی کا نام تک نہ آنے پائے، لیکن اگر عورت کو اپنے شوہر کی چال ڈھال سے معلوم ہو کہ وہ اس سے کھنچا کھنچا سا رہتا ہے، اس کی جنسی زندگی میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لیتا اور وہ کسی بنیاد پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے، تو عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے اس رویہ کا اثر لے کر اس صورتِ حال کو ختم کرنے کی کوشش کرے، تاکہ زندگی کے باہمی لمحے خوشی میں گزر بسر ہوں، اس کام کے لیے صلح و مصالحت کا دروازہ کھولا جائے، بات چیت کی جائے اور معاملہ کو رفع دفع کیا جائے، اسی طرح اگر مرد کو اپنی بیوی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے اور محسوس ہو کہ عورت کچھ کھنچی سی رہا کرتی ہے اور وہ اس سے زیادہ رغبت نہیں کرتی ہے تو مرد کو چاہیے کہ بات چیت کر کرا کے صلح و مصالحت کرا لے۔

لیکن اگر زوجین میں سے کسی کو کوئی شکایت ہو اور پھر وہ دل ہی دل میں بات لیے گزر بسر کرتا ہے تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں نکلے گا کہ یا تو زندگی الم و غم کے سانچے میں ڈھل جائے گی یا پھر معاملہ خراب سے خراب تر ہو جائے گا اور آخر میں سلجھانے کی ہر کوشش ناکام ہو جائے گی۔

جس مذہب کے اندر زن و شوئی کی استواری کا اس قدر انتظام ہو، اس کے اندر آج اس کی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہیں، وہ قابلِ نوحہ گری ہیں، آج کتنے شوہر اور کتنی عورتیں

اس اصول کو نہ برتنے کی وجہ سے جنت کی زندگی کی تلاش میں رنج وغم میں بسر کر رہے ہیں، اور زوجین کے تعلقات بد سے بدتر ہو رہے ہیں، افسوس کہ اصول وقانون کی پابند قوم احساس وشعور کی دولت تک سے بے بہرہ ہو رہی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر تم صلح کرلو اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرو تو اللہ غفور رحیم ہے، اور اگر میاں بیوی الگ ہو جائیں تو اللہ سب کو اپنی وسعت کے باعث مستغنی کردے گا، اور اللہ واسع حکیم ہے۔

(پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۲۹، ۱۳۰)

اگر زوجین میں نہیں بنتی اور رات دن کوفت رہا کرتی ہے تو پھر کھل کر معاملہ صاف کرلو، یا دونوں طرف سے صفائی کرکرا کے میل محبت اور دین ودیانت سے رہو سہو، اور طرفین کے حقوق ومراعات کے بارے میں خدا کا خوف رکھو، تاکہ پھر کسی قسم کی تلخی نہ پیدا ہو، اور یا پھر آخری صورت طلاق کی ہے، اسے اختیار کرو، اور دونوں زوجگی کی موجودہ بندش سے رہائی کرکے اپنی اپنی راہ لو اور انسانی زندگی کی راہ کو صاف کردو، اللہ تعالیٰ پھر دونوں کے لیے کوئی صورت فرمائے گا اور دونوں اپنی زندگی کا عہد وپیمان دوسرے سے باندھ لیں گے، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ جس خدا نے جوڑا بنایا ہے، وہ زوجین کو اس کے بعد اکیلا ہی چھوڑ دے، یہ بات قدرت کی منشا کے خلاف ہے۔

بہر حال اسلام جنسی زندگی کو حتی الامکان سدھارنے کی کوشش فرماتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح پیچ میں پڑا ہوا فتنہ دور ہو جائے گا، مگر یہ نہیں چاہتا کہ جو گرہ لگ گئی، اب لاکھ معاملہ خراب ہو، مگر کھل نہیں سکتی، بل کہ وہ کھل بھی سکتی ہے اور دوسرے کے ساتھ بندھ بھی سکتی ہے، وہ کوئی آخری حکم لگا کر حلال جنسی احساسات اور جائز ازدواجی رجحانات کو کچل کر تباہی نہیں مچانا چاہتا، کیوں کہ مرد اور عورت کی باہمی زندگی کا مقصد اس کے نزدیک جائز

طریقہ سے سکون حاصل کرنا ہے، جب سکون نہ مل سکے تو پھر اسلام خواہ مخواہ گردن دبا کر زندگی کو غم والم پر مجبور نہیں کرتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر (مرد وعورت) دونوں الگ الگ ہو جائیں تو ہر ایک کو اللہ اپنی وسعت سے دوسرے سے بے پروا کر دے گا، اور اللہ بڑی وسعت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

(پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۳۰)

اسلام زن وشوئی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے طرفین کو قسم قسم کی ہدایات کرتا ہے، عورتوں کو بھی اصول وقوانین کی حد میں رہنے کا حکم کرتا ہے اور مَردوں پر بھی پابندی عائد کرتا ہے، کیوں کہ اسلام خوب جانتا ہے کہ زن وشوئی کی زندگی کے بارے میں انسان کس درجہ غیر ذمہ دار ہے اور کس قدر غیر محتاط حرکتیں کرتا ہے، اسلام حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ زوجین کی زندگی باہمی الفت ومحبت سے سدا بہار رہے، اور اس گلستان میں زندگی بھر خزاں نہ آئے۔

قرآن کہتا ہے کہ اگر زوجین کی زندگی میں کسی موقع پر خلیج پیدا ہو جائے اور اس قدر طول پکڑ جائے کہ بات دونوں کے بنائے نہ بنے، تو اسلامی سوسائٹی کے دو ذمہ دار آدمی ایک شوہر کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے اکٹھا ہوں اور وہ معاملہ کی صورتِ حال کو گہری نظر سے دیکھ کر زن وشوئی کی زندگی کا نفسیاتی مطالعہ کر کے آخری فیصلہ کر دیں، جسے طرفین تسلیم کر لیں۔

اور اگر اس آخری صورت سے بھی کام چلتا ہوا نظر نہ آئے تو زوجین کو اپنی اپنی زندگیوں کو جہنم بنانے سے بہتر ہے کہ دونوں طلاق کے ذریعہ الگ ہو جائیں اور اپنی اپنی راہ لیں، دنیا میں کوئی عورت بغیر مرد کے نہیں رہ سکتی اور کوئی مرد بغیر عورت کے نہیں رہ سکتا، بل کہ قدرت نے اس بارے میں کچھ ایسا انتظام کیا ہے کہ جیسے کو تیسا مل جاتا ہے۔

پس خوب یاد رکھو اگر ازدواجی زندگی میں کوئی بل پڑ جائے تو محبت والفت کا ایک

معمولی واقعہ قرار دے کر محبت والفت ہی کے ذریعہ تم اسے طے کرلیا کرو، اور معاملہ اس سے بھی بڑھ جائے تو عورت کے میکے سے ایک ذمہ دار آدمی کو بلالے اور مرد اپنے گھر کے کسی بزرگ کو بلالے اور دونوں بیٹھ کر میاں بیوی کی شکایت کو سنیں، جس کا قصور ہو، اسے فضیحت کردیں اور آپس میں میل کرادیں، لیکن اگر معاملہ اس سے بھی آگے بڑھ جائے اور طلاق کی باری آجائے تو پھر مجبوراً یہ کام بھی کرلینا چاہیے، تاکہ دونوں کی زندگی رات دن کوفت میں نہ مبتلا رہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳؍جنوری ۱۹۵۴ء)

اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ط

اگر اللہ چاہے تو اے لوگو! تمہیں ختم کردے، اور دوسری قوموں کو لائے۔

(پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۳۳)

اس دنیا کو سکون وقرار نہیں ہے، یہ آتی جاتی رہتی ہے، اور اس کی ہر چیز تغیر پذیر ہے، اس میں انسان بھی رہتا بستا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ انسان بھی انقلاب وتغیر سے دوچار ہوتا رہتا ہے، یہ تو قانونِ فطرت ہے، اس سے قطع نظر کرکے اگر انسان اس دنیا میں جرائم پیشہ بن جاتا ہے اور قانونِ قدرت کے خلاف زندگی پر آمادہ ہوجاتا ہے تو اس کو فوراً ختم کردیا جاتا ہے، اور اس کی جگہ کوئی صالح معاشرہ ہوتا ہے جو قانونِ قدرت کے مطابق اچھی زندگی بسر کرتا ہے۔

یہ جو قوموں کی تباہی وبربادی کے افسانے تم سنتے ہو یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں بدکار و بدبخت قومیں نہیں کامیاب ہوتی ہیں اور ان کو فنا کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے، اس دور کے انسان بھی اگر جرائم ومعاصی میں برباد قوموں کے نقشِ قدم پر چلیں گے تو ان کو فنا کے گھاٹ اترنا پڑے گا اور خدائی قانون کے مطابق سزا ملے گی، پس دوام وبقا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ط وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ

قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم کو ختم کر دے، اور دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لائے، اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۳)

پہلی جنگِ عظیم میں کتنے انسان صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، کیا دنیا اجڑ گئی ہے، دوسری جنگِ عظیم میں انسانی جنگلوں میں کیا ویرانی آئی، کیا یہ گلستاں ویران ہو گیا؟ ہٹلر سے اسٹالن گراڈ کی اینٹ سے اینٹ بجادی، کیا اسٹالن گراڈ کے نام کا کوئی شہر روس میں اب نہیں رہا؟ جاپان کو ایٹم نے جہنم بنا کر اس کی آبادی کو اڑا دیا، کیا جاپان نام کا کوئی ملک مشرق بعید میں نہیں رہا؟ زلزلہ نے کوئٹہ کو چشمِ زدن میں ملبہ بنا دیا، کیا کوئٹہ کا نام ونشان ختم ہو گیا؟ آسام کو سیلاب اور بھونچال نے زیروزبر کر دیا، کیا اب آسام میں کوئی بستی اور کوئی آدم زاد باقی نہیں رہا؟ تم دیکھتے ہو کہ روزانہ انقلاب وتغیر کے ہزاروں مرحلے آتے ہیں اور اپنی تباہی وبربادی کی داستان چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ان تباہیوں اور بربادیوں کی داستان کہنے اور سننے والے ان لوگوں سے زیادہ ہوتے ہیں، جن کے مٹنے کے ساتھ یہ الم ناک افسانے پیدا ہوئے ہیں، کیا بتا سکتے ہو کہ ہماری آزادی کی قسمت میں کتنے لاکھ انسانوں کی بربادی لکھی تھی، کتنے ہزار جانوں کی تباہی ساتھ تھی اور کتنے سو خاندان کی موت اس کے ضمن میں تھی، مگر آج ملک میں کہیں بھی انسانوں کی کمی نظر آتی ہے، کسی بستی میں الّو بولتا ہے اور کسی بھی ویرانے میں خاموشیاں رقص کرتی ہیں؟

پس کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ کائنات اور اصولِ تکوینات کے ماتحت ہماری بستی بھی ٹھیک اسی طرح ختم کر کے ہماری جگہ دوسری مخلوق لائے، جس طرح کہ اس نے مذکورہ بالا مقاموں کو مٹانے کے بعد وہاں پر نئی دنیا بسائی، اگر اوپر کے حقائق ثابت ہو چکے ہیں اور خدا نے انسانوں کو مٹا کر دوسرے انسانوں کو جگہ دی ہے، تو اب ایسا کیوں نہیں

ہوسکتا کہ وہی اللہ ہمارے ساتھ بھی وہی سلوک کرے، ڈرو اور ایسے حالات سے پناہ مانگو۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾

اگر اللہ چاہے تو اے لوگو! تم کو ختم کر کے دوسری مخلوق لائے، اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۳)

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات پیدا کی ہے، اور وہی اس کی بقا و فنا پر قابض ہے اور کسی مخلوق کو ذرہ برابر حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت اور مشیت و طاقت میں اثر انداز ہوسکے، انسان اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے اور اس کا اسے تجربہ ہے، مگر اس کی غفلت اسے غافل رکھتی ہے، اور وہ اس طرح زندگی بسر کرتا ہے جیسے وہ اس عقیدہ و یقین پر زندہ نہیں ہے، آج بھی اسی غفلت پر ہماری زندگیاں گزر رہی ہیں اور ہم دنیاوی زندگی میں اس طرح مگن ہیں جیسے نہ ہمیں مرنا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ہم پر قابض و دخیل ہے، آج غفلت کی یہ روش اپنے انتہائی نقطۂ عروج کو پہونچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تہذیب کو ختم کر کے دوسری تہذیب پیدا کرتا ہے، ایک قوم کو فنا کر کے دوسری قوم کو زندگی دیتا ہے، ایک نظریہ کو مٹا کر دوسرے نظریہ کو فروغ ہوتا ہے اور ایک حکومت کو نیست و نابود کر کے دوسری حکومت برپا کرتا ہے، اس زمانہ میں یہ حقیقت جس قدر واضح ہو چکی ہے، شاید اس سے پہلے کبھی اس طرح واضح نہ ہوئی ہو، مگر یہ عجیب بات ہے کہ اس دور کا انسان اس حقیقت پر یقین و عقیدہ میں بہت کمزور ہو گیا ہے۔

ابھی کل کا واقعہ ہے کہ پچاس ہزار انسانوں کا آباد شہر اغادیر منٹوں میں نیست و نابود ہو گیا اور پھر اسی کے ملبہ پر تیزی سے دوسرا شہر آباد کیا جا رہا ہے، آج الجزائر کے لوگ اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہو کر اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۰/ اپریل ۱۹۶۰ء)

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیۡرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم کو ختم کردے، اور دوسروں کو لائے، اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔ (پ۵ ع۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۳)

اس دنیا کو اللہ نے پیدا کیا، اس کی ہر چیز کو زندگی دی اور پھر ایک مدت تک زندہ رکھ کر اسے موت دی، کائناتِ ارضی کا یہ نظام جب تک قدرت کو منظور ہوگا، یوں ہی جاری وساری رہے گا، کوئی دوسری طاقت اس میں نہ دخل دے سکتی ہے اور نہ کسی قسم کا خلل پیدا کرسکتی ہے، یوں تو ہر صفت میں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور کوئی مخلوق اس کی ہم سر نہیں، مگر صفتِ احیاء واماتت کا ظہور تمام صفاتِ خداوندی سے جداگانہ ہے۔

اللہ جب چاہے زندہ کرے، جب چاہے مردہ کرے، جسے چاہے ختم کردے، جسے چاہے زندگی دے دے، اللہ تعالیٰ نے بے شمار مردہ بستیوں کو زندگی دی ہے اور ان گنت زندہ بستیوں کو موت کی نیند سلا دیا ہے، اس دنیا میں خدا نے پوری کی پوری نسل کو جڑ بنیاد سے کھود دیا ہے اور اس کی جگہ تازہ دم نسل کو برپا کیا ہے۔

اس سلسلے میں بدی اور نیکی کو بہت نمایاں حیثیت حاصل ہے، جس نسل اور جس بستی میں بدی کا عمل دخل ہوا اور اس میں حد سے گزر گیا، وہ نسل اور بستی تباہ وبرباد کردی گئی، اور اس کی جگہ ایک صالح نسل اور صالح بستی برپا کی گئی، جو اپنی سلامت روی اور صلاحیت کی وجہ سے زندہ وتابندہ ہے۔

آج بھی دنیا میں نسلوں اور بستیوں کی بربادی اور آبادی کا یہ نظارہ برپا ہوتا رہتا ہے، اور قدرتِ خداوندی اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۱۳۴﴾ؑ

جو آدمی دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سمیع وبصیر ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو انسان کے اعمال کے لیے جزا یا سزا بنا کر نہیں پیدا فرمایا ہے، بل کہ یہ تو اس کے زندہ رہنے کی جگہ ہے اور عمل کا میدان ہے، جزا وسزا کا مقام بعد میں آنے والا ہے، مگر جو لوگ اسی دنیا میں اپنے اعمال کا تازہ بہ تازہ اجر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور عقیدۂ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کو اسی دنیا میں اجر وجزا سے نوازا جاتا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جاتی، اور کافرانہ اور فکرانہ زندگی کے کسی عمل کو ناقابلِ قبول قرار دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات کی لچک ان پر کچھ نہ کچھ جزا دے دیتا ہے، ورنہ فکر خدا کے لیے اجر وجزا کا سوال ہی کیا ہے، اور جو لوگ ایمان ودین کے ساتھ اس دنیا میں عمل کرتے ہیں اور آخرت میں اس کی جزا چاہتے ہیں، ان کو آخرت میں نہایت حسن وخوبی کے ساتھ جزا دی جاتی ہے اور چند در چند معاوضہ دیا جاتا ہے۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں جگہ جزا پانے کا انتظام ہے، جس کا جی چاہے، یہاں سے لے لے اور جس کا جی چاہے، وہاں جا کر لے لے، البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اس دنیا میں کام کرو اور آخرت میں جزا لو کہ اس میں فائدہ ہے اور اسی میں ہر طرح کی کامیابی اور بامرادی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹ / دسمبر ۱۹۶۰ء)

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا ﴿۱۳۴﴾ؑ

جو شخص ثوابِ دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے یہاں ثوابِ دنیا اور ثوابِ آخرت دونوں ہیں، اور اللہ سمیع وبصیر ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۴)

یہ دنیا دار العمل ہے، یہاں پر کام ہوتا ہے اور کام کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، اس دنیا میں کوئی کام کرو، دنیاوی ہو یا اخروی، اس کا نتیجہ اس دنیا میں ضرور بالضرور ظاہر ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ اخروی کاموں کا نتیجہ اس دنیا میں کم اور آخرت میں زیادہ ظاہر ہوتا ہے، پس اس دار العمل میں یہ بات نہیں ہے کہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، صداقت، دیانت، اخلاق وشرافت اور انسانیت کا مظاہرہ کرنے سے دنیا میں کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، اور وہی لوگ یہاں فائدہ میں رہتے ہیں، جو دغابازی، بے ایمانی، حرام کاری، حرام خوری، جھوٹ، فساد میں رات دن لگے رہتے ہیں، بل کہ بات یہ ہے کہ سچوں اور نیکوں کی سچائیوں اور نیکیوں کا پھل بھی دنیا میں ملتا ہے، مگر اس کا پورا پورا ظہور آخرت میں ہوگا، اور جہاں کے لیے اس کی نیت کی گئی ہے، وہیں وہ رنگ دکھائے گا، اور اسی طرح جھوٹوں اور بدکاروں کے جھوٹ اور بدکاری کا انجام بھی اسی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے، اور چوں کہ وہ کام اسی دنیا میں خرمستی اور عیاشی کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے وہ پورا کا پورا اسی دنیا میں مل جاتا ہے اور آخرت میں اس کا کوئی پھل نہیں ملے گا۔

یہاں قرآنِ حکیم فرمارہا ہے کہ اس دنیا میں رہ کر آدمی اگر چاہے تو دنیا وآخرت دونوں کو کمائے اور ایک ہی تیر سے دو شکار کرے، اور اگر چاہے تو صرف دنیا ہی پر اکتفاء کرکے اپنی آخرت کے حق میں دست بردار ہوجائے، افہام وتفہیم کے بعد یہ بات خدا نے انسانوں پر رکھ دی ہے کہ وہ جیسا چاہیں کریں، خدا کے یہاں دونوں بات کی گنجائش ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

جو دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے، اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۴)

یہ دنیا ثواب اور اجر حاصل کرنے کی نہیں ہے، بل کہ کام کرنے کی جگہ ہے اور ثواب کا مقام آخرت ہے، جہاں دنیا کی ہر نیکی اور بدی کا نتیجہ انسان کے حق میں ظاہر ہوگا اور کسی کے ساتھ ذرہ برابر ناانصافی اور ظلم و زیادتی نہ ہوگی، لیکن اگر کوئی فرد یا گروہ اسی دنیا میں اپنے کاموں کا بدلہ چاہے اور یہیں پر اپنا سب کچھ بھگتان کر کے عیش و عشرت کی زندگی کا خواہاں ہو تو اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیا و آخرت دونوں جگہ اجر و ثواب دینے کا قانون ہے۔

ایسے لوگوں کو اس دنیا میں ان کے کاموں کا پورا پورا بدلہ مل سکتا ہے اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، مگر ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور وہ وہاں پر سراسر حرمان و خسران میں ہوں گے، تم دیکھتے ہو کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف اس دنیا ہی میں اپنا بدلہ چاہتے ہیں اور ان کا آخرت پر ایمان نہیں ہے، وہ عیش کرتے ہیں، اور بظاہر اچھی سے اچھی زندگی بسر کرتے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اور کسی کا عقیدہ و عمل اس سے چھپا نہیں ہے، اور یہ کہ اس کا جو ارادہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ پورا کر دیتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ فوری نفع چاہے یا آخرت پر اپنا معاملہ اٹھا رکھے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط

جو شخص دنیا میں ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶، سورۃ النساء: ۱۳۴)

یہ دنیا انسانوں کے چند سالوں، مہینوں، ہفتوں بل کہ چند دنوں کے رہنے کی جگہ ہے اور دائمی جگہ آخرت ہے، جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اور قیامت تک اس کی حیثیت برزخی ہے اور قیامت کے بعد مستقل ہے، اسلام نے آخرت کا عقیدہ پیدا کر کے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم اس دنیا میں آخرت کے لیے کام کریں اور آخرت ہی کے بناؤ کے لیے

اس میں رہیں سہیں، یہ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے، عمل کی جزا دوسری دنیا میں ملے گی۔

یہ ضرور ہے کہ عمل کی جزا کا کچھ حصہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہے اور اس سے اس دنیاوی بناؤ، بگاڑ پر اثر پڑتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہی دنیا عمل کرنے اور عمل کا پورا پورا بدلہ حاصل کرنے کی جگہ ہے، یہ تو اسلامی عقیدہ کی بات ہے، غیر اسلامی عقیدہ وتصور میں یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، اسی میں جو کچھ کرنا ہے، کرلو، اس کے بعد کچھ نہیں ہے، بل کہ ساٹھ ستّر سال کی زندگی مزا لوٹنے یا تنگی میں کاٹنے کے لیے ہے، یہ خیال ان لوگوں کا ہے، جن کا عقیدہ آخرت اور جزا وسزا پر نہیں ہے۔

ایسے لوگوں کو ان کے اَعمال کا بدلہ اس دنیا میں دیا جاتا ہے، قانون مجازات برحق ہے اور اس کی حقانیت ایسے لوگوں کے حق میں "ثوابِ دنیا" ہی کے رنگ میں ظاہر ہوجاتی ہے اور ثوابِ آخرت سے ان کے لیے کوئی حصہ نہیں رہ جاتا، اللہ تعالیٰ کے یہاں دونوں ثواب ہیں، دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی، جو جیسا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ویسا ہی دیتا ہے، ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم دنیا کے ثواب پر آخرت کے ثواب کو ترجیح دیں اور اسی کو حاصل کریں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

جو شخص دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے، اور اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ کے یہاں قانونِ مجازات پر عمل ہوتا ہے اور ہر کام کی جزا دی جاتی ہے، اس دنیا میں بھی بدلہ ملتا ہے اور دوسری دنیا میں بھی، اس دنیا میں کم اور دوسری دنیا میں پورا بل کہ زیادہ، عقیدۂ قیامت عقیدۂ مجازات کا گویا دوسرا نام ہے اور ہر مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس دنیا میں نیک کام کرکے اس کی جزا آخرت میں چاہے، کیوں کہ اس کے محاسبہ میں بڑی الجھن اور نہایت خطرناکی ہے، اس لیے دنیا کی اچھائیاں وہاں زیادہ مفید ثابت ہوں گی۔

اس حقیقت کے باوجود اگر کوئی انسان اس عقیدۂ مجازات کو نہ مانے یا زبان سے مان کر اس پر عملی طور سے جما نہ رہے اور اس دنیا میں اپنے کاموں کی جزا چاہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات کی لچک اس کا موقع پورے طور سے دے دیتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیا و آخرت دونوں میں جزا لینے اور دینے کا قانون ہے اور کسی پر جبر نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ آخرت ہی کے بدلے کے لیے مجبور کیا جائے اور اسے دنیا میں بدلہ دیا ہی نہ جائے، بل کہ جو آدمی اس دنیا میں اپنے کاموں کا بدلہ چاہتا ہے اسے پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو قومیں یا جو اَفراد آخرت کے بدلے دنیا ہی میں اپنا اجر چاہتے ہیں، قدرت ان کو پورا پورا بدلہ دیتی ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات اربابِ دین و دیانت ان کی خوش حالی دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۵ر جنوری ۱۹۶۱ء)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

جو شخص ثوابِ دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے یہاں دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے، اور اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۴)

یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں ہے، یہ آخرت کی کھیتی ہے، یہاں پر انسان جو بوئے گا، آخرت میں وہی کاٹے گا، پھر بھی اس دنیا میں جزا کا کچھ نہ کچھ معاملہ عام طور سے ظاہر ہوتا ہے، اور عام حالات میں دنیا کی نیک زندگی دنیا میں بھی اچھی گزرتی ہے، مگر عام اصول یہی ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، آدمی یہاں محنت کر کے وہاں اس کا پھل پائے گا، اور جو اَفراد یا قومیں اسی دنیا میں اپنا حساب بے باق کرنا چاہتی ہیں اور آخرت میں کچھ نہیں چھوڑنا چاہتی ہیں، ان کو اسی دنیا میں جزا دے دی جائے گی۔

چناں چہ اس دنیا میں پہلے بھی ایسے نظریہ اور خیال کے لوگ تھے، جو آخرت اور جزا سزا

کے قائل نہیں تھے، اور اس وقت بھی ایسے لوگ موجود ہیں، بل کہ اس زمانہ میں ایسے لوگوں کا ہجوم وغلبہ ہورہا ہے، ان کے افکار ونظریات مادی زندگی سے میل کھا کر عوام میں مقبول ہورہے ہیں، حکومتوں کی بنیاد ان پر رکھی جارہی ہے، اور سیاست وحکمرانی کی سطح سے ان کا پرچار ہورہا ہے، تم دیکھتے ہو کہ ان آخرت پر جزاوسزا بل کہ خدا پر ایمان ویقین نہ رکھنے والوں کی زندگیاں بظاہر کیسی اچھی اور شان دار گزر رہی ہیں، اربابِ ایمان ان کے مقابلہ میں بدرجہا پست نظر آتے ہیں، یہ صورتِ حال اسی لیے برپا ہے کہ منکروں نے آخرت پر اپنی جدوجہد اور بھاگ دوڑ کو نہیں چھوڑا، بل کہ "چٹ منگنی پٹ بیاہ" کے اُصول پر اسی زندگی کی جنت پر رضامندی ظاہر کی، اس لیے ان کو اس دنیا میں سب کچھ حاصل ہوگیا، اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لیے دنیا میں واجبی واجبی ملتا ہے، اس لیے وہ ناپی تولی روزی پاتے ہیں، اس کو خوب سمجھ لو اور الحاد وبے دینی کی زندگی سے مرعوب نہ ہو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

جو شخص دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے، اور اللہ سننے، دیکھنے والا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۶ سورۃ النساء: ۱۳۴)

ہر کام کی جزا قانونِ قدرت ہے اور جو شخص جیسا کرتا ہے، اسے ویسا ہی بدلہ ملتا ہے، یہ اتنا کھلا ہوا معاملہ ہے کہ اس پر دلیل لانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے، بل کہ یہ پوری دنیا کا ہمیشہ سے مسلمہ ومتفق علیہ مسئلہ ہے، اسلام کی دعوت یہ ہے کہ دنیا میں ہونے والے نیک کاموں اور بُرے کاموں کا بدلہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملتا ہے، بل کہ اس دنیا میں کم اور آخرت میں زیادہ، مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسی دنیا میں اچھی اور بُری زندگی کا بدلہ مل جاتا ہے اور بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں، اس کا پھل اس دنیا میں

کھالیں، ایسے لوگوں کو ان کے قصد وارادہ اور نیت ومنشا کے مطابق اسی دنیا میں بدلہ دے دیا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس میں کوئی دشواری نہیں ہے، بدلہ ضروری ہے تو جو جہاں چاہے، لے لے، مسلمانوں کے نزدیک اصل بدلہ وہ ہے، جو آخرت میں ملے گا، دنیا میں بدلہ لینا سراسر نقصان کا سودا ہے، ویسے ہر نیک کام کا نتیجہ اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے، جس سے نیکوں کو فائدہ پہونچتا ہے اور ہر برے کام کا نتیجہ بھی اسی دنیا میں کچھ نہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جس سے بروں کو نقصان ہوتا ہے، مگر اصل بدلہ کی جگہ آخرت ہے، اور پورا پورا بدلہ اسی جگہ ملے گا، مگر جو لوگ پورا بدلہ اسی دنیا میں لینا چاہتے ہیں، ان کو اسی دنیا میں بدلہ دے کر بھگتان کر دیا جائے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۳ ر اگست ۱۹۶۲ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ۚ

اے ایمان والو! تم لوگ انصاف کے قائم کرنے والے بن جاؤ، اللہ کے گواہ بن جاؤ، اگرچہ یہ گواہی اپنے ہی اوپر ہو، یا والدین اور اقرباء پر ہو۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۵)

مومن کی زندگی اقامتِ عدل وانصاف اور شہادتِ حق وصداقت ہے، اس میں اپنے اور غیر کا امتیاز نہیں ہے، انصاف بہر حال مسلمان کی چیز ہے اور جہاں کہیں بھی موقع آجائے، مسلمان اسے لے گا، حتیٰ کہ اپنی ذات پر اسے عدل وانصاف جاری کرنا ہوگا اور اپنے ماں باپ کے بارے میں بھی یہی رویہ اختیار کرنا ہوگا، چاہے اس میں نقصان ہو یا فائدہ، بات بنے یا بگڑے اور کام چلے یا نہ چلے، انصاف اور شہادتِ حق کو ہر حال میں قائم کرنا ہی پڑے گا، یہ مسلمانوں کا فریضہ ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو دنیا وآخرت میں ناکام ونامراد رہیں گے اور ان کی شان کہیں باقی نہیں رہے گی، خویش واقارب ہوں یا اپنی ہی ذات ہو، مسلمان کے انصاف وشہادت، حق کی گرفت ہر جگہ قائم رہے گی، کافر ہو یا مسلمان سب کے

ساتھ انصاف اور حق کا برتاؤ کرنا ضروری ہے، ورنہ اسلامی عدل وانصاف باقی نہیں رہے گا۔

قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ میں اس طرح کی حق کی گواہی دینے اور انصاف کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے، اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے، ان کے لیے وعید آئی ہے، آج مسلمانوں نے اس فریضہ میں بڑی کوتاہی کی ہے اور وہ مداہنت، چاپلوسی اور تملق کو بہترین مصلحت سمجھ کر طرح طرح کی ذلتوں میں مبتلا ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ

اے ایمان والو! تم عدل وانصاف کے قائم کرنے والے بن جاؤ، اللہ کے شاہد وگواہ بن کر، اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو، یا والدین اور اقرباء پر۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۵)

مسلمان اس دنیا میں حق وانصاف اور سچائی پر عمل کرنے ہی کے لیے نہیں ہے، بل کہ اس کی زندگی کا مقصد سچائی کو دنیا میں عام کرنا ہے، وہ ایک عظیم مقصد کے لیے برپا کیا گیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد بہت ہی بلند ہے، وہ صرف کھانے کمانے اور عیش وعشرت میں بسر کرنے کے لیے نہیں ہے، بل کہ اس کائنات میں وہ میزانِ عدل وانصاف ہے، دنیا اس ترازو پر انصاف کی قدروں کو تولتی ہے، اور اس سے عدل کی دولت حاصل کرتی ہے، اس معاملہ میں کسی قسم کی رورعایت جائز نہیں ہے، سچ بات کہنے اور انصاف کرنے میں مسلمان بے غبار ہوتا ہے، وہ اپنی ذات یا اپنے ماں باپ اور خویش واقارب تک کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا، بل کہ حق وانصاف کو جاری کر کے اپنی ذات اور لوگ تک کے بارے میں کردار دکھاتا ہے، یہی اس کی شان ہے اور یہی اس کا امتیاز ہے، پس تم اپنوں میں ہو یا غیروں میں، دوستوں میں ہو یا دشمنوں میں، حق بات کہنے اور انصاف کرنے سے ہرگز نہ چوکو، ورنہ اس دنیا میں تمہاری زندگی میزانِ عدل نہیں رہے گی اور تم بھی دوسری قوموں کی طرح ایک قوم بن کر

رہ جاؤ گے، جو بے مقصد جیتی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ

اے ایمان والو! تم ہو جاؤ انصاف قائم کرنے والے، گواہ اللہ کے لیے، اگرچہ اپنے اوپر ہو یا والدین پر یا اقرباء پر۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۵)

اسلام کی اہم خصوصیات و امتیازات میں سے یہ ایک خصوصیت اور امتیاز یہ بھی بہت خاص اور نمایاں ہے کہ وہ عدل و انصاف کے معاملہ میں دنیا کی کسی طاقت کی پروا نہیں کرتا، ظلم و جبر ہو یا صلہ رحمی و قرابت ہو یا ذاتی مفاد ہو یا کوئی اور دباؤ ہو، کسی حال میں وہ انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں عدل و انصاف کا ساتھی ہی نہیں، بل کہ اس کا مربی و سرپرست ہوتا ہے اور اس کی نگرانی اس کے ایمان کا جزو ہے، وہ جب تک زندہ رہتا ہے، انصاف و عدل پر آنچ آنے نہیں دیتا، اگر انصاف کا خون ہوتا ہو تو مسلمان برداشت نہیں کرسکتا، وہ اپنے ذاتی مفاد سے دست بردار ہوسکتا ہے، اپنے والدین کی نافرمانی کرسکتا ہے اور اپنے خویش و اقارب کی مخالفت کرسکتا ہے، مگر انصاف کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا اور کسی قیمت پر وہ ظالم، نا منصف اور بے ایمان نہیں ہوسکتا۔

قرآن مسلمانوں کو عدل و انصاف کے معاملے میں کس قدر ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اس کی اس حیثیت کو کس قدر بلند کرتا ہے، اس کے مقابلہ میں آج کل مسلمانوں کا کیا حال ہے، موازنہ و مقابلہ کے بعد اس کا جواب کچھ مشکل نہیں، اسی قسم کی اور خصوصیات کے کھو دینے سے مسلمان قوم آج دنیا میں ذلیل و خوار اور رسوا ہے اور اس پر سے دنیا والوں کا اعتبار ختم ہوجاتا ہے، اگر غیر ناانصافی کرے اور ظلم و زیادتی سے کام لے، تو یہ اس کا کام ہی ہے، مگر مسلمان کا یہ کام نہیں ہے، اس لیے اسے اس کی سزا ملتی ہے اور دنیا میں اس کا پھل چکھنا پڑتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ج

اے ایمان والو! تم لوگ انصاف کے قائم کرنے والے بن جاؤ، اللہ کے گواہ بن جاؤ، اگرچہ یہ گواہی اپنے ہی اوپر ہو، یا والدین اور اقرباء پر ہو۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۵)

مومن کی زندگی اقامتِ عدل وانصاف اور شہادتِ حق وصداقت کے لیے ہے، اس میں اپنے اور غیر کا امتیاز نہیں ہے، انصاف بہر حال مسلمان کی چیز ہے، اور جہاں کہیں بھی موقع آجائے، مسلمان اسے لے لے گا، حتیٰ کہ اپنی ذات پر اسے عدل وانصاف جاری کرنا ہوگا اور اپنے ماں باپ کے بارے میں بھی یہی رویہ اختیار کرنا ہوگا، چاہے اس میں نقصان ہو یا فائدہ، بات بنے یا بگڑے اور کام چلے یا نہ چلے، انصاف اور شہادتِ حق کو ہر حال میں قائم کرنا ہی پڑے گا، یہ مسلمانوں کا فریضہ ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو دنیا وآخرت میں ناکام ونامراد رہیں گے اور ان کی شان کہیں باقی نہیں رہے گی، خویش واقارب ہوں یا اپنی ذات ہو، مسلمان کے انصاف وشہادتِ حق کی گرفت ہر جگہ قائم رہے گی، کافر ہو یا مسلمان سب کے ساتھ انصاف اور حق کا برتاؤ کرنا ضروری ہے، ورنہ اسلامی نظامِ عدل وانصاف باقی نہیں رہے گا۔

قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبویہ میں اس طرح حق کی گواہی دینے اور انصاف کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے، اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے، ان کے لیے وعید آئی ہے، آج مسلمانوں نے اس فریضہ میں بڑی کوتاہی کی ہے اور وہ مداہنت، چاپلوسی اور تملق کو بہترین مصلحت سمجھ کر طرح طرح کی ذلتوں میں مبتلا ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۱ رفروری ۱۹۷۷ء)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ج

اے ایمان والو! تم انصاف کے قائم کرنے والے اللہ کے لیے گواہ بن جاؤ، اگرچہ

یہ اپنے ہی اوپر ہو، یا والدین اور اقرباء پر ہو۔ (پ ۵ ع ۱۷، سورۃ النساء: ۱۳۵)

عدل وانصاف انسانی زندگی کے لیے دوسری روح ہے، اگر یہ روح کسی معاشرہ سے نکل گئی تو پھر اس میں زندگی کی صلاحتیں کام نہیں کریں گی اور ہر طرف ظلم وستم، لوٹ کھسوٹ، بے ایمانی اور بددیانتی تباہی مچائے رہے گی، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا میں عدل وانصاف کا محافظ وضامن بتایا ہے اور ان کو اپنی زمین پر اپنا گواہ اور شاہد وناظر بنایا ہے، تاکہ مسلمان قوم جہاں کہیں ہو، اپنا کام کرتی رہے اور اس کے علم وقدرت کے باوجود کہیں ناانصافی، ظلم اور زیادتی نہ ہو، اس بارے میں مسلمانوں کو اس قدر بلند رکھا گیا ہے کہ اپنی ذات اور اپنے والدین کی خیرخواہی کے خیال سے بھی کسی پر زیادتی نہیں کی جاسکتی، پھر دوسرے رشتہ داروں اور قرابت داروں کی کیا حقیقت ہے؟

مسلمانوں کو اللہ کی زمین پر اللہ کا شاہد وناظر بنایا گیا ہے، مگر مسلمان اپنی ذمہ داری سے دور ہوکر ناانصافی اور ظلم وزیادتی کے کام کرتے ہیں اور معمولی معمولی فائدہ کے لیے منصب سے دور ہوجاتے ہیں، آج کل جہاں ہم میں دوسری بہت سی خرابیاں ہیں، وہاں یہ خرابی بھی بہت نمایاں ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۚ

اے ایمان والو! تم انصاف کو قائم رکھنے والے بن جاؤ، اللہ کے لیے شاہد اور گواہ بنو، اگرچہ شہادت اپنے ہی اوپر، یا والدین پر یا اقرباء پر ہو۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۵)

مسلمان دنیا میں عدل وانصاف کی میزان ہے، اس لیے اس کو ہمیشہ مستقیم ہی رہنا چاہیے، اس میں ذرا کجی اور ٹیڑھا پن آیا کہ عدل وانصاف کی دنیا میں بے رونقی آئی، مسلمان بڑا عادل، بڑا منصف اور بڑا دوٹوک فیصلہ کرنے والا ہوتا ہے، انصاف کے معاملے میں

مسلمان اپنے، بے گانے، خویش واقارب اور اغیار کے فرق سے نا آشنا اور بے گانہ ہوتا ہے، اس معاملے میں نہ اپنی ذات کا لحاظ کرتا ہے، نہ اپنے ماں باپ کا خیال کرتا ہے اور نہ ہی رشتہ داروں کی پروا کرتا ہے، بل کہ وہ کرتا ہے، جسے عدل وانصاف چاہتا ہے، اور اسی آواز پر لبیک کہتا ہے، جو عدل وانصاف کے حریم سے اٹھتی ہے، مسلمان کا یہی کردار اسے دنیا وآخرت میں سرخ رو کرتا ہے، اقوام وملل میں عزت وکردار کی عظمت پیدا کرتا ہے اور دوسروں میں پذیرائی ہوتی ہے، انصاف جہاں بھی ہوگا، مقبول ہوگا، محبوب ہوگا اور جو قوم انصاف پرور ہوگی، وہ دنیا میں شرف وقبولیت حاصل کرے گی۔

مسلمان کو دوراندیشی، مصلحت بینی، چاپلوسی اور مفاد پرستی سے بالاتر ہوکر عدل وانصاف کا پرچم بلند رکھنا چاہیے، تاکہ اس کے سایہ میں انسانیت کو پناہ مل سکے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ

اے ایمان والو! تم لوگ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر جسے اس نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اور جس کتاب کو اس نے پہلے نازل کیا ہے۔

(پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۶)

ایمان والے ایمان لائیں، یعنی کامل ومکمل طور پر مومن ومسلم بن جائیں اور ایمان ویقین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں، اسی پر جئیں، اسی پر مریں، اسی کے لیے جد جہد کریں اور اسی کی خاطر اللہ کی زمین پر کام کریں، ایمان والوں کا مرکز اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کو بنانا چاہیے، اسی کے ساتھ ساتھ پچھلی تمام سچائیوں اور اَدیان وملل کی صحیح اور سچی باتوں کو تسلیم کرنا چاہیے، ان ہی مرکزوں سے ایمان ویقین کو روشنی ملتی ہے، ان ہی کی وابستگی سے اس

میں استواری واستقامت ملتی ہے، اور اسی ایمان ویقین سے انسان دنیا میں خیر وبرکت کا وارث بنتا ہے، اسلام وایمان کی راہ بالکل واضح اور روشن ہے، اس کی کھلی ہوئی حقیقت میں کوئی غبار نہیں ہے، پس ہم مسلمانوں کو ہر قسم کی ذہنی، فکری اور قلبی الجھنوں سے یک سو ہو کر صرف دین وایمان سے وابستہ رہنا چاہیے، یہی مقصدِ انسانیت اور معراجِ بنی آدم ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور رسول اور اس کتاب پر جسے اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے، اور اس کتاب پر جسے اس سے پہلے نازل کیا ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۶)

مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان تمام سچائیوں کو تسلیم کرے، جسے ابتدائے آفرینش سے خدا کے رسولوں نے احکامِ الٰہی اور کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے، کوئی انسان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا ہے، جب تک کہ گزشتہ کتب کے ایک ایک حرف پر ایمان لا کر قرآن پر ایمان نہ لائے، یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے اس دعوے میں برحق ہے کہ اس کے دامن میں دنیا بھر کی صداقتیں سمٹ کر آ گئی ہیں، اور مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان تمام فضائل وکمالات کا جامع ہے، جو اپنے اپنے دور میں دنیا کی مختلف قوموں اور ملتوں کو دیئے گئے تھے، برخلاف اس کے دنیا کے دوسرے اہلِ مذاہب ایک محدود تعلیم کے حامل ہوتے ہیں اور ان کا مذہب اس خمیر سے اٹھتا ہے کہ صرف ان کا مذہب برحق ہے اور دنیا کے دوسرے جتنے مذاہب ہیں سب باطل ہیں، مگر اسلام کہتا ہے کہ دنیا کے تمام برحق مذاہب برحق ہیں اور جب تک ان پر ایمان نہیں ہوگا، اسلام مکمل نہیں ہوسکتا، فیصلہ کرو کہ سیر چشمی، وسعتِ ظرفی اور رواداری اسلام کا حصہ ہے یا دوسرے مذاہب کا؟

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۳۰ ستمبر ۱۹۵۲ء)

وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۳۶﴾

اور جو شخص اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یومِ آخرت کے ساتھ کفر کرے گا تو تحقیق کہ وہ بہت دور رس گم راہی میں گم راہ ہو گیا۔

(پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء:۱۳۶)

خدا کا انکار، فرشتوں کا انکار، آسمانی کتابوں کا انکار، انبیاء ورُسُل کا انکار اور جزا و سزا کے دن کا انکار، غرض کہ تمام ایسے حقائق کا انکار جو انسانی زندگی اور اس کے تمام عواطف ورجحانات کو راستی اور نیک چلنی کے سانچے میں ڈھالتے ہیں، اس بات کی صریح دلیل ہے کہ انکار کرنے والا ان تمام قدروں سے محروم ہے، جو رشد وہدایت کے لیے ضروری ہیں اور ایسا شخص کھلی ہوئی گم راہی میں مبتلا ہے، کیوں کہ ان تمام باتوں یا ان میں سے بعض باتوں کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی اور اس کے تقاضوں کو ان کے اثرات سے الگ رکھتا ہے اور ایسی زندگی گزارتا ہے، جو سراسر غیر ذمہ دارانہ ہے، جو بالا دست طاقت سے آزاد ہے اور جو شترِ بے مہار ہے، اسی لیے جو ملتیں اور قومیں ان تصورات وعقائد سے جس قدر خالی ہوتی ہیں، ان کی زندگی اسی قدر بے راہ ہوتی ہے، اور جو لوگ جس قدر ان کو تسلیم کرتے ہیں، وہ اسی قدر راہ روی اختیار کرتے ہیں۔

اسی لیے تو اسلام نے مسلمان قوم کو ان تمام حقائق کے تسلیم کرنے کی تعلیم دی ہے اور دنیا کی دوسری تمام قوموں سے زیادہ کام یاب وکامران بنایا ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲؍اکتوبر ۱۹۵۲ء)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾ؕ

جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں

بڑھتے گئے تو اللہ کے ذمہ نہیں ہے کہ ان کی مغفرت کرے، اور نہ یہ کہ ان کو ہدایت دے نیک راہ کی۔ (پ۵ ع۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۷)

جن لوگوں کے دل متزلزل ہوتے ہیں اور ان میں کفر وایمان کے مابین ایمان کی قوت نہیں ہے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فلاح ونجاح اور رشد وہدایت کا ذمہ دار نہیں ہے، کیوں کہ کام یابی اور ہدایت تو ان لوگوں کے لیے ہے، جن کے دل اسلام کے احکام وعقائد پر جم چکے ہیں اور جن میں کسی دوسرے عقیدہ اور عمل کو قبول کرنے کا رجحان نہیں ہے، ایسے پختہ دلوں اور پختہ کاروں کے لیے کام یابی اور ہدایت ہے، بخلاف ان لوگوں کے جو کبھی اسلامی زندگی کا دم بھرتے ہیں تو کبھی کافرانہ زندگی کی گود میں بیٹھ جاتے ہیں اور نتیجہ کے اعتبار سے ان میں کفر کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ا

یسے لوگ برکاتِ خداوندی اور انعاماتِ الٰہی کے حصول کی استعداد سے سراسر محروم ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں عزیمت ویقین کی قوت نہیں ہوتی، جو سعادت مندی وخوش نصیبی کو کھینچ لاتی ہے، آج تم عام مسلمانوں کو دیکھتے ہو کہ وہ اپنے اَعمال وکردار میں اسلام سے کس قدر دور ہیں، پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ برکاتِ خداوندی سے بہت زیادہ قریب ہوں اور رحمت ان کے قدم پکڑتی رہے۔

تم اگر غفران ومغفرت کی نعمت پاکر دنیا اور آخرت میں خوش نصیبی کی زندگی بسر کرنے کا منصوبہ رکھتے ہو، تو ہر طرف سے ہٹ کر اسلام اور صرف اسلام پر عمل کرنا ہوگا اور اپنی زندگی کو کبھی اِدھر کبھی اُدھر لے جانے کے بجائے اسلام کے نقطہ پر لانا ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

جن لوگوں نے مسلمان ہوکر پھر کفر کیا، پھر وہ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر کفر

میں زیادہ ہی ہوتے گئے تو اللہ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں کرے گا، اور نہ ان کو سیدھی راہ کی ہدایت کرے گا۔ (پ۵ ع۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۷)

اسلام عمل و اعتقاد کے چند پُس پُھسے طریقوں کا نام نہیں ہے کہ جب چاہا قبول کرلیا اور جب چاہا چھوڑ کر کفر کی آغوش میں جا بیٹھے، بل کہ کفر و شرک کے تمام شعبوں سے یکسو ہو کر صرف ایک اللہ کی راہ اختیار کرنے کا نام اسلام ہے، اور خدا کے نزدیک وہی اسلام اسلام ہے، جو عزم و یقین کی پوری قوت کے ساتھ انسانوں کے دل و دماغ اور روح و بدن میں پیوست ہو چکا ہو اور جس کی موجودگی میں کفر و شرک کا کوئی واہمہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔

پس جو لوگ اعتقاد و عمل میں اس درجہ غیر ذمہ دار ہیں کہ کفر و اسلام کی حدیں ان کے درمیان ہمیشہ ایک رہا کرتی ہیں، ان کی مغفرت اور بخشش کی خدا پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، نہ آخرت میں ایسے گئے گزرے لوگوں کے لیے کوئی مقام ہے، نہ دنیا میں ان کو رشد و ہدایت کی صحیح راہ مل سکتی ہے، یہ ضرور ہے کہ اگر کوئی انسان غلطی در غلطی کر بیٹھے اور آخر میں توبہ و انابت کی راہ سے خدا کی جناب میں کامیابی حاصل کرلے تو اس کی دنیا و آخرت بن جاتی ہے، مگر اس قسم کی خرمستی کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آدمی اپنے اعتقاد و عمل میں ایک مرتبہ مسلمان بنے، دوسری مرتبہ کافر، پھر مسلمان بنے اور پھر کفر کرے اور اس کے بعد کافرانہ زندگی میں مست رہے، یہ غلطی نہیں ہے، جو توبہ و استغفار کے پانی سے دھل کر صاف ہو جائے، بل کہ کافرانہ زندگی کا چسکا ہے، جو کسی طرح نہیں چھوٹ سکتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۹؍ اگست ۱۹۵۱ء)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر وہ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے تو اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا، اور نہ ان کو سیدھی راہ کی

ہدایت کرے گا۔ (پ ۵ ع ۱۷، سورۃ النساء: ۱۳۷)

جو لوگ اپنی زندگی کو دین و دیانت کی راہ پر نہیں لگاتے اور ہمیشہ ڈاواں ڈول رہتے ہیں، ان میں کوئی ذہن اور کردار پیدا نہیں ہوتا اور وہ آنے والے نتائج میں کوئی اچھا ریکارڈ نہیں چھوڑتے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہنگامی مصالح، وقتی حالات اور آنی جانی باتوں میں پڑ کر حقائق سے محروم رہتے ہیں، ایسے لوگ اس دنیا میں جس طرح محروم رہتے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ان کو محرومی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کوئی آسانی نہیں ہوگی۔

کفار و مشرکین میں کچھ ایسے تھے، جو صبح ایمان لاتے تو شام کو کافر ہو جاتے ہیں، آج وہ مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تو کل کفار کے ساتھ جوڑ پیدا کر لیتے اور پھر کفر و شرک میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے تھے، ان لوگوں کے لیے اسلام کی نعمت کا ایک حبہ بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، وہ زندگی بھر بھٹکتے رہیں گے، مگر ان کو سیدھی راہ نہیں ملے گی، کیوں کہ وہ دین کو ایک تماشہ سمجھتے ہیں اور موقع و محل سے فائدہ اٹھانا ان کا سب سے بڑا مقصد ہے، اس زمانہ میں بھی کچھ لوگ مطلب پرستی کے لیے قلابازیاں کھاتے رہیں، ایسے لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کی راہ مسدود ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۸ر فروری ۱۹۵۷ء)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی گئے، اللہ تعالیٰ نہ ان کی مغفرت کرے گا، اور نہ ان کو راستہ کی ہدایت کرے گا۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۷)

جو لوگ دین و ایمان کو عقیدہ و عمل کے ذریعہ نہیں اپناتے، بل کہ شک و شبہ اور تردد

میں پڑے رہتے ہیں، کبھی ایمان کی طرف جھکتے ہیں، کبھی کفر کی طرف لپکتے ہیں اور پھر کفر وشرک کی زندگی ان کو پسند آتی ہے، ایسے لوگ کسی اچھے انجام کے مستحق نہیں ہوتے، ان میں نتیجہ کی خوبیاں نہیں پیدا ہوتیں اور نہ وہ اس کے مستحق اور اہل ہوتے ہیں، بل کہ اس سودے بازی میں نقصان اٹھاتے ہیں۔

ایسے بے مایہ لوگوں کی قدر و منزلت اللہ کے قانونِ مجازات میں کچھ نہیں ہے، نہ ان کو دنیا میں اچھی زندگی ملے گی اور نہ آخرت میں رحم و مغفرت کا پروانہ ملے گا، کیوں کہ رشد و ہدایت اور رحمت و مغفرت ان لوگوں کے لیے ہے، جن میں بامردی اور استقامت ہوتی ہے، اور جو ایمان ویقین کی چٹان سے اپنے عقیدہ وعمل کو وابستہ کر لیتے ہیں، ان کے لیے سکون وطمانینت ہوتی ہے، دنیا میں تمکنت ہوتی ہے اور آخرت میں مغفرت ہوتی ہے، پس جو لوگ ایمان اور کفر کے درمیان تذبذب کی کیفیت رکھتے ہیں اور ان کا عقیدہ اور عمل ایمان پر نہیں جمتا ہے، وہ کبھی کام یاب زندگی نہیں پا سکتے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر کفر کیا، پھر کفر میں آگے ہی ہوتے گئے، تو اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا، اور نہ ان کو سیدھا راستہ دکھائے گا۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۷)

بعض لوگوں کے نزدیک دین وایمان بھی ایک کھیل ہوتا ہے اور وہ اسے بھی اپنے دنیاوی مفاد اور غرض کے لیے کام میں لاتے ہیں، جب کوئی موقع آیا مسلمان بن گئے اور نیک زندگی کے دعوے دار ہو کر اچھی اچھی باتیں کرنے لگے اور جب جی چاہا کفر والحاد میں مبتلا ہو گئے اور نہایت بے فکری اور اطمینان سے خیال کر لیا کہ یہ بھی زندگی کا ایک رخ ہے، ایسے لوگوں کا انجام بہت برا

ہوتا ہے، ایسے لوگ نہ گھر کے ہوتے ہیں، نہ گھاٹ کے، بل کہ پوری زندگی چکریں کاٹ کرنا کام موت مرجاتے ہیں، ایسے لوگوں کو نہ ہدایت ملتی ہے اور نہ مغفرت سے حصہ ملتا ہے، منافقوں کا گروہ اسی قسم کا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو بتادیا کہ تم یہ جو چال چل رہے ہو، کچھ مفید نہیں ہے۔

ایمان اور کفر میں کود کود کر آنا جانا اچھا نہیں ہے، بل کہ سچے پکے مسلمان بن کر پوری طرح اسلام میں داخل ہوجاؤ اور ہر طرح سے امن واطمینان کی زندگی بسر کرو۔

(روز نامہ انقلاب بمبئی ۲۵ رجون ۱۹۶۳ء)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر وہ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر کفر میں آگے بڑھتے گئے، تو اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا، اور نہ ان کو سیدھی راہ کی ہدایت کرے گا۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۷)

جو لوگ اپنی زندگی کو دین ودیانت کی راہ پر نہیں لگاتے اور ہمیشہ ڈاواں ڈول رہتے ہیں، ان میں کوئی ذہن اور کردار پیدا نہیں ہوتا اور وہ آنے والے نتائج میں کوئی اچھا ریکارڈ نہیں چھوڑتے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو ہنگامی مصالح، وقتی حالات اور آنی جانی باتوں میں پڑ کر حقائق سے محروم رہتے ہیں، ایسے لوگ اس دنیا میں جس طرح محروم رہتے ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی ان لوگوں کو محرومی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ان کے لیے کوئی آسانی نہیں ہوگی۔

کفار ومشرکین میں کچھ ایسے تھے، جو صبح ایمان لائے تو شام کو کافر ہوجاتے، آج وہ مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تو کل کفار کے ساتھ جوڑ پیدا کر لیتے اور پھر کفر وشرک میں آگے ہی بڑھتے چلے جاتے تھے، ان لوگوں کے لیے اسلام کی نعمت کا ایک حبّہ بھی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، وہ زندگی بھر بھٹکتے رہیں گے، مگر ان

کو سیدھی راہ نہیں ملے گی، کیوں کہ وہ دین کو ایک تماشہ سمجھتے ہیں اور موقع ومحل سے فائدہ اٹھانا ان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۸ر مئی ۱۹۸۱ء)

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا لَّمۡ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَـغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَـهۡدِيَهُمۡ سَبِيۡلًا ؕ‏ ﴿۱۳۷﴾

جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر بنے، پھر ایمان لائے، پھر کافر بنے، پھر کفر میں بڑھتے گئے، اللہ نہ ان کی مغفرت کرے گا، اور نہ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت کرے گا۔

(پ ۵ ع ۱۷، سورۃ النساء: ۱۳۷)

دین وایمان کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے اور نہ کوئی پارٹی اور جماعت ہے کہ اس سے کھیلا جائے اور جب جی میں آئے اس کی ممبری سے الگ ہو کر اپنا تعلق ختم کر لیا جائے، بل کہ ایمان انسانیت کی جڑ بنیاد ہے، اسی سے انسان میں انسانیت آتی ہے، درندگی اور بہیمیت ختم ہوتی ہے اور عبدیت وبندگی بیداریٔ روح سے انسان کو بہترین مخلوق بننے کا موقع ملتا ہے، مگر کچھ احمق قسم کے لوگ دین وایمان کو بھی اپنے مقصد اور غرض کی ترازو پر تولتے ہیں، ذاتی نفع ان کا مطمح نظر ہوتا ہے، وہ اسی نقطۂ نظر سے وقتی طور سے دین وایمان کی باتیں بھی کرنے لگتے ہیں اور جب کام بنتا نہیں نظر آتا، یا کام نکل جاتا ہے تو پھر اپنے بے ایمانی کے ماحول میں چلے جاتے ہیں اور بے غیرتی اور بے حیائی کا یہ حال ہوتا ہے کہ پھر جب ضرورت محسوس کرتے ہیں تو بلا جھجھک دین وایمان کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

ایسے خود غرض، مطلب پرست اور شناس زمانہ رسالت میں بھی تھے، ایسے لوگوں کے ایمان واسلام کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور ان کو بھی اسلام اور مسلمان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بل کہ ان کو اپنے مطلب سے مطلب رہتا ہے، اس کے باوجود اگر کسی ایسے خود غرض کی آخری زندگی دینی واسلامی واقعی معنوں میں بن جائے گی تو وہ سچا پکا مسلمان وایمان دار ہو جائے گا، مگر جس کی

زندگی آخر میں کفر وشرک میں کھل کر گزرے گی، اسے دین وایمان سے سروکار نہیں ہوگا اور نہ وہ ایمان ودین کی عدالت سے کسی انعام کا مستحق ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹؍دسمبر ۱۹۶۲ء)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ﴿۱۳۹﴾

اور منافقوں کو خبر دے دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کے علاوہ، کیا وہ ان کافروں کے یہاں عزت چاہتے ہیں؟ عزت تو پوری کی پوری اللہ کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

انسان اپنے اثر واقتدار کے لیے کیا کیا نہیں کرتا اور اس کے چکر میں پڑ کر کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانتا؟ حالاں کہ عزت وسربلندی خود اس کے اندر ہوتی ہے، اگر اپنے کو اس قابل بنائے تو عزت گھر بیٹھے مل سکتی ہے اور وہ عزت واحترام کرانے کے پھیر میں پڑنے کے بجائے امن وسکون کی زندگی بسر کر کے معزز ومحترم ہوسکتا ہے، بعض چھوٹی طبیعت اور تنگ دل کے لوگ تو اس کے لیے حرام وحلال اور کفر وایمان کی تمیز بھی نہیں کرتے۔

چنان چہ منافقوں کا یہی حال تھا کہ اپنی مان جان کے لیے کافروں سے ساز باز رکھتے تھے اور اسلام کا بظاہر دم بھر کر اندر اندر کافروں سے ملے رہتے تھے، تاکہ ان کے وقتی رعب داب سے ان کو بھی حصہ ملے اور وہ عزت واحترام پائیں، حالاں کہ عزت وسربلندی دورخی میں پیدا نہیں ہوتی، بل کہ کردار کی بلندی سے یہ چیز ملتی ہے، عہدِ رسالت کے مریضانِ قلب اس بیماری میں بُری طرح مبتلا تھے، بل کہ آج بھی بہت سے مسلمان ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی سوسائٹی میں آنے جانے کے بجائے کافرانہ زندگی سے مرعوب ہو کر اس سے میل جول رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عزت اسی میں ہے، ایسے لوگ دھوکے میں ہیں اور ان کو اس طرح مقام ومرتبہ اور جاہ ومنصب نہیں مل سکتا، بل کہ اسے ذلت ورسوائی ملتی ہے۔

البتہ جہاں تک انسانی ضروریات اور زندگی کے معاملات و مسائل کا تعلق ہے، اس میں دوسروں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا بُرا نہیں ہے، بل کہ ضروری ہے، مگر اس کی بھی حد ہے، حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹

آپ منافقوں کو خبر دے دیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو کہ مسلمانوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ اس طرح ان کافروں کے یہاں عزت کے خواہاں ہیں، جو تمام تر عزت اللہ کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

اسلام تنگ نظری سے بالاتر ہو کر وسعتِ نگاہی کی تعلیم دیتا ہے اور مسلمانوں کو قومی و ملکی تعصب کی دَل دَل سے نکال کر عالمی زندگی کا سبق دیتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان خالص دینی امور و معاملات سے قطع نظر کر کے صرف دنیاوی عزت اور کام یابی کے لیے کفار و مشرکین کو اپنا پیشوا سمجھے اور سمجھے کہ اسی میں عزت ہے کہ اسلامی زندگی کے خلاف زندگی بسر کرنے کی دوستی کی جائے اور ان کی چاپلوسی کو مقصدِ زندگی بنایا جائے، جو لوگ اس قسم کی حرکت کرتے ہیں یا کریں گے، ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جس میں وہ مبتلا رہ کر ہمیشہ پریشان رہیں گے، نہ دنیا میں چین نصیب ہوگا اور نہ آخرت میں سکون ملے گا، عزت و ترقی کی خواہش میں یہ اقدام کبھی راس نہیں آسکتا، کیوں کہ عزت و کام یابی اللہ کی بتائی راہ پر چلنے میں ہے، کفار و مشرکین کی راہ چلنے میں عزت نہیں ہے۔

البتہ دنیاوی معاملات میں ہر انسان سے پیار اور محبت سے پیش آنا مسلمان کے کردار میں داخل ہے اور اسلام نے اس کی سختی سے تاکید بھی کی ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ اَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ﴿۱۳۹﴾

مومنوں کوخبر کردو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو کہ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے یہاں عزت چاہتے ہیں؟ پس تمام اللہ کے لیے ہے۔

(پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

عہدِ رسالت میں ایسے لوگ موجود تھے، جو بظاہر مسلمان اور بباطن کافر تھے، ان کو اسلام کی بولی میں منافق کہا جاتا ہے، ان کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں اور کافروں دونوں سے میل جول رکھتے تھے، مسلمانوں سے صرف ظاہری اور کفار سے حقیقی تعلق رکھتے تھے۔

بات یہ تھی کہ ابتدا میں ظاہری شوکت اور جاہ وجلال کفار کے پاس تھا، عرب کی پوری زندگی پر ان کا اثر تھا، اقتصادیات، معاشیات، معاملات اور سیاسیات میں وہ قابض ودخیل تھے، دوسرا نمبر یہودیوں کا تھا جو ساہوکاری اور سرمایہ داری کی وجہ سے عربی زندگی کو اپنے قبضہ میں کیے ہوئے تھے، ان اَسباب کی بنا پر دنیا پرست لوگ ان کے ساتھی تھے اور مسلمانوں سے بھی ظاہری رسم وراہ رکھ کر دونوں طرف سے فائدہ اور عزت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ لوگ اپنی جان ومال اور عزت کے چکر میں یہ حرکت کررہے ہیں، اس لیے اسلام کی طرف کھل کر نہیں آتے کہ وہ کافروں سے عزت وشوکت پائیں، ایسے دورخے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں رسوا ہوں گے، عزت وشوکت اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے رسول کے لیے، اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لیے ہے۔

آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو دونوں طرف سے بے اعتمادی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے لیے کہیں بھی عزت نہیں ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۶؍ اکتوبر ۱۹۸۲)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾ اِۨلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ

آپ منافقوں کو خبر دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، ان کے یہاں عزت چاہتے ہیں تو ساری عزت اللہ کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

جو لوگ بہ ظاہر مسلمان ہوتے ہیں مگر اندر اندر کافرانہ مزاج و ذہن رکھتے ہیں، ان کی زندگی سکون واطمینان کے حسن و جمال سے محروم ہوتی ہے اور وہ کبھی چین سے نہیں رہتے ہیں، بل کہ رات دن کسی نہ کسی چکر میں اپنے کو پریشان رکھتے ہیں اور جمعیت خاطر و اطمینانِ قلب کو معمولی معمولی باتوں پر قربان کر کے حیرانی و پریشانی مول لیا کرتے ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلے ان کو اپنی پذیرائی اور عزت کا بڑا خیال رہتا ہے، وہ چوں کہ دل کے چور ہوتے ہیں اور خود سمجھتے ہیں کہ ان کی مان جان مسلمانوں اور کافروں دونوں کے یہاں رہے، اس لیے کہ دونوں طبقوں سے میل موافقت رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، بل کہ کافروں اور مشرکوں کی ظاہری شان و شوکت اور غلبہ واقتدار دیکھ کر ان کی طرف زیادہ جھکتے ہیں اور مسلمانوں سے ہٹ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں، تاکہ ان کو عزت ملے، ان کو لوگ بڑا سمجھیں اور دنیا میں ہر طرف سے آؤ بھگت ہو۔

ایسے لوگ ہمیشہ پریشان رہ کر ناکام ہوتے ہیں اور ان کو کہیں عزت نہیں ملتی، جو شخص اللہ و رسول سے ہٹ کر دوسری جگہ عزت تلاش کرے گا، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۲ر ستمبر ۱۹۷۷ء)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾ اِۨلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ

ان منافقوں کو دردناک عذاب کی خبر دے دو، جو کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو

دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے یہاں عزت چاہتے ہیں، تو ساری عزت تو اللہ کے لیے ہے۔

(پ ۵ ع ۱۷، سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

آدمی عزت کے چکر میں پڑ کر کیا کیا بے وقوفی کے کام نہیں کرتا، گرے پڑے لوگوں کے پاس جانا، ان کی چاپلوسی کرنا اور ان کے سامنے اپنے کو ذلیل حالت میں پیش کرنا، یہ سب آدمی اپنی موہوم عزت کے لیے گوارا کرتا ہے، شروع اسلام میں منافقوں کا گروہ بڑا کمینہ اور ذلیل قسم کا تھا، وہ رات دن اپنے پھیر میں رہا کرتا تھا، بظاہر مسلمان بن کر کفار سے اندر اندر تعلق رکھتا تھا اور مسلمانوں کا ایک ایک راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا تھا، ان مریضانِ قلب وجگر کو رات دن اپنی عزت، سرخ روئی اور شان کا چکر رہا کرتا تھا، مگر ان کو نہ مسلمانوں میں عزت ملتی تھی اور نہ کافروں میں کوئی پوچھ تھی، ان ہی کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے، اگر ان کو عزت کی خواہش ہے تو ساری عزت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کی بندگی اور اس کے بندوں کی دوستی سے عزت مل سکتی ہے۔

یہی حال ان مسلمانوں کا ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف غیروں سے رسم وراہ پیدا کر کے عزت کے خواہاں ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر دوسروں کے یہاں احساسِ کم تری کے لباس میں جاتے ہیں، ان کو بھی کہیں عزت نہیں ملتی، ویسے ملکی قومی ضروریات میں اور حق جواز کی ادائیگی میں انسانوں کے کام آنا اسلام کی بنیادی تعلیم میں داخل ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾

آپ منافقوں کو خبر کر دیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ کافروں کے پاس عزت چاہتے ہیں؟ تو ساری

عزت اللہ کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان منافقوں کا گروہ تھا، جو اپنے ذہن وفکر اور مزاج وذوق کے اعتبار سے نہایت پست، تنگ اور غیر معیاری تھا، اس گروہ کا مبلغ فکر ونظر ذات میں محدود تھا، اس لیے دونوں پارٹیوں میں اپنے کو اچھا بننے اور دونوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ طبقہ بڑی گری گری حرکتیں کرتا تھا، ان میں سے ایک حرکت یہ بھی تھی کہ وہ ظاہر میں تو مسلمان سے میل جول رکھتا تھا، مگر اندر اندر کفار ومشرکین سے گہری دوستی رکھتا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان کی دوستی میں بہت مزا ہے، عزت ہے اور کام یابی ہے، مسلمان ابتلاء وآزمائش کی زندگی سے گزر رہے ہیں کہ شاید آئندہ ان کا بول بالا ہو، اس لیے ان سے ظاہری رسم وراہ رکھنے میں عقل مندی ہے اور کفار ومشرکین کا غلبہ نظر آتا ہے، لہٰذا ان سے ملے جلے رہنے میں وقتی فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقوں کا رویہ ان کو ذلیل وخوار کرنے اور بے عزتی وبے غیرتی کے عذاب میں مبتلا ہونے کے لیے کافی ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طرح ان کی عزت بنی رہے گی، حالاں کہ عزت اس طرح نہیں بنتی، عزت وکام یابی اللہ کے لیے ہے، جو لوگ خدا کی طرف جھکیں گے، ان کو عزت ملے گی، آج کل کے بعض مسلمان بھی اگر اس طرح کا خیال کرتے ہیں تو اس پر نظر ثانی کرلیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ۙ۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ؕ۱۳۹

آپ منافقوں کو بشارت دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جن منافقوں نے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنایا، وہ کافروں کے یہاں عزت چاہتے ہیں؟ پس تمام عزت خدا کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

جو لوگ بہ ظاہر اسلام کا دم بھرتے ہیں اور پھر کفار ومشرکین سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ان

کی روایات میں دل چسپی لیتے ہیں، ان کے نظریات وعقائد کے مطابق کام کرتے ہیں اوران کے مذہبی کارناموں کو اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں، وہ اسلام کی بولی میں "منافق" ہیں، ایسے لوگ یقین وعقیدہ میں، عمل وکردار میں اور رجحانات وحرکات میں اس مرکز تک نہیں پہونچے ہیں، جوفلاح ونجاح کا مرکز ہے اور جہاں نامرادی وناکامی، پَر بھی نہیں مار سکتی۔

یہ دنیاوی عزت کے مجنون ہوش مندان اسلام کی صف میں جگہ نہیں پا سکتے، کیوں کہ انہیں وہ زندگی حاصل ہی نہیں، جوعزت وسربلندی کی زندگی ہے، فلاح ونجاح کی زندگی ہے اور سعادت وثواب کی زندگی ہے۔

بل کہ ایسے سرشارانِ مئے شہرت وعزت ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وہ اس حقیقت کو سمجھے ہی نہیں، عزت وشرافت کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہے اور اس کا بخشا ہوا نظام ہے، جسے "اسلام" کے لقب سے پکارا جاتا ہے، اس دور کے مسلمان غور کریں کہ وہ اپنی زندگی کے سنوارنے میں اسلامی تعلیم پر عمل نہیں کرتے، مگر رات دن دوسرے لوگوں اور دوسرے نظاموں کی طرف اچکتے رہتے ہیں، یہ روش کن لوگوں کی تھی؟ اور ان کے متعلق قرآن کا کیا فیصلہ ہے؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۵ر اکتوبر ۱۹۵۲ء)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹

منافقوں کو خبردار کردو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ لوگ کفار کے یہاں عزت کے طلب گار ہیں؟ تو ساری عزت تو صرف خدا کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۸، ۱۳۹)

دنیا میں یہ افسوس ناک رویہ ہمیشہ سے غلط کار اَربابِ دنیا نے جاری کر رکھا ہے کہ اپنی

ذاتی شان وشوکت اور نفسانی وقار و وجاہت کے لیے کفار و مشرکین سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور مسلمانوں سے منہ پھیر کر کافروں اور مشرکوں کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی ہے، بظاہر ایسے لوگ مسلمان بنتے ہیں، مسلمانوں کی زندگی سے دل چسپی ظاہر کرتے ہیں، عام جلسوں میں مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، مگر اپنی انفرادیت کی پوجا کرنے کے لیے اربابِ کفر وضلالت سے خوب خوب راہ ورسم رکھتے ہیں اور ان کی محفلوں میں بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ صرف پرانے منافقوں کی روش نہیں تھی، بل کہ آج کے منافقوں کا رویہ بھی یہی ہے، چنان چہ آج بھی اس کا مظاہرہ ہورہا ہے اور کرنے والے یہ حرکتیں کررہے ہیں، حالاں کہ اپنی ذات کے ان پجاریوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ عزت وذلت کا سارا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اور کسی سے دوستی اور دشمنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اگر ایسے غلط کار لوگ عزت وشوکت کے دل دادہ ہیں، تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس صورت میں وہ اور ذلیل وخوار ہورہے ہیں، نہ مسلمانوں میں ان کا کوئی مقام ہے، نہ کفار ومشرکین میں ان کی آؤ بھگت ہے، اس طرح ایسے نابکار لوگ دنیا میں دونوں طرف سے گئے اور آخرت میں بھی ان کی رسوائی ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ بعض حالات میں ان کی جھوٹی عزت ظاہر ہونے لگتی ہے اور وہ اپنی بے وقوفی اور خوش فہمی سے اسی کو اصل اور صحیح عزت سمجھنے لگتے ہیں، ایسے تمام لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقی عزت خدا اور اس کے رسول اور اسلام کی پیروی میں ہے، جو دنیا میں اپنوں اور غیروں میں مسلّم ہوتی ہے اور آخرت میں فلاح ونجاح کا ذریعہ بنتی ہے۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۹/مارچ ۱۹۵۳ء)

اِلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ﴿۱۳۹﴾

جو لوگ کافروں کو دوست بناتے ہیں، مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا وہ ان کے پاس

عزت چاہتے ہیں؟ تو تمام تر عزت اللہ کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۹)

دنیا میں انسانوں سے تعلقات اور دوستی کسی بھی مذہب میں غلط نہیں، چہ جائیکہ اسلام جیسے وسیع المشرب دین میں اس کے لیے تنگی ہو، جس کا پیغام ہی عالم گیر انسانیت کی خیر خواہی ہے اور عالمی برادری پر اس کی تعلیم چلتی ہے، البتہ اسلام اس طرح کے احساسِ کم تری کو سخت مضر بتاتا ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں کو اس لیے دوست بنائے کہ اسے ان کے یہاں عزت وتوقیر ملے گی اور وہ مسلمان عام مسلمانوں کے معاملات ومسائل میں غیر مسلموں کی دوستی کا پارٹ ادا کرے، تاکہ اس سے خوش ہوکر عہدہ یا عزت دیں، تو اس کی دوستی اور تعلق سراسر غلط ہے اور جو لوگ مسلمان ہوکر خالص اسلامی اور مذہبی معاملات ومسائل میں غیروں کی طرف داری کرتے ہیں وہ احساسِ کم تری کی مہلک بیماری میں مبتلا ہیں، کیا ان مریضانِ قلب وذہن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے، ہمارے زمانے میں اس طرح کے بہت سے مسلم لیڈر ہیں، جو اسلامی اور مذہبی معاملات میں غیر اسلامی ذہن وفکر کا ساتھ لے کر اپنی عزت پیدا کرنے کی فکر کرتے ہیں، یا کوئی عہدہ کے چکر میں پڑتے ہیں، ایسے لوگ اپنے آقاؤں کی نظر میں بھی ذلیل وخوار ہوتے ہیں اور عام مسلمانوں میں ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، اگر تم کو ایسے لوگوں کی مثال بیان کرنی ہو تو اپنے ہی شہر کے کئی لوگوں کو دیکھ لو، یہ بیچارے اپنی عزت وتوقیر کے چکر میں کس طرح اپنوں کے مقابلہ میں غیروں کا دم بھرتے ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ط اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ط ﴿۱۳۹﴾

جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے یہاں عزت

چاہتے ہیں؟ تو ساری عزت تو اللہ کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۹)

اسلام بنی آدم کی باہمی دوستی کا دشمن نہیں ہے اور نہ انسانوں کی تفریق اس کا کام ہے، بل کہ وہ تو انسانوں کو ایک کرنے اور ان میں باہمی محبت پھیلانے کے لیے آیا ہے اور اس کے لیے اس نے بنیادی تعلیم دی ہے۔

البتہ توحید و رسالت اور دوسرے بنیادی عقائد و اعمال پر حرف نہیں آنے دیا جائے گا اور کفار و مشرکین کی دوستی کر کے اسلام کو نیچا نہیں دکھایا جا سکتا، مسلمانوں سے ہٹ کر، ان کے معاملات و مسائل سے منہ موڑ کر اور اپنے کو بہت عقل مند بن کر کافروں سے دوستی کا مطلب ان کے یہاں سے جاہ و جلال اور عزت کا حصول ہے، جو لوگ اس بنیاد پر غیروں سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں غیروں کو زیادہ جاہ و منصب حاصل ہے، وہ احساسِ کم تری میں مبتلا ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو معزز و محترم سمجھتے ہیں، ایسے لوگ اسلام کی نظر میں بدترین مجرم ہیں اور ان کو اسی دنیا میں اس کی سزا مل کر رہے گی، ہاں جہاں تک انسانی برادری سے ربط و ضبط اور مشترک مسائل میں تعاون کا تعلق ہے، وہ ہر حال میں قائم کیا جائے گا، ورنہ یہ بھی بڑی کوتاہی ہوگی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِلَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَہُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ

جو لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے یہاں عزت چاہتے ہیں؟ تو عزت سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۳۹)

عہدِ رسالت میں منافقوں کا گروہ خوب خوب پینترے بدلتا تھا، بظاہر مسلمانوں کا دم بھرتا تھا، مگر بباطن کفار و مشرکین سے تعلق رکھتا تھا، بات یہ تھی کہ ابتدا میں مسلمانوں کا حال بہت خستہ تھا، دنیاوی جاہ و جلال کی کوئی بات نہ تھی اور نہ اثر و اقتدار کا کوئی موقع تھا، اور اس کے مقابلہ میں

کفار ومشرکین ظاہری دولت وحشمت رکھتے تھے، ان کا اثر ورسوخ تھا، اس لیے جو لوگ مذبذب قسم کے تھے اور اسلام میں کوئی دنیاوی مقصد لے کر آئے تھے، وہ ایک طرف مسلمانوں سے تعلق رکھ کر ان میں اثر ورسوخ پیدا کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف کفار ومشرکین سے علاقہ رکھ کر ان کو اپنے لیے آہنی دیوار سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسی پالیسی میں اپنی خیر ہے اور اس میں عزت حاصل ہوگی، مسلمانوں سے بھی بنا ؤ رہے گا اور کافروں کے یہاں بھی جان اور مان رہے گی۔

ایسے لوگوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم لوگ غلط پالیسی پر چل رہے ہو، اس طرح کی بزدلی اور کمینہ پن سے عزت نہیں ملتی، عزت حاصل کرنے کے لیے کردار کا ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے اور اس عقیدہ پر ایمان لاکر عمل کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دست وقدرت میں سب کچھ ہے، وہی عزت اور ذلت دیتا ہے اور جو لوگ اس کے دین کا اور اس کا کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہی عزت دیتا ہے۔

آج کل بھی کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں، جو اپنی عزت اور غرض کے پھیر میں پڑ کر در در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں، مگر یہ نہیں کرتے کہ ایک اللہ کے ہو کر ہر طرح کی عزت حاصل کرلیں اور سب سے بے نیاز ہو کر خودداری کی زندگی بسر کریں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷ر فروری ۱۹۷۹ء)

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ط

اور اللہ نے کتاب میں تم پر نازل کیا ہے کہ جب اللہ کی آیتوں کے بارے میں تم سنو کہ ان کے ساتھ کفر اور مذاق ٹھٹھا کیا جاتا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسری بات میں غور کرنے لگیں، اس وقت تم لوگ بھی ان ہی کے مانند ہو جاؤ گے۔

(پ ۵ ع ۱۷، سورۃ النساء: ۴۰)

مسلمانوں کو اس بات سے بڑی شدت سے روکا جارہا ہے کہ جہاں کفار و منافقین اکٹھا ہو کر قرآن کا، اللہ کی آیتوں کا اور اس کے احکام و مطالب کا مذاق اڑائیں، کافرانہ ذہن و مزاج کی باتیں کریں اور تمسخر کے انداز میں اس پر تبصرہ کریں، تم ان کے ساتھ مل جل کر نہ بیٹھو اور ان کو ایسا محسوس نہ ہونے دو کہ تم بھی اس سے دل چسپی لے رہے ہو، یا تم اس سے ناراض نہیں ہو، بل کہ تم اٹھ کر دوسری جگہ چلے جاؤ اور اس صورتِ حال سے نفرت و بے زاری کا اظہار کرو، اگر کفار و منافقین کو روک نہیں سکتے ہو تو کم از کم یہی کرو کہ ان کی مجلس کی زینت بن کر ان کو طاقت نہ پہونچاؤ، ورنہ تمہارا بھی حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا اور تم بھی ان کی پارٹی میں شمار کیے جاؤ گے۔

اِس زمانہ میں بہت سے نادان قسم کے مسلمان ایسے مجمعوں میں بے دھڑک آتے جاتے ہیں، جہاں کچھ لوگ نہایت بے باکی سے دینی، اسلامی باتوں پر آزادانہ اظہارِ خیال کرتے ہیں، بل کہ مذاق اور تفریح کے انداز میں بات کرتے ہیں، ایسے احمقوں کے مجمع میں بہت سے لوگ احساسِ کم تری کی وجہ سے شریک ہوتے ہیں، بل کہ خود بھی روشن خیال بن کر کوئی نہ کوئی لغو بات کر لیتے ہیں، خاص طور سے جب مولوی مّلا کسی لیڈر یا افسر کے جلسے میں ہوتے ہیں تو اسی طرح کا اندوہ ناک معاملہ ظاہر ہوتا ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ

جب تم لوگ اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسری بات میں لگ جائیں، اس وقت تم لوگ بھی ان ہی کے مثل ہو جاؤ گے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۴۰)

بڑوں کی مجلس میں بیٹھ کر ان کی بُری بُری باتوں میں حصہ لینا، یا خاموشی سے ان کو سننا اور بیٹھے رہنا بدکاروں کا ساتھی ہوتا ہے اور جو لوگ فاسقوں، فاجروں اور بدکاروں کی محفل میں بیٹھ

کر ان کی باتیں سنتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں، وہ بھی فاسق وفاجر اور بدکار ہیں، ایسے لوگ بہ ظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں تب بھی ان کا شمار ان کی بدکاروں میں ہوگا، کیوں کہ انہوں نے بُرائی کی محفل میں شریک ہوکر بُری باتوں کو سنا اور کوئی نکیر نہیں کی اور نہ ہی کسی قسم کا اظہارِ ناراضگی کیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ جب تم لوگ کفار ومشرکین اور منافقین کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اپنی بحث کے دائرہ میں لے کر اُن کا مذاق اڑاتے ہیں یا ان پر منکرانہ رائے ظاہر کرتے ہیں، تو تم کم از کم وہاں سے اٹھ جاؤ اور مدافعت کی قوت نہیں ہے تو تم اپنی برأت کی سبیل نکال لو اور جب وہ موضوع بدل دیں اور ضرورت بھی ہو تو ان کے پاس آجاؤ، اگر تم نے ایسا نہیں کیا اور ان کی مجلس میں رہ کر دین وایمان، خدا اور رسول اور اسلام کے خلاف ہر طرح کی باتیں سنتے رہے تو تم بھی ان ہی کی طرح مجرم قرار پاؤ گے۔

آج کل رواداری اور روشن خیالی کے نام پر اچھے اچھے دین دار قسم کے لوگ فاسقوں اور بدکاروں کی مجلس میں ہر طرح کی بات خاموشی سے سنتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ

اور کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا جاچکا ہے کہ تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسری بات میں لگ جائیں، ورنہ اس وقت تم بھی ان ہی کے مانند ہو جاؤ گے۔

(پ ۵ ع ۱۷، سورۃ النساء: ۱۴۰)

اپنے اعتقادات واعمال پر سختی سے پابند رہنا بہت بڑے کردار کی بات ہے، ان کے بارے میں ہمیشہ سربلند رہنا ضروری ہے، اس میں ترقی دکھانے یا شرمانے کی یا رواداری

کے غلط مفہوم میں پھنس کر اپنے عقائد واعمال کی توہین کرنے کرانے کی حرکت بڑی گراوٹ اور کمینہ پن کی بات ہے، جب تم دیکھو کہ کسی مجلس میں تمہارے عقائد واعمال کے خلاف لوگ بحث کرتے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور تمہاری موجودگی کا خیال نہیں کرتے تو اگر تم میں غیرت وحمیت ہے تو ان کو اس سے روکو، ورنہ اٹھ کر چلے آؤ، اور بے غیرت بن کر ان کی باتوں کو برداشت کر کے اس کا نام رواداری نہ رکھو، اپنی کمزوری اور بے غیرتی کا کام رواداری نہیں ہے، بل کہ کافرانہ ذہنیت کی بات ہے اور کفر والحاد سے مرعوبیت کی دلیل ہے، اگر تم ایسی غیر معیاری اور غیر مہذب مجلس میں شریک رہو گے تو روادار نہیں کہلاؤ گے، بل کہ مجلس والے تم کو ذلیل سمجھیں گے اور تم اپنے دین وایمان کی عدالت میں بدتر مجرم ٹھہرو گے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

تمہارے اوپر کتاب (قرآن) میں حکم نازل کر دیا گیا ہے کہ جب تم سنو گے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور اس سے استہزا کیا جاتا ہے، تو ایسا کرنے والوں کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں بحث وتکرار کرنے لگیں (اگر تم ان کے ساتھ بیٹھو گے تو) اس وقت تم بھی ان ہی جیسے شمار ہو گے، بے شک اللہ سب منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرے گا۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۴۰)

مسلمان کے پاس سب سے بڑی دولت قرآن کی ہے، وہ کسی حال میں گوارا نہیں کر سکتا کہ خدا کی آیتوں کا مذاق اڑایا جائے، اس کی تکذیب کی جائے اور ان کے مقابلہ میں کفریہ کلمات کہے جائیں، مسلمانوں کو ہر حال میں ایسی گم راہ طاقت سے مقابلہ کرنا چاہیے، چاہے وہ طاقت افراد کی ہو، چاہے جماعت اور قوم کی ہو، اس کا نام کافر ہو، یا منافق اور یا

قومیت کا اتحاد، ایسے افراد اور ادارے کے ساتھ نشست و برخواست حرام ہے، جو مسلمانوں کے اصول اور بنیاد پر ہاتھ صاف کرتا ہو، قوت کا جواب قوت سے دیا جائے، اگر قوت نہ ہو تو ایسے دریدہ دہنوں اور شوریدہ سروں سے ہر قسم کا اتحاد ختم کر لیا جائے اور ان کا بائیکاٹ کر دیا جائے، یہاں تک کہ وہ اپنی حرام کاری سے توبہ کر لیں اور اس سے باز آجائیں۔

قرآن حکیم کے اس حکم میں غور کرو اور بتاؤ کہ کیا وہ لوگ اور وہ کتابیں اس میں نہیں آتیں، جو اسلام، رسول اور قرآن کے خلاف زہر میں بجھے ہوئے تیر ونشتر اپنے اندر رکھتی ہیں اور پھر آج کے سرکاری مدارس میں انہیں داخل کر کے اسلام کی دشمنی کا بیج بویا جاتا ہے اور شریعت اور صاحبِ شریعت کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے، اگر یہ بھی قرآن حکیم کے اس حکم میں داخل ہیں تو ان کا بائیکاٹ کرو۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَاۙ ﴿۱۴۰﴾

اور اللہ نے تم پر کتاب اتارا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کے متعلق سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے، تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں بحث کرنے لگیں، تم لوگ اس وقت ان ہی جیسے ہو گے، اللہ منافقوں اور کافروں کو سب کو جمع کرنے والا ہے آگ میں۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۴۰)

دین وایمان کوئی دل لگی اور مذاق کی چیز نہیں ہے اور اس بارے میں رواداری کے نام پر منکروں اور بددینوں کا دین سے تمسخر سنتے رہنا اور اپنی وسعتِ قلبی کا ثبوت دینے کے لیے اپنے عقائد و مسلمات کی ہنسی اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنا اور خود اپنے منہ سے ان کے خلاف ایک لفظ نہ نکالنا کفر ونفاق کا ساتھ دینا ہے، یہ رواداری نہیں ہے، بل کہ اپنے دین

وایمان کے ساتھ مذاق کرنا کرانا ہے، جہاں ایسی بات ہو، اس کے قریب نہیں جانا چاہیے، یا پھر جا کر جواب دینا چاہیے، کفار ومشرکین اور منافقین قرآن کی آیتوں کو اپنی محفلوں میں موضوعِ بحث بنا کر ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ان میں طرح طرح کے عیوب نکالتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی محفلوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اگر تم خاموش رہ کر اللہ کی آیتوں کے خلاف باتوں کو سنتے رہے تو تم بھی ان ہی میں شمار ہو جاؤ گے اور تمہارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ (روزنامہ انقلاب ۱۵؍جنوری ۱۹۸۲ء)

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ اِۨلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں یکجا کرنے والا ہے، جو تمہارے انتظار میں لگے رہتے ہیں، پس اگر اللہ کی طرف سے تمہاری فتح ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہے؟ اور اگر کافروں کی باری ہوتی ہے کہ کیا ہم تمہارے لیے تدبیر نہیں کرتے تھے اور تم کو مسلمانوں سے نہیں روکتے تھے۔ (پ ۵ ع ۱۷ سورۃ النساء: ۱۴۰، ۱۴۱)

منافقوں کا گروہ بہت ہی خطرناک اور بہت ہی سازشی ہوتا ہے، یہ لوگ اپنے ذاتی مفاد اور دنیاوی فائدے کو دیکھتے ہیں، یہی ان کا ایمان ہوتا ہے اور اسی میں وہ رات دن لگے رہتے ہیں، عہدِ رسالت میں ایسے خود غرضوں، مطلب پرستوں اور دنیاداروں کی حمایت مسلمانوں اور کافروں دونوں سے میل جول رکھتی تھی تاکہ دونوں سے فائدہ اٹھائے، مسلمانوں کو فتح ہوتی تو ان سے یہ جماعت کہتی کہ ہم تو آپ ہی لوگوں کے آدمی ہیں، ہمیں بھی فتح کی برکتوں سے حصہ ملنا چاہیے اور اگر کبھی کفار کی فتح ہوتی تو پھر ان سے کہتی کہ ہم آپ لوگوں کو مسلمانوں کی چال سے واقف کرتے رہتے ہیں اور ان کے بھید سے آگاہ کرتے ہیں،

ہمارا خیال ضرور رکھنا چاہیے، ایسے منافق جہنم میں کافروں کے ساتھ ہوں گے اور جو لوگ ان کی راہ پر چلیں گے، ان کو بھی ان ہی کے ساتھ جہنم میں جانا پڑے گا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾

بے شک منافقین (اپنی دانست میں) خدا کے ساتھ چال چلتے ہیں، حالاں کہ خدا ان کے ساتھ چال چل رہا ہے، اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سُست بن کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں اور خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (پ ۵ ع ۱۸ سورۃ النساء: ۱۴۲)

اس آیتِ شریفہ میں منافقوں کی حسبِ ذیل عادتیں بیان کی گئی ہیں (۱) وہ خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں (۲) نہایت جبر واکراہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں (۳) ان کے کام میں ریاکاری ہوتی ہے (۴) خدا کی یاد بہت کم کرتے ہیں۔

ان باتوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کے بارے میں غلط کام کرتے ہیں، مسلمانوں کی عبادات میں رخنہ ڈالتے ہیں، اسلامی معاشرے میں مکروریا کی وبا پھیلاتے ہیں اور اسلامی روح یعنی خدا کی یاد سے دور ہوتے ہیں، حالاں کہ یہ چیزیں اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہیں۔

پس آپ سوچیے کہ آج کے مسلمان ان باتوں کو کہاں تک نباہتے ہیں اور ان چیزوں کی روح کو برقرار رکھنے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں، بہت ہی دور نگاہی کے ساتھ سوچیے کہ کہیں ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی اس راہ پر تو نہیں جارہی ہے، جس پر منافقین چل رہے تھے۔

ہم فتویٰ نہیں دیتے بل کہ آپ سے استفتا کرتے ہیں کہ نہایت ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کریں، آپ بتائیے کہ آج ہم اگر کوئی عقیدہ خدا کے متعلق رکھتے ہیں تو اس کے مطابق عمل بھی ہوتا ہے یا صرف خدا کو دھوکہ دینے کا معاملہ ہو رہا ہے، نماز بھی پڑھتے ہیں تو انشراح ونشاط اور تسلیم ورضا کے ساتھ یا دباؤ اور کاہلی سے، ہمارے کاموں میں اخلاص کس قدر ہوتا ہے اور مکاری کتنی

ہوتی ہے، زندگی کے موڑ پر خدا کا تصور ساتھ ہوتا ہے یا نہیں؟ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۸ ستمبر ۱۹۵۲)

وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَ لَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾

اور جب منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی اور سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (پ ۵ ع ۱۸، سورۃ النساء: ۱۴۲)

منافق اپنے کو بہت چالاک سمجھتے تھے، بظاہر مسلمانوں کے ہم نوا بن کر ان کے ساتھ رہتے تھے اور دکھانے کے لیے نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے، مگر بباطن وہ کفار و مشرکین کے گروپ کے آدمی تھے اور دل سے ان ہی کا دم بھرتے تھے، ان ہی کی پاس کرتے تھے، مسلانوں کا ساتھ تو بظاہر اس لیے دیا کرتے تھے کہ اس میں ان کو دونوں طرف سے فائدہ رہے گا، مسلمانوں سے بھی بنی رہے گی اور کبھی موقع ملا تو مالِ غنیمت سے کچھ رقم ہاتھ لگ جایا کرے گی اور ان کے خاندان اور وطن کے ان لوگوں سے پرانا تعلق باقی رہے گا، جو مسلمانوں کے مخالف ہیں۔

چوں کہ منافقوں کے دل میں اسلامی عقیدہ جاگزیں نہیں ہوا تھا اور وہ اسلامی اعمال کی روح سے غافل تھے، اس لیے ان کو نماز، روزہ میں مزہ نہیں آتا تھا اور وہ ان باتوں سے بہت دور بھاگتے تھے اور اگر کبھی پھنس کر نماز پڑھنی پڑ جاتی تو ان کے چہرے بشرے اور چال ڈھال سے مردنی، سستی اور تہی غفلت ظاہر ہوا کرتی تھی، اور کاہلی و سستی ان کا قدم اور گلا پکڑتی تھی، نماز کیا ہوتی تھی کہ ان کے لیے پھانسی ہوتی تھی، حالاں کہ نماز تو ایسی چیز ہے کہ ہر مسلمان پر اس کی ادائیگی لازم ہے اور اس پر کسی کو کسی قسم کی سستی اور کاہلی نہیں ہونی چاہیے، یہ تو اسلام کا سب سے پہلا اور سب سے معمولی مطالبہ ہے، اس میں نہ محنت لگے، نہ دولت اور اس کی اہمیت یہ کہ کفر و اسلام کے درمیان یہی حدِ فاصل ہے۔

پس جو مسلمان ہوگا، بھلا اسے نماز سے کسی قسم کا انقباض ہوسکتا ہے، یہ منافق چوں کہ مطلب کے مسلمان بنے تھے، اس لیے ان کو نماز، روزہ سے تکلیف ہوتی تھی اور وہ

ان کو وبالِ جان سمجھتے تھے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۱۴۲﴾

اور منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور بے دلی سے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (پ ۵ ع ۱۸، سورۃ النساء: ۱۴۲)

جن کے دلوں میں ایمان رچ نہیں جاتا اور ان میں یقین و اعتقاد کی پختگی نہیں آتی، وہ عمل میں کبھی راسخ نہیں ہوتے، بل کہ ان کا ہر کام سطحی ہوتا ہے اور دیکھنے والے کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی یہ کام دل کی گہرائی اور ایمان کے عقیدہ کی پختگی سے نہیں کر رہا ہے اور نہ اسے اجر و ثواب کی وہ لگن ہے، جسے ایمان پیدا کرتا ہے۔

یہاں پر منافقوں کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں کہ ان کا حال بھی یہی ہے کہ اول تو وہ نماز جیسی روزمرہ کی عبادت پر جمتے نہیں کہ کم از کم اسلام کے سب سے بھلے اور سب سے ہلکے فریضہ ہی کو ادا کر سکیں، پھر اگر لوگوں میں پڑ کر نماز کے لیے جاتے بھی ہیں تو ان کو بڑی گرانی معلوم ہوتی ہے، ان کے ہاتھ پیر سُن ہونے لگتے ہیں، دم چڑھنے لگتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب تب کے مہمان ہیں، اگر دو چار مرتبہ اور نماز پڑھنی پڑی تو ان کا خاتمہ ہی ہو جائے گا، پھر وہ اس بے دلی، گراں باری اور بے کیفی سے کبھی نماز پڑھنے کے لیے تیار ہوتے ہیں تو ان کی خاص ادا یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو دکھائیں کہ وہ بھی نمازی ہیں اور ان کو اللہ و رسول کی باتوں کا پاس ہے اور وہ عمل میں کسی سے کم نہیں ہیں، ایسے لوگ اپنے پھیر میں رہ کر اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں اور ان میں خدا پرستی و خدا ترسی کی روح پیدا نہیں ہوتی۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۷/۱۰ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۱۴۲﴾

بے شک منافقین اللہ کے ساتھ چال چلتے ہیں اور اللہ بھی ان کی کاٹ کرتا ہے، اور

جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سُستی اور کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔ (پ ۵ ع ۱۸ سورۃ النساء: ۱۴۲)

منافقوں کا حال بھی عجیب ہوتا تھا، اپنی خود غرضیوں کی وجہ سے ان کو بہت سی چالیں چلنی پڑتی تھیں اور اپنے کو کام یاب کرنے کے لیے بڑے بڑے جتن کرنے پڑتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ہلدی لگے، نہ پھٹکری اور رنگ آجائے چوکھا، اس لیے ہر کام سے جی چراتے تھے اور ہر معاملے میں آگے آگے بھی رہنا چاہتے تھے، مگر ان کو اپنے مقصد میں بُری طرح ناکامی ہوتی تھی اور ہر طرف سے زک اٹھاتے تھے، کیوں کہ انہوں نے مکروفریب کا معاملہ صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ نہیں کیا، بل کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی چال چلنی شروع کردی اور اسے بھی بندوں کی صف میں لاکر اپنا حریف بنایا، یہ ان کی شدید ترین نادانی اور غلطی تھی کہ اللہ ورسول کے معاملات میں تقصیر ہوجانے پر اظہارِ ندامت کے بجائے جرأت مندی دکھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم لوگ بہت کام یاب ہیں، اس کا وبال ان پر یوں آیا کہ وہ بُری طرح ذلیل وخوار ہوئے اور ان کو بری طرح رسوائی نصیب ہوئی، اور تو اور نماز جو اسلام کا سب سے پہلا اور عام مطالبہ ہے، وہ بھی ان پر گراں گزرتی تھی اور بڑی کسل مندی کے ساتھ کبھی کبھی نماز پڑھ لیا کرتے تھے، وہ بھی اس طرح کہ دوسرے لوگ ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں اور سمجھیں کہ یہ بے چارے بڑے نمازی اور دین دار لوگ ہیں، حالاں کہ یہ ان کی مکاری اور عیاری کا جال تھا، جس میں سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے کی کوشش کرتے تھے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

مُّذَبۡذَبِيۡنَ بَيۡنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۱۴۳﴾

منافقین اس کے بیچ مذبذب میں ہیں، نہ اُن لوگوں کی طرف ہیں نہ اِن لوگوں کی طرف ہیں اور جسے اللہ گم راہ کردے تو تم اس کے لیے راستہ نہیں پاؤ گے۔ (پ ۵ ع ۱۸ سورۃ النساء: ۱۴۳)

یقین واعتقاد کی پختگی، عزیمت وجواں ہمتی کی طاقت اور دل ودماغ کا بھی سکون ان ہی افراد اوران ہی قوموں کا حصہ ہے، جن کے دل صاف ہوں، جن کے دماغ بے غبار ہوں اور جن کی نیتیں صاف ستھری ہوں، نہ دلوں میں شکوک وشبہات کی ظلمتیں ہوں، نہ دماغوں میں فریب وتردد کے نشیب وفراز ہوں اور نہ نیتوں میں لیت ولعل کی قلابازیاں ہوں، اور منافقوں کی زندگی چوں کہ سراسر شک وشبہ، اوہام وخیالات اور تزلزل کا مجموعہ ہوتی ہے، اس لیے اس میں کسی بات پر جم جانے کی صلاحیت ہی نہیں پیدا ہوسکتی اور سکون واطمینان کا وہ حصہ اسے نصیب نہیں ہوسکتا، جس سے دنیا وآخرت کی ٹھوس زندگی تعمیر ہوتی ہے اور جو دنیا میں صرف مردِ مومن کا حصہ ہے، جب تک انسان میں اسلام وایمان کی روح پوری شدت کے ساتھ بیدار نہ ہوگی اور جب تک انسان میں شر وفساد کی تمام قوتیں ختم نہ ہوجائیں گی، اس وقت تک اسلام وایمان کا وہ مقام حاصل ہی نہیں ہوسکتا، جو تذبذب وتردد سے پاک ہو، ایسی حالت میں صحیح راہ کی تلاش عبث ہے، جن مسافروں کے قدم آگے بڑھنے کی سکت نہ رکھتے ہوں، ان کے لیے منزل کی تلاش بے کار ہے۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۱ر ستمبر ۱۹۵۲ء)

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

اے ایمان والو! تم لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست مت بناؤ۔

(پ ۵ ع ۱۸، سورۃ النساء: ۱۴۴)

تمام انسان انسانیت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں اور اس اعتبار سے انسانوں میں کچھ باہمی حقوق ہیں، جن کی ادائیگی کے لیے ہر انسان ذمہ دار ہے اور اس پر فرض ہے کہ انسانی حقوق جو ایک دوسرے پر واجب ہیں، ان کو ادا کریں، اس کے بعد کچھ قبائلی اور خاندانی حقوق ہوتے ہیں، جن کا ادا کرنا خاندان کے افراد کے لیے ضروری ہے، اسی طرح کچھ ملکی اور قومی حقوق ہیں، جن کی حفاظت ملک وقوم کے افراد کرتے ہیں، اور بعینہٖ اسی طرح کچھ مذہبی اور دینی حقوق

وواجبات اور معاملات ہیں، جو ایک دین والوں میں چلتے ہیں اور جو شخص اس دین سے ایک فرد کی حیثیت سے تعلق رکھتا ہے، وہ ان حقوق کے بارے میں مکلف وجواب دہ ہوتا ہے اور ان کا لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جو اس دین سے باہر اور اس کے مخالف ہوتے ہیں، اس دینی اعتبار سے مسلمانوں کے کچھ باہمی حقوق وتعلقات ہیں، جو مسلمانوں کے ہی اندر دائر وسائر ہوتے ہیں، اور کفار ومشرکین سے ان کا تعلق نہیں ہوتا، ان ہی میں دینی دوستی اور مذہبی تعلق ہے، جو صرف مسلمانوں میں ایک دوسرے سے ہوتا ہے اور کسی غیر کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، ان خالص دینی امور میں سوائے مسلمان کے اور کسی کی دوستی جائز نہیں ہے، پس ایک مسلمان انسانی حقوق، ملکی اور قومی حقوق اور نسل وخاندانی حقوق کے ساتھ ساتھ دینی اور اسلامی حقوق کے بارے میں ایک ذمہ دار فرد ہے، اور دنیا بھر سے مناسب تعلق رکھتے ہوئے دینی تعلق میں صرف مسلمانوں سے رشتہ رکھتا ہے اور کسی غیر سے اس معاملہ میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہ بات کسی طرح قابلِ عیب نہیں ہے، بل کہ دنیا میں اس طرح کے ہزاروں خصوصی تعلقات ہوتے ہیں، جن کا تعلق دنیا بھر سے نہیں ہوتا۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی ۲۲ / مارچ ۱۹۷۶)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

بے شک منافقین جہنم کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے اور تم ان کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے، مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کیا اور اصلاح کی، اور اللہ کے ساتھ اعتصام کیا اور خدا کے لیے اپنے دین کو خالص بنایا، پس یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے، اور عن قریب اللہ مومنوں کو اجرِ عظیم دے گا۔ (پ ۵ ع ۱۸ سورۃ النساء: ۱۴۵، ۱۴۶)

بظاہر مسلمان اور بباطن کافر رہنے والوں کا نام اسلام کی اصطلاح میں منافق ہے،

ایسے لوگ ہر حیثیت سے گرے ہوتے ہیں، ان کی بزدلی کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ کھل کر کافر ہی رہتے ہیں، کیوں کہ مسلمانوں سے ڈرتے ہیں اور نہ ان سے میل جول رکھنے میں اپنا فائدہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی کھل کر مسلمان ہوجاتے ہیں، کیوں کہ وہ کافروں کی شان وشوکت اور ان کی قوت وطاقت سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

ان کی بے عملی، بل کہ بدعملی کا حال یہ ہوتا ہے کہ کبھی ان کے ظاہر اور باطن میں یکسانیت نہیں آسکتی اور ان کے قول وقرار اور وعدہ ومعاہدہ میں کوئی جان نہیں ہوتی، ان کی وقتی مصلحت بینی اور ہنگامی فائدہ مندی کبھی ایک حال اور ایک نظریہ پر قائم نہیں رہنے دیتی، بل کہ دن بھر میں سو قسم کی باتیں کرتے ہیں اور سینکڑوں رنگ بدلتے ہیں، پس ایسے بے سر پیر کے لوگوں میں نہ یقین وعقیدہ کی کوئی پونجی ہوتی ہے، نہ عمل وکردار میں ان کا کوئی مقام ہوتا ہے، ایسے لوگ کبھی بھی کام یاب وباعزت زندگی نہیں پاسکتے، بخلاف اس کے جو لوگ پس وپیش اور گومگو کی زندگی سے نکل کر اسلام پسندی کی راہ پر آجاتے ہیں اور ہر قسم کے منافع ونقصان اور وقتی مصالح ومفاسد سے بے پروا ہو کر اسلام کے عقیدہ وعمل پر جم جاتے ہیں، وہ اسلام کی بخشی ہوئی سخت جانی سے اپنی زندگی کو کام یاب بنالیتے ہیں۔

قرآن حکیم یہاں پر ایسے ہی سخت جان اور سخت عقیدہ لوگوں کا بیان فرمارہا ہے کہ وہ توبہ کرکے اصل اسلام پر آتے ہیں، پھر اپنی ہر قسم کی اصلاح کرتے ہیں اور مصالحانہ چیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور ہر معاملہ میں ان کی نظر خدا پر ہوتی ہے، ہر بات میں اسی کا پاس کرتے ہیں اور اپنے دین وایمان کو صرف خدا کے لیے خالص کرتے ہیں، اس میں نمود وریا کی ملاوٹ اور کھوٹ نہیں بھرتے، ایسے لوگ واقعی مومن ہیں اور ان کا شمار مومنین میں ہوگا اور ان کے وہی مراتب ودرجات ہوں گے، جو سچے مومنوں کے لیے ہیں۔ (روزنامہ انقلاب بمبئی)

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ اعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰہِ وَ اَخۡلَصُوۡا دِیۡنَہُمۡ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

مگر جن لوگوں نے توبہ کر کے اصلاح کر لی، اور اللہ کے دامن کو تھام لیا، اور اپنے دین کو خدا کے لیے خالص کر لیا، پس وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، اور اللہ عن قریب مومنوں کو اجرِ عظیم دے گا۔ (پ ۵ ع ۱۸ سورۃ النساء: ۱۴۶)

اسلام تسلیم کرتا ہے کہ انسان اپنی طبعی کمزوریوں اور فطری ناطاقتیوں کی وجہ سے غلط کار ہو سکتا ہے اور کسی وقت اپنے مفاد کے خلاف قدم اٹھا سکتا ہے، مگر ساتھ ہی اسلام یہ نہیں تسلیم کرتا کہ ایک آدمی اپنی کمزوری اور ناطاقتی کے نام پر ہمیشہ حرام زندگی گزارتا ہے اور اسے کچھ نہ کہا جائے، بل کہ اسلام لمحہ لمحہ ایسے غلط کار انسان کو سمجھاتا بجھاتا ہے کہ تم اپنی غیر ذمہ دار زندگی کو قبول کرو، اس افہام و تفہیم کے نتیجہ میں اگر غلط کار آدمی راہِ راست پر آجاتا ہے تو پھر اسے اسلام گلے لگاتا ہے اور اس کے جہادِ نفس میں کام یابی پر خوب خوب نوازتا ہے اور وہی مقام دیتا ہے، جو اچھے سے اچھے مومنوں کے لیے ہوتا ہے، بل کہ مزید برآں یہ کرتا ہے کہ اس کی تمام گزشتہ لغزشوں کو محو کر کے بے گناہ بنا دیتا ہے، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ توبہ خالص ہو اور اس میں کسی قسم کی کپٹ نہ ہو، یعنی اس طرح توبہ کرے کہ اس کے دل و دماغ اور فکر و ذہن میں گزشتہ دنوں کی مجرمانہ زندگی کے لیے کوئی خواہش باقی نہ ہو، بل کہ وہ توبہ کر کے اپنے خیالات و اعمال کی اصلاح کر لے، دین و دیانت کو اخلاص و للّٰہیت کے لیے قبول کر کے مکر و ریا کے تمام جھنجھٹوں سے دور ہو جائے اور آئندہ سے کوئی قدم گزشتہ زندگی کے غلط نشان پر نہ رکھے۔

اگر کوئی انسان ایسا کرتا ہے تو وہ ان مومنوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے، جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم ہے، خدا کے اجرِ عظیم کو تم انعام و اکرام کے جس بلند سے بلند مرتبہ سے چاہو، تعبیر کر سکتے ہو۔ (روز نامہ انقلاب بمبئی ۱۹/ اپریل ۱۹۵۴ء)

مورّخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی مطبوعہ تصانیف کی فہرست

عربی تصانیف

(۱) رجال السند والهند الی القرن السابع: (۲) العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین: (۳) الهند فی عهد العباسیین: (۴) جواهر الاصول فی علم حدیث الرسول: (۵) تاریخ اسماء الثقات: (۶) العرب والهند فی عهد الرساله: (۷) حکومات العرب فی السند والهند: (۸) دیوانِ احمد

اُردو تالیفات

(۹) اسلامی شادی (۱۰) اسلامی نظام زندگی (۱۱) اسلامی ہند کی عظمت رفتہ (۱۲) افاداتِ حسن بصری (۱۳) ائمہ اربعہ (۱۴) آثار و اخبار (۱۵) آسودگانِ خاک (۱۶) بناتِ اسلام کی علمی و دینی خدمات (۱۷) تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں (۱۸) تدوین سیر و مغازی (۱۹) تذکرہ علمائے مبارک پور (۲۰) جواہر القرآن (۲۱) حج کے بعد (۲۲) خلافت راشدہ اور ہندوستان (۲۳) خلافت بنو امیہ اور ہندوستان (۲۴) خلافت عباسیہ اور ہندوستان (۲۵) خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات (۲۶) خیر القرون کی درسگاہیں اور اُن کا نظامِ تعلیم و تربیت (۲۷) دیارِ پورب میں علم اور علماء (۲۸) صالحات (۲۹) طبقات الحجاج (۳۰) عرب و ہند عہد رسالت میں (۳۱) علمائے اسلام کی خونیں داستانیں (۳۲) علمائے اسلام کے القاب و خطابات (۳۳) علی و حسین (۳۴) قاضی اطہر مبارک پوری کے سفرنامے (۳۵) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک (۳۶) کاروانِ حیات (۳۷) مآثر و معارف (۳۸) محمد کے زمانہ کا ہندوستان مع ہندوستان صحابہ کے زمانہ میں: (۳۹) مسلمان (۴۰) مسلمانوں کے ہر طبقے میں علم و علماء (۴۱) مطالعات و تعلیقات (۴۲) معارف القرآن (۴۳) مکتوبات امام احمد بن حنبل (۴۴) مئے طہور (۴۵) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں (۴۶) ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت۔